

کشف المصابیح

شرح اردو

کافیہ ابن حجاج

شلاح

حضرت مولانا عتیق الرحمن قاسمی بہرائچی

استاد جامعہ عربیہ ہتھورا بانڈہ، یوپی

مکہ عیشیہ علوم اسلامیہ

کشف المصابیب

شرح اردو

کافیہ ابن حجاج

شیخنا

حضرت مولانا عتیق الرحمن قاسمی بہرائچی

استاد جامعہ عربیہ ہتھورا بانڈہ، یوپی

مکہ عبیدلوم اسلامیہ

اقرا سنٹر، عرفی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 042-7224228-7355743



مکتبہ سلووم اسلامیہ

کشف المطالب

کافیہ ابن حاجب

حضرت مولانا عتیق الرحمن قاسمی بہرائچی
استاد جامعہ عربیہ ہتمورا باندہ، یوپی

مکتبہ سلووم اسلامیہ

لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

نام کتاب:

شیخ:

ناشر:

مطبع:

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

﴿ نذر عقیدت ﴾

☆ میں اپنی اس حقیر کاوش کو عالم ربانی محبوب گرامی فخر زماں حضرت الاستاذ مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جن کے فیضِ محبت نے ایک ظلوم و جہول کو علم و آگہی کا شعور بخشا۔

☆ اور مخدوم و مطاع حضرت الاستاذ مولانا قاری سید حبیب احمد صاحب مدظلہ ناظم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ خلف اکبر حضرت باندوی کی جانب کہ جن کے حضور زانوئے تلمذتہ کرتے ہوئے اسرار ابن الحاجب سے کچھ مناسبت پیدا ہوئی۔

☆ اور اپنے محسن اور کریم استاذ حضرت مولانا قاری عبدالوحید صاحب ثوری رحمۃ اللہ علیہ استاذ نورالعلوم بہرائچ کے نام کہ جن کی توجہ سے کچھ لکھنے پڑھنے کی عادت پڑی۔

العبد

عتیق الرحمن قاسمی بہرائچی

استاذ جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿مبادیات﴾

لغوی معنی: علم نحو کے لغوی معنی راستہ، جیسے بولا جاتا ہے ہذا النحو السوئی نیز ارادہ کے معنی میں ہے جیسے نحوٹ ہذا میں نے یہ ارادہ کیا اور بھی معنی ہیں۔

اصطلاحی تعریف: علم نحو وہ علم ہے جس کے ذریعہ معرب اور مبنی ہونے کی حیثیت سے تینوں کلموں کی آخری حالت معلوم ہو جائے اور بعض کلمات کو بعض کے ساتھ مرکب کر نیکی کیفیت معلوم ہو جائے۔

علم نحو کا موضوع: علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے، کیوں کہ علم نحو میں انھیں کے احوال سے بحث کی جاتی ہے، البتہ من حیث الاعراب والبناء کلمہ اور کلام موضوع ہیں۔

غرض: کلام عرب میں ذہن کو لفظی غلطی سے بچانا ہے۔

تدوین: اس فن کے مدون اول امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، کیوں کہ ابوالاسود، جو کبار تابعین میں سے ہیں، کو اس طرف آپ ہی نے توجہ دلائی اور رہنمائی فرمائی۔ چنانچہ صاحب درایۃ النحو ابوالاسود سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو ”ان لله برئ من المشرکین ورسولہ“ بکسر اللام پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے اس کو ٹوکا اور کہا کہ یہ تو کفر ہے، پھر امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا ”نحوت ان اضع میزانا للعرب ليقوموا به لسانهم“ میں نے ارادہ کیا کہ عرب کے لیے ایک ضابطہ بناؤں تاکہ وہ اس کے ذریعہ اپنی زبان درست کریں اور غلطیوں سے بچیں۔ حضرت علیؑ نے یہ سن کر فرمایا ”اقصد نحوہ“ اس کی طرف توجہ کر پس چوں کہ حضرت علیؑ نے ابتداءً اس علم کی طرف توجہ دلائی تھی، اس لیے سیدنا حضرت علیؑ ہی اس فن کے مدون اول قرار پائیں گے اور چوں کہ حضرت علیؑ نے اقصد نحوہ فرمایا تھا اس لیے اس علم کا نام بھی نحو پڑ گیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابوالاسود کو متوجہ کرنے والے حضرت عمرؓ ہیں اسی طرح بعض حضرات نے علم نحو کا مدون اول عبدالرحمن بن ہرمل الاعرج کو مانا ہے اور بعض حضرات نصر بن عاصم کے واضع اول ہونے کے قائل ہیں مگر یہ سب کچھ صحیح نہیں ہے۔

نحو کے مدون اول حضرت علیؑ ہی ہیں، ابوالاسود نے آپ کے ہی چند اصول سامنے رکھ کر قواعد نحو جمع کیے ہیں، اس کے بعد ان کے تلامذہ نے بتدریج اس علم کو ترقی دی پھر کچھ عرصہ کے بعد ابو عمرو بصری اور ان کے شاگرد خلیل بن احمد نے اس کو باضابطہ مرتب اور مہذب کیا خلیل کے شاگرد سیبویہ نے اس علم میں ایک جامع کتاب ”الکتاب“ لکھی جو بعد کے تمام نحوویوں کا ماخذ ہے۔ (تلخیص از ابتدائیہ لتسہیل السامی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مصنف کے مختصر حالات

عثمان نام، ابو عمر و کنیت، جمال الدین لقب اور والد کا نام عمر ہے، حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ آپ کے والد امیر عزالدین موسک صلاتی کے یہاں دربان تھے جس کو عربی میں حاجب کہتے ہیں، اس لیے آپ ابن الحاجب سے مشہور ہیں۔ سلسلہ نسب یوں ہے جمال الدین ابو عمر و عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس الدوینی۔ ملک مصر میں صعید اعلیٰ کے اعمال قوصیہ میں آشنا نامی ایک چھوٹی سی بستی ہے شیخ موصوف او اخریہ ۵۷۵ھ میں یہیں پیدا ہوئے۔

ابتداءً آپ نے قاہرہ میں تعلیم پائی، صغریٰ میں قرآن پاک حفظ کیا، علامہ شاطبی سے قرأت کی تحصیل اور ”التیسیر“ کا سماع کیا علامہ ابوالجود سے قرأت سب سے پڑھی اور شیخ ابو منصور ابیاری وغیرہ سے علم فقہ علامہ شاطبی اور ابن البناء سے علم ادب حاصل کیا علامہ بویصری وغیرہ سے بھی سماع حاصل ہے۔

علامہ ابن حاجب بلند پایہ فقیہ اعلیٰ مناظر، بڑے دین دار متقی اور پرہیزگار معتمد وثقہ نہایت متواضع اور تکلفات سے قطعاً نا آشنا تھے، تبحر علمی میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ مؤرخ ابن خلکان کا بیان ہے کہ ادائے شہادت کے سلسلے میں آپ بارہا میرے پاس تشریف لائے میں نے علوم عربیہ کے مختلف مسائل مشکلہ آپ سے دریافت کیے آپ نے نہایت سکون اور وقار کے ساتھ ہر ایک کا تسلی بخش اور معقول جواب دیا۔

آپ کی ذہانت و ذکاوت کی تعریف میں ابن خلکان ہی رقم طراز ہیں کان من احسن خلق اللہ ذہناً۔ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ روشن ذہن تھے۔

جامع دمشق میں ایک زمانہ درس و تدریس کے بعد آپ اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام مصر تشریف لائے اور مدرسہ فاضلیہ میں صدر مقرر ہوئے اخیر میں آپ اسکندریہ منتقل ہو گئے تھے اور یہیں مستقل قیام کا ارادہ تھا، مگر یہاں آپ کو کچھ زیادہ دن نہ ہوئے تھے کہ راہی ملک بقاء ہو گئے۔ چنانچہ ۱۶ شوال ۶۴۶ھ میں جمعرات کے روز دن چڑھے اسکندریہ میں وفات پائی اور باب البحر سے باہر شیخ صالح ابن ابی اسامہ کی تربت کے پاس مدفون ہوئے۔

یوں تو آپ کی ہر تصنیف بے بہا موتیوں کا خزانہ ہے، لیکن نحوی ولایتوں میں کافیہ کی شہرت کا جو سکہ جما ہوا ہے وہ محتاج بیان نہیں جس میں آپ نے علم نحو کے تمام قواعد نہایت عمدہ اسلوب کے ساتھ جمع کئے ہیں علم نحو کا یہ جامع اور مستند ذخیرہ سات سو سال سے مدارس میں داخل درس ہے، آپ کی تصانیف کی عمدگی اور افادیت کے بارے میں ابن خلکان کہتے ہیں و کل تصانیفہ فی نہایۃ الحسن والافادہ۔ آپ کی کل تصانیف نہایت عمدہ اور مفید ہیں۔ (احوال المصنفین)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ حرفِ چند ﴾

لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے اس ربِّ کائنات کا جس نے ایک مشت خاک کو ”کافیہ“ جیسی شہرہ آفاق اور مشہور زمانہ کتاب پر کچھ نوٹس تیار کرنے کی توفیق دی ورنہ - شعر -

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل نسیم صبح تیری مہربانی

آج سے کوئی سات سال پہلے کا واقعہ ہے، مدرسہ احیاء العلوم گوراچوکی گونڈہ میں کافیہ کا سبق اس بے ماہیہ اور کم سواد سے متعلق ہوا۔ اثناء درس اندازہ ہوا کہ طلبہ سبق میں کی گئی تقریر عموماً فراموش کر دیتے ہیں اس لیے ضروری نوٹس کے املاء کا معمول بنا لیا۔

چند سالوں کے بعد طلبہ عزیز کو لکھائے گئے نوٹس کی ترتیب کا شوق چرایا اور ذوق خودنمائی نے جیسے تیسے یہ کام مہنیاں تک کراہی لیا۔ اب طباعت کی سوجھی تو اسباب ندارد۔

اللہ جزائے خیر دے مولوی نور الدین بہراپچی صاحب (شریک دورہ حدیث دارالعلوم دیوبند) کو کہ ان کی کاوشوں سے جناب مولانا ندیم الواجدی صاحب مدظلہ مالک مکتبہ دارالکتاب دیوبند سے رابطہ ہوا اور انھوں نے اس مشکل کام کو آسان بنانے کی حامی بھری پھر انھیں کے مشورہ سے پوری کتاب کے نوٹس کی تیاری کا عزم بھی ہو گیا ورنہ سچی بات یہ ہے کہ دور دور تک اس کا کوئی خیال تھا اور نہ ہی اس کام کی اہلیت۔

زیر نظر کتاب ”کشف المطالب“ اپنی سی کوشش کا مجموعہ ہے۔ حل عبارت کی حتی المقدور سعی کی گئی ہے۔ سہولت پسندی کے اس دور میں طلبہ کی آسانی کے لیے عبارت کا ترجمہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

”کتاب“ جیسی بھی ہے آپ کے سامنے ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول عام عطا فرمائے اور طلبہ عزیز کے لیے نافع بنائے۔ معاونین اور دوستوں کو بالخصوص مولانا حفیظ اللہ صاحب بہراپچی استاذ جامعہ عربیہ کو اپنے شایان شان بدلہ عطا فرمائے کہ موصوف نے مسودہ کے صاف کرنے میں بڑا تعاون دیا۔

العبد

عتیق الرحمن قاسمی بہراپچی

استاذ جامعہ عربیہ ہتورا بانڈہ

۱۴۲۶/۲/۱۷ھ

﴿دعائے کلمات﴾

مخدوم گرامی قدر حضرت الاستاذ مولانا قاری سید حبیب احمد صاحب ناظم جامعہ عربیہ ہتورا
وجائشین عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی

”کافیہ“ نحو کی اہم ترین اور جامع کتاب ہے صدیوں سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔
فاضل مصنف نے بچے تلے الفاظ میں اصول نگاری کا نازک فریضہ انجام دے کر شہرتِ دوام حاصل
کی۔

کافیہ کے متن کی جامعیت نے خود اسے حل طلب بنا دیا چنانچہ بہت سے طالع آزماؤں نے
اسے اپنے فکر و محنت کا میدان بنایا اور شروع و حواشی کے نام سے بہت کچھ لکھا گیا بعض بڑی قابل
قدر اور لائق ستائش کاوشیں منصہ شہود پر آئیں اور تاہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی ”کشف المطالب“ نامی یہ شرح ہے جسے عزیزم مولانا عتیق الرحمن
بہراپچی نے ترتیب دیا ہے، موصوف جامعہ عربیہ ہی کے ساختہ پر داختہ ہیں، چنانچہ انھوں نے کافیہ
احقر سے ہی پڑھی اور اب جامعہ کے اچھے اور باصلاحیت اساتذہ میں سے ہیں۔

زیر نظر کتاب تسہیل و تفہیم کے اعتبار سے دوسری شروع سے امید کہ ممتاز سمجھی جائے گی اور طلبہ
کے حق میں قریب الی الفہم ثابت ہوگی۔

میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے نفع کو عام فرمائے اور عزیز مؤلف کے لیے صدقہ
جاریہ بنائے۔ آمین۔

حبیب احمد باندوی

خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

﴿تقریظ﴾

محدث جلیل فقیہیہ عصر استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبید اللہ صاحب الاسعدی مدظلہ
استاذ حدیث و صدر شعبہ افتاء جامعہ عربیہ ہتوراباندہ

”کافیہ“ فن نحو کی معروف و متداول کتاب ہے اور برصغیر میں مدارس عربیہ کے نصاب کا ایک اہم جزء، جس پر ہر عہد میں خصوصی توجہ دی جاتی رہی، درس و تدریس کے اعتبار سے بھی اور شرح و توضیح کے اعتبار سے بھی۔ برصغیر میں اس کی بہت سی شروح لکھی گئیں۔ حتیٰ کہ بعض صوفیانہ ذوق کے حاملین حضرات نے اپنی شرح میں اس کو تصوف کی ایک کتاب کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

قریبی عہد میں بزبان اردو بھی اس پر کام ہوا ہے اور اچھا کام ہوا ہے مگر ایسی کتابیں برابر اور مسلسل کام کی متقاضی رہتی ہیں۔

مسرت کی بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور جامعہ عربیہ ہتوراباندہ کے فیض یافتہ (سابقاً) اور بافیض مدرس (حالاً) مولانا عتیق الرحمن بہراپچی زادہ اللہ تعالیٰ علما و فضلاً نے اس پر قلم اٹھایا ہے اور مفید شرح تحریر فرمائی۔

احقر نے اس شرح کے بعض اجزاء کو پڑھا، اسلوب و انداز بیان مناسب و مفید ہے۔ امید ہے کہ کافیہ سے شغف رکھنے والے شوق و ذوق سے اس گراں قدر علمی تحفہ سے پورے طور پر مستفیض ہوں گے۔
حق تعالیٰ مصنف و ناشر دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

محمد عبید اللہ الاسعدی

جامعہ عربیہ ہتوراباندہ

۱۴۲۶/۲/۲۷ھ

﴿تقریظ﴾

مخدوم محترم استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید نفیس اکرم صاحب قاسمی مدظلہ العالی
شیخ الحدیث و صدر المدرسین جامعہ عربیہ ہتوراباندہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و صلاۃ کے بعد۔ علم نحو و علم صرف۔ علم بیان۔ علم معانی وغیرہ لغت عربیہ کے لیے بنیادی علوم ہیں ان علوم کے حصول کے بغیر آدمی عربی زبان پر عبور و قدرت حاصل نہیں کر سکتا۔ تکلم، کتابت، قراءت بلا ان علوم کے حصول کے بڑا دشوار ہوتا ہے۔ علامہ ابن حاجب نے علم نحو میں الکافیہ لکھ کر اہل علم کے لیے قواعد نحو کے افہام و تفہیم کو بڑی حد تک آسان بنا دیا ہے۔

الکافیہ ابن حاجب کی مشہور و مقبول کتاب ہے، اس پر بہت سے حضرات نے محنت کی ہے اور اس کی شرح عربی اور اردو میں لکھی گئی ہیں۔ اس کی ایک نہایت مقبول شرح شرح جامی (فوائد ضیائیہ) کے نام سے لکھی گئی جو مدارس عربیہ میں داخل درس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابن حاجب کی اس خدمت کو قبولیت بخشی ہے۔ عزیزم مولانا عتیق الرحمن بہرائچی مدرس عربی جامعہ ہتوراباندہ نے بڑی محنت و کاوش سے کافیہ کی اردو شرح لکھی ہے اس شرح کا نام کشف المطالب عن اسرار ابن الحاجب رکھا ہے۔ آج کل میری آنکھ کا آپریشن ہوا ہے، جس کی وجہ سے لکھنے پڑھنے سے معذوری ہو گئی ہے۔ تاہم میں نے اس کو دیکھا اور پسند کیا۔ کافیہ کے مضامین کو عمدہ طرز پر سمجھانے کے لئے اچھی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیزم موصوف کی اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے اور طلبہ و اساتذہ کے لیے مفید بنائے۔ اور مزید علمی خدمات اور علوم عربیہ دینیہ کی اشاعت کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین

والسلام

نفیس اکرم قاسمی

۱۸ صفر ۱۴۲۶ھ بروز سہ شنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الكلمة لفظ وضع لمعنى مفرد مصنف نے اپنی کتاب ”کافیہ“ بسم اللہ سے مندرجہ ذیل حدیث پر عمل کرتے ہوئے شروع کیا کل امر ذی بال لم یبدأ بسم اللہ فهو ابتر ہر اہم کام جس کو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ادھورا رہتا ہے۔

اعترض مصنف نے بزرگوں کے طریقے کی مخالفت کیوں کی اس طور پر کہ مصنف نے اپنی کتاب کافیہ کو حمد سے شروع نہیں کیا؟ جواب مصنف نے اس طرح تو اضعاً اور کسری کی وجہ سے کیا کہ چھوٹوں کو بڑوں کی ریس نہیں کرنا چاہیے۔

سوال: حمد عبادت ہے اور تو اضع عبادت کے کرنے میں ہے؟ جواب ترک حمد کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ عبادت کو من حیث العبادۃ چھوڑ دیا جائے جو بلاشبہ تو اضع کے خلاف ہے اور دوسری قسم یہ ہے کہ ترک حمد اس اعتبار سے ہو کہ چھوڑنے والا بزرگوں کا ہم پلہ نہیں ہے، لہذا اسے ان کے طرز نگارش اور طریقہ تصنیف کی نقل نہیں اتارنی چاہیے تو یہ تو اضع کے خلاف نہیں ہے۔

سوال: اس جواب سے یہ اعتراض تو ختم ہو جاتا ہے کہ مصنف نے بزرگوں کے طریقے کی مخالفت کیوں کی، لیکن ایک دوسرا سوال بدستور باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث تحمید کی مخالفت کیوں کی، حدیث میں ہے کل امر ذی بال لم یبدأ بحمد اللہ فهو اقطع واجزم یعنی جو اہم کام اللہ کی حمد سے شروع نہ ہو وہ ناقص اور نامکمل ہوتا ہے پس مصنف نے ایک حدیث پر عمل کیا اور دوسری کو چھوڑ دیا۔ جواب: ابتداء کی دو قسمیں ہیں ابتداء بالتلفظ اور ابتداء بالکتابۃ۔ پس ابتداء بالکتابۃ کی نفی سے ابتداء بالتلفظ کی نفی نہیں ہوتی، لہذا عین ممکن ہے کہ مصنف نے ابتداء بالتلفظ کی صورت میں الحمد للہ کی حدیث پر عمل کر لیا ہو۔

الكلمة لفظ وضع لمعنى مفرد

ترجمہ:- کلمہ ایسا لفظ ہے جو مفرد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

توضیح:- یہاں سے مصنف کلمہ کی تعریف بیان کر رہے ہیں اس پر ایک اعتراض ہے کہ علم نحو کا مقصود کلمہ اور کلام سے معرب اور مبنی کی حیثیت سے گفتگو کرنا ہے، لہذا کلمہ اور کلام کی تعریف کے ساتھ مشغول ہونا اصل بحث سے فرار ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیء کے احوال سے گفتگوئی کے احوال کے جاننے پر موقوف ہے اور قاعدہ ہے کہ مقصود کا موقوف علیہ مقصود ہی کے درجہ میں ہوتا ہے اور چوں کہ کلمہ اور کلام کی تعریف کلمہ اور کلام کے احوال کے جاننے کے لیے موقوف علیہ ہے، لہذا کلمہ اور کلام کی تعریف مقصود ہی ہوئی پس اس کے ساتھ مشغول ہونا مقصود سے انحراف نہیں ہے۔

البتہ ایک خلجان اور ہے اور وہ یہ ہے کہ جب نحو کا موضوع کلمہ اور کلام دونوں ہیں تو کلمہ کو کلام پر کیوں مقدم کیا جب کہ بہتر اس کے برعکس تھا، اس لیے کہ کلام مضمون مفید کا فائدہ دیتا ہے اور کلمہ غیر مفید کا اور مفید غیر مفید سے اولیٰ ہے تو جواب یہ ہے کہ کلمہ کلام کا جزء ہے اور جزء وجود میں کل پر طبعاً مقدم ہوتا ہے، لہذا کلمہ کو کلام پر وضعاً مقدم کر دیا، تاکہ وضع طبع کے مطابق ہو جائے۔

دوسری بات جو جاننے کی ہے وہ یہ ہے کہ کلمہ اور کلام مستقل لفظ ہیں یا کسی سے مشتق ہیں تو بعض نحو یوں کا خیال ہے کہ یہ مستقل لفظ ہیں جو کسی سے مشتق نہیں ہے، لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ الکلمة الکلم بسکون اللام سے مشتق ہے البتہ جمہور کے قول پر ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مشتق اور مشتق منہ کے درمیان کم از کم معنی مطابقت تو ضروری ہوتی ہے ورنہ تو ترتیب اور مادہ تک میں یکسانیت ہوتی ہے اور یہاں تو ترتیب اور مادہ تو دور کی بات معنی بھی مطابقت نہیں ہے، اس لیے کہ کلمہ کے معنی ہیں جو مفرد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو اور کلام کے معنی ہیں جو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ شامل ہو اور کلمہ کے معنی زخمی کرنے کے ہیں پس معلوم ہوا کہ یہ کلمہ سے مشتق نہیں ہیں۔

جواب مشتق اور مشتق منہ کے درمیان مطابقت کی تین صورتیں ہیں مطابقت، تضمناً، التزاماً اور یہاں پر مطابقت مشتق اور مشتق منہ کے درمیان معنی التزامی کے اعتبار سے پائی جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ جس طرح بھالے اور برچھے سے زخم ہوتا ہے اسی طرح بات سے بھی زخم ہوتا ہے، بلکہ اس کا زخم بھالے اور برچھے سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

مشہور شعر ہے: جراحات السنان لها التیام ☆ ولا يلتام ما جرح اللسان
یعنی نیزوں کا زخم مندمل اور بھر جاتا ہے، لیکن زبان کا زخم بھرنے کا نام نہیں لیتا، بلکہ سدا ناسور بن کر رستار ہتا ہے۔

جب آپ کلمہ کے مشتق ہونے یا نہ ہونے کی بحث و تحقیق سے فارغ ہو چکے تو اب ”الکلمة“ کے الف لام کی طرف آئیے، تو معلوم ہونا چاہیے کہ الکلمة کے الف لام میں بنیادی طور پر دو احتمال ہیں کہ الکلمة کا الف لام یا تو اسمی ہوگا یا حرفی، پہلا احتمال باطل ہے، اس لیے کہ الف لام اسمی اسم فاعل یا اسم مفعول میں ہوتا ہے جو الذی کے معنی میں ہوتا ہے جیسے الضارب والمضروب اور الکلمة نہ اسم فاعل ہے اور نہ ہی اسم مفعول پس معلوم ہوا کہ الکلمة کا الف لام حرفی ہے پھر اس میں دو احتمال ہیں الف لام حرفی زائد اور الف لام حرفی غیر زائد، پہلا احتمال درست نہیں اس لیے الکلمة جو کہ مبتدأ ہے اور مبتدأ کے لیے معرفہ ہونا ضروری ہے اس کا نکرہ ہونا لازم آئے گا جو کہ صحیح نہیں، لہذا دوسرا احتمال متعین ہو گیا یعنی الف لام حرفی غیر زائد اس میں چار احتمال ہیں، جنسی، استغراقی، عہد خارجی، عہد ذہنی۔

الف لام جنسی کہتے ہیں ایسے الف لام کو جس کے مدخول سے مراد قطع نظر افراد کے شیء کی حقیقت ہو جیسے الرجل خیر من المرأة کا الف لام۔ اور الف لام استغراقی ایسے الف لام کو کہتے ہیں جس کے مدخول سے مراد اس کے تمام افراد ہوں جیسے ان الانسان لفی خسر میں الانسان کا الف لام۔ اور الف لام عہد خارجی کہتے ہیں ایسے الف لام کو جس کے مدخول سے مراد ایسا کوئی فرد خاص ہو جو متکلم اور مخاطب کے درمیان متعین ہو جیسے فعصی فرعون الرسول میں الرسول کا الف لام۔ اور الف لام عہد ذہنی کہتے ہیں ایسے الف لام کو جس کے مدخول سے کوئی فرد خاص اور متعین مراد نہ ہو جیسے انی اخاف ان یا کله الذئب کا الف لام۔

اب سینے الکلمة میں الف لام جنسی ہے، کیوں کہ کلمہ موقع تعریف میں واقع ہے اور تعریف جنس کی ہوتی ہے اسی سے معلوم ہو گیا کہ الف لام استغراقی نہیں ہو سکتا ورنہ تعریف افراد کی لازم آئے گی جو کہ ٹھیک نہیں ہے۔ اچھا الف لام عہد ذہنی کا بھی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ الف لام عہد ذہنی نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، لہذا عہد ذہنی مراد لینے کی صورت میں مبتدأ کا نکرہ ہونا لازم آئے گا جب کہ مبتدأ کے لیے معرفہ ہونا ضروری ہے۔ البتہ الف لام عہد خارجی کا ہو سکتا ہے، لیکن اس صورت میں کلمہ سے وہ کلمہ مراد لینا ہوگا جو نحو یوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے، اس لیے الف لام جنسی کا مراد لینا زیا۔ بہتر ہے، کیوں کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تکلف نہیں ہاں الف لام جنسی مراد لینے پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ الکلمة میں تاء وحدت کی ہے اور الف لام جنسی ہے جو کہ کثرت پر بھی دلالت کرتا ہے جب کہ وحدت اور کثرت میں تضاد ہے پس معلوم ہوا کہ الف لام جنسی مراد لینا غیر صحیح ہے ورنہ تضاد لازم آئے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تاء وحدت کی چار قسمیں ہیں وحدت جنسی، نوعی، صنفی اور فردی پس الف لام جنسی اور تائے وحدت فردی میں تو تضاد ہے۔ لیکن الف لام جنسی اور بقیہ وحدتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس لیے کہ جس طرح الف لام جنسی کثرت پر دلالت ہوگا اسی طرح تاء وحدت جنسی، نوعی اور صنفی بھی کثرت پر دلالت ہوں گی، لہذا مذکورہ بالا اعتراض غیر مناسب ہے۔

قوله لفظ: لفظ کے لغوی معنی پھینکنا خواہ لفظ کا پھینکنا منہ سے ہو جیسے بول چال اور خواہ غیر لفظ کا پھینکنا منہ سے ہو جیسے اكلت التمرة ولفظت النواة کھجور کھالیا اور گٹھلی پھینک دیا اور خواہ غیر لفظ کا غیر منہ سے پھینکنا ہو جیسے لفظت الریح الدقیق چکی نے آٹا پھینکا۔

اصطلاح میں لفظ کہتے ہیں ما يتلفظ به الانسان قليلا كان او كثيراً مهلاً كان او موضوعاً حقیقتاً كان او حکماً مفرد كان او مرکباً یعنی لفظ ہر وہ چیز ہے جس کو انسان بولے خواہ کم ہو یا زیادہ، مہمل ہو یا موضوع، حقیقتاً ہو یا حکماً، مفرد ہو یا مرکب۔ حکماً کی مثال جیسے اضرب میں انت اور

ضرب میں ہو۔

یہاں ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ لفظ کی مذکورہ بالا تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں، اس لیے کہ اس میں انسان کے بول چال کو لفظ کہا گیا ہے معلوم ہوا کہ فرشتوں اور جناتوں کا کلام لفظ نہیں ہے، حالاں کہ وہ بھی از قبیل الفاظ ہیں، جواب یہ ہے کہ لفظ ہر وہ چیز ہے جس کا انسان تلفظ کر سکے خواہ کسی کا بھی کلام ہو پس یہ تعریف فرشتوں، جناتوں کے کلام اور کلام الہی سب کو عام ہے، لہذا تعریف جامع ہے۔ فرشتوں کا کلام: ان فی الجنة نہراً من اللبن ÷ لعلی و فاطمة و حسین و حسن اور جناتوں کا کلام قبر حرب بمکان قف ÷ ولیس قرب قبر حرب یعنی حرب کی قبر چٹیل میدان میں ہے اور حرب کی قبر کے پاس کوئی قبر نہیں۔

لفظ یہاں ملفوظ کے معنی میں ہے جیسے خلق مخلوق کے معنی میں ہے پس یہ اعتراض رفع ہو گیا کہ لفظ الکلمة کی خبر نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اب یہ مفعول کے معنی میں ہونے کے وجہ سے ذات مع الوصف ہو گیا مصدر ہونے کی وجہ سے وصف محض نہیں رہا اور ذات مع الوصف کا حمل ذات محض پر درست ہے۔ البتہ ایک سوال باقی ہے کہ مصنف نے بجائے لفظ کے لفظ کیوں نہیں کہا، حالاں کہ کافیہ مفصل سے ماخوذ ہے اور صاحب مفصل نے لفظ کہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب مفصل کے نزدیک کلمة میں وحدت ملحوظ ہے جب کہ مصنف کے نزدیک ایسا نہیں ہے، چنانچہ لفظ عبد اللہ حالت علمیت میں صاحب مفصل کے نزدیک مرکب ہوگا، جب کہ مصنف کے نزدیک مفرد ہے پس اس لیے مصنف نے لفظ کہا۔ لفظہ نہیں کہا۔

لیکن اس جواب کے باوجود بھی لفظ کہنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ لفظ خبر ہے الکلمة کی اور مبتدأ اور خبر میں تذکیراً و تانیئاً مطابقت ضروری ہوتی ہے اور وہ یہاں نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مبتدأ اور خبر کے درمیان مطابقت کا ضروری ہونا پانچ شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ خبر صفت کا صیغہ ہو جیسے زید ضارب اور دوسری شرط یہ ہے کہ مبتدأ اور خبر دونوں اسم ظاہر ہوں جیسے عمیر صالح لہذا اگر دونوں اسم ظاہر نہ ہوں تو مطابقت ضروری نہیں ہوتی جیسے ہی اسم تیسری شرط یہ ہے کہ خبر میں مبتدأ کی طرف لوٹنے والی کوئی ضمیر ہو جیسے عثمان ابوہ مؤمن، لہذا اگر مبتدأ کی ضمیر خبر میں نہ ہو تو مطابقت ضروری نہ ہوگی جیسے زینب و سقر و ماہ جور ممتنع اور چوتھی شرط یہ ہے کہ خبر ایسا صفت کا صیغہ نہ ہو جو مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے مساوی طور پر استعمال ہوتا ہے جیسے الرجل صبور اور الامراة صبور پانچویں شرط یہ ہے کہ خبر ایسا لفظ نہ ہو جو عورت کے ساتھ مخصوص ہو جیسے الامراة حائض اور یہاں شرائط مطابقت معدوم ہیں کیوں کہ لفظ لفظاً مصدر ہونے کی وجہ سے مذکر اور مؤنث دونوں کی خبر بن سکتا ہے، اس لیے کہ مشہور قاعدہ ہے المصدر لا یدگر ولا یؤنث۔

قولہ وضع وضع کے لغوی معنی ہیں التعین متعین کرنا اور بعض لوگوں نے کہا ہے جعل الشئ فی حیز مکان کسی جگہ کے تحت شئ کا ذکر کرنا اور اصطلاح میں معنی ہیں تخصیص شئ بشئ بحیث متی اطلق وأحس الشئ الاول فہم منہ الشئ الثانی یعنی کسی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ اس طرح خاص کرنا کہ جب پہلی چیز بولی یا سمجھی جائے تو دوسری چیز بھی اس سے سمجھ میں آجائے۔

لمعنی اس کے لغوی معنی القصد ارادہ کرنا اور اصطلاحی معنی ما یقصد بالشئ ہیں، یعنی وہ چیز جس کا کسی چیز سے ارادہ کیا جائے۔ معنی اصل میں معنوی تھا، واویاء جمع ہو گئے پہلا ان میں ساکن تھا واؤ کو یاء کر دیا اور یاء کا یاء میں ادغام کر دیا۔ نون کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا معنی ہو گیا پھر تخفیفاً یاء کو حذف کر دیا اور ضمہ کو خلاف قیاس فتح سے بدل دیا معنی ہو گیا یہ تفصیل اسم مفعول ہونے کے امکان کی صورت میں ہے۔ یوں مصدر میسی بھی جو مفعول کے معنی میں ہو مراد ہو سکتا ہے۔ نیز ظرف کا بھی احتمال ہے۔

البتہ معنی سے متعلق ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ وضع کے ذکر کے بعد معنی کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ معنی کے معنی وضع میں پہلے موجود ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ المعنی میں لام تجرید کے لیے ہے۔ تجرید کا مطلب یہ ہے کہ معنی کے جو سی وضع میں پائے جاتے تھے وضع سے اس معنی کو لام کے واسطے سے خالی کر لیا گیا پھر معنی کو ذکر کیا، اس لیے کہ اب اس کے ذکر کی ضرورت پیدا ہو گئی جیسے سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا میں اسری کورات کے معنی سے خالی کر لیا اس کے بعد لیلا کو لے آئے۔

مفرد: مفرد کے لغوی معنی الفرد آتے ہیں اور اصطلاحی معنی ہیں مالا یدل جزء لفظہ علی جزء معناه یعنی مفرد وہ لفظ ہے جس کے لفظ کا جزء اس کے معنی کے جز پر دلالت نہیں کرتا۔

مفرداً میں ترکیبات تین احتمال ہیں رفع، نصب، جر۔ جب رفع یعنی مفرد پڑھیں گے تو مفرد لفظ کی صفت ثانی واقع ہوگا اور وضع لمعنی کو صفت ثانی قرار دیا جائے گا۔ پر اس صورت میں ایک سوال ہے کہ مصنف لفظ کی پہلی صفت مرکب اور دوسری صفت مفرد کیوں لائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف نے ایسا اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کیا ہے کہ لفظ کی وضع پہلے ہوتی ہے اور اس کا مفرد یا مرکب ہونا بعد میں ہوتا ہے۔

اور مفرد مجرور پڑھنے کی صورت معنی کی صفت قرار پائے گا اور مطلب ہوگا کہ معنی مفرد وہ معنی ہیں کہ اس کے لفظ کا جزء خود اس کے جزء پر دلالت نہ کرے، لیکن یہ احتمال بھی سوال سے پاک نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب مفرد معنی کی صفت قرار پائے گا تو مطلب ہوگا کہ لفظ مفرد یا مرکب پہلے ہوتا ہے اور وضع بعد میں ہوتی ہے، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی لفظ کسی صفت کے ساتھ موصوف ہو اور اس کا تعلق کسی فعل یا شبہ فعل سے ہو تو وہ لفظ فعل یا شبہ فعل سے متعلق ہونے سے پہلے اس صفت کے ساتھ مقید ہوتا ہے اور ظاہر ہے

کہ جب ایسا ہے تو مفرد معنی کے ساتھ وضع سے متعلق ہونے سے پہلے مقید ہو جائے گا، حالاں کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ طے ہو چکا ہے کہ لفظ کی وضع پہلے ہوتی ہے اور اس کا مفرد یا مرکب ہونا بعد میں ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ کا مفرد یا مرکب پہلے ہونا اور وضع کا بعد میں ہونا مجاز مایوؤل کے اعتبار سے ہے۔ مجاز مایوؤل کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز مستقبل میں ہونے والی ہو اس کے ہونے کا حکم اس کے ہونے سے پہلے ہی لگا دیا جائے جیسے کسی کی شادی کسی خاتون سے طے ہو تو نکاح سے پہلے ہی اس خاتون کو ان کی دلہن کہہ دیا جائے تو ایسے ہی یہاں پر کہ جس کو آگے چل کر مفرد ہونا تھا اس کو پہلے ہی مفرد کہہ دیا گیا پس یہ اعتراض رفع ہو گیا۔

تیسرا احتمال مفرداً نصب کے ساتھ ہے اور نصب حال ہونے کی وجہ سے ہوگا اور حال یا تو معنی سے یا پھر وضع کی ضمیر سے ہوگا، اگر مفرداً کو معنی سے حال قرار دیا جائے تو اس صورت میں ایک خلجان ہے وہ یہ ہے کہ حال فاعل یا مفعول سے ہوتا ہے اور معنی نہ تو فاعل ہے اور نہ ہی مفعول، پس مفرداً کو معنی سے کیسے حال قرار دیا جاسکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ بلاشبہ حال فاعل یا مفعول سے ہی واقع ہوتا ہے، لیکن فاعل یا مفعول ہونا عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً پس معنی اگرچہ حقیقتاً مفعول نہیں ہے لیکن وہ لام کے واسطے سے حکماً مفعول بہ ہے، لہذا مفرد کا اس سے حال واقع ہونا درست ہے۔

اور اگر مفرد کو وضع کی ضمیر سے حال قرار دیا جائے تو اس صورت میں بھی ایک سوال ہے کہ سابق میں طے ہو چکا ہے کہ کلمہ کی وضع پہلے ہوتی ہے اور اس کا مفرد یا مرکب ہونا بعد میں ہوتا ہے، لہذا اب اگر مفرد کو وضع کی ضمیر سے حال قرار دیا جائے جس کا مفرد سے پہلے ہونا مان لیا گیا ہے تو حال اور ذوالحال کا زمانہ متحد نہ رہ سکے گا، حالاں کہ کسی چیز کے حال واقع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حال اور ذوالحال دونوں کا زمانہ ایک ہو پس مفرد کا وضع کی ضمیر سے حال واقع ہونا درست نہیں، تو اس کا جواب ہے کہ تقدم ذاتی اقتران زمانی کے مخالف نہیں ہے، یعنی مقدم بالذات کے زمانہ کا اقتران مؤخر بالذات کے زمانہ سے ہو سکتا ہے جیسے باپ، وجود میں بیٹا سے مقدم ہوتا ہے اس کے باوجود دونوں ایک زمانہ میں موجود ہوتے ہیں پس اسی طرح وضع کے مقدم ہونے کے باوجود مفرد سے زمانا اتحاد ہو سکتا ہے۔ لہذا مفرد کا وضع کی ضمیر سے حال واقع ہونا درست ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر چیز کی تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے، چنانچہ کلمہ کی تعریف بھی جنس اور فصل سے مرکب ہے پس لفظ بمنزلہ جنس کے ہے اور وضع لمعنی مفرد بمنزلہ فصل کے ہے، جب کلمہ کو لفظ کہا تو اس میں مہمل، موضوع، مفرد اور مرکب نیز حروف ہجاء سب شامل ہو گئے تھے، لیکن وضع کہنے کی وجہ سے مہمل نکل گیا نیز وہ الفاظ نکل گئے جو بالطبع دلالت کرتے ہیں، اس لیے کہ ان کی وضع نہیں ہوتی اور معنی کی

قید سے حروف ہجاء نکل گئے، اس لیے کہ حروف ہجاء کی وضع معنی کے لیے نہیں بلکہ ترکیب کے لیے ہوتی ہے اور مفرد کی قید سے مرکب مفید اور غیر مفید نکل گئے۔

فائدہ: دوالِ اربعہ یعنی خطوط و عقود اور اشارات اور نصب پہلے سے ہی کلمہ میں داخل نہیں تھے، کیوں کہ کلمہ کے لیے لفظ ہونا ضروری ہے اور یہ چاروں لفظ کے قبیل سے ہے ہی نہیں اس لیے کلمہ سے ان کے اخراج کے لیے کوئی قید نہیں لگائی، کیوں کہ خارج کرنے کے لیے داخل ہونا ضروری ہے اور یہ کلمہ سے پہلے ہی سے خارج ہیں۔

وہی اسم و فعل و حرف لانہا اما ان تدل علی معنی فی نفسہا اولاً الثانی الحرف والاول اما ان یقترن باحدِ الازمنۃ الثلاثۃ اولاً الثانی الحرف والاول الفعل وقد علم بذلك حدُّ کل واحدٍ منها۔

ترجمہ: - اور وہ اسم ہے فعل ہے، حرف ہے، اس لیے کہ یا تو وہ کلمہ معنی مستقل پر دلالت کرے گا یا نہیں، ثانی حرف ہے اور یا تو تینوں زمانوں میں سے کسی زمانہ کو شامل ہوگا یا نہیں، ثانی حرف ہے اور اول فعل ہے اور بلاشبہ معلوم ہوگئی اس کے ذریعے ان میں سے ہر ایک کی تعریف۔

توضیح: - یہاں سے مصنف کلمہ کی تقسیم کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں، اسم، فعل، حرف، ہی ضمیر کا مرجع کلمہ ہے اور اس کی خبر منقسمہ محذوف ہے اور اسم کا مبتدا محذوف ہے، تقدیر عبارت ہے احدہا اسم و ثانیہا فعل، و ثالثہا حرف پس ضمیر لانے میں خبر کی ہی رعایت کی گئی ہے اور قاعدہ اذا دار الضمیر بین المرجع والخبر فرعاية الخبر اولیٰ کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ جب ضمیر مرجع اور خبر کے درمیان لائی جائے تو ضمیر کو خبر کے مطابق لانا بہتر ہوتا ہے۔

قوله لانہا اما ان تدل علی معنی فی نفسہا الخ مصنف مذکورہ عبارت سے کلمہ کے اسم و فعل اور حرف میں منحصر ہونے کی دلیل بیان کر رہے ہیں۔ دلیل کہتے ہیں مایستدل بہ یعنی جس کے ذریعہ کسی چیز پر استدلال کیا جائے اور حصر کہتے ہیں تخصیص شیء بشیء بطریق مخصوص یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مخصوص طریقے کے ذریعہ خاص کرنا پس معلوم ہوا کہ دلیل حصر کہتے ہیں اس چیز کو کہ جس کے ذریعے کسی چیز کے ساتھ مخصوص ہونے کو جانا جائے۔

جب اتنا سمجھ گئے تو سنیے کہ یہاں ایک اعتراض ہے کہ بیان دلیل حصر فرع ہے اور دعوائے حصر اصل کے درجے میں ہے پس اصل کے بیان کے بغیر دلیل یعنی فرع کا بیان غیر مناسب ہے، لہذا مصنف کو پہلے حصر کا دعویٰ کرنا چاہیے پھر بیان دلیل کی طرف متوجہ ہوتے، تاکہ فرع کا بلا اصل کے بیان ہونا لازم نہ آتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف نے دلیل حصر بیان کرنے سے پہلے دعوائے حصر کیا ہے جو کہ مقدر ہے اور وہ

ہے منحصرہ فی هذه الاقسام الثلاثة لہذا بیان دلیل حصر بلا دعویٰ کے لازم نہیں آتا ہے۔
اب دلیل حصر سنیے کہ کلمہ یا تو معنی مستقل پر دلالت کرے گا یا نہیں دوسری قسم حرف ہے، پہلی صورت پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ معنی مستقل تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کو شامل ہوگا یا کسی کو بھی شامل نہ ہوگا۔ دوسری قسم اسم ہے اور پہلی قسم فعل ہے۔

اب آئیے تھوڑی تھوڑی لفظی گفتگو کرتے چلیں تو معلوم ہونا چاہیے کہ دلیل حصر میں الثانی کلمہ کی صفت ہے اور الکلمۃ القسم کی تاویل میں ہے پس موصوف و صفت کے درمیان عدم مطابقت کا خلجان ختم ہو گیا۔
اب وجہ تسمیہ جاننا چاہیے۔ تو حرف کو حرف اس لیے کہتے ہیں کہ حرف کے معنی طرف کے ہیں یعنی کنارہ کے اور حرف، اسم اور فعل کے مقابلہ میں مسند اور مسند الیہ ہونے کے اعتبار سے کنارے ہی میں ہوتا ہے یعنی نہ تو وہ مسند الیہ ہوتا ہے اور نہ مسند۔

اور اسم کو اسم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سمو سے مشتق ہے جس کے معنی بلندی کے ہیں اور اسم کی حیثیت فعل اور حرف کے مقابلہ میں زیادہ بلند ہے، کیوں کہ اسم مسند الیہ اور مسند دونوں بن سکتا ہے، جب کہ فعل صرف مسند ہو سکتا ہے اور حرف تو کچھ بھی نہیں، مذکورہ بالا وجہ تسمیہ علماء بصرہ کے اعتبار سے ہوئی۔ علمائے کوفہ کے نزدیک اسم و اسم سے مشتق ہے جس کے معنی علامت کے ہوتے ہیں اور اسم اپنے مسلمی کے لیے علامت ہوتا ہے اس لیے اسم کو اسم کہا جاتا ہے، لیکن یہ رائے کمزور ہے، اس لیے کہ اسم اس تفصیل کے اعتبار سے فعل اور حرف سے ممتاز نہ ہو سکے گا، کیوں کہ فعل اور حرف بھی اپنے مسلمی کے لیے علامت ہوتے ہیں۔

اور فعل کو فعل اس لیے کہتے ہیں کہ فعل لغتہ مصدر کا نام ہے اور مصدر چوں کہ فعل کے مفہوم کے اجزاء میں سے ایک جزء ہیماش لیے جو جزء کا نام تھا وہ کل کا نام رکھ دیا گیا تسمیۃ الکل باسم الاجزاء کے مطابق۔

لگے ہاتھ ایک بات اور سمجھ لیں کہ دلیل حصر کے ضمن میں جو فعل کی تعریف آئی ہے اس پر ایک اعتراض ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ فعل تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کو ضرور شامل ہوگا ورنہ زمانہ کا زمانے کے ساتھ اقتران لازم آئے گا، کیوں کہ فعل زمانے کا جزء ہی ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں فعل سے مراد معنی مصدری ہے یعنی فعل وہ معنی مصدری کہا جاتا ہے جو نسبت الی فاعل ما کے ساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کو شامل ہو، لہذا اب زمانہ کا زمانے کو شامل ہونا لازم نہیں آئے گا۔

قوله وقد علم بذالك الخ اس عبارت کا حاصل صرف اتنا ہے کہ کلمہ کی تینوں اقسام کی تعریف کو اس دلیل حصر کے ذریعہ سے جانا جاسکتا ہے۔ باضا بطہ علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اب چند لطائف پر بھی مطلع ہوتے چلیں، مصنف نے یہاں بجائے عرف کے علم کہا، حالاں کہ دونوں کے معنی ایک ہیں، اس لیے کہ علم کا استعمال کلیات کے لیے ہوتا ہے جب کہ عرف کا استعمال جزئیات

کے لیے ہوتا ہے اور کلمہ کے اقسام کی تعریف از قبیل کلیات ہے۔ نیز ذالک اسم اشارہ بعید کا مشار الیہ دلیل حصر ہی ہے جو المذکور کی تاویل میں ہے۔ اسی طرح مشار الیہ کے قریب ہونے کے باوجود اور غیر محسوس بحاسہ بصر ہونے کے باوجود اس کی طرف ذالک سے اشارہ اس لیے کیا گیا کہ دلیل حصر کو رفعت مقام کی وجہ سے مکان بعید کے حکم میں کر لیا گیا، کیوں کہ ایسا ہوتا ہے کہ کبھی کبھی بعد رتبہ کو بعد مکانی کا درجہ دے دیا جاتا ہے اور دلیل حصر کو غایت وضوح کی وجہ سے محسوس سا مان لیا گیا ہے، کیوں کہ کبھی کبھی غایت درجہ واضح ہونے کی وجہ سے غیر محسوس کو محسوس کے درجہ میں لے لیا جاتا ہے پھر اسم اشارہ جو محسوس کے لیے استعمال ہونا چاہیے وہ غیر محسوس کے لیے کر دیا جاتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مصنف نے ابھی دلیل حصر بیان کی ہے اور پھر وقد علیم سے یہ جتا رہے ہیں کہ اس دلیل حصر کے ذریعے کلمہ کی تینوں اقسام کی تعریف معلوم ہو گئیں تو یہ اسلوب نگارش مصنف کے اعلیٰ ذہانت کی بات ہے کہ انہوں نے ہر طرح کے ذہن کے لوگوں کی رعایت کی اس لیے کہ لوگ تین طرح کی طبیعت کے ہوتے ہیں پہلی کوالٹی کے لوگ وہ ہیں جو باتوں کو محض اشاروں سے سمجھ لیتے ہیں۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو محض اشاروں سے تو نہیں البتہ اشارہ کرنے کے بعد تنبیہ کرنے پر بات کو سمجھ لیتا ہے اور تیسرا گروہ وہ ہے جو نہ اشاروں اور نہ تنبیہ کی زبان سمجھتا ہے، بلکہ اس کو صاف صاف سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے، تو مصنف نے تینوں طرح کے لوگوں کی رعایت کی۔ چنانچہ پہلی قسم کے لوگوں کے لیے دلیل حصر کے ضمن میں کلمہ کی تینوں اقسام کی تعریف کی طرف اشارہ کر دیا اور دوسری قسم کے لیے وقد علم سے توجہ دلانی اور تیسرے گروہ کے لیے موقع بہ موقع تینوں اقسام کی صاف صاف الگ الگ تعریف بیان کی۔

ایک بات اور سمجھ لیں کہ یہاں حد سے مراد حد اصطلاحی نہیں ہے، بلکہ حد سے جامع اور مانع تعریف

مراد ہے۔

الكلام ماتضمن كلمتين بالاسناد ولا يتاتي ذالك الا في اسمين او اسم و فعل.

ترجمہ: - کلام وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ شامل ہو اور کلام حاصل نہیں ہوتا ہے، مگر

دو اسموں سے یا ایک اسم اور ایک فعل ہے۔

توضیح: - الکلام میں الف لام جنس کا ہے اور ما موصولہ اور ما موصوفہ دونوں ہو سکتا ہے اور ما

سے مراد لفظ ہے، شی یا کلمہ یا کلام نہیں مراد ہو سکتا ہے، کیوں کہ شی مراد لینے کی صورت میں کلام کی تعریف نقوش پر اور کلمہ مراد لینے کی صورت میں جزء کا حمل کل پر اور کلام مراد لینے کی صورت میں اخذ الحمد و دنی الحد لازم آئے گا، جو کہ صحیح نہیں ہے۔

کلمتین عام ہے خواہ دو کلمے حقیقتاً ہوں یا حکماً، اول کی مثال زید قائم اور ثانی کی مثال جیسے اضرب۔

اسناد کہتے ہیں ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کی طرف اس طرح نسبت کرنا کہ اس پر سکوت درست ہو اور مخاطب کو فائدہ تامہ حاصل ہو۔

خلاصہ یہ کہ کلام وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ شامل ہو۔ کلام کی اس تعریف میں ماہ بمنزلہ جنس کے ہے جو مہملات اور موضوعات، مفردات اور مرکبات خواہ مفید ہوں یا غیر مفید سب کو شامل ہے۔ اور تضمن کلمتین بالاسناد بمنزلہ فصل کے ہے پس تضمن کلمتین سے مہملات اور مفردات نکل گئے اور بالاسناد کی قید سے مرکبات غیر مفیدہ نکل گئے خواہ مرکب اضافی ہو یا توصیفی، بنائی ہو یا منع صرف، صوتی ہو یا عددی۔ اب کلام کی تعریف میں صرف مرکب مفیدہ باقی رہے خواہ وہ خبریہ ہوں یا انشائیہ اول کی مثال محمود تقی اور تلوث القرآن اور ثانی کی مثال جاهد فی سبیل اللہ، لا تلعب فی المسجد۔

کلام کی مذکورہ بالا تعریف پر ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے زید ابوہ مجاہد اور زید مجاہد ابوہ اور زید صلی ابوہ کلام سے نکل گئے، اس لیے ان میں سے ہر ایک دو سے زائد کلموں کو شامل ہے پس معلوم ہوا کہ کلام کی مذکورہ تعریف درست نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کلمتین سے مراد عام ہے خواہ دو کلمے حقیقتاً ہو یا حکماً پس خبریں ان مثالوں میں اگرچہ مرکب ہیں، لیکن وہ مفرد کی تاویل میں ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ کلام کے ثبوت کے لیے کم از کم دو کلموں کا ہونا ضروری ہے، لہذا اگر کلام دو سے زائد کلموں سے مرکب ہو تو کوئی حرج نہیں۔

ایک سوال اور ہے کہ کلام کی مذکورہ تعریف درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے کلام وہ ہے جو دو کلموں کو شامل ہے اور وہ دو کلمے عین کلام ہیں۔ لہذا متضمن اسم فاعل اور متضمن اسم مفعول دونوں ایک ہو گئے، حالاں کہ دونوں میں تغایر ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ متضمن اسم فاعل کلام کا پورا مجموعہ کہلاتا ہے اور متضمن اسم مفعول اس کے دونوں علیحدہ علیحدہ جزء ہیں اور ظاہری بات ہے کہ مجموعہ من حیث المجموعہ اپنے ہر جزء سے مغائر ہے پس متضمن اسم فاعل اور متضمن اسم مفعول دونوں ایک نہیں ہوئے۔

قولہ ولا یتاتی معلوم رہے کہ لایتاتی یہاں اپنے اصلی معنی میں نہیں ہے بلکہ لایحصل کے معنی میں ہے، جو کہ جاندار اور غیر جاندار سب کو عام ہے۔

لا یتاتی ذالک میں ذالک سے اشارہ کلام کی طرف ہے تضمن اور اسناد کی طرف نہیں ہے ایسا دو وجہوں سے ہے، ایک تو یہ کہ لایتاتی سے تقسیم کلام کی ہے، لہذا ضروری ہے کہ اس کی طرف اشارہ کیا جائے دوسری بات یہ ہے کہ ذالک اسم اشارہ بعید ہے اور بعید کلام ہے نہ کہ تضمن اور اسناد کیوں کہ یہ دونوں بلحاظ الکلام قریب ہیں۔

یاد رہے کہ مصنف لایتاتی سے کلام کی تقسیم بیان کر رہے ہیں یعنی کلام کے حصول کی کتنی صورتیں ہیں

چنانچہ فرمایا کہ کلام کے حصول کی صرف دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کلام کے دونوں جز اسم ہوں جیسے زید فاضل اور دوسرے یہ کہ کلام کا ایک جزء فعل اور دوسرا اسم ہو جیسے صلی الیاس۔

کلام کے حصول کی دو ہی صورتیں اس لیے ہیں کہ کلام کے ثبوت کے لیے بیک وقت مسند الیہ اور مسند کا ہونا ضروری ہے اور انھیں دو صورتوں میں بیک وقت مسند الیہ اور مسند کا تحقق ہوتا ہے، لہذا کلام ان ہی دو صورتوں سے حاصل بھی ہو سکتا ہے۔

یوں عقلاً حصول کلام کی چھ صورتیں ہیں (۱) کلام کے دونوں جزء اسم ہوں (۲) کلام کے دونوں جزء فعل ہوں (۳) دونوں جزء حرف ہوں (۴) ایک جزء اسم اور دوسرا فعل ہو (۵) ایک جزء اسم دوسرا حرف ہو (۶) ایک جزء فعل اور ایک حرف ہو۔

اب ان چھ صورتوں میں دو ہی صورتیں کہ کلام کے دونوں جزء اسم یا ایک جزء اسم اور دوسرا فعل ہو ایسی ہیں کہ ان سے حصول کلام کا ثبوت ہو سکتا ہے تفصیل گذر چکی ہے۔ بقیہ چار صورتوں سے کلام اس لیے نہیں حاصل ہوتا کہ اگر کلام کے دونوں جزء فعل ہوں تو صرف مسند کا تحقق ہوگا، کیوں کہ فعل مسند الیہ نہیں بن سکتا، لہذا تنہا مسند سے کلام کی بنیاد کیسے رکھی جاسکتی ہے۔ رہی بات اگر کلام کے دونوں جزء حرف ہوں تو یہاں اثبات کلام کی کوئی گنجائش ہی نہیں، اس لیے کہ حرف سرے سے مسند الیہ اور مسند ہونے کی دوڑ میں شامل ہی نہیں اب جہاں تک معاملہ کلام کے ایک جزء اسم اور دوسرے کے حرف ہونے کا ہے تو یہاں لے دے کے اسم ہی ہے چاہے مسند الیہ اور چاہے مسند بنا دو، لیکن دوسرے کا انتظار کرنا ہی پڑے گا اور ظاہر ہے کہ دوسرا کوئی کلمہ حرف کے سوا ہے نہیں اور حرف بے چارے سے کچھ ہونے کو رہا جب کہ ثبوت کلام کے لیے بیک وقت مسند الیہ اور مسند دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ صورت بھی مفید للكلام نہیں، اب رہا معاملہ کہ کلام کا ایک جزء فعل ہو تو دوسرا حرف ہو تو یہاں پر بھی صرف مسند ہوگا اور اکیلے مسند سے کسی کلام کی ترکیب نہیں ہو سکتی۔

الاسم ما دلّ علی معنی فی نفسه غیر مقترن باحد الأزمنة الثلاثة۔

ترجمہ: - اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے معنی مستقل پر درآں حالیکہ وہ تینوں زمانوں میں سے کسی کو شامل نہ ہو۔

توضیح: - مصنف یہاں سے تیسرے درجے کے لوگوں کے ذہن کی رعایت کرتے ہوئے اسم کی صاف صاف تعریف بیان کر رہے ہیں، اسم کی تعریف ترجمہ سے ظاہر ہے۔ ما دلّ میں ہو ضمیر کا مرجع ما ہے جس سے مراد کلمہ ہے، لیکن اس صورت میں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہو ضمیر کا مرجع اگر ما کو قرار دیا جاتا ہے تو یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ ما سے مراد کلمہ ہے اور اس صورت میں کلمہ مؤنث

ہونے کی وجہ سے ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہ ہوگی؟ تو جواب یہ ہے کہ دَلّ کی ضمیر ما کی طرف ہی لوٹ رہی ہے اور ضمیر کا مذکر لانا لفظ ما کے اعتبار سے ہے اور ظاہر ہے کہ ما کا لفظ مذکر ہے بھلے اس سے مراد کلمہ ہے، لہذا مطابقت ہے۔

قوله علی معنی فی نفسه: فی نفسه میں ہو ضمیر معنی کی طرف راجع ہے، البتہ اس صورت میں ظرفیۃ الشئ لنفسه لازم آتا ہے، حالاں کہ ظرف اور مظروف میں تغایر ہوتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ فی، معنی میں اعتبار کے ہے اصل عبارت ہے علی معنی باعتبار فی نفسه لہذا اعتبار کے ملحوظ ہوتے ہوئے ظرفیۃ الشئ لنفسه لازم نہیں آئے گا۔

غیر مقترن: غیر مقترن میں اعراب کے لحاظ سے تین احتمال ہیں۔ اول جر کے ساتھ دوسرے نصب کے ساتھ اور تیسرے رفع کے ساتھ، جر کے ساتھ ہونے کی صورت میں غیر معنی کی صفت ہوگا اور منصوب ہونے کی صورت میں غیر معنی سے حال واقع ہوگا، کیوں کہ معنی حکماً مفعول بہ ہے نیز منصوب ہونا مادلاً سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور رفع کی صورت میں غیر یا تو خبر بعد الخبر ہے یا مبتداً محذوف کی خبر ہے۔

اب اسم کی مذکورہ تعریف کے جامع اور مانع ہونے پر ایک ایک سوال اور ان کے جواب سمجھ لیجیے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ اسم کی مذکورہ تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں، کیوں کہ مذکورہ تعریف کی رو سے اسماء افعال جیسے رُوید، بَلدہ وغیرہ اسم سے خارج ہو گئے، اس لیے کہ اسمائے افعال میں ماضی یا امر کے معنی میں ہونے کے وجہ سے زمانہ پایا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسم کی مذکورہ تعریف اپنے افراد کے لیے جامع ہے، کیوں کہ اس تعریف کا حاصل یہ ہے کہ اسم ایسا کلمہ ہے جو معنی مستقل پر دلالت کرتا ہے اور وضع اول کے اعتبار سے اس میں کوئی زمانہ نہیں پایا جاتا ہے، تو اسماء افعال میں وضع اول کے اعتبار سے کوئی زمانہ نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ ان کا استعمال ماضی یا امر کے معنی میں ہوتا ہے، لہذا وہ اسم کی تعریف میں داخل رہیں گے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اسم کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں، اس لیے کہ افعال مقار بہ بھی اسم کے زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں، کیوں کہ ان میں زمانہ نہیں پایا جاتا ہے، حالاں کہ ان کا فعل ہونا جگ ظاہر ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ یہاں پر بھی وضع اول کی قید ملحوظ ہے اور افعال مقار بہ میں وضع اول کے اعتبار سے زمانہ موجود ہے بھلے ان کا استعمال بغیر زمانے کے ہوتا ہے، اسی لیے ان کا دوسرا نام افعال منسلخ عن الزمان ہے پس اسم کی تعریف دخول غیر سے مانع بھی ہے۔

ومن خواصہ دخول اللام والجر والتوین والاضافۃ والاسناد الیہ۔

ترجمہ: - اسم کے خواص میں سے لام، جراور تنوین کا داخل ہونا ہے۔ مضاف اور مسندالیہ ہوتا ہے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف اسم کے خواص بیان کر رہے ہیں، یہاں پر ایک سوال ہے کہ نحو یوں کا مقصد کلمہ اور کلام کے احوال سے بحث کرنا ہے نیز مقصود کے موقوف علیہ کی تعریف کرنا، لیکن اسم کے خواص بیان کرنا یہ نہ تو اسم کے احوال میں سے ہے اور نہ ہی اسم کے لیے موقوف علیہ ہے لہذا اسم کے خواص بیان کرنا یہ خروج عن المحمٹ ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسم کے وجود کی دو قسمیں ہیں وجود ذہنی اور وجود خارجی، تو اسم کے وجود ذہنی کو تو اسم کی تعریف سے ہی جان لیا جائے گا لیکن اس کے وجود خارجی کو بغیر بیان کی جانے والی علامتوں کے نہیں جانا جاسکتا، لہذا اس کے ساتھ اشتعال یہ اصل موضوع سے ہٹنا نہیں ہے۔

خاصہ کے معنی آتے ہیں خاصة الشيء يوجد فيه ولا يوجد في غيره یعنی شئی کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو صرف اسی شئی میں موجود ہو، اس کے علاوہ میں نہ ہو۔

واضح ہو کہ یہاں خاصہ سے مراد مطلق خاصہ ہے قطع نظر شاملہ وغیر شاملہ کے۔

من خواصه: من خواصه میں من تبعضیہ ہے، اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہاں اسم کے کچھ خواص بیان کیے جائیں گے اور خواص جمع کثرت لاکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسم کے خواص بہت ہیں پر بیان بعض کا ہی ہوگا۔ اور انہی کا بیان ہوگا جو خواص میں بڑے اور اہم ہیں۔

اچھا جو خواص بیان ہو رہے ہیں ان کا بھی ایک خاص پس منظر ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسم کا خاصہ یا تو لفظی ہوگا یا معنوی، اگر لفظی ہو تو اسم کے شروع میں لاحق ہوگا یا آخر میں، اگر شروع میں لاحق ہوتا ہے تو وہ لام ہے۔ اور آخر میں لاحق ہوتا ہے تو وہ جراور تنوین ہے۔ اور اگر خاصہ معنوی ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں کہ وہ اسم کو کلام تام کے ضمن میں لاحق ہوگا یا کلام ناقص کے اگر پہلا ہے تو مسندالیہ اور اگر دوسرا ہے تو وہ مضاف۔

دخول اللام: اسم کے خواص میں سے لام تعریف کا داخل ہونا ہے تعریف کی قید سے لام امر اور لام ابتداء خارج ہو گیا، اس لیے کہ یہ دونوں اسم کے خواص میں سے نہیں ہیں، لام تعریف اسم کے خواص میں سے اس لیے ہے کہ لام تعریف معنی مستقل بالمفہوم کی تعین کے لیے ہوتا ہے کہ جس پر کلمہ اسم مطابقت دلات کرتا ہے جب کہ حرف معنی مستقل پر سرے سے دلالت ہی نہیں کرتا ہے اور فعل کرتا تو ہے لیکن تضرنا۔

تعریف کے لیے میم بھی استعمال ہوتی ہے جیسے لبس من مبر مصیام فی سفر، نیز حرف ندا بھی اس معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود ان کے حرف تعریف ہونے کے بیان کو مصنف نے اس لیے چھوڑ دیا کہ میم تعریف کے معنی میں مشہور نہیں ہے اور حرف ندا اس کا اسم کے ساتھ خاص ہونا سب پر عیاں ہے، کیوں کہ منادی اسم ہی ہوتا ہے۔

ایک بات اور دھیان رہے کہ مصنف نے اسم کے خواص میں دخول اللام کہا دخول حرف التعریف

نہیں کہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حرف تعریف کے بارے میں تین مذاہب ہیں ایک مذہب سیبویہ کا دوسرا خلیل اور تیسرا مبرد کا۔

تو سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ حرف تعریف تنہا لام ہے، ہمزہ کا اضافہ ابتداءً بالسکون سے بچنے کے لیے کیا گیا ہے اور خلیل کا خیال ہے کہ الف لام دونوں کا مجموعہ حرف تعریف ہے، جب کہ مبرد کا کہنا ہے کہ تنہا ہمزہ مفتوحہ حرف تعریف ہے اور لام ہمزہ کی تعریف اور ہمزہ استفہام میں فرق کے لیے لایا گیا ہے۔ پر پسندیدہ مذہب مصنف کے نزدیک سیبویہ کا ہے، اس لیے کہ ہمزہ وسط کلام میں گر جاتا ہے پس خلیل کے مذہب پر جزء حرف تعریف اور مبرد کے مذہب پر پورے حرف تعریف کا حذف لازم آئے گا معلوم ہوا کہ ہمزہ نہ تو تنہا اور نہ ہی لام کے ساتھ حرف تعریف ہے۔

والجر: اور اسم کے خواص میں سے جر کا داخل ہونا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ جر خواہ حرف جر لفظاً یا تقدیراً کی وجہ سے ہو وہ اسم کے خواص میں سے ہے۔ جر اسم کے ساتھ اس لیے مخصوص ہے کہ وہ حرف جر کا اثر ہے اور حرف جر اسم کے ساتھ مخصوص ہے، کیوں کہ حرف جر فعل کے معنی کو اسم تک پہنچانے کے لیے ہوتا ہے، لہذا حرف جر کے اثر کو بھی اسم کے ساتھ خاص کر دیا گیا تاکہ اثر کا بلا مؤثر کے ہونا لازم نہ آئے۔

والتنوين: اور اسم کے خواص میں سے تنوین کا داخل ہونا ہے تنوین ترنم کو چھوڑ کر بقیہ تنوینات ممکن، تنکیر، عوض، مقابلہ اسم کا خاصہ ہیں، لہذا لاکثر حکم الكل کے تحت مطلق تنوین کو اسم کا خاصہ قرار دے دیا گیا۔

والاضافة: اور اسم کے خواص میں سے اضافة کا ہونا ہے، اضافة اسم کے خواص میں سے اس لیے ہے کہ اضافة کے لوازم یعنی تعریف، تخصیص اور تخفیف سب اسم کے ساتھ مخصوص ہیں، لہذا اضافة بھی اسم کے ساتھ مخصوص ہوگی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اضافة سے مراد مضاف ہے، کیوں کہ مضاف الیہ اسم کے خواص میں سے نہیں ہے، اس لیے کہ قرآن پاک میں ہے یوم ینفع الصادقین پس ینفع فعل ہے جو مضاف الیہ واقع ہے، معلوم ہوا مضاف الیہ اسم کے خواص میں سے نہیں ہے۔ جب کہ دوسرے کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ مضاف الیہ بھی ہے اسم کے خواص میں داخل ہے، اس لیے کہ مضاف، مضاف الیہ میں جر کا عمل کرتا ہے اور جر اسم کے خواص میں سے ہے، لہذا مضاف الیہ بھی اسم کے خواص میں سے ہوگا، رہی بات یوم ینفع الصادقین کی تو وہ یوم نفع الصادقین کی تاویل میں ہے۔

وهو معرب ومبني فالمعرب المركب الذي لم يشبه مبني الأصل .

ترجمہ: - اور اسم، معرب اور مبني ہوتا ہے۔ پس معرب وہ مرکب ہے جو مبني اصل کے مشابہ نہ ہو۔

توضیح: - یہاں سے مصنف اسم کی پہلی تقسیم شروع کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسم دو حالت سے خالی نہیں یا معرب ہوگا یا مبنی اس لیے کہ اسم یا تو اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہوگا یا نہیں، دوسری صورت مبنی کی ہے جیسے اسمائے معدودہ وغیرہ اور پہلی صورت میں پھر دو احتمال ہیں یا تو وہ مبنی اصل کے مشابہ ہوگا یا نہیں، پہلا مبنی ہے اور دوسرا معرب۔

معرب کو مبنی پر اس لیے مقدم کیا کہ اسماء میں اصل معرب ہونا ہے اس لیے کہ الفاظ مافی الضمیر کے اظہار کے لیے وضع کیے گئے ہیں اور یہ معنی صرف معرب میں ہیں مبنی میں نہیں۔

فالمعرب المركب: اسم معرب کی جامع اور مانع تعریف یہ ہے کہ معرب وہ اسم ہے کہ جو اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہو درانحالیکہ اس کا عامل بھی اس کے ساتھ متحقق ہو نیز وہ مبنی اصل کے اس طرح مناسب نہ ہو جو اعراب کے روکنے میں مؤثر ہو۔

ان قیود کا اعتبار کرنے سے متعدد سوالات ختم ہو جاتے ہیں مثلاً اسم مرکب کی قید سے ضرب زید کا، ضرب معرب کی تعریف سے خارج ہی رہے گا، کیوں کہ وہ بجائے اسم کے فعل ہے اور تذکرہ منظور ہے اس معرب کا جو اسم ہو۔ اسی طرح ترکیب معرب الغیر سے مبتداء اور خبر معرب کی، جماعت سے باہر نہ ہوں گے کیوں کہ یہاں ترکیب سے ترکیب مع الغیر مراد ہے ترکیب مع العامل مراد نہیں ہے کہ لفظی کا معنوی کے ساتھ مرکب ہونا لازم آئے جو کہ محال ہے۔ دراصل اعتراض یہ ہوتا تھا کہ متبادر من الترتیب، ترکیب مع العامل ہے اور مبتداء اور خبر عامل کے ساتھ مرکب نہیں ہوتے اس لیے کہ ان دونوں کا عامل معنوی ہے اور لفظی کی ترکیب معنوی کے ساتھ محال ہے پس معرب کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے پس جواب دیا کہ ترکیب سے مراد ترکیب مع الغیر ہے خواہ وہ عامل کے ساتھ ہو یا نہ ہو۔ اور اسم مرکب مع الغیر کے ساتھ اس کے عامل کے بھی متحقق ہونے کی قید سے غلام حسن کا غلام معرب میں جگہ نہ پاسکے گا، اس لیے کہ یہ بھلے مرکب مع الغیر ہے، نیز مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کا عامل نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح لم یشبہ کو لم یناسب کے معنی میں کرنے کی وجہ سے یا زید میں زید معرب نہ ہو سکے گا، کیوں کہ وہ بھلے مبنی الاصل کے مشابہ نہیں لیکن مناسب تو ہے۔ نیز منع اعراب کے روکنے کے سلسلہ میں مؤثر ہونے کی قید سے غیر منصرف معرب ہی میں رہے گا، اس لیے کہ وہ اگرچہ مبنی الاصل، فعل ماضی کے دو فریقتوں کے ہونے میں مشابہ اور مناسب ہے پر اس طرح نہیں ہے کہ وہ غیر منصرف پر اعراب کے آنے کو روک دے۔

اب ایک سوال اور اور اس کا جواب اور سمجھ لیں۔ سوال یہ ہے کہ مصنف نے معرب کی مشہور زمانہ تعریف سے عدول کیوں کیا۔ جواب یہ ہے کہ مصنف نے جمہور کی تعریف سے اس لیے عدول کیا کہ جمہور کی

تعریف سے دور لازم آتا ہے تو اس سے بچنے کے لیے نئی تعریف کی۔ دور یوں لازم آتا ہے کہ مشہور تعریف کی رو سے اسم کے آخر کے اختلاف کا جاننا موقوف ہوگا معرب کے جاننے پر اور معرب کا جاننا موقوف ہوگا آخر کے اختلاف کے جاننے پر، پس اگر معرب کی تعریف معرب کے اختلافِ آخر سے کی جاتی تو دور لازم آتا ہے جو درست نہیں، لیکن یہ جواب ضعیف ہے، کیوں کہ یہ تعریف، تعریف بالاثرا ہے جو جمہور کے نزدیک درست ہے۔

درست جواب یہ ہے کہ معرب کی تعریف سے مقصود اس کا حکم کے لیے وسیلہ بنتا ہے اور جمہور کی تعریف حکم کے لیے وسیلہ نہیں بنتی، کیوں کہ تعریف سے تقدم الشیء علی نفسه لازم آتا ہے، اس لیے کہ جب تم نے کہا کہ زید قائم، میں زید معرب ہے یعنی اس کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدلتا ہے، اس لیے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدلتا ہے اور جس کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدلتا ہے وہ معرب ہوتا ہے، لہذا زید معرب ہے یعنی اس کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدلتا ہے پس صغریٰ عین نتیجہ ہو گیا، حالاں کہ صغریٰ مقدم اور نتیجہ مؤخر ہوتا ہے، پس صورت مذکور میں صغریٰ کی صورت میں نتیجہ صغریٰ اور کبریٰ کے ملنے سے پہلے ہی وجود پذیر ہو گیا، لہذا لازم آ گیا تقدم الشیء علی نفسه۔

بخلاف مصنف کی تعریف کے کہ جب تم نے کہا زید قائم میں زید معرب ہے یعنی وہ ایسا مرکب ہے جو مبنی اصل کے مشابہ نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدلتا ہے یہ ہوا صغریٰ اور ہر وہ چیز جس کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدلے وہ معرب ہے یہ ہوا کبریٰ۔ پس نتیجہ نکلا کہ زید معرب ہے یعنی وہ ایسا مرکب ہے جو مبنی اصل کے مشابہ نہیں ہے تو نتیجہ صغریٰ کا غیر ہوا، لہذا نتیجہ کا صغریٰ پر مقدم ہونا لازم نہیں آیا جو کہ تقدم الشیء علی نفسه کو مستلزم ہے۔

و حکمہ ان یختلف آخرہ باختلاف العوامل لفظاً او تقدیراً .

ترجمہ: - اور معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے اختلاف سے لفظاً یا تقدیراً بدلتا رہتا ہے۔

توضیح: - حکمہ میں حکم کی اضافت معرب کی طرف برائے عہد ہے۔ برائے استغراق

نہیں ہے، لہذا معرب کے حکم سے مراد یہاں معرب کے بعض احکام ہوں گے، تمام احکام مراد نہیں ہیں اور حکم سے مراد یہاں حکم بمعنی اللغوی ہے یعنی وہ اثر جوشیٰ پر مرتب ہوتا ہے۔ حکم اصطلاحی مراد نہیں ہے، کیوں کہ حکم اصطلاحی مرکب میں ہوتا ہے، جب کہ معرب مفرد کے اقسام میں سے ہے۔

جب آپ نے اتنا جان لیا تو اب معرب کا جامع مانع حکم سنیے، معرب کا حکم یہ ہے کہ معرب کا آخر عوامل کے اختلاف سے ذاتاً یا صفتاً، حقیقتاً یا حکماً لفظاً یا تقدیراً بدلتا رہتا ہے۔

اختلاف ذاتی کہتے ہیں ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے اور اختلاف صفتی کہتے ہیں ایک

حرکت دوسری حرکت سے بدل جائے۔

اختلاف ذاتی لفظی حقیقی کی مثال جیسے جاء نی ابوک، رأیت اباک و مررت بابیک

اختلاف ذاتی لفظی حکمی کی مثال // رأیت مسلمین مررت بمسلمین

اختلاف ذاتی تقدیری حقیقی کی مثال // جاء نی ابو القوم رأیت ابا القوم مررت بابی القوم

اختلاف ذاتی تقدیری حکمی کی مثال // رأیت مسلمی القوم مررت بمسلمی القوم

اختلاف صفتی لفظی حقیقی کی مثال // جاء نی زید رأیت زیداً مررت بزید

اختلاف صفتی لفظی حکمی کی مثال // رأیت احمد مررت باحمد

اختلاف صفتی تقدیری حقیقی کی مثال // جاء نی فتی رأیت فتی مررت بفتی

اختلاف صفتی تقدیری حکمی کی مثال // رأیت حبلی مررت بحبلی

مصنف نے معرب کے حکم کے بیان کے حوالے سے فرمایا کہ اختلاف معرب کے آخر میں ہوگا یعنی اعراب معرب کے آخر میں آئے گا، کیوں کہ معرب کا آخر بمنزلہ موصوف کے ہے اور اعراب بمنزلہ صفت کے ہے اور صفت موصوف کے بعد میں آیا کرتی ہے، اس لیے اعراب معرب کے آخر میں آئے گا۔

معرب کے مذکورہ بالا حکم میں چند قیدیں ہیں پہلی قید یہ ہے کہ اعراب کا اختلاف معرب کے آخر میں ہونا چاہیے، لہذا اگر معرب کے آخر کے علاوہ کہیں اور اعراب کی تبدیل ہوتی ہے تو اسے معرب کا حکم نہیں قرار دیا جاسکتا جیسے جاء نی امرؤ رأیت امرؤ مررت بامرؤ میں را کے حرکت کا اختلاف۔

دوسری قید یہ ہے کہ معرب کے آخر کا اختلاف عوامل کے اختلاف کی وجہ سے ہو پس اگر عوامل کے علاوہ کی وجہ سے آخر معرب بدلتا ہے تو وہ معرب کا حکم نہ ہوگا جیسے مَنِ ابْنُكَ مَنْ زَيْدٌ كَمْ مَنْ كُنْتُ مَنْ نُونٌ پر حرکت کی تبدیل عامل کی وجہ سے نہیں ہے۔

تیسری قید یہ ہے کہ عامل بذات خود اس معرب پر داخل ہو اس کے خلاف کی صورت میں وہ معرب کا حکم نہ ہوگا، جیسے جاء زیدٌ مَنْ زیدٌ، رأیت زیداً مَنْ زیداً، مررت بزیدٍ مَنْ زیدٍ، اس لیے کہ تمام مثالوں میں زید ثانی کا اعراب، اعراب حکائی ہے۔

چوتھی قید یہ ہے کہ وہ عوامل عمل میں مختلف ہوں اگر بجائے عمل کے وہ اسمیت یا فعلیت یا حرفیت میں مختلف ہوں تو ظاہر ہے کہ آخر معرب میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی جیسے ان زیداً مضروباً انی ضربت زیداً انی ضارباً زیداً۔

الاعرابُ ما اختلفَ آخره به ليدلُّ على المعاني المعتورة عليه. وانواعه رفع ونصب وجرُّ فالرفع علمُ الفاعلية، والنصب علمُ المفعولية والجرُّ علمُ الإضافة.

ترجمہ:- اعراب وہ ہے کہ جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدل جاتا ہے، تاکہ وہ ان معانی پر دلالت کرے جو معرب پر یکے بعد دیگرے وارد ہوتے ہیں اور اس کے انواع رفع، نصب اور جر ہیں پس رفع فاعلیت کی علامت ہے اور نصب مفعولیت اور جر اضافت کی علامت ہے۔

توضیح:- اب مصنف اعراب کی تعریف کر رہے ہیں کہ اعراب وہ شئی ہے کہ جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدل جاتا ہے خواہ اعراب بصورت حرف ہو یا حرکت۔

لیکن یہاں پر ایک سوال ہے کہ معرب کا آخر جس طرح اعراب سے بدلتا ہے، اسی طرح عامل اور معنی مقتضی سے بھی بدلتا ہے، لہذا اعراب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ ما اختلاف میں ما سے مراد شئی ہے اور بہ کاباء سیبہ ہے اور سبب سے متبادرانی الفہم سبب قریب ہے جب کہ عامل اور معنی مقتضی آخر کے اختلاف کے لیے سبب بعید ہے، لہذا ہر چند کہ معرب کا آخر عامل اور معنی مقتضی سے بھی تبدیل ہوتا ہے لیکن اختلاف آخر معرب کے لیے سبب بعید ہونے کی وجہ سے اعراب کی تعریف سے خارج ہے پس اعراب کی تعریف دخول غیر سے مانع ہے۔

لیدل علی المعانی المعتورة: اس جملہ کے پارے میں دو احتمال ہیں، پہلا احتمال یہ ہے کہ مذکورہ بالا جملہ اعراب کی تعریف کا جزء نہ ہو، بلکہ جملہ معترضہ ہو، ایسی صورت میں یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ آخر اعراب کی وضع سے فائدہ کیا ہے؟ اس کا جواب ماتن نے دیا کہ اعراب کی وضع معرب پر یکے بعد دیگرے آنے والے معانی پر دلالت کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اس تقدیر پر لیدل کا لام مضمون کلام سے مفہوم ہونے والے وضع کے متعلق ہوگا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ جملہ تعریف کا جزء ہو، کیوں کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ تعریف میں اعتبار کی جانے والی قیودات تعریف کو جامع اور مانع بنانے کے لیے ہی ہوتی ہیں، بلکہ بسا اوقات تعریف کی جامعیت اور مانعیت کے ماسوائے دوسرے فوائد مطلوب ہوتے ہیں جیسے اعراب کے وضع کا مقصد اور اس کے اختلاف کی وجہ کا معلوم ہونا۔

اب معرب کی وجہ تسمیہ سنئے! معرب کو اس نام کے ساتھ یا تو اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ معرب اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی اظہار اور بیان کے آتے ہیں اور اعراب، معرب کے فاعل، مفعول اور مضاف الیہ ہونے کو بیان کرتا ہے۔ اور یا عربت معدتہ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں معدے کے بگڑ جانے کے ایسی صورت میں اعراب کا ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہوگا، کیوں کہ اعراب معرب کے معانی میں پیدا ہونے والے اشتباہ کے فساد کو دور کر دیتا ہے۔ اس مناسبت کی وجہ سے معرب کا نام معرب تجویز کیا گیا۔

انواعہ: اعراب کے انواع رفع نصب اور جر ہیں، اس لیے کہ اعراب یا تو عمدہ پر دلالت کرے گا

یا فضلہ پر، اگر عمدہ پر دلالت کرتا ہے تو وہ رفع ہے اور اگر فضلہ پر دلالت کرتا ہے تو بالذات دلالت کرے گا یا بواظہ حرف جز اول نصب ہے اور ثانی جر۔

مصنف نے انواع اعراب کے بیان کے لیے رفع، نصب، جر کا انتخاب اس لیے کیا کہ یہ تینوں صرف معرب کی ہی حرکت پر بولے جاتے ہیں جب کہ ضمہ، فتح، کسرہ عموماً مبنی کی حرکات پر بولے جاتے ہیں، گو معرب پر بھی ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ البتہ ضم، فتح، کسر مبنی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

فالرفع علم الفاعلية: پس رفع فاعل ہونے کی اور نصب مفعول ہونے کی اور جر مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے، لگے ہاتھ ایک بات سمجھتے چلیے کہ مصنف نے اضافت میں یائے مصدری اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اضافت بذات خود مصدر ہے جب کہ فاعلیت اور مفعولیت کے مصدر نہ ہونے کی وجہ سے ان کو مصدر بنانے کے لیے یائے مصدری کا لانا ضروری تھا۔

فاعلیت سے مراد عام ہے خواہ حقیقتاً فاعل ہو یا فاعل کی اس میں خصلت پائی جاتی ہو جیسے مبتدأ وغیرہ، اسی طرح مفعولیت سے مراد عام ہے خواہ سچ مچ مفعول ہو یا ملحق بمفعول ہو جیسے حال، تمیز وغیرہ۔
رفع کو فاعل کی علامت اس لیے قرار دیا کہ مرفوعات کم تھے جب کہ رفع ثقیل تھا، اس لیے اعتدالاً قلیل کو ثقیل چیز دے دی گئی اور نصب کو مفعول کی علامت اس لیے بنایا گیا کہ نصب خفیف تھا اور منصوبات زیادہ تھے، پس اعتدالاً مفعول کو نصب دے دیا اب باقی بچا جر تو اسے اضافت کو دے دیا۔

والعامل ما به يتقوم المعنى المقتضى للاعراب

ترجمہ: - اور عامل وہ ہے کہ جس کے ذریعہ وہ معنی حاصل ہوتے ہیں کہ جن کا اعراب تقاضا کرتا ہے۔

توضیح: - جب مصنف اعراب کے بیان سے فارغ ہو گئے جو کہ معرب کے آخر کے اختلاف کا سبب قریب تھا، تو اب عامل کی تعریف کر رہے ہیں جو اختلاف آخر معرب کا سبب بعید ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ عامل وہ چیز ہے کہ جس کے سبب وہ معنی حاصل ہوں کہ جن کا اعراب تقاضا کرتا ہے۔ اعراب کے معنی مقتضی، فاعلیت، مفعولیت اور اضافت ہیں، مثال کے طور پر ضرب زید میں ضرب عامل ہے، اس لیے اس کے سبب زید کی فاعلیت حاصل ہوئی اور ضربت زیداً میں ضربت عامل ہے، اس لیے کہ ضربت کی وجہ سے زید کی مفعولیت حاصل ہوئی اور مردت بزید میں باء عامل ہے، اس لیے کہ باء کی وجہ سے زید میں اضافت حاصل ہوئی۔

فالمفرد المنصرف والجمع المكسر المنصرف بالضممة رفعا والفتحة نصباً
والكسرة جراً.

ترجمہ:- پس مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف ضمہ کے ساتھ حالت رفعی میں اور فتح کے ساتھ حالت نصہی میں اور سرہ کے ساتھ حالت جری میں ہوگا۔

توضیح:- مفرد منصرف صحیح اور جمع مکسر منصرف کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ اور حالت نصہی میں فتح اور حالت جری میں کسرہ ہوگا۔

سب سے پہلے معلوم ہو کہ مفرد سے مراد یہاں وہ ہے جو تشنیہ اور جمع نہ ہو اور جمع مکسر سے مراد وہ جمع ہے جو جمع سالم نہ ہو۔ اب سنو کہ اسم کی مذکورہ بالا قسم کو مذکورہ بالا اعراب اس لیے دیا گیا کہ مفرد دو اعتبار سے اصل ہے۔ اول یہ کہ مفرد اصل ہے بلحاظ تشنیہ اور جمع کے اور منصرف اصل ہے باعتبار غیر منصرف کے اور جمع مکسر منصرف اصل ہے جمع مکسر غیر منصرف کے اعتبار سے اور مذکورہ اعراب بھی دو وجہوں سے اصل ہے، اول یہ کہ اعراب مذکور اعراب بالحکرت ہے اور اعراب بالحکرت اصل ہے اعراب بالحرف کے اعتبار سے اور دوسرے یہ کہ یہ اعراب بالحکرت ہر سہ حالت میں تینوں اعراب کے ساتھ ہے اور یہ اصل ہے اس اعراب بالحکرت سے جو تینوں حالتوں میں تینوں اعراب کے ساتھ نہ ہو، پس اصل کو اصل کا اعراب دے دیا۔

رفعاً نصباً جراً: رفعاً، نصباً، جراً کا نصب یا تو طرف ہونے کی وجہ سے ہے تو تقدیر عبارت ہوگی **يعربان بالضممة حالة الرفع ويعربان بالفتحة حالة النصب ويعربان بالكسرة حالة الجر.** یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہوگا تو تقدیر عبارت ہوگی **يعربان بالضممة اعراب الرفع ويعربان بالفتحة اعراب النصب ويعربان بالكسرة اعراب الجر.** ہر دو احتمال کی صورت میں مضاف مقدر ہوگا اور تیسرا احتمال حال ہونے کا ہے تو تقدیر عبارت ہوگی **يعربان بالضممة مرفوعاً ويعربان بالضممة منصوباً ويعربان بالكسرة مجروراً** یعنی مصدر بجائے معروف کے مجہول ہو جائے گا۔

جمع المونث السالم بالضممة والكسرة غير المنصرف بالضممة والفتحة.

ترجمہ:- جمع مونث سالم کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصہی اور جری حالت میں کسرہ کے ساتھ۔ غیر منصرف کا اعراب رفعی حالت میں ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصہی و جری حالت میں فتح کے ساتھ ہوگا۔

توضیح:- مونث کی قید سے جمع مذکر سے احتراز ہو گیا اور سالم کی قید سے جمع مونث مکسر سے احتراز ہو گیا۔ جمع مونث سالم سے مراد ہر ایسی جمع ہے جو الف اور تاء کے ساتھ ہو، اس کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ اور نصہی و جری حالت میں کسرہ ہوگا، یہاں پر حالت نصہی کو حالت جری کے اس لیے تابع کیا گیا کہ جمع مونث سالم فرع ہے جمع مذکر سالم کی اور جمع مذکر سالم میں حالت نصہی کو حالت جری کے تابع ہے، لہذا جمع مونث سالم میں بھی حالت نصہی کو حالت جری کے تابع کر دیا، تاکہ فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئے۔ پھر

بھی ایک سوال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حالت نصھی کو حالت جری کے تابع کرنے کے باوجود جمع مؤنث سالم میں فرع کی اصل پر زیادتی لازم آرہی ہے، کیوں کہ جمع مذکر سالم کا اعراب بالحرک ہے اور جمع مؤنث سالم کا اعراب بالحرکت ہے اور اعراب بالحرکت اصل ہے اعراب بالحرک سے۔ جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ جمع مؤنث سالم میں مذکورہ اعراب کے ساتھ فرع کی اصل پر زیادتی لازم آرہی ہے، کیوں کہ اعراب بالحرکت میں اصل یہ ہے کہ تینوں حالتوں کا اعراب تینوں اعراب کے ساتھ ہو، جمع مؤنث سالم میں ایسا نہیں ہے، لہذا فرع کی زیادتی اصل پر نہ ہوئی۔ دوسری بات یہ کہ یہاں اعراب بالحرک کے لانے سے مانع بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جمع مؤنث سالم کے آخر میں حرف علت نہیں اور اعراب بالحرک وہیں آسکتا ہے کہ جس اسم کے آخر میں حرف علت ہو۔

غیر المنصرف: غیر منصرف کا اعراب رُفعی میں ضمہ اور حالت نصھی اور جری میں فتح ہوگا، یہاں جری حالت کو نصھی حالت کے تابع کیا، اس لیے کہ غیر منصرف دو فریعتوں کے پائے جانے میں فعل کے مشابہ ہے، لہذا جزو اسم کے اعظم خواص میں سے ہے اب غیر منصرف کے ساتھ نہیں پایا جاسکتا، جیسا کہ فعل پر جر کا آنا منع ہے۔

ابوك و اخوك و حموك و هنوك و فوك و ذومال مضافة الى غير ياء المتكلم بالواو والالف والياء .

ترجمہ: - ابوك و اخوك و حموك و هنوك و فوك اور ذومال درانحالیکہ ياء متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں واؤ کے ساتھ حالت رُفعی میں اور الف کے ساتھ حالت نصھی میں اور ياء کے ساتھ حالت جری میں ہوں گے۔

توضیح: - جب مصنف اعراب بالحرکت کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب اعراب بالحرکوں کا بیان شروع کیا۔ سب سے پہلے آپ کو معلوم ہو کہ ابوك، اخوك، حموك اور هنوك چاروں ناقص واوی ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ ان چاروں اسماء کا تثنیہ ابوان، اخوان، حموان اور هنوان آتا ہے، ان کی اصل فعل کے وزن پر اَبُو، اَخُو، حَمُو اور هَنُو ہے۔

حمو شوہر کی جانب سے عورت کے قریبی رشتہ دار یعنی دیور کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، اسی لیے مصنف نے اس کی اضافت کاف ضمیر مؤنث کی طرف کی ہے۔

اور هن شرم گاہ، ناپسندیدہ عادتوں اور افعال میں استعمال ہوتا ہے اور فوك دراصل اجوف واوی ہے، اس کی اصل فَوَّةُ فَعْل کے وزن پر ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ فم کی جمع اَفْوَاه آتی ہے بطریق شاذ، ہاء یعنی لام کلمہ کو حذف کر دیا اور اضافت سے علیحدہ ہونے کی حالت میں واؤ کو میم سے بدل دیا تاکہ معرب

کا وزن سلامت رہے، البتہ اضافت میں فوك بولا جاتا ہے۔
 اور ذو کی اصل ذَوُّ لَفِيف مقرون ہے ذو بجائے اسم ضمیر کاف کی طرف مضاف ہونے کے اسم
 ظاہر کی طرف مضاف ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ذو اسماء اجناس کو صفت بنانے کے لیے موضوع ہے اور
 ظاہری بات ہے کہ یہ مقصد ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں نہیں حاصل ہو سکتا، اس لیے وہ اسم
 جنس کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

اب آپ اسمائے ستہ کا اعراب سنیے! تو ان کا اعراب (در انحالیکہ یہ یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف
 ہوں اور مکمرہ اور موحدہ ہوں) حالت رفعی میں واؤ اور حالت نصبی میں الف اور حالت جری میں یاء ہوگا۔
 مکمرہ اور موحدہ کی قیدیں ہر چند کی مذکور نہیں ہیں پر وہ ملحوظ ہیں، اگر اسمائے ستہ بجائے مکمرہ کے مصغرہ
 ہوں تو ان کا اعراب، اعراب بالحرکت ہوگا جیسے جاء نی أُخِيْكَ رَايت أُخِيْكَ مَررت بِأُخِيْكَ اسی
 طرح اگر وہ موحدہ نہ ہوں بلکہ تشنیہ اور جمع ہوں تو بجائے مذکورہ اعراب بالحروف کے ان پر تشنیہ اور جمع کا
 اعراب ہوگا، جمع مکر جیسے آباء، اخوة اور جمع سالم جیسے ابنون اور ابون کی تفصیل کے ساتھ۔

نیز ان اسماء کا مضاف ہونا ضروری ہے، کیوں کہ اگر یہ اسماء مضاف نہ ہوں تو ان کا اعراب بالحرکت
 لفظی ہوگا جیسے جاء نی اب، رَايتُ ابا مَررت باب نیز اضافت یاء متکلم کے علاوہ کی طرف ہو۔
 کیوں کہ اگر یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو ان کا اعراب، اعراب بالحرکت تقدیری ہوگا۔

اب رہی یہ بات کہ مصنف نے پہلی دو قیدوں کو بیان کیوں نہیں کیا، تو وجہ یہ ہے کہ مصنف نے مثالوں
 پر اکتفاء کیا اور ذکر کی ضرورت محسوس نہیں کی، البتہ اضافت کی قید کے سلسلے میں مثالوں پر اکتفاء نہیں کیا، اس
 لیے کہ اگر اضافت کے سلسلے میں بھی مثالوں پر قناعت کر لیتے تو لوگوں کو یہ وہم ہوتا کہ ان اسمائے ستہ کے
 لیے مذکورہ اعراب کی شرط یہ ہے کہ وہ مخاطب کی ضمیر کی طرف مضاف ہوں، حالاں کہ ایسی کوئی بات نہیں۔

ابھی ایک راز کھلنے سے رہ گیا کہ ان اسماء ستہ کو مذکورہ اعراب کیوں دیا گیا، حالاں کہ یہ مفرد ہیں اور
 مفردات میں اصل اعراب بالحرکت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تمام مفردات کا اعراب، اعراب بالحرکت
 ہو جاتا اور تمام تشنیہ اور جمع کا اعراب، اعراب بالحروف ہو جاتا تو مفرد، تشنیہ اور جمع کے درمیان وحشت اور
 منافرت پیدا ہو جاتی، اس لیے بعض مفردات کو بھی اعراب بالحروف دے دیا، تاکہ ان کے درمیان سے
 منافرت اور وحشت تامہ ختم ہو جائے۔

ہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ پھر مذکورہ اعراب کے اسماء ستہ میں منحصر ہونے کی کیا وجہ ہے؟ دوسری
 بات ان ہی چھ اسموں کا ہی اس مقصد کے لیے انتخاب کیوں کیا؟ تو پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ جب تشنیہ اور
 جمع میں سے ہر ایک کی تین، تین حالتیں ہیں تو ہم نے ہر حالت کے مقابلہ ایک اسم کو کر دیا، اب رہی دوسری

بات کا جواب تو معاملہ یہ ہے کہ اسماء ستہ، تشنیہ اور جمع کے لفظ اور معنی مشابہ ہیں۔

لفظاً مشابہت تو یوں ہے کہ اسماء ستہ کا آخر تشنیہ اور جمع کی طرح اعراب بالحروف قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور معنی تو اس لیے کہ ان اسماء ستہ کے معنی میں بھی تعدد ہے جیسے تشنیہ اور جمع کے معنی میں تعدد ہوتا ہے۔

المثنیٰ و کلا مضافاً الی مضمیر و اثنان و اثنان بالألف و الیاء .

ترجمہ: - تشنیہ اور کلا در انحالیکہ ضمیر کی طرف مضاف ہو اور اثنان اور اثنان کا اعراب حالت رفعی میں الف کے ساتھ اور نصبی اور جری حالت میں یاء کے ساتھ ہوگا۔

توضیح: - اب مصنف تشنیہ اور اس کے ملحقات کا اعراب بیان کر رہے ہیں تو ان کا اعراب حالت رفعی میں الف ماقبل مفتوح اور حالت نصبی اور جری میں یاء ماقبل مفتوح ہوگا جیسے جاء نی رجلان، رأیت رجلین، مردت برجلین۔

مصنف نے صرف کلا کو بیان کیا، حالاں کہ مذکورہ بالا اعراب کلنا کا بھی ہوتا ہے، ایسا اس لیے کیا کہ کلا اصل ہے اور کلنا اس کی فرع ہے اور اصل کا ذکر فرع کے ذکر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ ایک بات اور سمجھ لیجیے کہ اثنان اور اثنان صرف صورتاً تشنیہ ہیں معنی نہیں ہیں، اس لیے کہ فی الحقیقت تشنیہ وہ مفرد کہلاتا ہے جس کے آخر میں الف یا یاء کو لاحق کیا گیا ہو اور یہ بات اثنان میں نہیں ہے کہ اس کا مفرد اثن ہو، پھر آخر میں الف کو لاحق کیا گیا ہو، کیوں کہ اثن کوئی چیز نہیں، ہاں اثنان دو مفردوں کے لیے وضع کیا گیا ہے باقی اثنان و ثنتان اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

پھر مصنف نے اثنان کو بیان کیا، حالاں کہ وہ اثنان کی فرع ہے، لہذا چاہیے اس کے برعکس تھا، اس لیے کہ اصل کا تذکرہ فرع کے ذکر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ تو ایسا اس لیے ہوا کہ چون کہ تذکیر اور تانیث کا حکم عدد کے باب میں مختلف ہوتا ہے، اس لیے ان دونوں کے لفظ کے ساتھ باب اعراب میں صراحت کر دی کہ یہاں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ دونوں کا حکم یکساں ہے۔

و کلا مضافاً الی المضمیر: کلا کا اعراب الف اور یاء کے ساتھ اضافت الی المضمیر کی قید کے ساتھ اس لیے مقید ہے کہ کلا کی دو حیثیتیں ہیں، کلا لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اور معنی کے اعتبار سے تشنیہ، پس اس کا لفظ اعراب بالحرف کا تقاضا کرتا ہے اور معنی اعراب بالحرف کا، لہذا کلا میں دونوں حیثیتوں کی رعایت کی گئی اس طور پر کہ اگر کلا اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو تو اعراب بالحرف دیا جائے گا، کیوں کہ اضافت الی الاسم الظاہر اصل ہے۔ اور اعراب بالحرف بھی اصل ہے۔ پس اصل کو اصل دے دیا گیا مناسبت کی رعایت کرتے ہوئے۔ اور اگر کلا مضاف ہو ضمیر کی طرف تو اعراب بالحرف دیا جائے گا،

اس لیے کہ اضافت الی الضمیر خلاف اصل ہے اور اعراب بالحرف نیز خلاف اصل ہے تو خلاف اصل کو خلاف اصل دے دیا گیا۔

جمع المذکر السالم والو وعشرون واخواتها بالواو والياء .

ترجمہ:- جمع مذکر سالم اور اَلُو اور عشرون اور اس کے اخوات کا اعراب رفعی حالت میں واؤ اور نصبی اور جری حالت میں یاء کے ساتھ ہوگا۔

توضیح:- اب جمع مذکر سالم کا اعراب بیان کر رہے ہیں، جمع مذکر سالم ہر ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کا مفرد سلامت ہو اور اس کے آخر میں واؤ اور نون یا یاء اور نون کو مانفوق الاثنین پر دلالت کرنے کے لیے لاحق کر دیا گیا ہے۔

اَلُو اور عشرون حقیقتاً جمع مذکر سالم نہیں ہیں، بلکہ اس کے ملحقات یعنی صورۃ جمع ہیں اس لیے کہ اَلُو کا من لفظ کوئی مفرد نہیں ہے۔ اسی طرح عشرون وغیرہ کا بھی کیوں کہ اگر عشرون کا مفرد عشر کو قرار دیا جائے تو پھر عشرون کا اطلاق تیس پر لازم آئے گا، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، اسی لیے جمع مذکر سالم کے ذکر کے بعد اَلُو اور عشرون اور اس کے اخوات کو مستقلاً بیان کیا۔

خیر: جمع مذکر سالم اَلُو اور عشرون وغیرہ کا اعراب حالت رفعی میں واؤ ماقبل مضموم اور حالت نصبی اور جری میں یاء ماقبل مکسور ہوگا جیسے جاء نی مسلمون رأیت مسلمین مردت بمسلمین۔

تثنیہ اور جمع کا اعراب، اعراب بالحرف اس لیے ہوگا کہ یہ دونوں مفرد کی فرع ہیں اور اعراب بالحروف اعراب بالحکرت کی فرع ہے پس اصل کو اصل اور فرع کو فرع دے دیا گیا۔

البتہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمع مؤنث سالم بھی تو مفرد کی فرع ہے، لہذا اس کو اعراب بالحرف دینا مناسب تھا، حالاں کہ ایسا نہیں ہوا ہے۔ جواب جمع مؤنث سالم کی بحث میں اس کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ ہونا تو ایسا ہی چاہیے تھا، لیکن جمع مؤنث سالم کے آخر میں اعراب بالحرف کی صلاحیت والا کوئی حرف نہیں ہے تو اس کو اعراب بالحکرت مجبوراً دیا گیا۔

اب رہی یہ بات کہ تثنیہ اور جمع کا اعراب خلاف اصل ہے، اس لیے کہ تثنیہ کا رفع الف کے ساتھ ہے، حالاں کہ قیاس واؤ کا تقاضا کرتا ہے اور اس کا نصب یاء کے ساتھ ہے، حالاں کہ قیاس الف کا متقاضی ہے۔ دراصل یہ ہے کہ اعراب بالحروف تین ہیں اور تثنیہ اور جمع میں سے ہر ایک کے اعراب کی حالتیں بھی تین تین ہیں، پس اگر تینوں حروف تثنیہ کو دے دیئے جاتے تو جمع بلا اعراب کے باقی رہتا اور اگر تینوں جمع کو دے دیا جاتا تو تثنیہ بلا اعراب کے ہو جاتا اور اگر دونوں کے درمیان ان کو مشترک کر دیا جاتا تو پھر تثنیہ اور جمع کے درمیان اشتباہ لازم آتا لہذا اعراب بالحروف میں تقسیم کر دی گئی بایں طور کہ الف تثنیہ کو حالت رفعی میں

دے دیا گیا، اس لیے کہ الف افعال کی تشنیہ میں فاعل کی ضمیر ہوتا ہے اور واؤ حالت رفعی میں جمع کو دے دیا گیا، اس لیے کہ واؤ افعال کے صیغہ جمع میں فاعل کی ضمیر ہوتا ہے۔ اور یاء کو ان دونوں کی حالت جری میں مشترک کر دیا گیا پھر دونوں جگہ نصی حالت کو جری حالت کے تابع کر دیا، نصب اور جر کے درمیان مناسبت کی وجہ سے اس لیے کہ نصی اور جری دونوں حالتیں فضلہ پر دلالت کرتی ہیں بخلاف رفعی حالت کے کہ وہ عمدہ پر دل ہے، پھر فرق کرنے کے لیے تشنیہ میں یاء ماقبل مفتوح اور جمع میں یاء ماقبل مکسور کر دیا۔

التقدير فيما تعذر كعصا و غلامی مطلقاً او استثقل كقاضٍ رفعاً و جرّاً و نحو مسلمی رفعاً و اللفظی فيما عداہ .

ترجمہ: - اعراب کی تقدیر اس اسم معرب میں ہوتی ہے کہ جس میں اعراب لفظاً ناممکن ہو جیسے عصا اور غلامی مطلقاً، یا دشوار ہو جیسے قاض، رفعی اور جری حالت میں اور مسلمی جیسے میں رفعی حالت میں اور لفظی اس اسم معرب میں ہوگا جو تقدیری کے مواقع کے علاوہ ہے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف ان اسماء کے اعراب کو بیان کر رہے ہیں جن کا اعراب تقدیری ہوتا ہے۔ اعراب تقدیری کی لفظی پر تقدیم اختصار کی وجہ سے ہے، کیوں کہ اعراب کی تقدیر چند اسماء میں ہوتی ہے۔ لہذا پہلے کم والے کو بیان کر دیا جائے پھر اس کے علاوہ جو کچھ ہوگا وہ لفظی ہوگا۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ تقدیری کے مواضع کم ہیں، لہذا وہ بمنزلہ جز کے ہو اور لفظی کے مواضع زیادہ ہیں پس وہ بمنزلہ کل کے ہوا اور جز کل پر فہم میں مقدم ہوتا ہے، لہذا ذکر میں بھی مقدم کر دیا، تا کہ وضع، طبع کے مطابق ہو جائے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اسم معرب جس میں لفظوں میں اعراب ناممکن ہو اس میں اعراب تقدیری ہوتا ہے جیسے عصا اور غلامی، عصا سے مراد ہر ایسا اسم ہے جس کے آخر میں الف متصورہ ہو خواہ الف مقصورہ سلامت ہو یا حذف ہو گیا ہو۔

اس میں اعراب اس لیے تقدیر ہوتا ہے، کیوں کہ الف وضعاً ساکن ہوتا ہے اور وہ اعراب کو بالکل قبول نہیں کرتا، لہذا اس میں اعراب تقدیری ہوگا۔

اور غلامی سے مراد ہر ایسا اسم ہے جو جمع مذکر سالم نہ ہو اور یائے متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں اعراب اس لیے تقدیری ہوگا کہ جب مضاف کا آخر حرکت کے ساتھ مشغول ہو گیا یاء کے تقاضہ کی وجہ سے تو اب اس پر دوسری حرکت کا دخول ناممکن ہو گیا، خواہ وہ حرکت مخالف ہو یا موافق ورنہ رفعی اور نصی حالت میں حرف واحد پر بیک وقت دو مختلف حرکتوں کا ہونا لازم آئے گا اور جری حالت میں دو متماثل حرکتوں کا ہونا ظاہر ہے کہ اس کی گنجائش نہیں ہے۔

مطلقاً: مطلقاً کا مطلب ہے کہ مذکورہ اسماء میں اعراب کی تقدیر ہر سہ حالت میں ہوگی۔ نیز اعراب

کی تقدیر کا دوسرا موقع ہر ایسا اسم ہے جس میں اعراب کا ظہور دشوار ہو جیسے قاضِ رُفعی اور جری حالت میں اور مسلمی جیسے میں رُفعی حالت میں۔

قاضی سے مراد ہر ایسا اسم ہے کہ جس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو اس میں رُفعی اور جری حالت میں اعراب اس لیے مقدر ہوگا کہ کسرہ کے بعد یاء پر ضمہ اور کسرہ دونوں دشوار ہوتے ہیں بخلاف فتح کے کہ وہ خفیف الحُرکت ہے۔

مسلمی جیسے سے مراد ہر ایسی جمع مذکر سالم ہے جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو، اس میں اعراب حالت رُفعی میں تقدیری ہوگا، کیوں کہ حالت رُفعی میں واویاء سے بدل جاتا ہے اور قلب شئی کو اس کی حقیقت سے خارج کر دیتا ہے۔ پس لفظا واؤ کا وجود نہ ہو، پس تقدیر امانا گیا۔

جب کہ نصھی اور جری حالت میں یاء کا یاء میں ادغام ہوتا ہے اور ادغام شئی کو اس کی حقیقت سے خارج نہیں کرتا۔

واللفظی فیما عداہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ اسم معرب کی بقیہ صورتوں میں اعراب لفظی ہوگا۔

غیر المنصرف ما فیہ علتانِ من تسعِ او واحدةٌ منها تقومُ مقامہما وہی شعر:
عَدْلٌ وَ وَصْفٌ وَ تَانِیْتُ وَ مَعْرِفَةٌ ÷ وَ عَجْمَةٌ ثُمَّ جَمْعٌ ثُمَّ تَرْکِیْبٌ ÷ وَ النُّونُ زَائِدَةٌ مِنْ قَبْلِهَا الْفُ ÷ وَ وَزْنُ الْفِعْلِ وَ هَذَا الْقَوْلُ تَقْرِیْبٌ ÷ مِثْلُ عُمَرُ وَ اَحْمَرُ وَ طَلْحَةُ وَ زَیْنَبُ وَ اِبْرَاهِیْمُ وَ مَسَاجِدٌ وَ مَعْدِ یُکْرَبُ وَ عِمْرَانُ وَ اَحْمَدُ .

ترجمہ: - غیر منصرف وہ ہے کہ جس میں دو علتیں ہوں نو علتوں میں سے یا ان میں سے ایک ہو جو ان دو کے قائم مقام ہو اور وہ نو (شعر) عدل اور وصف اور تانیث اور معرفہ اور عجمہ پھر ترکیب اور الف نون زائدتان اور وزن فعل ہیں۔ اور یہ قول قریب کرنے والا ہے جیسے عمر اور احمر اور طلحہ اور زینب اور ابراہیم اور مساجد اور معد یکرَب، عمران اور احمد۔

توضیح: - یہاں سے مصنف غیر منصرف کی تعریف پھر اس کا حکم بیان کر رہے ہیں۔ غیر منصرف کے بیان کو منصرف پر مقدم کیا، حالاں کہ اصل اسماء میں منصرف ہونا ہے، وجہ یہ ہے کہ غیر منصرف کے مباحث منصرف کے مقابلہ میں بہت کم ہیں اس لیے قلیل کو پہلے نمٹا دیا۔

پس غیر منصرف وہ اسم معرب ہے جس میں اسباب تسعہ سے دو مؤثر علتیں یا ایک مؤثر علت جو دو علتوں کے قائم مقام ہو مع شرائط کے پائی جائے۔

اسم کی قید سے فعل خارج ہو گیا جیسے ضربت کہ اس میں دو علتیں تانیث اور وزن فعل پائی جاتی ہیں،

لیکن یہ فعل ہے۔ جب کہ غیر منصرف اسم کی قسم ہے پس یہ بحث سے خارج ہے۔ اور معرب کی قید سے حضار خارج ہو گیا، کیوں کہ یہ باوجود اس بات کے کہ اس میں دو علتیں، تانیث اور علمیت موجود ہیں مبنی ہے۔ اور مؤثر کی قید سے حبلی اور مصابیح کا حالت علم میں غیر منصرف کی پہلی قسم میں داخلہ منع ہو گیا، کیوں کہ حالت علم میں بھلے ان دونوں میں دو علتیں ہو جائیں لیکن، علمیت ان دونوں کے ساتھ یعنی جمع اور تانیث کے دونوں الفوں کے ساتھ مؤثر نہیں ہوا کرتی۔ اور مع شرائط کی قید سے نوح نکل گیا، کیوں کہ اگرچہ اس میں عجم اور تانیث دو علتیں موجود ہیں، لیکن عجم کے غیر منصرف ہونے کی جو شرط ہے تحرک الاوسط یا زائد علی الثلاثہ ہونا وہ یہاں فوت ہے۔

وہی شعر: ہی مبتدا ہے اور شعر میں مذکور اسباب تسعہ کا مجموعہ اس کی خبر ہے، یعنی یہاں پر عطف ربط پر مقدم ہے، کیوں کہ کل کی تقسیم جب اس کے اجزاء کی طرف ہوتی ہے تو عطف ربط پر مقدم ہوا کرتا ہے ورنہ بصورت دیگر ہر ہر علت کا اسباب تسعہ کا مجموعہ ہونا لازم آئے گا، ظاہر ہے کہ یہ خلاف واقعہ ہے نیز ثم ترکیب مع التراخی کے معنی کے لیے یہاں نہیں لایا گیا، بلکہ وزن شعری کی محافظت کے لیے مذکور ہے۔

زائدة: زائدة حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت ہے وتمنع النون الصرف حال کونہا زائدة اور أَلْفٌ، ظرف (من قبلها) کا فاعل ہے اور یا تو الف مبتدا ہے اور خبر ظرف مقدم ہے، لیکن اس صورت میں الف کی زیادتی نہیں معلوم ہوتی، حالاں کہ نون کے ساتھ الف بھی زائد ہے، اس لیے مناسب بات یہ ہے کہ الف زائدة کا فاعل ہے اور ظرف زائدة کے متعلق ہے، اس صورت میں نون کے ساتھ الف کی بھی زیادتی مفہوم ہو جائے گی جو کہ مطلوب ہے۔

زائدة میں ایک دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ وہ نون کی صفت ہو، لیکن اس صورت میں موصوف اور صفت کے درمیان عدم مطابقت کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا، اس لیے کہ زائدة نکرہ ہے جب کہ النون معرف باللام ہے، اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ الف لام عہد ذہنی نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے پس حقیقتاً نہ ہی حکماً ہی مطابقت پائی گئی۔

هذا القول تقرب: اس جملہ کے تین مطلب ہیں۔ ایک مطلب یہ ہے کہ تقریب مقرب کے معنی میں ہے یعنی عدل تسعہ کا بصورت نظم ذکر کرنا بمقابلہ نثر کے حفظ کے زیادہ قریب کرنے والا ہے۔ کیوں کہ نظم نثر سے سہل الحفظ ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ قول اقرب الی الصواب ہے یعنی درستگی کے زیادہ قریب ہے، اس لیے کہ علتوں کی تعداد میں اختلاف ہے، کیوں کہ بعض نے صرف دو علتوں حکایت فی وزن الفعل اور ترکیب کا قول کیا ہے۔ اور دوسرے بعض گیارہ کے قائل ہیں، مذکورہ نون کے ساتھ مراعاة الوصف الاصلیہ بعد

التنكير اور شبه الف تانیث المقصورہ کا اضافہ کرتے ہیں۔ شبہ الف تانیث ایسا الف ہے جو تانیث کے لیے نہ ہو اور اسم کے آخر میں زیادہ کیا گیا ہو پھر اس اسم کو علم بنا دیا گیا ہو جیسے ارطی جو ایک درخت کا نام ہے یا قبثری جو ایک آدمی کا نام ہے۔

اور بعضے تو تیرہ کے بھی قائل ہیں، وہ گیارہ پر لزوم تانیث اور عدم انظوم فی الآحاد کا اضافہ کرتے ہیں جب کہ جمہور نوعلتوں کے حق میں ہیں پس مصنف نے جمہور کے مسلک کو خیر الامور اوسطہا کے پیش نظر اختیار کیا۔ اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ تقریب مجازاً کے معنی میں ہے یعنی فروع تسعة میں سے ہر ایک کا سبب اور علت نام رکھنا مجازاً ہے، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک جزء علت ہے نہ کہ علت تامہ، اس لیے کسی اسم کے غیر منصرف ہونے کا حکم دو فریعتوں کے اجتماع کے بعد لگایا جاتا ہے۔

مثل عمر: عمر عدل کی مثال ہے اور احمر وصف کی مثال ہے اور طلحہ تانیث لفظی اور زینب تانیث معنوی کی مثال ہے، ابراہیم عجمہ اور مساجد جمع منتهی الجموع اور معد یکرب ترکیب کی مثال ہے اور عمران الف نون زائدتان اور احمد وزن فعل کی مثال ہے۔

مصنف نے تانیث کی دو مثالیں تانیث کی دونوں قسموں لفظی اور معنوی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بیان کی ہیں۔

و حکمہ ان لا کسرة ولا تنوینَ ویجوز صرفہ للضرورة او للتناسبِ مثل سلاسل
واغلا لا وما یقوم مقامہما الجمعُ والفا التانیثِ .

ترجمہ: - اور اس کا حکم یہ ہے کہ کسرہ اور تنوین اس میں نہ ہوگا اور جائز ہے اس کا منصرف پڑھنا ضرورت یا مناسبت کی وجہ سے جیسے سلاسل اور اغلا لا اور وہ ایک علت جو دوعلتوں کے قائم مقام ہوتی ہے جمع اور تانیث کے دونوں الف ہیں۔

توضیح: - حکم سے مراد اثر ہے، غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتا، اس لیے کہ ہر علت کی کوئی نہ کوئی فریعت ہے پس جب کسی اسم غیر منصرف میں دوعلتیں پائی گئیں تو اس میں دو فریعتیں حاصل ہوں گی، لہذا وہ اسم دو فریعتوں کے پائے جانے کی وجہ سے دو فریعتوں کے پائے جانے میں فعل کے مشابہ ہو گیا۔ اور فعل پر کسرہ اور تنوین منع ہے، لہذا کسرہ اور تنوین غیر منصرف پر بھی منع ہو جائے گا، اس لیے کہ کسرہ اور تنوین اسم کے اعظم خواص میں سے ہے۔

معلوم ہو کہ حکمہ مبتدأ ہے اور اس کی خبر ان لا کسرة ولا تنوین پورا جملہ ہے اور عائد فیہ محذوف ہے۔

فائدہ: - فعل کے لیے دو فریعتیں اس کا فاعل کا محتاج ہونا اور مصدر سے مشتق ہونا ہے۔ اور

اسباب تسعہ میں سے عدل معدول عنہ کی فرع ہے اور وصف موصوف کی فرع ہے اور تانیث، تذکیر کی اور معرہ نکرہ کی اور عجمہ کلام عرب میں عربیت کی فرع ہے اور جمع واحد کی اور ترکیب مفرد کی فرع ہے، جب کہ الف و نون زائدتان مزید علیہ کی یا الف مقصورہ و ممدودہ کی فرع اور وزن فعل اسم میں وزن اسم کی فرع ہے۔

ویجوز صرفہ: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے جو غیر منصرف کا حکم بیان کیا ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتا ہے یہ حکم حضرت فاطمہ کے شعر صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ اِنَّمَا ÷ صُبَّتْ عَلَيَّ الْاَيَّامِ صِرْنَ لِيَالِيَا سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت امام شافعی کا امام ابوحنیفہ کی منقبت میں ایک شعر ہے اَعِدْ ذَكَرَ نِعْمَانٍ لَنَا اِنْ ذَكَرَةٌ ÷ هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوُّعٌ اور حضرت علی کا شعر ہے سَلَامٌ عَلَيَّ خَيْرِ الْاِنَامِ وَسَيِّدِ ÷ حَبِيبِ اِلٰهِ الْعَالَمِينَ مُحَمَّدٍ ÷ بِشِيرِ نَذِيرِ هَاشِمِيٍّ مَكْرَمِ ÷ عَطُوفِ رُؤْفِ مَنْ يَسْمِيُّ بِاِحْمَدٍ۔ پہلے شعر میں محل استدلال مصائب ہے، دوسرے شعر میں نعمان اور تیسرے شعر میں محل استدلال باحمد ہے، تو مصنف نے اپنے قول و یجوز صرفہ للضرورة سے اس کا جواب دیا کہ غیر منصرف کو منصرف پڑھنا یعنی غیر منصرف کو منصرف کے کلمہ میں کر لینا ضرورت شعری کی وجہ سے درست ہے، اب خواہ ضرورت انکسار یا انزحاف کی صورت میں پائی جائے یا رعایت قافیہ کی شکل میں، چنانچہ پہلے شعر میں انکسار یعنی وزن شعر کے ٹوٹنے سے حفاظت ہے اور دوسرے شعر میں انزحاف یعنی سلاست کے ختم ہونے سے بچاؤ ہے اور تیسرے شعر میں قافیہ کی رعایت ہے۔ یعنی سابقہ اشعار کے مصرعوں کا آخری حرف چوں کہ کسرہ پر ختم ہو رہا ہے، لہذا اس مناسبت سے باحمد پر بجائے فتح کے کسرہ پڑھ دیا گیا۔

او للتناسب: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے کہ پھر بھی آپ کے غیر منصرف کا حکم اللہ تعالیٰ کے ارشاد سلاسلًا و اغلالًا سے ٹوٹ جاتا ہے، کیوں کہ سلاسل غیر منصرف ہونے کے باوجود منون ہے۔ حالاں کہ یہ شعر نہیں ہے تو مصنف نے اپنے قول او للتناسب سے جواب دیا کہ کبھی کبھی غیر منصرف پر منصرف کا حکم محض اس لیے جاری کر دیا جاتا ہے کہ دونوں میں معنی مناسبت پائی جاتی ہے۔ سلاسل اور اغلال میں مناسبت یہ ہے کہ تھکڑی اور زنجیر دونوں لوہے کی ہوتی ہیں اور چوں کہ اغلال کو منون پڑھا گیا ہے، اس لیے سلاسل کو بھی اس کی مناسبت سے متون پڑھا جائے گا۔

او ما يقوم مقامها: ایسا ایک سبب جو دو سببوں کے قائم مقام ہوتا ہے ایک جمع منتہی الجموع اور دوسرے تانیث کے دونوں الف ہیں، یعنی الف مقصورہ و الف ممدودہ۔ جمع دو سببوں کے اس لیے قائم مقام ہوتی ہے کہ وہ جمع منتہی الجموع ہے اور اس میں دو باتیں پائی جاتی ہیں ایک جمع ہونا دوسرے لزوم جمع ہونا، پس گویا یہ دو علتیں ہیں۔ اور الف مقصورہ اور الف ممدودہ دو سببوں کے اس لیے قائم مقام ہیں ایک تو یہ خود

مؤنث ہیں دوسرے مؤنث کے لیے وضعاً لازم ہیں، پس یہ لزوم، تانیث ثانی کے منزلہ میں ہو گیا اور جب بات یہ ہے تو اس میں دو باتیں پیدا ہو گئیں تانیث اور لزوم تانیث جو بمنزلہ دو سببوں کے ہے۔

فَالْعَدْلُ خُرُوجُهُ عَنِ صَيْغَتِهِ الْأَصْلِيَّةِ تَحْقِيقًا كَثَلْتُ وَمِثَلْتُ وَأُخِرَ وَجُمِعَ أَوْ تَقْدِيرًا كَعَمْرٍ وَبَابُ قَطَامٍ فِي تَمِيمٍ .

ترجمہ:- پس عدل اس کا نکالا جانا ہے اس کے صیغہ اصلی سے حقیقتاً جیسے ثلث اور مثلث، آخر اور جمع یا تقدیراً جیسے عمر اور باب قطام بنو تمیم کی لغت میں۔

توضیح:- سب سے پہلے چند باتیں سنیں! کہ عدل ان الاسم معدولاً اور خروج کون الاسم مخرجاً کے معنی میں ہے اور صیغہ سے مراد صورت اور اسم سے مراد مادہ ہے اب تعریف سنیں! عدل نام ہے اس کا اپنے صیغہ اصلی سے بلا کسی قاعدے صرفی کے مادہ کے بقا کے ساتھ ساتھ نکلنا خواہ یہ نکلنا تحقیقی ہو یا تقدیری۔

مصنف نے تحقیقاً اور تقدیراً سے عدل کو تقسیم کی ہے کہ عدل کی دو قسمیں ہیں، عدل تحقیقی اور عدل تقدیری، عدل تحقیقی ایسے عدل کو کہتے ہیں کہ جس کے معدول ہونے پر علاوہ غیر منصرف پڑھنے کے کوئی دوسری دلیل موجود ہو جیسے ثلث اور مثلث۔ اور عدل تقدیری ایسے عدل کو کہتے ہیں کہ اس کے معدول ہونے پر علاوہ غیر منصرف کے کوئی اور دلیل نہ ہو جیسے عمر اور زفر۔

کثلاث و مثلث: ثلاث اور مثلث میں غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کے معنی تین، تین کے ہیں، جو کہ مکرر ہیں اور معنی کا تکرار لفظ کے تکرار پر دلالت کرتا ہے، حالاں کہ ان دونوں کا لفظ مکرر نہیں پس معلوم ہوا کہ یہ ایسے لفظ سے معدول ہیں جو مکرر ہے اور وہ ثلاثہ ثلاثہ ہے۔

آخر: اور آخر میں غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ اس کے معدول ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ آخر جمع ہے آخری بروزن فعلی کا، اور آخری مؤنث ہے آخر کا اور وہ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کا استعمال بحسب القاعدہ تین طرح ہوتا ہے لام کے ساتھ، یا اضافت کے ساتھ، یا من کے ساتھ اور آخر یہاں تینوں طریقوں میں سے کسی طریقہ کے ساتھ بھی مستعمل نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ انہی تین طریقوں میں کسی سے معدول ہے۔

جمع: اور جمع بھی عدل تحقیقی کی مثال ہے، کیوں کہ اس میں بھی غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ دوسری دلیل موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جمع جمعاء کی جمع ہے اور فعلاء کا قاعدہ ہے کہ اگر وہ صفت ہو تو اس کی جمع فُعْلٌ کے وزن پر آتی ہے جیسے حمراء کی جمع حُمر، اور اگر وہ اسم ہو تو اس کی جمع فَعَالِيٌّ یا فَعْلَاوَاتُ کے وزن پر آتی ہے، جیسے صحراء کی جمع صَحْرَائِيٌّ یا صَحْرَاوَاتُ کے وزن پر

آتی ہے اور یہاں ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ جمع نہیں لائی گئی ہے پس معلوم ہوا کہ انھیں میں سے کسی سے معدول ہے۔

عمر: عمر اور زفر عدل تقریری کی مثال ہیں کہ ان دونوں میں فی الواقع صرف علم تھا جو غیر منصرف پڑھے جانے کے لیے کافی نہیں تھا، اس لیے اس میں عدل کا اعتبار کر لیا گیا کہ عمر، عامر اور زفر، زافر سے معدول ہے، تا کہ ان کا غیر منصرف پڑھا جانا صحیح ہو جائے۔

باب قظام: یہ بھی عدل تقریری کی مثال ہے، باب قظام سے مراد ہر ایسا اسم ہے جو فعال کے وزن پر ہو اور کسی مؤنث ذات کا نام ہو، نیز غیر ذوات الراء ہو تو اس میں اکثر بنو تمیم عدل کا اعتبار ذوات الراء پر محمول کرنے کے لیے کرتے ہیں جیسے حضار وغیرہ ایسا اس لیے کرنا پڑا کہ جب وہ فعال جو ذوات الراء ہے عربوں کے کلام میں مبنی ہے اور مبنی ہونے کے لیے دو سبب علمیت اور تانیث نا کافی ہیں، کیوں کہ ان کا کلمہ کے مبنی اور معرب ہونے میں کوئی دخل نہیں ہے، لہذا ذوات الراء میں عدل مبنی اصل کے ساتھ تحقق مشابہت کے لیے مان لیا گیا اور جب اس میں عدل کا اعتبار کیا گیا تو غیر ذوات الراء میں بھی اس کا اعتبار کر لیا گیا، تا کہ جو حکم ذوات الراء کا ہے بسلسلہ عدل وہی حکم غیر ذوات الراء کا بھی ہو جائے۔

الوصف شرطه ان يكون في الاصل فلا تضره الغلبة فلذلك صرف اربع في مررت بنسوة اربع وامتنع اسود وارقم للحيه واذهم للقيد .

ترجمہ: - وصف اس کی شرط اصل میں وصف ہونا ہے پس اس کو غلبہ نقصان نہیں دے گا پس اس وجہ سے اربع منصرف ہے مررت بنسوة اربع میں اور ناممکن ہے منصرف ہونا (یعنی غیر منصرف ہونا واجب ہے) اسود اور ارقم کا جو کہ سانپ کا نام ہے اور اذہم بیڑی کا نام ہے۔

توضیح: - وصف اس اسم کو کہتے ہیں جو مبہم ذات پر دلالت کرے خواہ وہ دلالت وضع کی وجہ سے ہو یا استعمال کے عارضی ہونے کی وجہ سے ہو، البتہ غیر منصرف کے سبب ہونے میں اعتبار وصفیت وضعیہ اصلیہ کا ہے، اسی لیے مصنف نے اس کو وصف کے سبب ہونے کے لیے شرط قرار دیا، فی الاصل میں فی عند کے معنی میں ہے۔

فلا تضره الغلبة: لہذا اگر وصفیت اصلیہ پر اسمیت بصورت علم غالب آجاتی ہے تو وصف مذکور کے اس غلبہ کی وجہ سے غیر منصرف کا سبب ہونے پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ اور وہ جس طرح قبل العلمیت غیر منصرف کا سبب تھی بعد العلمیت بھی وہ وصف غیر منصرف کا سبب ہو سکے گا۔

فلذلك صرف: اب مصنف شرطه ان يكون في الاصل پر تفریح کر رہے ہیں کہ چوں کہ اربع مررت بنسوة اربع کی ترکیب میں اصل وضع کے اعتبار سے چوتھی کے معنی یعنی وصفیت کے لیے

موضوع نہیں ہے بلکہ وہ عدد معین کے لیے موضوع ہے، پس وصف کے غیر منصرف کا سبب ہونے کی شرط فوت ہوگئی، لہذا اربع غیر منصرف و صفیت کی بنیاد پر نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف اسود اور ارقم کے، کہ اول الذکر اصلاً ہر سیاہ چیز کے لیے اور ثانی الذکر ہر چتکبری چیز کے لیے وضع کیا گیا تھا، اسی طرح ادہم سیاہ چیز کے لیے موضوع تھا، لیکن اب اسود کالے سانپ اور ارقم چتکبرے سانپ اور ادہم بیڑی کا نام ہو گیا، پھر بھی اصل وضع کا لحاظ کرتے ہوئے ان اسماء کو و صفیت کی بنیاد پر غیر منصرف پڑھا جائے گا، کیوں کہ جب و صفیت اصل ہوتی ہے تو علمیت یعنی اسمیت کا غلبہ وصف کے اعتبار کیے جانے کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

وَضَعُفَ مَنَعِ افْعَى لِلْحَيَّةِ وَاجْدَلُ لِلصَّقْرِ وَاخِيلُ لِلطَّائِرِ .

ترجمہ: - اور ضعیف ہے افعی کا غیر منصرف ہونا جو کہ سانپ کا نام ہے اور اجدل شکرے کا اور اخیل پرندے کا۔

توضیح: - جب وصف کے غیر منصرف کا سبب ہونے کا معیار اس کے وصفی معنی کے لیے اصل وضع میں ہوتا ہے، تو پھر افعی جو کہ سانپ کا نام ہے اور اجدل جو کہ شکرے کا نام ہے اور اخیل جو کہ چیل کا نام ہے کا غیر منصرف ہونا کمزور ہو گیا، کیوں کہ افعی کا فعوۃ سے اور اجدل کا جدل اور اخیل کا خیلان سے مشتق ہونا یقینی نہیں، لہذا ان اسماء کا اصل وضع میں وصف کے لیے ہونا بھی فائل نہیں، لہذا المحض وہم کی بنیاد پر اگر غیر منصرف پڑھا جاتا ہے تو ان کا غیر منصرف ہونا کمزور ہوگا۔

اچھا، منصرف ہونا کمزور نہیں ہوگا، کیوں کہ اسماء میں اصل منصرف ہونا ہی ہوتا ہے۔

التانیثُ بالتاء شرطُہ العلمیۃُ والمعنویۃُ کذالک وشرطُ تحتمُ تاثیرہُ الزیادۃُ علی الثلاثۃِ او تحرُّکُ الأوسطِ او العُجمۃُ فہندٌ یجوزُ صرفُہُ وزینبُ وسقَرُ وماہ و جور ممتنعٌ فان سَمِیَ بہ مذکرٌ فشرطہُ الزیادۃُ علی الثلاثۃِ فقدَمَ منصرفٌ وعقرب ممتنعٌ .

ترجمہ: - تانیث بالتاء اس کی شرط علم ہونا ہے اور معنوی اسی طرح، اور معنوی کے تاثیر کے وجوب کی شرط زائد علی الثلاثۃ یا متحرک الاوسط ہونا ہے یا عجم ہونا ہے۔ پس ہند اس کا منصرف پڑھنا جائز ہے اور زینب اور سقر اور ماہ و جوران کا منصرف ہونا ناممکن ہے۔ پس اگر مؤنث معنوی کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس کی شرط زائد علی الثلاثۃ ہونا ہے پس قدم منصرف ہے اور عقرب غیر منصرف۔

توضیح: - غیر منصرف کا تیسرا سبب تانیث ہے۔ تانیث کی دو قسمیں ہیں۔ تانیث بالالف اور تانیث بالتاء۔ تانیث بالالف یہ واجب التأثير ہے اس کے غیر منصرف ہونے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے،

کیوں کہ تانیث الفی اس اسم کے لیے وضعاً لازم ہو جاتی ہے جس کو وہ لاحق ہوتی ہے اور تانیث بالتاء سے مراد تاء زائدہ ہے جو حالت وقف میں ہاء سے بدل جاتی ہے۔ تانیث بالتاء کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ اسم جس میں تاء لفظاً ہو خواہ مذکر کا نام ہو جیسے طلحة یا مؤنث کا جیسے فاطمة۔ اس کے غیر منصرف و جو با ہونے کے لیے صرف علمیت شرط ہے۔ علمیت کو تائے تانیث لفظی کے لیے اس لیے شرط قرار دیا جاتا ہے کہ وہ بقدر امکان تبدیلی سے محفوظ رہے اور تانیث کی دوسری قسم وہ اسم ہے جس میں تاء مقدر ہو جس کا دوسرا نام تانیث معنوی ہے جیسے ہند، زینب وغیرہ، تانیث معنوی کے وجوہاً غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے علمیت کے ساتھ ساتھ زائد علی الثلاثہ یا متحرک الاوسط یا عجمہ ہونا شرط ہے۔ تانیث معنوی میں علمیت اس کے جوازاً غیر منصرف ہونے کے لیے شرط ہے، اسی کو منصف نے والمعنوی کذالك سے بیان کیا ہے۔ پس تشبیہ دونوں میں علمیت کے نفس شرط ہونے میں ہے، باقی پہلے قسم میں اس کا شرط ہونا برائے وجوب اور دوسری میں برائے جواز ہے۔

خیر: تانیث معنوی میں علمیت کے ساتھ ساتھ ان مذکورہ تین شرطوں میں سے کسی ایک کا ہونا وجوہاً غیر منصرف ہونے کے لیے اس لیے ضروری ہے کہ غیر منصرف دو علتوں کے ثبوت سے حاصل ہونے والے ثقالت کی وجہ سے پڑھا جاتا ہے پس اگر تانیث معنوی میں علمیت کے ساتھ ساتھ تینوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ ہو تو اسم ثلاثی، ساکن الاوسط، عربی ہو جائے گا، لہذا وہ انتہائی ضعیف ہو جائے گا جو کہ دو سببوں میں سے کسی ایک سبب کے ثقل کے معارض ہو گا پس اس کی تاثیر کے مزاحم ہو جائے گا تو ان امور میں سے کسی ایک کو شرط قرار دینا مؤنث کو ثقیل بنانے کے لیے ہے۔ پہلے امر کا ثقل ظاہر ہے۔ جب کہ ثلاثی متحرک الاوسط مفید الثقل ہونے میں چوتھے حرف کے حکم میں ہے، رہی بات عجمی ہونے کی تو اس لیے کہ عجمی زبان عربوں کے لیے دشوار ہوتی ہے۔ لہذا ہند کا منصرف پڑھا جانا جائز ہے، کیوں کہ یہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے پس اس میں خفت پیدا ہوگئی، البتہ غیر منصرف پڑھنے کی بھی اجازت ہے، اس لیے کہ دو سبب تانیث اور علمیت موجود ہیں۔ ہاں زینب، سقر، ماہ و جوہر غیر منصرف ہیں، پہلا کلمہ علمیت کے ساتھ ساتھ زائد علی الثلاثہ ہونے کی وجہ سے اور دوسرا متحرک الاوسط اور تیسرا اور چوتھا کلمہ عجمی ہونے کی وجہ سے۔

فان سمی بہ مذکر: یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر مؤنث معنوی کو کسی مذکر کا نام تجویز کر دیا تو اس کا مذکر کا علم ہو جانے کے باوجود غیر منصرف ہونے کے لیے چہار حرفی ہونا ضروری ہے، تاکہ چوتھا حرف تانیث کے قائم مقام ہو جائے۔ لہذا قَدَم منصرف ہے کیوں کہ مذکر کا علم قرار پانے کی وجہ سے تانیث معنوی ختم ہوگئی اور چوتھا حرف نہ ہونے کی وجہ سے اس کا قائم مقام بھی نہیں ہے، ہاں عقرب غیر منصرف ہے، اس لیے کہ اگرچہ مذکر کے علم کی وجہ سے تانیث معنوی زائل ہوگئی، لیکن چوتھا حرف اس کا

قائم مقام موجود ہے۔ پس وہ علمیت اور تانیث حکمی کی وجہ سے وجوباً غیر منصرف پڑھا جائیگا۔

المعرفة شرطها ان تكون علمية .

ترجمہ: - معرفہ اس کی شرط علم ہونا ہے۔

توضیح: - غیر منصرف کا چوتھا سبب معرفہ ہونا ہے۔ معرفہ ایسی چیز کو کہتے ہیں جو شئی معین پر دلالت کرے، معرفہ کے غیر منصرف ہونے کی شرط علم ہونا ہے۔ معرفہ کو علمیت کے ساتھ اس لیے مشروط کیا کہ اسماء اشارات اور مضمرات اور موصولات مبنی ہیں، جب کہ غیر منصرف ہونا معرب کے احکام میں سے ہے اور ان دونوں کے درمیان منافات ہے، اب جہاں تک لام تعریف اور اضافت کی بات ہے تو یہ بنے بنائے غیر منصرف کو منصرف یا منصرف کے حکم میں کر دیتے ہیں۔ پس ان کے ہوتے ہوئے ابتداء کوئی اسم غیر منصرف کیسے ہو سکتا ہے۔ اب معرف بالنداء کا جہاں تک معاملہ ہے تو اس میں تھوڑی تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر منادی مفرد معرفہ ہے تو وہ مبنی ہونے کی وجہ سے بحث سے خارج ہے اور منادی مضاف ہر چند معرب ہوتا ہے، لیکن اضافت کسی بھی کلمہ کے غیر منصرف ہونے کے لیے رکاوٹ ہے۔

اور منادی نکرہ غیر معین منادی معرف باللام کے حکم میں ہے، چنانچہ یا رجل یا ایہذا الرجل کی جگہ پر مستعمل ہوتا ہے، اس لیے علم معرفہ کی اقسام میں سے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے متعین ہو گیا، اب البتہ یہ امر لاحق توجہ ہے کہ مصنف نے علم کو غیر منصرف کا سبب اور معرفہ کو اس کی شرط کیوں نہیں قرار دیا ہے، ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ کہتے العلمیۃ شرطها ان تكون معرفة، تو بات دراصل یہ ہے کہ کسی بھی اسم کے غیر منصرف کے سبب ہونے کا مدار اس بات پر ہے کہ وہ کسی اصل کی فرع ہو اور معرفہ کا نکرہ کی فرع ہونا بمقابلہ علم کے زیادہ واضح ہے۔

العجمة شرطها ان تكون علمية في العجمة وتحرك الاوسط والزيادة على الثلاثة
فنوح منصرف وشتروا ابراهيم ممتنع .

ترجمہ: - عجمہ اس کی شرط یہ ہے کہ وہ عجمہ میں علم ہو اور متحرک الاوسط ہونا یا زائد علی الثلاثة ہونا پس نوح منصرف ہے اور شتروا ابراہیم غیر منصرف۔

توضیح: - سب سے پہلے عجمہ کی تعریف سنئے! عجمہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو کسی معنی کے لیے لغت عجم میں وضع کیا گیا ہو، یہاں پر عجمہ کون الاسم موضوعاً من غیر العرب کے معنی میں ہے۔ عجمہ کے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اسم عجمی عجم میں کسی کا نام رہا ہو، خواہ حقیقتاً یعنی عربوں کے اس کو استعمال کرنے سے پہلے جیسے ابراہیم یا حکمانا نام ہو یعنی عربوں کے استعمال سے پہلے تو وہ علم نہ ہو، البتہ عربی میں علم ہو کر استعمال ہوا ہو، جیسے قالون کہ رومی زبان میں عمدہ کے معنی میں استعمال

ہوتا تھا، لیکن اب زبان عربی میں امام نافع مدنی کے مشہور شاگرد عیسیٰ کا قالون نام پڑ گیا۔ تو قالون بطور علم کے عربی میں استعمال ہوا۔

علمیت کی شرط اس لیے لگائی کیوں کہ اعلام بقدر امکان کلمہ کو تبدیلی سے محفوظ رکھتے ہیں، پس عجمہ تبدیلی سے محفوظ ہونے کی وجہ سے تغیر کی خفت سے سالم رہے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ کلمہ عجمی علم ہونے کے ساتھ ساتھ یا تو ثلاثی متحرک الاوسط ہو یا زائد علی الثلاثہ ہو، کیوں کہ کلمہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ ثلاثی ساکن الاوسط ہوگا۔ پس اس میں خفت پیدا ہو جائے گی جو دو سببوں میں سے کسی ایک کے معارض ہوگی۔ چنانچہ نوح منصرف ہے دوسری شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے کیوں کہ نوح نہ تو ثلاثی متحرک الاوسط ہے، اور نہ ہی زائد علی الثلاثہ ہے اور لجام منصرف ہے پہلی شرط یعنی علمیت کے نہ ہونے کی وجہ سے جب کہ شتر اور ابراہیم غیر منصرف ہیں، اس لیے کہ دونوں میں دونوں شرطیں یعنی علمیت اور ثلاثی متحرک الاوسط ہونا پہلے میں اور علمیت اور زائد علی الثلاثہ ہونا دوسرے میں پایا جا رہا ہے۔

ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ مصنف نے دوسری شرط پر تفریح کی جب کہ پہلی شرط پر کوئی تفریح نہیں کی وجہ یہ ہے کہ نوح کے بارے میں بعض نحو یوں کا غیر منصرف ہونے کا رجحان ہے، حالاں کہ شرط فوت ہے تو مصنف نے دوسری شرط پر تفریح کر کے یہ واضح کر دیا کہ نوح کسی بھی حال میں غیر منصرف نہیں ہو سکتا، کیوں کہ جب شرط فوت ہے تو اس میں محض دو سببوں کا ہونا غیر منصرف ہونے کے بارے میں مؤثر نہیں ہو سکتا۔

الجمع شرطه صيغة منتهى الجموع بغير هاء كمساجد و مصابيح و اما فrazنة
فمنصرف و حضاجر علماً للضبع غير منصرف لانه منقول عن الجمع و سراويل اذا
لم يصرف وهو الاكثر فقد قيل عجمي حمل على موازنه وقيل عربي جمع
سراولة تقدير او اذا صرف فلا اشكال ونحو جوار رفعا و جراً كقاض.

ترجمہ: - جمع اس کی شرط جمع منتهی الجموع کا صیغہ ہونا ہے بغیر ہاء کے جیسے مساجد اور مصابيح. اور بہر حال فرازنة پس منصرف ہے اور حضاجر در انحالیکہ بجوکانام ہے غیر منصرف ہے، اس لیے کہ وہ جمع سے منقول ہے اور سراويل جب منصرف نہ پڑھا جائے (یعنی غیر منصرف پڑھا جائے) اور یہی اکثر ہے تو بلاشبہ کہا گیا ہے کہ وہ عجمی ہے جو اپنے ہم وزنوں پر محمول کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ عربی ہے جو تقدیراً سراولة کی جمع ہے اور جب منصرف پڑھا جائے تو کوئی اشکال نہیں ہے اور جوار جیسارفعی اور جری حالت میں قاض کی طرح ہے۔

توضیح: - جمع سے مراد ہر وہ جمع جو جمع منتهی الجموع کے صیغے کے وزن پر ہو۔ اور اس کے دو

وزن ہیں مفاعل اور مفاعیل، اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کا پہلا حرف مفتوح ہوگا اور تیسرا حرف الف ہوگا اور الف جمع کے بعد یا تو ایک حرف ہوگا یا دو حرف ہوں گے یا تین، پہلی صورت میں وہ مشدد ہوگا جیسے دابة کی جمع دو ابّ ہے اور دوسری صورت میں الف جمع کے بعد والا حرف مکسور ہوگا جیسے مساجد اور تیسری صورت میں الف جمع کے بعد والا حرف مکسور ہوگا اور آخر سے پہلے والا حرف یائے ساکن ہوگا جیسے مصابیح۔

جمع کے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ منتہی الجموع کا صیغہ ہو، تاکہ وہ تبدیلی سے محفوظ ہو جائے، کیوں کہ جمع تکسیر جب ایک بار مفاعل یا مفاعیل کے وزن پر آجاتی ہے تو پھر دوبارہ اس کی جمع تکسیر نہیں آتی۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ جمع منتہی الجموع کے آخر میں وہ ہاء نہ ہو جو حالت وقف میں تائے تانیث سے بدلی ہوتی ہے، اس لیے کہ اگر کوئی جمع ہاء کے ساتھ ہو تو اس کا بعض مفردات کے ساتھ اشتباہ لازم آئے گا، اس لیے کہ کچھ مفردات مذکورہ بالا اوزان پر تائے تانیث کے ساتھ آتے ہیں جیسے طواعیہ، کراہیہ، لہذا فرزانة باوجود جمع منتہی الجموع کے، شرط فوت ہونے کی وجہ سے منصرف ہوگا۔

و حضاجر علما للضبع: یہاں سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ صرف کسی اسم کا صیغہ جمع منتہی الجموع کے وزن پر ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ فی الواقع اس کا جمع ہونا ضروری ہے، کیوں کہ غیر منصرف کے سبب ہونے میں مؤثر جمع کی جمعیت ہی ہے یہ الگ بات ہے کہ صیغہ جمع اس کے لیے شرط ہے، لہذا حضاجر کو منصرف ہونا چاہیے کیوں کہ یہ حالت علم میں صیغہ جمع تو ہے پر خود جمع نہیں ہے، کیوں کہ حضاجر بجو کے ہر فرد کو کہتے ہیں تو مصنف نے جواب دیا کہ حضاجر جو کہ بجو کا نام ہے غیر منصرف ہے، کیوں کہ وہ جمع سے منقول ہے، اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ جمع کی دو قسمیں ہیں جمع حالی اور جمع اصلی تو حضاجر کو فی الحال جمع نہیں ہے، لیکن وہ فی الاصل جمع ہے، اس لیے کہ حضاجر حضاجر کی جمع ہے جس کے معنی عظیم البطن کے ہیں، پھر اس جنس کے ہر فرد کا نام حضاجر رکھ دیا گیا اس کے بڑے پیٹ والا ہونے کو بیان کرنے کے لیے گویا اس میں کا ہر فرد بمنزلہ اس جنس کی جماعت کے ہے۔

وسراویل اذ لم یصرف: یہاں سے بھی مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ آپ نے اپنی جان اس اعتراض سے جو حضاجر کے بارے میں جمع کے قاعدہ پر ہوا تھا جمع کی تعمیر حالی اور اصلی کی طرف کر کے بچالی، لیکن آپ سراویل کے بارے میں کیا کہیں گے جو نہ جمع حالی ہے اور نہ جمع اصلی۔ تو مصنف نے اپنے قول سراویل اذ لم یصرف کے سے جواب دیا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ سراویل کے منصرف اور غیر منصرف پڑھے جانے میں اختلاف ہے اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ سراویل غیر منصرف ہے پھر جو لوگ اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں ان میں بھی غیر منصرف پڑھے

جانے کی علت کو لے کر دو نقطہ نظر ہو گئے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ سر اویل کو غیر منصرف اس لیے پڑھا جاتا ہے کہ یہ محض صیغہ جمع نہیں ہے، لیکن وہ حکماً جمع ہے، اس لیے کہ یہ عجمی لفظ جب اس کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا تو اس کے ہم وزن جیسے انا عیم اور مصابیح وغیرہ غیر منصرف پڑھے جاتے تھے، لہذا اس کو بھی اس کے ہم وزنوں پر محمول کر لیا گیا پس اس میں بھی حکماً جمع کا ثبوت ہو گیا، لہذا صیغہ جمع کے ساتھ جمع ہونا بھی پایا گیا اسی کو منصف نے وقیل عجمی حمل علی موازنہ سے بیان کیا ہے۔

اور دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ سر اویل اس لیے غیر منصرف ہے کہ یہ عربی لفظ ہے جو سروالہ کی تقدیراً جمع ہے۔ حاصل اس قول کا یہ ہے کہ جمعیت عام ہے خواہ حقیقی ہو یا تقدیری یعنی اعتباری اور سر اویل اگرچہ حقیقتاً جمع نہیں ہے لیکن وہ جمع اعتباری ہے، اس لیے کہ سر اویل کلام عرب میں غیر منصرف پڑھا جاتا تھا اور کوئی بھی جمع محض صیغہ جمع کی وجہ سے غیر منصرف کا سبب نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ جمع نہ ہو، اس لیے اس میں جمع تقدیراً مانی گئی اور کہا گیا کہ یہ سروالہ کی جمع ہے، لہذا صیغہ جمع کے ساتھ ساتھ جمع ہونا بھی پایا گیا۔

واذ صرف فلا اشکال: اور اگر سر اویل کو غیر منصرف کے بجائے منصرف پڑھا جائے تو پھر کوئی اعتراض ہی نہیں۔

نحو جوار: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ جوار جیسی مثال کا حکم رفعی اور جری حالت میں یاء کے حذف ہونے اور نون کے داخل ہونے میں قاصد کے حکم کی طرح ہے۔

جوار جیسی مثال سے مراد ہر ایسی جمع منقوص ہے جو فواعل کے وزن پر ہو خواہ واوی ہو یا یائی جیسے الدواعی اور الجوارى. معلوم ہونا چاہیے کہ جوار جیسی مثال نصی حالت میں بالاتفاق غیر منصرف ہے جمع ہونے کے ساتھ ساتھ صیغہ جمع ہونے کی وجہ سے اور رفعی اور جری حالت تو اس میں تین مذہب ہیں۔ پہلا مذہب یہ ہے کہ یہ مطلقاً منصرف ہے، خواہ تعلیل سے پہلے ہو یا تعلیل کے بعد۔ تعلیل سے پہلے تو اس لیے منصرف ہے کہ تعلیل کا تعلق جو ہر کلمہ سے ہے، لہذا یہ غیر منصرف پڑھے جانے پر مقدم ہوگا جو کہ کلمہ کے عوارض میں سے ہے۔ اور تعلیل کے بعد تو اس لیے منصرف ہے کہ جمع کے غیر منصرف کا سبب ہونے کی شرط صیغہ جمع منتہی الجموع ہے اور وزن یعنی صیغہ جمع منتہی الجموع تعلیل کے بعد باقی نہیں رہتا، اور دوسرا مذہب یہ ہے کہ جوار جیسی مثال رفعی اور جری حالت میں مطلقاً غیر منصرف ہے، تعلیل سے پہلے تو اس لیے کہ جمع ہونے کے ساتھ ساتھ صیغہ جمع بھی موجود ہے، لہذا جمع کے غیر منصرف کا سبب ہونے کی شرط پائی گئی اور تعلیل کے بعد اس لیے کہ المحذوف کا لمذکور ہوتا ہے۔ پس تعلیل کے بعد بھی حکماً صیغہ جمع، جمع ہونے کے ساتھ موجود ہے۔ اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ تعلیل سے پہلے منصرف اور تعلیل کے بعد غیر منصرف دلائل او پر مذکور ہو چکے

ہیں۔ البتہ ایک سوال غیر منصرف پڑھنے کی صورت میں وارد ہوتا ہے کہ جب اس جیسی مثال غیر منصرف ہے تو پھر اس پر تنوین نہیں آنی چاہیے، حالاں کہ اس پر تنوین داخل ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس میں تنوین تنوین ممکن نہیں ہے جو کہ ممنوع الداخلہ ہوتی ہے، بلکہ عوض ہے۔

الترکیب شرطہ العلمیۃ وان لا یکون باضافۃ ولا اسناد مثل بعلبک۔

ترجمہ: - ترکیب اس کی شرط علم ہونا ہے اور یہ کہ وہ ترکیب نہ اضافی ہو اور نہ اسنادی جیسے بعلبک۔

توضیح: - سب سے پہلے ترکیب کی تعریف سمجھئے۔ ترکیب سے مراد ہر ایسا مرکب ہے جس میں دو کلموں کو اس طرح ایک کیا گیا ہو کہ دوسرا کلمہ کسی حرف کو متضمن نہ ہو۔

ترکیب کے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے چند شرطیں ہیں، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو، تاکہ ترکیب کلمہ کے لیے لازم ہو جائے، کیوں کہ اعلام بقدر امکان تبدیلی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب ترکیب اضافی نہ ہو، اس لیے کہ اضافت غیر منصرف کو منصرف یا منصرف کے حکم میں کر دیتی ہے، لہذا وہ کسی کلمہ کو غیر منصرف بنانے کے لیے کوئی کردار کیسے ادا کر سکتی ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب ترکیب اسنادی نہ ہو، کیوں کہ وہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہوتے ہیں مبیات کی قبل سے ہیں اور کسی اسم کا منصرف یا غیر منصرف ہونا معرب کے قبیل سے ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب توصیفی نہ ہو، لیکن اس کو مصنف نے ترکیب اضافی میں داخل ہونے کی وجہ سے بیان نہیں کیا، اسی طرح پانچویں شرط کہ وہ ترکیب ترکیب صوتی اور عددی نہ ہو، اس کو بھی بیان اس لیے نہیں کیا کہ اس کا مستقل تذکرہ مبیات کی بحث میں آ رہا ہے، لہذا جب یہ ساری شرطیں کسی ترکیب میں پائی جائیں گی تو وہ ترکیب غیر منصرف کا سبب ہوگی۔ جیسے بعلبک۔

الالف والنون ان کانتا فی اسم فشرطہ العلمیۃ کعمران او صفۃ فانتفاء فعلانہ
وقیل وجود فعلی ومن ثم اختلف فی رحمٰن دون سکران وندمان۔

ترجمہ: - الف اور نون اگر وہ دونوں کسی اسم میں ہوں تو اس کی شرط علم ہونا ہے جیسے عمران یا کسی صفت میں ہوں تو فعلانہ کا نہ ہونا شرط ہے اور کہا گیا ہے فعلی کا ہونا شرط ہے، اسی وجہ سے رحمٰن میں اختلاف ہوا ہے، سکران اور ندمان میں نہیں۔

توضیح: - یہ غیر منصرف کا آٹھواں سبب ہے، یہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ الف و نون زائدتان کیوں کر غیر منصرف کا سبب ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ الف و نون زائدتان غیر منصرف کا سبب اس لیے ہیں کہ یہ دونوں مزیدتان ہیں اور مزید، مزید علیہ کی فرع ہوتا ہے، پس الف و نون زائدتان مزید علیہ کی فرع ہونے کی وجہ سے غیر منصرف کا سبب ہیں جب کہ دوسرے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ دونوں تاء کے قبول نہ کرنے میں الف مقصورہ اور الف ممدودہ کے مشابہ ہیں اور مشبہ، مشبہ کی فرع ہوتا ہے پس

لف ونون زائدتان الف مقصورہ اور ممدودہ کی فرع ہوئے۔ اور یہی فرع ہونا غیر منصرف کے سبب ہونے کی بنیاد ہے۔ اور یہی قوال راجح ہے۔

خیر: کچھ ہو۔ الف ونون زائدتان دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ دونوں کسی اسم میں پائے جائیں گے یا صفت میں۔ پہلی صورت میں علم ہونا ضروری ہے، تاکہ تاء کا دخول اس پر ناممکن ہو جائے جس کی وجہ سے وہ الف مقصورہ و ممدودہ کے مشابہ ہو جائے، کیوں کہ الف مقصورہ اور ممدودہ پر تائے تانیث کا دخول منع ہے۔ جیسے عمران اور اگر صفت میں ہوں تو اس کی شرط کچھ لوگوں کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی مؤنث فعلاۃ کے وزن پر نہ ہو، اس لیے کہ مقصود تاء کے عدم دخول میں الف ونون زائدتان کا الف مقصورہ و ممدودہ کے ساتھ مشابہ ہونا ہے اور یہ بات بغیر انتفاء فعلاۃ کے حاصل نہیں ہوتی ہے، جب کہ دوسرے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ الف ونون زائدتان کے صفت میں ہونے کی صورت میں اس کی مؤنث فعلی کے وزن پر آنی چاہیے، تاکہ تاء کے قبول نہ کرنے میں یہ صفت الف مقصورہ و ممدودہ کے مشابہ ہو جائے۔

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ جہاں کہیں مذکورہ صفت کی مؤنث فعلاۃ کے وزن پر نہ ہوگی وہاں وجود فعلی یعنی فعلی کے وزن پر ہوگی۔ اسی طرح اس کے الثا۔

بلاشبہ جن صفات کی مؤنث ہوتی ہوگی وہاں ایسا ہی ہوگا، لیکن وہ صفات جن کی سرے سے مؤنث ہی نہیں آتی ظاہری بات ہے کہ وہاں مؤنث نہ ہونے کی وجہ سے انتقائے فعلاۃ کی شرط پائی جا رہی ہے، جب کہ وجود فعلی معدوم ہے، پس ایسے مقامات پر مذکورہ صفت کو پہلے مذہب کی بنیاد پر غیر منصرف پڑھا جائے گا اور دوسرے مذہب کی بنیاد پر منصرف جیسے رحمن کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور چوں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے خواص سے منزہ ہے، اس لیے اس کی سرے سے کوئی مؤنث ہی نہیں ہے پس اس کی مؤنث کے فعلاۃ کے وزن پر ہونے کا بھی کوئی سوال نہیں ہے اور جب ایسا ہے تو شرط کے پائے جانے کی وجہ سے وہ غیر منصرف ہوگا جب کہ دوسرے مذہب کی بنیاد پر چوں کہ اس کی مؤنث فعلی کے وزن پر رحمٰنی نہیں آئی، اس لیے کہ مؤنث ہو تب نہ آئے، لہذا رحمن منصرف ہوگا اسی کو واختلاف سے بیان کیا ہے۔ ہاں سکران دونوں مذہبوں کے مطابق شرط پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہے، کیوں کہ اس کی مؤنث سکری فعلی کے وزن پر آتی ہے جو انتقائے فعلاۃ کو مستلزم ہے۔ اور ندمان بالاتفاق منصرف ہے۔

اس لیے کہ اس کی مؤنث ندمان آتی ہے جو وجود فعلی کے عدم کو مستلزم ہے پس دونوں مذہبوں کے بموجب شرط نہیں پائی جاتی۔

وزن الفعل شرطه ان يختص به كشمّر وضرب او يكون في اوله زيادة كزيادته غير قابل للتاء ومن ثم امتنع احمر وانصرف يعمل.

ترجمہ:- وزن فعل اس کی شرط یہ ہے کہ وہ وزن فعل کے ساتھ مخصوص ہو جیسے شمر اور ضرب یا اس کے شروع میں فعل کی زیادتی کی طرح کوئی زیادتی ہو اس حال میں کہ وہ تاء کو قبول کرنے والا نہ ہو اور اسی وجہ سے ممتنع ہے احمر اور منصرف ہے یعمل۔

توضیح:- اب غیر منصرف کے آخری سبب وزن فعل کو بیان کر رہے ہیں، وزن فعل سے مراد اسم کا ایسے وزن پر ہونا ہے جو وزن فعل کے اوزان میں سے شمار ہوتا ہو۔

وزن فعل کے غیر منصرف کا سبب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ وزن فعل کے ساتھ مخصوص ہو۔ اور فعل کے ساتھ مخصوص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ وزن اسم میں ابتداءً نہ پایا جاتا ہو، بلکہ فعل سے منقول ہو کر پایا جاتا ہے۔ جیسے شمر اور ضرب۔ اور اختصاص سے مراد عربی زبان میں خاص ہونا ہے، لہذا بقم اور شلم کو لے کر اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ وہ اسمائے عجمیہ میں سے ہیں۔

اور اگر وہ وزن فعل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس کے شروع میں حروف مضارع (اتین) میں سے کسی حرف کی زیادتی ہو اور وہ اسم کہ جس کا وزن فعل کے وزن کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور اس کے شروع میں کوئی حرف مضارع ہے تاء کو قبول کرنے والا نہ ہو۔ اور تاء سے مراد وہ تاء قیاسیہ ہے جو حالت وقف میں ہاء سے بدل جاتی ہے۔ اس کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ یہ تاء متحرکہ ہوگی جو اسم کے خواص میں سے ہے، لہذا تاء متحرکہ کے اسم کے آخر میں لاحق ہونے کی وجہ سے اسمیت کی جہت طاقتور اور فعل کی جہت کمزور ہو جائے گا پس مذکورہ اسم کی فعل کے ساتھ مشابہت کمزور پڑے جائے گی جو غیر منصرف پڑھے جانے کی اصل بنیاد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ احمر غیر منصرف ہے، کیوں کہ اس میں زیادتی مطلوبہ کے ساتھ ساتھ تاء بھی اس کے آخر کو لاحق نہیں ہے، جب کہ یعمل منصرف ہے، اس لیے کہ بھلے اس میں زیادتی مطلوبہ ہے لیکن وہ تاء کو قبول کرتا ہے، اس لیے کہ اس کی مؤنث یعملۃ آتی ہے، چنانچہ ناقۃ یعملۃ بولا جاتا ہے۔

وما فیہ علمیۃ مؤثرۃ اذا نکر صرف لِمَا تَبَيَّنَ مِنْ اَنَّهَا لَا تُجَامِعُ مؤثرۃ اِلَّا مَا هِيَ شَرَطٌ فِيهِ اِلَّا الْعَدْلَ وَوَزْنَ الْفِعْلِ وَهُمَا مُتَضَادَانِ فَلَا يَكُونُ مَعَهَا اِلَّا اِحْدَهُمَا فَاِذَا نَكَرَ بَقِيَ بِلَا سَبَبٍ اَوْ عَلٰی سَبَبٍ وَاَحَدٍ۔

ترجمہ:- وہ اسم غیر منصرف کہ جس میں علمیت مؤثر ہوتی ہے جب وہ نکرہ بنا لیا جائے تو منصرف ہو جاتا ہے، اس وجہ سے جو ظاہر ہو چکی ہے یعنی علمیت نہیں جمع ہوتی ہے مؤثر ہو کر مگر اس سبب غیر منصرف میں کہ جس میں وہ شرط ہے سوائے عدل اور وزن فعل کے۔ اور وہ دونوں آپس میں ایک دوسری کی ضد ہیں پس نہیں ہوگا علمیت کے ساتھ مگر ان میں سے ایک پس جب نکرہ بنا لیں گے تو وہ بغیر کسی سبب

کے رہے گا یا ایک سبب پر۔

توضیح: - یہاں سے مصنف یہ بتا رہے ہیں کہ وہ اسم غیر منصرف جس میں علمیت مؤثر ہوتی

ہے جب اس کو نکرہ بنا لیا جائے تو منصرف ہو جاتا ہے۔

کسی بھی علم کو نکرہ بنانے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ علم سے اس کی جماعت کا کوئی فرد غیر معین مراد لیا جائے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ علم سے علم والے کا وصف مشہور مراد ہو۔

علم کے کسی اسم میں مؤثر ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ علمیت سبب کی حیثیت سے مؤثر ہو اور دوسرے یہ کہ علمیت دوسرے سبب کے لیے بحیثیت شرط کے مؤثر ہو۔

پہلے کا مطلب یہ ہے علمیت کا اس اسم غیر منصرف میں جمع ہونا اس کے محض ایک سبب ہونے کے طور پر ہو وہ کسی دوسرے سبب کی تاثیر کے لیے سبب سہارا اور شرط نہ ہو۔ اور دوسرے کا مطلب یہ ہے کہ علمیت اس میں خود بھی مؤثر ہو اور دوسرے کے لیے شرط بھی ہو۔

لما تبین: یہاں سے ما قبل کے دعوے کی دلیل بیان کر رہے ہیں کہ علمیت جس اسم غیر منصرف میں سبب محض یا سبب مستقل اور دوسرے سبب کی تاثیر کی شرط کی حیثیت سے پائی جاتی ہے جب اسے نکرہ بنا میں گے تو وہ منصرف ہو جائے گا۔

تو علمیت الف مقصورہ و ممدودہ اور جمع منتہی الجموع کے ساتھ جمع نہیں ہوتی، کیوں کہ ان میں کا ہر ایک خود دو سببوں کے قائم مقام ہے پس علمیت کا ان میں کوئی کردار نہ ہوگا، نیز علمیت وصف کے ساتھ بھی مؤثر ہو کر نہیں پائی جاسکتی اس لیے کہ وصف اور علم میں تضاد ہے۔

البتہ علمت، تانیث لفظی اور معنوی، عجمہ، ترکیب اور الف و نون زائدتان، اذکانتانی اسم میں بحیثیت سبب اور شرط دونوں طرح مؤثر ہوتی ہے اور عدل و وزن فعل میں صرف سبب کی حیثیت سے مؤثر ہو کر پائی جاتی ہے۔

تو اب سنئے کہ وہ اسم غیر منصرف کہ جس میں علمیت بحیثیت شرط اور سبب کے لیے مؤثر ہو کر جمع ہے جب اس کو نکرہ بنا لیا جائے گا تو اس میں کوئی سبب باقی نہ رہے گا اور وہ بلا سبب کے منصرف ہو جائے گا۔ اس لیے کہ علمیت اس میں خود ایک سبب تھی اور دوسرے سبب کے لیے شرط بھی پس جب علمیت ختم ہوگئی تو اس کے ختم ہونے کی صورت میں دونوں سبب بھی ختم ہو گئے اور جس میں علمیت بحیثیت سبب کے مؤثر تھی وہ تنکیر کی صورت میں منصرف سبب واجد ہوگا، اس لیے کہ نکارت کی وجہ سے صرف ایک ہی سبب ختم ہوا اور اس کا ایک سبب بدستور باقی ہے جو کہ عدل یا وزن فعل ہوگا۔

اب آخر میں ایک اعتراض اور اس کا جواب سمجھ لو۔ سوال یہ ہے کہ من انھا لا تعامع الا ما ہی

شرط فيه الا العدل و وزن الفعل میں ایک مستثنیٰ منہ سے دو مستثنیٰ ہیں اور ان دونوں کے درمیان کوئی حرف عطف بھی نہیں لایا گیا ہے، حالاں کہ ایک مستثنیٰ منہ سے متعدد استثناء بغیر حرف عطف کے لائے ہوئے درست نہیں۔ جواب یہ ہے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ مستثنیٰ منہ ایک ہے بلکہ متعدد ہیں، اس لیے کہ پہلا استثناء مجموع اسباب سے ہے اور دوسرا استثناء، استثناء سابق کے بعد مابقی سے ہے۔ پس اصل عبارت ہوئی انہا لا تجامع مؤثرۃ مع مجموع الأسباب الا ما ہی شرط فيه ولا تجامع مع غیر ما ہی شرط فيه الا العدل و وزن الفعل۔

وہما متضادان: مذکورہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال کا حاصل یہ ہے کہ ماقبل میں بیان کردہ قاعدہ کلیہ کہ علمیت جس اسم غیر منصرف میں سبب یا شرط کی حیثیت سے مؤثر ہو کر پائی جاتی ہے جب اس کو نکرہ بنا لیا جائے گا تو وہ منصرف ہو جائے گا مسلم نہیں ہے، اس لیے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی اسم غیر منصرف ہو علمیت اور عدل و وزن فعل کی وجہ سے، لہذا ایسا اسم تو بعد التکیر بھی دو سببوں کے موجود ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہونے کا حق رکھتا ہے۔ پس قاعدہ سابقہ صحیح نہیں ہے۔

تو مصنف نے اپنے قول وہما متضادان سے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ عدل اور وزن فعل جو کہ آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اکٹھا ہو جائیں، اس لیے کہ فعل کے اوزان قیاسی ہیں اور عدل کے اوزان غیر قیاسی، لہذا علمیت کے ساتھ عدل اور وزن فعل میں سے کوئی ایک ہی پایا جاسکتا ہے۔ پس آپ کا مذکورہ امکان پیدا کرنا دور کی کوڑی لانا ہے۔

فاذا نکر بلا سبب: اس جملہ کی توضیح کا حاصل ماقبل میں مذکور ہو چکا ہے۔

وخالف سیبویہ الاخفش فی مثل احمر علماً اذا نکر اعتباراً للصفة الاصلية بعد التکیر ولا يلزمه باب حاتم لما يلزم من اعتبار المتضادين في حکم واحد وجميع الباب باللام او بالاضافة ينجر بالكسر۔

ترجمہ: - اور سیبویہ نے بحالت علم احمر جیسی مثال میں اخفش کی مخالفت کی ہے جب نکرہ بنا لیا جائے نکرہ بنا لینے کے بعد صفت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے، اور نہیں لازم ہوتا ہے سیبویہ کو باب حاتم اس وجہ سے کہ دو متضاد چیزوں کا اعتبار ایک ہی حکم میں لازم آتا ہے۔ اور تمام باب اضافت اور لام کی وجہ سے مجرور ہو جاتے ہیں کسرہ کے ساتھ۔

توضیح: - آگے بڑھنے سے پہلے سمجھ لیجیے کہ احمر جیسی مثال سے مراد ہر وہ اسم ہے جس میں علمیت سے پہلے وصفت کے معنی پائے جاتے تھے خواہ وہ فعل کے وزن پر ہو جیسے احمر اور خواہ وہ فعلان کے وزن پر ہو جیسے سکران۔

اب سمجھے! یہ درحقیقت ماقبل میں بیان کردہ قاعدہ سے استثناء ہے کہ جس اسم غیر منصرف میں علمیت کسی بھی حیثیت سے مؤثر ہو کر پائی جاتی تھی جب اس کو نکرہ بنائیں گے تو وہ منصرف ہو جائے گا، البتہ احمر جیسی مثال حالت علم میں نکرہ بنا لینے کے بعد سیبویہ کے نزدیک غیر منصرف ہی رہے گی نکارت کی وجہ سے منصرف نہیں ہوگی۔ سیبویہ کا کہنا یہ ہے کہ ان کلمات کے معنی اصلی وصف کے ہی ہیں، البتہ وصفیت علم ہونے کی وجہ سے ختم ہوگئی تھی تو اب جب کہ علمیت نکرہ بنا لینے کی وجہ سے زائل ہوگئی تو وصفیت کے اعتبار کرنے کی راہ میں جور کاوٹ تھی وہ دور ہوگئی، لہذا اب کوئی وجہ نہیں ہے کہ احمر جیسی مثال میں بعد التکیر وصفیت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے اسے غیر منصرف نہ پڑھا جائے۔ اب رہی یہ بات کہ اگر کوئی رکاوٹ نہیں ہے تو اعتبار کرنے کا کوئی باعث بھی تو نہیں ہے جب کہ اصل اسماء میں انصراف ہے تو ہم کہیں گے کہ باعث موجود ہے اور وہ اسود اور رقم پر قیاس کرنا ہے، ہاں انخفش کا موقف اس سلسلے میں دوسرا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ احمر جیسی مثال کو بعد التکیر بھی وصفیت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے غیر منصرف نہیں پڑھا جاسکتا، کیوں کہ قاعدہ ہے الزائل لا يعود جب وصفیت ایک بار علمیت کی وجہ سے ختم ہوگئی تو اب چاہے علمیت رہے نہ رہے وصفیت اصلیہ کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ انخفش کی رائے طاقتور ہے اسی لیے مصنف نے مخالفت کی اسناد سیبویہ کی طرف کی، حالاں کہ وہ استاذ ہیں اور انخفش شاگرد۔ اس لیے بہتر یہی معلوم ہوتا تھا کہ مخالفت کی اسناد بجائے سیبویہ کے انخفش کی طرف ہوتی، لیکن یہ انصاف کے خلاف ہوتا۔ معلوم ہوا کہ اظہار حق کے لیے اگر استاذ کی بھی مخالفت کرنی پڑے تو یہ سوئے ادب کے زمرہ میں نہیں آتا۔

ولا يلزمه باب حاتم: اس عبارت سے مصنف نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے جو انخفش کی طرف سے سیبویہ پر کیا گیا ہے۔ اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اگر احمر جیسی مثال میں نکرہ بنانے کے بعد وصفیت اصلیہ کا اعتبار کیا جاسکتا ہے تو پھر وصفیت کو باب حاتم میں حالت علمیت میں بھی معتبر ہونا چاہیے، جب کہ وصفیت حاتم جیسی مثال میں معتبر نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ احمر جیسے میں بھی بعد التکیر وصفیت معتبر نہیں ہے تو مصنف نے اپنے قول ولا يلزمه باب حاتم سے جواب دیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ سیبویہ کے احمر جیسی مثال میں نکرہ بنانے کے بعد وصفیت کے اعتبار کرنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ باب حاتم میں بھی حالت علم میں وصفیت کا اعتبار کریں، کیوں کہ ایسا کرنے کی صورت میں باب حاتم کے اندر ایک ہی حکم اور ایک ہی لفظ میں دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا لازم آتا ہے جو کہ غلط بات ہے۔ جب کہ احمر جیسی مثال میں حالت علم میں بعد التکیر وصفیت کے اعتبار کرنے سے دو متضاد چیزوں کا اعتبار لازم نہیں آتا، کیوں کہ جب تک احمر جیسی مثال علم ہے تو وصف معتبر نہیں اور جب وصف کا اعتبار ہو رہا ہے تب وہ علم نہیں۔

فائدہ: - باب حاتم سے مراد ہر ایسا علم ہے جو بقائے علمیت کے ساتھ اصلاً وصف ہو۔

و جميع الباب باللام: باللام میں الباء سبب کے لیے ہے اور با کا دخول محذوف ہے یعنی اصل عبارت ہے بدخول اللام اور لام سے مراد لام تعریف ہے، اسی طرح اضافت سے مراد غیر منصرف کا دوسرے کلمہ کی طرف مضاف ہونا ہے۔

سوال: کسرہ تا کے ساتھ معرب اور مبنی کے القاب کے درمیان مشترک ہے جب کہ کسر بغیر تا کے مبنی کے القاب کے ساتھ مخصوص ہے اور ہماری گفتگو معرب کے حرکات کے بارے میں ہو رہی ہے تو حق یہ تھا کہ مصنف بالکسرة کہتے؟

جواب یہ ہے کہ کسرہ سے مراد کسرے کی صورت ہے، اس کی حقیقت مراد نہیں ہے۔ لگے ہاتھ ایک بات اور سمجھ لیں کہ کسرہ عام ہے خواہ لفظی ہو یا تقدیری۔ مصنف نے صرف ینجر اس لیے نہیں کہا کہ مجرور ہونا، کبھی فتح کی صورت میں بھی ہوتا ہے حالاں کہ وہ مراد نہیں ہے، اس لیے بالکسر کا اضافہ کیا۔ نیز مصنف نے ینصرف نہیں کہا بلکہ ینجر بالکسر کہا، اس لیے کہ اس اسم غیر منصرف کے منصرف ہونے میں اختلاف ہے، اس سلسلے میں تین جماعتیں ہو گئی ہیں۔ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ وہ اسم غیر منصرف کہ جس پر الف لام داخل ہو یا وہ ترکیب میں مضاف واقع ہو۔ وہ مطلقاً منصرف ہو جاتا ہے، خواہ ان کے دخول کے بعد دو سبب باقی ہوں یا باقی نہ ہوں مؤخر الذکر صورت میں منصرف ہونا ظاہر ہے۔ رہی بات پہلی صورت کی تو اس لیے کہ الف لام اور اضافت اسم کے بڑے خواص میں ہیں۔ لہذا ان کے دخول کی صورت میں اسمیت کی جہت فعلیت کی جہت پر غالب ہو جاتی ہے، لہذا فعل کے ساتھ مشابہت کمزور پڑ گئی۔ اور دوسرے بعض لوگوں کے نزدیک یہ مطلقاً غیر منصرف ہیں۔ بہر حال دو سببوں کے ہوتے ہوئے تو غیر منصرف ہونا ظاہر ہے اور دو سببوں کے فوت ہونے کے وقت غیر منصرف ہونا تو اس لیے کہ زوال عارضی کا اعتبار نہیں ہے۔ اور تیسرے طبقہ کی رائے ہے کہ جب دو سبب موجود ہوں تو غیر منصرف، کیوں کہ کوئی بھی اسم معرب دو سببوں کے پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہو جاتا ہے اور دو سببوں کے معدوم ہونے کی صورت میں منصرف، وجہ ظاہر ہے۔ جب آپ نے اتنا سن لیا تو اب سنو! کہ منصرف جمیع الباب سے یہ کہہ رہے ہیں، کہ وہ غیر منصرف جس پر لام تعریف داخل ہو جائے یا وہ ترکیب میں مضاف واقع ہو تو وہ کسرہ کے ساتھ مجرور ہو جائے گا، اس پر کسرہ کا دخول جو منع تھا، اب اس کی اجازت ہو جائے گی۔

المرفوعات: المرفوعات میں تین احتمال ہیں۔ ۱۔ المرفوعات خبر ہو مبتدا محذوف کی تقدیر عبارت ہوگی ہذا باب المرفوعات ۲۔ خبر محذوف ہو اور تقدیر عبارت ہو المرفوعات ہذہ ۳۔ وقف کے ساتھ ساکن ہو اس لیے کہ یہ موقع فصل میں واقع ہے۔ اور فصل کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہوتا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ مرفوعات آٹھ ہیں۔ اور دلیل حصر یہ ہے کہ مرفوع اس کا عامل لفظی ہو گا یا معنوی۔

ثانی پھر دو حال سے خالی نہیں۔ مسند ایہ ہوگا یا مسند اول مبتدا ہے ثانی خبر۔ اور اگر عامل لفظی ہے تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو عامل فعل ہوگا یا حرف اول پھر دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس کی نسبت مرفوع کی طرف علی جهة القيام ہوگی یا علی جهة الوقوع اول فاعل ہے اور ثانی نائب فاعل اور اگر عامل حرف ہے تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا معمول مسند ایہ ہوگا یا مسند اگر اول ہے۔ تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ یا کلام موجب میں ہوگا یا کلام غیر موجب میں۔ پہلا افعال ناقصہ کا اسم ہوگا سوائے لیس کے اور ثانی ما و لا المشتبهین بلیس اور لیس کا اسم ہوگا اور اگر مسند ہے تو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا کلام موجب میں ہوگا یا کلام غیر موجب میں اول حروف مشبہ بالفعل کی خبر اور ثانی لائے نفی جنس کی خبر۔

هو ما اشتمل علی علم الفاعلیة .

ترجمہ: - مرفوعات وہ اسم ہے جو فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہو۔

توضیح: - هو ما اشتمل میں ہو ضمیر کا مرجع یا تو المرفوعات ہوگا یا المرفوع ہوگا۔ اور

دونوں احتمالوں کی صورت میں اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اگر المرفوعات کو مرجع قرار دیا جائے تو ضمیر کے مذکر ہونے کی وجہ سے ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں رہتی اور اگر المرفوع کو قرار دیا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو درست نہیں لیکن اس کا حل ہے۔ پہلی صورت اس لیے درست ہے کہ ضمیر کا مرجع ہر چند المرفوعات ہے، جو کہ جمع مؤنث سالم ہے پر ضمیر کے لانے میں مرجع کے بجائے خبر کی رعایت کی گئی ہے، اس لیے کہ مشہور ضابطہ ہے اذا دار الضمیر بین المرجع والخبر فرعاية الخبر اولی۔ لہذا المرفوعات کو ہو کا مرجع قرار دینا درست ہے، البتہ المرفوعات کی طرف ضمیر کا لوٹنا ناضیف ہے، کیوں کہ اس صورت میں تعریف افراد کی لازم آتی، حالاں کہ تعریف شئی کے ماہیت کی ہوتی ہے۔ اور دوسرا احتمال بھی ٹھیک ہے، کیوں کہ مرجع کے لیے صراحتاً مذکور ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ ضمناً مذکور ہونا کافی ہے پس المرفوع المرفوعات کے ضمن میں مذکور ہے، کیوں کہ المرفوعات اس پر دلالت کرتا ہے اور اتنا مرجع کی صحت کے لیے کافی ہے۔

اب سنیے کہ فاعل اور ملحقات فاعل کی علامت مفردات جمع مؤنث سالم۔ جمع مکسر منصرف اور غیر منصرف میں ضمہ ہے اور تشنیہ میں الف اور اسماء ستہ اور جمع مذکر سالم میں واؤ ہے۔ فاعل کی علامت عام ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً اور ما اشتمل میں ما سے مراد اسم ہے نہ کہ لفظ اور شئی۔

اب سمجھئے کہ مرفوع ہر وہ اسم ہے جو فاعل ہونے کی مذکورہ بالا علامتوں میں سے کسی علامت پر مشتمل ہو یعنی اس میں فاعل کی کوئی علامت پائی جائے۔

فمنه الفاعل وهو ما اسند الیه الفعل او شبہه و قدم علیہ علی جهة قیامہ به مثل قام

زید وزید قائم ابوہ۔

ترجمہ: - تو مرفوعات میں سے فاعل ہے اور فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی اسناد کی گئی ہو در انحالیکہ وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم پر مقدم ہو اس فعل یا شبہ فعل کے اس اسم کے ساتھ قائم ہونے کے طریقہ پر جیسے قام زید اور زید قائم ابوہ۔

توضیح: - من جملہ مرفوعات کے فاعل ہے۔ فاعل کو تمام مرفوعات پر اس لیے مقدم کیا، کیوں کہ فاعل تمام مرفوعات میں اصل ہے اور دیگر مرفوعات اس کے ساتھ ملحق ہیں۔ فاعل کے اصل ہونے کی دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ فاعل جملہ فعلیہ کا جزء ہے۔ اور جملہ فعلیہ خبر دینے میں تمام جملوں میں اصل ہے۔ اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ فعل کے ذریعہ ہی خبر دی جائے، کیوں کہ فعل کی وضع اسی مقصد کے لیے ہوئی ہے، بہر حال جب جملہ فعلیہ اصل ہو تو فاعل اس کا جزء ہے، لہذا وہ بھی اصل ہوگا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ فاعل کا عامل لفظی ہے جب کہ مبتدأ کا فاعل معنوی ہے اور لفظی معنوی سے قوی ہوتا ہے اور عامل کی قوت معمول کی قوت پر دلالت کرتی ہے۔ پس فاعل بھی اپنے عامل کی طرح قوی ہوگا۔ معلوم ہوا کہ فاعل مرفوعات میں اصل ہے۔ یہ اہل بصرہ کی رائے ہے۔ اہل کوفہ کا خیال ہے کہ مرفوعات میں مبتدأ اصل ہے، ان کی دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ مبتدأ مسند الیہ کی اصل حالت پر باقی رہتا ہے۔ یعنی تقدیم پر جب کہ فاعل مؤخر ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مبتدأ حکم مطلق کے ساتھ محکوم الیہ ہوتا ہے خواہ حکم جامد ہو یا مشتق جیسے زید قائم۔ ہذا حجر بخلاف فاعل کے کہ وہ حکم اشتہالی کے ساتھ صرف محکوم الیہ ہوتا ہے، لیکن چوں کہ مصنف کے نزدیک بصریین کا موقف زیادہ مناسب ہے اس لیے اسی کو اختیار کیا اور فاعل کے دیگر مرفوعات پر مقدم کیا۔

اب فاعل کی تعریف سنو۔ فاعل وہ اسم ہے خواہ صریحی ہو یا تاویلی کہ جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی اصالت اسناد کی گئی ہو در انحالیکہ وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم پر جو با مقدم ہو اس اسم کے ساتھ فعل یا شبہ فعل کے قائم ہونے کے طریقہ پر۔ فعل کے قائم ہونے سے مراد یہ ہے کہ فعل، فعل معروف ہو مجہول نہ ہو۔ فاعل کی اس تعریف کا حاصل یہ ہے کہ فاعل کے لیے چند باتیں ضروری ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ اسم ہو خواہ صریحی ہو یا تاویلی۔ دوسرے یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کی اس کی طرف اصالت اسناد ہو۔ تیسرے یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل جو با اس پر مقدم ہو۔ چوتھے یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کی اسناد علی جہۃ القیام ہو علی جہۃ الوقوع نہ ہو۔

سوال: فاعل کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے مات زید اور طال عمرو کا فاعل فاعلیت سے نکل گیا اس لیے کہ قیام سے ذہن قیام بالمعنی الحدوث کی طرف جاتا ہے اور موت اور طول دونوں فاعل سے صادر نہیں ہوتے۔

جواب یہ ہے کہ مراد فعل کے قیام سے اس کا صیغہ معروف ہونا ہے خواہ وہ فعل فاعل سے صادر ہو یا اس کے ساتھ قائم ہو، پس تعریف اپنے افراد کے لیے جامع ہے۔

والاصل ان یلی الفعل فلذلك جاز ضرب غلامہ زید و امتنع ضرب غلامہ زیداً.

ترجمہ: - اور اصل یہ ہے کہ فاعل فعل سے متصل ہو پس اسی وجہ سے جائز ہے ضرب غلامہ زید اور امتنع ہے ضرب غلامہ زیداً.

توضیح: - سب سے پہلے سمجھئے کہ اصل یہاں پر راجح اور غالب کے معنی میں ہے۔ ضابطہ اور قاعدہ کے معنی میں نہیں ہے اب اتنی بات جان لینے کے بعد عبارت سمجھئے۔ مصنف اس عبارت سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عام حالت میں فاعل فعل سے متصل ہوتا ہے، بشرطیکہ اتصال فعل کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ فاعل فعل سے متصل اس لیے ہوتا ہے کہ فاعل فعل کے جزء کے درجہ میں لفظاً اور معنی دونوں طرح ہے، لفظاً بمنزلہ جزء کے اس لیے ہے کہ ضربت وغیرہ میں لام کلمہ ساکن ہو جاتا ہے اور معنی اس لیے کہ فعل بغیر فاعل کے فائدہ نہیں دے گا۔ لہذا جب فاعل فعل کے لیے بمنزلہ جزء کے ہو گیا تو اب مناسب ہے کہ فاعل اس فعل سے متصل ہو جو فاعل کی طرف مسند ہو، البتہ اتصال فعل اور فاعل کا اسی وقت ہوگا جب فعل اور فاعل کے درمیان مفاہیل اور ان کے ملحقات میں سے کوئی چیز حائل نہ ہو۔

اس ضابطہ کی وجہ سے ضرب غلامہ زید کی ترکیب درست ہے اور ضرب غلامہ زیداً کی ترکیب ناجائز ہے۔ پہلی ترکیب اس لیے جائز ہے کہ زید، ضرب کا فاعل ہے جو رتبہ غلامہ مفعول پر مقدم ہے، لہذا اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آیا رتبہ نہیں اور یہ درست ہے پس غلامہ کی ضمیر کا زید کی طرف لوٹنا ناجائز ہو گیا۔ اور دوسری ترکیب اس لیے ناجائز ہے کہ غلامہ فاعل ہے اور فاعل میں اصل فعل سے متصل ہونا ہے پس غلامہ کی ضمیر زید مرجع پر لفظاً اور رتبہ دونوں طرح مقدم ہوگی، لہذا اضمار قبل الذکر دونوں طرح لازم آیا اور یہ درست نہیں ہے۔

وَإِذَا انْتَفَى الْأَعْرَابُ فِيهِمَا لَفْظًا وَالْقَرِينَةُ أَوْ كَانَ مضمراً متصلاً أَوْ وَقَعَ مفعولُهُ
بعد إلا أو معناها وجب تقديمه.

ترجمہ: - اور جب اعراب دونوں میں لفظانہ ہو اور قرینہ بھی نہ ہو یا فاعل ضمیر متصل ہو یا اس کا مفعول إلا یا معنی إلا کے بعد واقع ہو تو فاعل کا مقدم کرنا واجب ہے۔

توضیح: - سہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فاعل کا کن کن مواقع پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب فاعل اور مفعول دونوں میں اعراب لفظانہ ہو اور متعین طور پر کسی ایک کے فاعل یا مفعول ہونے پر کوئی قرینہ بھی نہ ہو جیسے ضرب مؤنسی عینسی یا فاعل ضمیر متصل ہو جیسے

ضربتُ زيدًا یا فاعل کا مفعولِ الا کے بعد واقع ہو جیسے ضرب زيدًا عمروًا یا معنى الا یعنی انما کے بعد واقع ہو جیسے انما ضرب زيدًا عمروًا تو ان چاروں صورتوں میں فاعل کی تقدیم مفعول پر واجب ہے۔ پہلی صورت میں فاعل کی تقدیم اس لیے واجب ہے کہ فاعل اور مفعول کے درمیان اشتباہ لازم آئے گا۔ اور دوسری صورت میں اس لیے تا کہ حصر مطلوب فوت نہ ہو جائے، کیوں کہ متکلم کا مقصود زيد کی ضاربیت کا عمر و یعنی مفعول میں منحصر کرنا ہے، عمرو کے دوسرے شخص کے مضروب ہونے کے امکان کے ساتھ جب کہ فاعل نہ مقدم کرنے کی صورت میں اس کا الٹا ہو جاتا ہے اور چوتھی صورت میں بھی اسی لیے فاعل کی تقدیم واجب ہے، تا کہ حصر مطلوب فوت نہ ہو، اس صورت میں بھی زيد کی ضاربیت کا عمر و میں انحصار مطلوب ہے، کیوں کہ انما کا حصر ترکیب کے آخری لفظ پر ہوتا ہے۔

فائدہ:- قرینہ عام ہے خواہ لفظی ہو جیسے رأیت عیسیٰ رشدی یا عقلی ہو جیسے اکل الكمثری یحییٰ پہلی صورت میں فعل کی تانیث رشدی کے فاعل اور عیسیٰ کے مفعول ہونے کی نشان دہی کر رہی ہے جب کہ دوسری صورت میں کمثری (ناشپاتی کا پھل ہونا) اس کے مفعول ہونے کا عقلاً تقاضا ہے۔

نیز فاعل ضمیر متصل ہونے کی صورت میں فاعل کی تقدیم اس وقت واجب ہوگی جب مفعول فعل پر مقدم نہ ہو، بصورت دیگر فاعل مؤخر ہی ہوگا جیسے زيدًا ضربتُ مفعول کے الا کے بعد واقع ہونے کی صورت میں فاعل کی تقدیم اس صورت میں واجب ہوگی جب الا مفعول اور فاعل کے درمیان واقع ہو بصورت دیگر فاعل کی تقدیم واجب نہیں ہے۔ جیسے ما ضرب الا عمروًا و زيدًا۔ ایسا اس لیے ہے کہ حصر الا کے مابعد میں ہی ہوتا ہے۔

وإذا اتصل به ضمير مفعولٍ أو وقع بعد إلا أو معناها أو اتصل به مفعوله وهو غير متصل وجب تأخيره.

ترجمہ:- اور جب متصل ہو فاعل سے مفعول کی ضمیر یا فاعل واقع ہو الا یا معنى الا کے بعد یا فعل اس کا مفعول متصل ہو در انحالیکہ فاعل غیر متصل ہو تو واجب ہے فاعل کا مفعول سے مؤخر کرنا۔

توضیح:- یہاں سے مصنف ان مواقع کو بیان کر رہے ہیں کہ جہاں پر فاعل کا مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہوتا ہے۔ پہلی جگہ یہ ہے کہ جب مفعول کی ضمیر فاعل سے متصل ہو۔ مفعول کی ضمیر کے فاعل سے متصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فاعل کا مضاف الیہ ضمیر ہو اور اس ضمیر کا مرجع مفعول ہو۔ جیسے واذا ابتلی ابراهیم ربہ تو یہاں پر مفعول کا مقدم کرنا اور فاعل کی تاخیر اس لیے واجب ہے، تا کہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے۔

دوسری جگہ ہے کہ فاعل الّا کے بعد واقع ہو جیسے ما اکل تفاحاً الا خالد اور انما اکل تفاحاً خالد ان دونوں مثالوں میں مفعول کی تقدیم اور فاعل کی تاخیر اس لیے واجب ہے، تا کہ حصر مطلوب بدل نہ جائے، کیوں کہ مطلوب دونوں مثالوں میں یہ ہے کہ سیب کاماً کول ہونا خالد پر منحصر ہے اس بات کے امکان کے ساتھ کہ سیب کے علاوہ اور بھی چیزیں زید کی ما کول ہوں۔ لیکن اگر فاعل کو مقدم کر دیا جائے تو مطلب اس کے الٹا ہو جاتا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ یاد رہے کہ یہاں پر بھی فاعل الّا کے بعد واقع ہونے کا مطلب الّا کا فاعل اور مفعول کے درمیان واقع ہونا ہے ورنہ بصورت دیگر فاعل کی تقدیم سے مطلوب فوت نہیں ہوگا۔ جیسے ما اکل الا خالد تفاحاً۔ تیسری جگہ فاعل کی تاخیر واجب ہوئی کہ جب مفعول فعل سے متصل ہو اور فاعل غیر متصل ہو جیسے ضربك زید ایسا اس لیے ہے کہ فاعل کی تقدیم بغیر مفعول کو فعل سے جدا کیے ہوئے ممکن نہیں اور ظاہری بات ہے کہ ایسی صورت میں شیء متصل کا منفصل ہونا لازم آئے گا، جو کہ درست نہیں ہے۔

وقد يُحذفُ الفعلُ لقيامِ قرينةٍ جوازاً في مثلِ زید لمن قال من قام شعر:
وليبك يزید ضارع لخصوصمةٍ ومختبطٌ مما تطيح الطوائح.

ترجمہ: - اور کبھی حذف کر دیا جاتا ہے فعل قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے جواز ازید جیسے میں اس شخص کے لیے کہ جس نے کہا من قام اور لیبك یزید ضارع الخ جیسے میں۔
توضیح: - اصل عبارت کے مطلب سے پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ قد تقلیل کے لیے ہے اور جوازاً جائزاً کے معنی میں ہے جو مجازاً مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اصل عبارت ہے حذفاً جائزاً۔ شعر کا ترجمہ ہے: اور چاہیے کہ یزید رویا جائے یعنی بے بس آدمی جھگڑے کی وجہ سے روئے اور بغیر وسیلے کے مانگنے والا مسکین روئے جس کو حوادث زمانہ نے ہلاک کر دیا ہے۔

اب عبارت کا مطلب سماعت فرمائیے، کہ کبھی فعل کو قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے حذف کر دیتے ہیں جیسے زید میں جو کہ اس شخص کے جواب میں واقع ہے جس نے من قام کہا۔ فعل کو حذف کر دیا گیا ہے۔ قرینہ سائل کا سوال ملفوظ ہے جو جواب میں وجود فعل پر دلالت کرتا ہے۔ پس سوال خواہ ملفوظ ہو جیسے مثال مذکور میں ہے۔ اور خواہ سوال مقدر ہو۔ جیسے و لیبك یزید ضارع لخصوصمة میں ہے۔ اس شعر میں ضارع فاعل ہے جو محل استدلال ہے کہ جس کا فعل سوال مقدر من یبکی کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، کیوں کہ سوال مقدر ضارع کے وجود فعل پر دلالت ہے۔ ایک بات اور یاد رہے کہ یہاں فعل سے مراد ہر وہ چیز ہے جو فاعل کو رفع دینے والی ہو خواہ فعل ہو یا شبہ فعل صرف فعل کا تذکرہ یہاں اصالتاً ہے۔

ووجوباً فی مثلِ وان احدٌ من المشرکین استجارک. وقف يُحذفان معاً فی مثلِ نعم
لمن قال اقام زید.

ترجمہ:- اور وجوباً حذف کیا جاتا ہے وان احد من المشركين استجارك جیسی مثال میں اور کبھی فعل فاعل ساتھ میں حذف کر دیئے جاتے ہیں نعم جیسے میں اس شخص کے جواب میں جس نے کہا اقام زید۔

توضیح:- وجوباً واجباً کے معنی میں ہے۔ جو جواز پر معطوف ہے، یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کبھی فعل کو قرینہ اور قائم مقام کے پائے جانے کی وجہ سے وجوباً حذف کر دیا جاتا ہے وان احد من المشركين استجارك جیسی مثال سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں فاعل کو رفع دینے والے فعل کو حذف کر دیا گیا ہو۔ اور حذف شدہ ابہام کی دوسرے فعل سے تفسیر کی گئی ہو۔ قرینہ اس مثال میں ان شرطیہ کا داخل ہونا ہے، اس لیے کہ ان حرف شرط فعل پر وجوباً داخل ہوتا ہے اور یہاں فعل لفظاً نہیں ہے۔ معلوم ہوا فعل مقدر ہے اور قائم مقام مفسر استجارك ہے تقدیر عبارت ان استجارك احد من المشركين استجارك تو یہاں استجارك اول کو قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے وجوباً حذف کر دیا گیا اور استجارك ثانی قائم مقام ہو گیا، تاکہ بے ضرورت مفسر اور مفسر کا اجتماع لازم نہ آئے۔

اور کبھی ایسا ہوتا کہ قرینہ کے پائے جانے کی وہ سے نہ صرف فعل بلکہ فاعل کو بھی جوازاً حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے نعم اس شخص کے جواب میں جس نے اقام زید کیا۔ تو یہاں دونوں کا حذف درست ہے، کیوں کہ قرینہ سائل کا سوال موجود ہے، البتہ واجب نہیں، اس لیے کہ قائم مقام نہیں ہے، کیوں کہ نعم دونوں کا قائم مقام نہیں بن سکتا ہے، اس لیے کہ نعم حرف غیر مستقل ہے اور فعل و فاعل مستقل ہیں۔ اور غیر مستقل مستقل کا قائم مقام نہیں ہو سکتا ہے۔

واذ تنازع الفعلان ظاهراً بعدهما فقد يكون في الفاعلية مثل ضربني واكرمني زيد. وفي المفعولية مثل ضربت واكرمت زيدا وفي الفاعلية والمفعولية مختلفين.

ترجمہ:- جب دو فعل تنازع کریں کسی ایسے اسم ظاہر میں جو ان دونوں کے بعد ہو تو تنازع کبھی فاعلیت میں ہوگا جیسے ضربنی واكرمني زيد اور کبھی مفعولیت میں ہوگا۔ جیسے ضربت واكرمت زيدا اور کبھی فاعلیت اور مفعولیت میں ہوگا در انحالیکہ تقاضے مختلف ہوں (پہلا فاعل کا تقاضا کرے اور دوسرا فعل مفعول کا جیسے ضربنی واكرمت زيدا یا پہلا فعل مفعول کا تقاضہ کرے دوسرا فعل فاعل کا تقاضہ کرے جیسے ضربت واكرمني زيد۔

توضیح:- سب سے پہلے آپ یہ سمجھئے کہ تنازع کے معنی کیا ہیں؟ تنازع لغتہ کہتے ہیں کسی چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا۔ اور اصطلاح میں کہتے ہیں دو عاملوں کا بحسب المعنی ایسے اسم کی طرف متوجہ ہونا جو دونوں عاملوں کی علی سبیل البدل معمول بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ پس اس تعریف

سے معلوم ہو گیا کہ فعلین عاملین کے معنی میں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ فعلین ہی کو کیوں بیان کیا جواب یہ ہے کہ فعلان کا تذکرہ اصالت فی العمل کی وجہ سے کیا۔ ایک بات اور دھیان رہے کہ فعلان بطور حصر مذکور نہیں بلکہ یہ بتانے کے لیے کہ تنازع کے ثبوت کے لیے کم از کم دو عامل ضروری ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ اب سنئے کہ تنازع ایسے اسم ظاہر میں ہوگا جو دونوں عاملوں کے بعد واقع ہو، مصنف نے ظاہراً کی قید اس لیے لگائی کہ اگر دونوں عاملوں کے بعد ضمیر متصل ہو تو فعل ثانی کا معمول ہونا متعین ہے۔ اس لیے کہ وہ فعل ثانی کا جزء ہوگا اور دونوں فعلوں میں سے کسی کو دوسرے کے جزء پر عمل دلانا درست نہیں۔ حاصل یہ نکلا کہ ضمیر متصل کی صورت میں تنازع متحقق نہیں ہو پائے گا اور اگر ضمیر منفصل ہے، جیسے ماضرب و اکرم الا انا پس اس وقت اگرچہ تنازع ممکن ہے لیکن رفع تنازع ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ چاہے دونوں میں سے جس کو عمل دلاؤ دو حال سے خالی نہیں ضمیر یا تو مع الا کے لاؤ گے یا بغیر الا کے تو پہلی صورت میں حرف کا اضمار لازم آئے گا اور دوسری صورت میں تضاد لازم آئے گا۔

بعدہما کی قید سے احتراز ہو گیا اس اسم سے جو دونوں عاملوں پر مقدم ہو یا دونوں کے وسط میں واقع ہو، کیوں کہ اس صورت میں پہلے فعل کا عمل طے ہے، اس لیے کہ وہ دوسرے سے پہلے عمل کا حق دار ہو جائے گا۔ بہر حال جب تنازع دو عاملوں کا کسی ایسے اسم ظاہر میں ہو جو ان دونوں کے بعد واقع ہو رہا ہے، تو اس کی چار صورتیں ہیں جو اوپر ترجمہ میں مذکور ہیں، آگے بڑھنے سے پہلے ایک سوال اور اس کا جواب بھی سمجھ لیجیے۔

سوال یہ ہے کہ جب تنازع دو فعلوں کا فاعلیت اور مفعولیت میں ہوگا، تو دونوں من حیث الاقتضاء مختلف ہی ہوں گے اس کے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب دو فعلوں کا تنازع بین الفاعلیۃ والمفعولیۃ دو قسموں پر ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ دونوں فعلوں کا تقاضہ ایک ہو جب کہ تنازع فیہ متعدد ہو۔ جیسے ضرب و اهان زید عمرواً۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں فعلوں کا تقاضہ مختلف ہو، لیکن تنازع فیہ واحد یعنی ایک ہو جیسے ضربنی و اکرمت زیداً پس مصنف کا قول مختلفین اس بات کو بتانے کے لیے ہے کہ یہاں پر دوسری صورت مراد ہے۔

فِيخْتَارَ الْبَصْرِيُّونَ اَعْمَالَ الثَّانِي وَالْكُوفِيُّونَ الْاَوَّلَ فَاِنْ اَعْمَلَتِ الثَّانِي اَضْمَرَتْ الْفَاعِلَ فِي الْاَوَّلِ عَلٰى وَفَقِ الظَّاهِرِ دُونَ الْحَذْفِ خِلَافًا لِلْكَسَائِيِّ وَجَازَ خِلَافًا لِلْفَرَّاءِ اِحْذَفَتِ الْمَفْعُولَ اِنْ اسْتُغْنِيَ عَنْهُ وَالْاِظْهَرَتْ .

ترجمہ: - پس بصری دوسرے فعل کے عمل دینے کو پسند کرتے ہیں اور کوفی لوگ کہتے ہیں کہ پہلے کا عمل بہتر ہے پس اگر عمل دیا تو نے دوسرے کو تو ضمیر لے آ فاعل کی پہلے میں اسم ظاہر کے موافق نہ کہ حذف اختلاف کرتے ہوئے کسائی سے اور جائز ہے، مخالفت کرتے ہوئے فراء کی اور حذف کر دے تو

مفعول کو اگر اس کی ضرورت نہ ہو ورنہ ظاہر کر دے تو۔

توضیح: - باب تنازع کی چار صورتیں آپ نے پڑھی ہیں، چاروں صورتوں میں دونوں فعلوں کو عمل دینا جائز ہے یا ناجائز اس بارے میں دو گروہ ہیں۔ پہلا گروہ نحاة بصرہ وکوفہ کا ہے۔ جو چاروں صورتوں میں فعلوں کا عمل درست مانتے ہیں۔ جس کو مصنف نے وجاز سے بیان کیا ہے۔ دوسرا گروہ فراء کا ہے جو دوسری اور چوتھی صورت میں تو دونوں کے عمل کے قائل ہیں لیکن پہلی اور تیسری صورت میں دوسرے فعل کے عمل دلانے کو روا نہیں سمجھتے اسی کو مصنف نے خلافا للفراء سے بیان کیا ہے اور یہی اس کا مطلب ہے اب فراء کی دلیل سنئے۔

فراء کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جب آپ دوسرے فعل کو عمل دیں گے جب کہ پہلا فعل فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو رفع تنازع کے لیے پہلے فعل میں فاعل کا ذکر تو بالاتفاق ناجائز ہے۔ اس لیے کہ تکرار لازم آئے گا جو کہ فصاحت کے خلاف ہے۔ اب دو ہی صورتیں بچی ہیں فاعل کا حذف یا ضمیر لانا تو دونوں ناجائز ہیں۔ اس لیے کہ پہلی صورت میں عمدہ کا حذف اور دوسری صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے پس معلوم ہوا کہ پہلی اور تیسری صورت میں دوسرے فعل کو عمل دلانا منع ہے اور پہلے فعل کو عمل دلانا متعین۔ یہ تو بات ہوئی فراء کی۔

اب پھر چلیے جمہور کی طرف تو جمہور میں اہل بصرہ اور اہل کوفہ کا اس بارے میں اختلاف ہو گیا کہ دونوں میں سے کس کو عمل دلانا بہتر ہے دوسرے کے جواز کے ساتھ۔ تو بصریوں کے نزدیک قرب و جوار کا لحاظ کرتے ہوئے دوسرے فعل کو عمل دلانا اولیٰ ہے۔ اور کوفیوں کے نزدیک الاقدم فالاقدم کا اعتبار کرتے ہوئے پہلے فعل کو عمل دلانا بہتر ہے۔

لیکن چوں کہ مصنف کو بصریوں کا مذہب زیادہ پسند ہے، اس لیے وہ پہلے بصریوں کے مذہب کو بیان کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں اگر آپ بصریوں کے مذہب کے مطابق دوسرے فعل کو عمل دیں تو سب سے پہلے دیکھئے کہ پہلا فعل تقاضہ کا ہے یا کر رہا ہے اگر وہ فعل فاعل کا تقاضہ کر رہا ہے تو پہلے فعل میں فاعل کی ضمیر لے آئیں۔ جو اسم ظاہر کے موافق ہو، کیوں کہ رفع تنازع کی تین ہی صورتیں ہیں فاعل کا حذف۔ فاعل کی ضمیر۔ فاعل کا ذکر۔ تو اگر فعل کو حذف کر دیا جائے تو فاعل کا حذف جو کہ عمدہ ہے بغیر قائم مقام لازم آئے گا۔ اور اگر ذکر کیا جائے تو فاعل کا تکرار لازم آئے گا جو کہ خلاف فصاحت ہے، لہذا یہ دونوں صورتیں تو چلنے سے رہیں۔ پس ضمیر کا لانا ضرورتاً متعین ہو گیا۔ اب رہی یہ بات کہ اضمار قبل الذکر لازم آئے گا تو عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے لیکن کسائی کا اس میں اختلاف ہے۔ کسائی کہتے ہیں کہ جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے فاعل کو تو حذف کیا جاسکتا ہے لیکن پہلے فعل میں ضمیر نہیں لائی جائے گی کیوں کہ بقول کسائی اضمار قبل الذکر بہر صورت ناجائز ہے۔ کسائی کے اسی نظریہ کو مصنف نے خلافاً للكسائی سے بیان کیا ہے۔ خیر یہ تو تفصیل ہوئی

جب پہلا فعل فاعل کا تقاضہ کرتا ہو لیکن جب پہلا فعل مفعول کا تقاضا کرتا ہو اور پہلا فعل افعال قلوب میں سے نہ ہو تو رفع تنازع کے لیے مفعول کو محذوف مانا جاسکتا ہے، کیوں کہ وہ فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف درست ہے۔ ضمیر اور ذکر کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی گنجائش ہے، کیوں کہ یہاں عمدہ میں بشرط تفسیر کا فائدہ اضمار قبل الذکر سے بچاؤ کے معاملہ میں نہیں مل سکے گا۔ اور اگر پہلا فعل افعال قلوب میں سے ہے تو مفعول کو ظاہر کرنا پڑے گا، کیوں کہ اگر پہلے کی طرح پہلے فعل کے مفعول کو حذف کر دیتے ہیں، تو افعال قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک کا حذف لازم آئے گا جو درست نہیں ہے۔ جیسے حسبنی منطلقاً و حسبت زیداً منطلقاً۔

وَأَنْ أَعْمَلَتِ الْأَوَّلَ أَضْمَرَتِ الْفَاعِلَ فِي الثَّانِي وَالْمَفْعُولَ عَلَى الْمَخْتَارِ إِلَّا أَنْ يَمْنَعَ مَانِعٌ فَتُظْهِرُ .

ترجمہ: - اور اگر تو پہلے فعل کو عمل دے تو فاعل کی ضمیر دوسرے فعل میں لے آ۔ اور مفعول کی ضمیر پسندیدہ قول کے مطابق دوسرے فعل میں لے آ۔ مگر یہ کہ کوئی مانع منع کرے تو مفعول کو دوسرے فعل میں ظاہر کر دے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف کو فیوں کے مسلک کو بیان کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ نے پہلے فعل کو عمل دلایا تو یہ دیکھئے کہ دوسرا فعل کس چیز کا تقاضہ کرتا ہے، تو اگر فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو فاعل کی ضمیر اسم ظاہر کے موافق دوسرے فعل میں لے آؤ، کیوں کہ فاعل کا ذکر بالاتفاق منع ہے اور حذف بھی بلا قائم مقام درست نہیں تو اب فاعل کی ضمیر متعین ہے اور اضمار قبل الذکر کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے، کیوں کہ اسم ظاہر اول فعل کا معمول ہونے کی وجہ سے رتبہ دوسرے فعل پر گویا مقدم ہو چکا گویا لفظوں میں دونوں کے بعد ہے۔

اور اگر دوسرا فعل مفعول کا تقاضہ کرتا ہو اور افعال قلوب میں سے نہ ہو تو دو صورتیں جائز ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ دوسرے فعل کے مفعول کو حذف کر دیجیے، کیوں کہ مفعول فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف درست ہے، جب کہ ذکر کی بالاتفاق تکرار کی وجہ سے گنجائش نہیں اور دوسری صورت مفعول کی ضمیر لانا ہے جیسے ضربت واکرمته زیداً ضمیر لانا اس لیے درست ہے کہ اضمار قبل الذکر لازم نہیں آ رہا ہے مزید یہ وہم بھی نہیں رہتا کہ فعل ثانی کا مفعول فعل اول کے مفعول یعنی مفعول مذکور کے خلاف ہے، اس لیے مصنف کے نزدیک ضمیر کا لانا افضل ہے۔

اور اگر دوسرا فعل افعال قلوب میں سے ہو تو مفعول کا ذکر کرنا ضروری ہے جیسے حسبنی و حسبتھا منطلقین الزیدان منطلقاً یہاں مفعول کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ جھگڑا ختم کرنے کی وہی تین صورتیں ہیں حذف، اضمار، ذکر۔ پس اگر دوسرے فعل کے مفعول کو حذف کرے جب کہ وہ افعال قلوب میں سے ہے تو افعال قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک کا حذف لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے۔ اور اگر دوسرے فعل

میں مفعول کی ضمیر لاتے ہیں تو ضمیر دو حال سے خالی نہیں یا تو مفرد کی ضمیر لائیں گے یا تشنیہ کی، پہلی صورت میں فعل ثانی کے دونوں مفعولوں کے درمیان واحد اور تشنیہ ہونے میں مطابقت نہ ہوگی جیسے حسبنی و حسبتھا ایاہ الزیدان منطلقا۔ جب کہ دوسری صورت میں ضمیر اور مرجع کے درمیان مطابقت نہیں رہتی کیوں کہ دوسرے فعل کا مفعول ثانی کی ضمیر پہلے فعل کے مفعول ثانی کی طرف لوٹے گی، جو کہ واحد ہے جیسے حسبنی و حسبتھما ایاہما الزیدان منطلقا پس ذکر متعین ہو گیا جیسے کہ اوپر مثال مذکور ہو چکی ہے۔

وقول امرء القیس ع کفانی ولم اطلب قليل من المال ÷ ليس منه لفساد المعنى
ترجمہ: - اور امرء القیس کا قول کفانی ولم اطلب من المال نہیں ہے باب تنازع سے معنی کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔

توضیح: - کوئیوں نے پہلے فعل کے عمل دلانے کی افضلیت پر امرء القیس کے مذکورہ بالا شعر سے استدلال کیا کہ دیکھو کفانی اور لم اطلب نے تنازع کیا۔ کفانی نے چاہا کہ قليل من المال کو اپنا فاعل بنا لے اور لم اطلب نے اس کو اپنا مفعول بنا لیا چاہا۔ لیکن شاعر نے پہلے فعل کو عمل دلاتے ہوئے قليل کو مرفوع پڑھا، پس معلوم ہوا کہ پہلے فعل کو عمل دینا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ امرء القیس فصیح ہے اور فصیح آدمی اصح لغت ہی استعمال کرتا ہے۔

تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بصریوں کی جانب سے اپنے قول ليس منه لفساد المعنى سے اس کا جواب دیا کہ شعر باب تنازع سے ہے ہی نہیں، کیوں کہ اگر اس کو باب تنازع سے مانا جاتا ہے تو شعر کے معنی فاسد ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اس شعر کا پہلا مصرعہ ہے ولو انما اسعی لادنی معیشتہ۔ پہلے مصرعہ میں لو ہے لو انتفاع ثانی کے لیے انتفاع اول کی وجہ سے آتا ہے تو لو اگر مثبت پر داخل ہوتا ہے تو اس کو منفی کر دیتا ہے اور اگر منفی پر داخل ہوتا ہے تو اس کو مثبت کر دیتا ہے اور اسی کے ساتھ ایک بات اور ہے کہ جو حکم لو کے جواب کا ہوتا ہے وہی لو کے جواب کے معطوف کا ہوتا ہے، جب بات یہ ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ اگر کفانی اور لم اطلب، قليل من المال میں تنازع کرتے ہیں تو من حیث المعنی اجتماع نقیضین لازم آئے گا۔ اس لیے کہ شاعر کا قول انما اسعی لادنی معیشتہ مثبت ہے، پس وہ لو کے داخل ہونے کے بعد منفی ہو جائے گا تو اب اس کی کوشش ادنی معیشتہ کے لیے نہ ہوگی۔ تو وہ قليل من المال کا طالب بھی نہیں ہوگا اور جب لم اطلب قليل من المال معطوف ہونے کی وجہ سے لو کے جواب کے حکم میں ہے۔ تو وہ مثبت ہو جائے گا۔ تو اب وہ قليل من المال کا طالب بھی ہو جائے گا اور یہی اجتماع نقیضین ہے، اس لیے کہ ایک طرف تو وہ تھوڑے مال کا طالب نہیں اس کا ساعی نہ ہونے کی وجہ سے اور دوسری طرف اس کا خواستگار بھی ہے۔ اور اجتماع نقیضین محال ہے پس معلوم ہوا کہ شعر باب تنازع سے ہے ہی نہیں بلکہ الم

اطلب کا مفعول الملك والمجد ہے جو محذوف ہے اور جس پر اگلا شعر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ہے
ولكنما اسعى لمجد مؤثّل وقد يدرك لك المجد المؤثّل امثالی.

مفعول ما لم یسم فاعله كل مفعول حذف فاعله واقیم هو مقامه وشرطه ان تغیر
صيغة الفعل الى فعل او یفعل.

ترجمہ: - مفعول ما لم یسم فاعله ایسا فاعل ہے جس کے فاعل کو حذف کر دیا گیا ہو۔ اور
مفعول کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہو، اور اس کی شرط یہ ہے کہ فعل کا صیغہ فعل یا یفعل کی طرف بدل
جائے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف مرفوعات کی دوسری قسم نائب فاعل کو بیان کر رہے ہیں۔ نائب
فاعل کی تعریف سننے سے پہلے چند باتیں سن لیجیے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ لم یسم فاعله لم یدکر فاعله
کے معنی میں ہے۔ دوسری بات فاعل کی مفعول کی طرف اضافت ادنی تعلق کی وجہ سے ہے۔ تیسری بات
مفعول کے فاعل کے قائم مقام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب فعل کی اسناد بجائے فاعل کے مفعول کی طرف
ہوگی اور آخری بات یہ ہے کہ یہاں فاعل سے مراد فاعل نحوی ہے فاعل حقیقی نہیں ہے۔

اب سنیے تعریف۔ نائب فاعل ایسے مفعول کو کہتے ہیں جس کے فاعل کو حذف کر کے مفعول کو اس کا
قائم مقام بنا دیا گیا ہو۔ فاعل کے حذف اور مفعول کے اس کے قائم مقام ہونے کی شرط یہ ہے کہ صیغہ
معروف صیغہ مجہول سے بدل جائے خواہ وہ کسی بھی باب سے ہو اور کوئی بھی فعل ہو یہ تفصیل اس وقت ہے
جب نائب فاعل کا عامل فعل ہو اور جب اس کا فاعل شبہ فعل ہو تو اس کی شرط صیغہ اسم فاعل کا اسم مفعول
ہو جانا ہے۔ فاضل مصنف کی فعل سے فعل اور یفعل سے بدل جانے کا یہی مطلب ہے کہ فعل سے
مراد ماضی مجہول اور یفعل سے مراد مضارع مجہول ہے۔

اب ایک فائدہ اور سمجھ لیجیے کہ مصنف نے فعل اور یفعل کا انتخاب اس لیے کیا کہ نائب فاعل کے
معنی انوکھے کے ہیں، تو اس کے لیے انوکھے وزن کا بھی انتخاب کیا، تاکہ لفظ کا انکوہا پن معنی کے انوکھے پن
پر دلالت کرے۔

ولا یقع المفعول الثانی من بابِ عَلِمْتُ والثالثُ من بابِ اعلمتُ والمفعولُ له
والمفعولُ معه کذالك.

ترجمہ: - اور نہیں واقع ہوتا ہے باب علمت کا دوسرا اور باب اعلمت کا تیسرا مفعول
نائب فاعل اور مفعول لہ اور مفعول معہ بھی نائب فاعل نہیں ہو سکتا۔

توضیح: - یہاں سے مصنف ان مفاعیل کو بتا رہے ہیں جو نائب فاعل نہیں بن سکتے، چنانچہ

فرماتے ہیں کہ باب علمت کا دوسرا مفعول اور باب اعلمت کا تیسرا مفعول نائب فاعل نہیں ہو سکتا۔ باب علمت کا دوسرا مفعول نائب فاعل اس لیے نہیں ہو سکتا کہ اس کا مفعول ثانی اس کے مفعول اول کی طرف ہمیشہ اسناد تام کے ساتھ مسند ہوتا ہے، کیوں کہ یہ دونوں اصل میں مبتدا اور خبر ہیں، پس اگر دوسرا مفعول فاعل کی جگہ میں واقع ہو جائے یعنی نائب فاعل بن جائے تو اس کا ایک ہی حالت میں مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئے گا، جو کہ درست نہیں اسی طرح باب اعلمت کا تیسرا مفعول نائب فاعل نہیں ہو سکتا اس کے نائب فاعل نہ ہونے کی دلیل بعینہ وہی ہے جو باب علمت کے دوسرے مفعول کی ہے۔ نیز مفعول لہ اور اور مفعول معہ بھی نائب فاعل نہیں بن سکتے۔ یاد رہے کہ مفعول لہ سے مراد وہ مفعول لہ ہے جو بغیر لام کے ہو۔ مفعول لہ اس لیے نائب فاعل نہیں بن سکتا کہ اس کا نصب اس کے مفعول کی خبر دیتا ہے تو اگر نائب فاعل بنا دیا جائے تو نصب ختم ہو جائے گا جو کہ مفعول لہ ہونے کی علامت ہے۔ اور مفعول معہ تو اس لیے نائب فاعل نہیں بن سکتا ہے کہ مفعول معہ یا تو واؤ کے ساتھ نائب فاعل بنائیں گے یا بغیر واؤ کے۔ واؤ کے ساتھ تو نائب فاعل نہیں بنا سکتے، اس لیے کہ واؤ انفصال کی دلیل ہوتا ہے جب کہ فاعل فعل کے جزء کے درجہ میں ہوتا ہے اور اگر بغیر واؤ کے فاعل کا قائم مقام بنایا جائے تو ایسی صورت میں اس کا مفعول معہ ہونا معلوم نہیں ہوگا اور اس کی حقیقت تبدیل ہو جائے گی۔

وَإِذَا وَجِدَ الْمَفْعُولُ بِهِ تَعَيَّنَ لَهُ تَقُولُ ضَرْبَ زَيْدٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِمَامَ الْأَمِيرِ ضَرْبًا شَدِيدًا فِي دَارِهِ فَتَعَيَّنَ زَيْدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَالْجَمِيعُ سَوَاءً وَالْأَوَّلُ مِنْ بَابِ أَعْطِيتُ
اولی من الثانی.

ترجمہ: - اور جب مفعول بہ پایا جائے تو فاعل کے قائم مقام ہونے کے لیے متعین ہے تم کہو ضرب زید یوم الجمعہ امام الامیر ضرباً شدیداً فی دارہ پس زید متعین ہو گیا پس اگر نہ ہو مفعول بہ تو سب برابر ہیں۔ اور اعطیت کا پہلا مفعول زیادہ بہتر ہے دوسرے کے مقابلہ میں۔

توضیح: - یہاں سے مصنف یہ بتا رہے ہیں کہ جب مفعول بہ کلام میں ان مفاعیل کے ساتھ پایا جائے جو نائب فاعل ہو سکتے ہیں تو مفعول بہ کا نائب فاعل ہونا متعین ہے، کیوں کہ تمام کے مقابلہ مفعول بہ فاعل کے زیادہ مشابہ ہے، اس بات میں کہ فعل سمجھنا دونوں پر موقوف ہوتا ہے، چنانچہ ضرب مثال کے طور پر جیسے اس کا سمجھنا ضارب کے بغیر ممکن نہیں ٹھیک اسی طرح مضروب کے بغیر بھی اس کا سمجھنا ممکن ہے۔ مصنف نے اس ضابطہ مذکورہ کی مثال ضرب زید یوم الجمعہ امام الامیر ضرباً شدیداً فی دارہ سے دی ہے اس میں زید مفعول بہ ہے جس کو نائب فاعل بنایا گیا ہے۔

اور اگر کلام میں مفعول بہ کے علاوہ دیگر ایسے مفاعیل ہوں، جو فاعل کے قائم مقام ہو سکتے ہیں تو پھر

نائب فاعل ہونے میں سب برابر ہیں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہیں ہے۔

وَالْأَوَّلُ مِنْ بَابِ اعْطَيْتُ أَوْلَىٰ مِنَ الثَّانِي: اور باب اعطیت کا مفعول اول نائب فاعل ہونے کے بارے میں باب اعطیت کے دوسرے مفعول سے زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ مفعول اول میں فاعلیت کے معنی بلحاظ دوسرے کے زیادہ ہیں۔ باب اعطیت سے مراد ہر ایسا فعل ہے جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو اور ان میں کا پہلا دوسرے کا غیر ہو۔

وَمِنْهَا الْمُبْتَدَأُ وَالْخَبْرُ. فَالْمُبْتَدَأُ هُوَ الْأَسْمُ الْمَجْرُودُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ مَسْنَدًا إِلَيْهِ أَوْ الصِّغَةُ الْوَارِقَةُ بَعْدَ حَرْفِ النِّفْيِ أَوْ الْفِ اسْتِفْهَامٍ رَافِعَةً لِّظَاهِرٍ مِثْلَ زَيْدٌ قَائِمٌ وَمَا قَائِمُ الزَّيْدَانِ وَأَقَائِمُ الزَّيْدَانِ فَإِنْ طَابَقَتْ مَفْرَدًا جَازَ الْأَمْرَانِ.

ترجمہ: - اور مرفوعات میں سے مبتدا اور خبر ہیں، پس مبتدا وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو در انحالیکہ وہ مسند الیہ ہو یا مبتدا وہ صفت کا صیغہ ہے جو حرف نفی یا ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہو در انحالیکہ وہ صیغہ صفت اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو جیسے زید قائم اور ما قائم ن الزیدان و اقائم ن الزیدان پس اگر وہ صیغہ صفت مطابق ہو مفرد کے تو اس میں دو وجہیں جائز ہیں۔

توضیح: - مرفوعات میں سے مبتدا اور خبر بھی ہیں۔ مبتدا اور خبر کو مرفوعات کی الگ الگ قسم ہونے کے باوجود ایک ہی فصل میں اس لیے بیان کیا کہ دونوں کا عامل معنوی ہوتا ہے، نیز ان میں آپس میں تلازم پایا جاتا ہے، لیکن تعریف دونوں کی جداگانہ بیان کیا۔ اس لیے کہ ماہیت میں دونوں مختلف ہیں۔

فالمبتدا: سے مصنف مبتدا کی تعریف بیان کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مبتدا وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو در انحالیکہ وہ مسند الیہ ہو۔ دھیان رہے کہ اسم عام ہے خواہ اسم صریحی ہو یا تاویلی۔ صریحی کی مثال جیسے زید قائم اور تاویلی کی مثال جیسے ان تصووا خیر لکم۔ واضح ہو یہ مبتدا کی پہلی قسم کی تعریف ہے۔

فائدہ: - مبتدا کی تعریف میں المجرد لم یوجد کے معنی میں ہے اور عامل لفظی سے مراد وہ عامل لفظی ہے جس کے لیے معنی تاثیر ہو۔

او الصفة الواقعة: یہاں سے مصنف مبتدا کی دوسری قسم کی تعریف بیان کر رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ نیز مبتدا وہ صیغہ صفت بھی ہے جو حرف نفی یا ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہو در انحالیکہ وہ صیغہ صفت اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو۔ جیسے ما قائم الزیدان اور اقائم الزیدان صفت سے مراد عام ہے خواہ حقیقتاً صفت ہو یا قائم مقام صفت کے ہو۔ جیسے اقریشی زید اسی طرح اسم ظاہر بھی عام ہے خواہ حقیقتاً اسم ظاہر ہو یا حکماً اسم ظاہر ہو پہلے کی مثال او پر مذکور ہو چکی ہے۔ دوسرے کی مثال جیسے ارغب انت عن الہتی۔

فان طابقت مفرداً: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ وہ صیغہ صفت جو حرف نفی یا استفہام کے بعد واقع ہوتا ہے اسم ظاہر کے مفرد ہونے میں مطابق ہو جیسے اقائم زید اور ما قائم زید تو اس میں دو احتمال درست ہیں۔ پہلا احتمال یہ ہے کہ صفت مسند بہ ہو اور اس کا مابعد فاعل قائم مقام خبر ہو۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ صفت خبر مقدم ہو اور مابعد یعنی اسم ظاہر مبتدا مؤخر۔ اور اگر وہ صفت موافق ہو اسم ظاہر کے تثنیہ اور جمع ہونے میں جیسے اقائمان الزیدان اور ما قائمان الزیدان۔ اقائمون الزیدون اور ما قائمون الزیدون۔ تو ان صورتوں میں صرف ایک احتمال ہے صفت کا خبر مقدم ہونا اور اسم ظاہر کا مبتدا مؤخر ہونا۔

والخبر هو المجرد المسند به المغائر للصفة المذكورة .

ترجمہ:- اور خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عموماً لفظیہ سے جو مسند بہ ہو اور جو صفت مذکورہ کے خلاف ہو۔

توضیح:- مسند بہ سے احتراز ہو گیا مبتدا کی پہلی قسم سے اور المغائر للصفة المذكورة کے ذریعہ احترام ہو گیا مبتدا کی دوسری قسم سے۔ یہاں سے مصنف خبر کی تعریف بیان کر رہے ہیں، کہ خبر وہ اسم ہے جو عموماً لفظیہ سے خالی ہو مسند بہ ہو یعنی مسند الیہ نہ ہو جو اس صفت کے خلاف ہو جو کہ ہمزہ استفہام یا حرف نفی کے بعد واقع ہوتی ہے۔

سوال: مسند اسناد سے مشتق ہے اور اسناد براہ راست متعدی ہوتا ہے، لہذا مسند کو با کے ساتھ متعدی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں؟

جواب: مسند کاباء کے ساتھ متعدی ہونا اس لیے ہے کہ مسند وقوع کے معنی کو شامل ہے اور چوں کہ وقوع باء کے ساتھ متعدی ہوتا ہے، لہذا مسند جو وقوع کے معنی کو شامل ہے وہ بھی باء کے ساتھ متعدی ہوگا۔
سوال: مبتدا خبر میں عامل ہے اور خبر مبتدا میں عامل ہے پس یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ مبتدا اور خبر ایسے اسم ہیں جو عامل لفظی سے خالی ہوتے ہیں۔

جواب: اس سلسلے میں تین مذہب ہیں۔ ۱۔ مبتدا خبر میں عامل ہے اور خبر مبتدا میں۔ ۲۔ مبتدا میں عامل معنوی ہے اور خبر میں عامل مبتدا ہے۔ ۳۔ مبتدا اور خبر دونوں میں عامل معنوی ہوتا ہے مصنف کے نزدیک یہی تیسرا مذہب مختار ہے۔

واصل المبتداً التقديم ومن ثم جاز فی دارہ زید و امتنع صاحبها فی الدار .

ترجمہ:- اور مبتدا کی اصل مقدم ہونا ہے اور اسی وجہ سے جائز ہے فی دارہ زید کی ترکیب اور ناجائز ہے صاحبها فی الدار کی ترکیب۔

توضیح: - سب سے پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ اصل راجح کے معنی میں ہے۔ قاعدہ کلیہ کے مفہوم میں نہیں ہے پس مصنف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب مبتدا کے خبر پر مقدم ہونے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو مبتدا کا خبر پر مقدم ہونا اولیٰ ہے اس لیے کہ مبتدا ذات ہے اور خبر حال ہے اور ذات احوال پر مقدم ہی ہوتی ہے۔

سوال: اس دلیل سے تو پتہ چلتا ہے کہ فاعل بھی فعل پر مقدم ہوا کرے، کیوں کہ فعل فاعل کے احوال میں سے ایک حال ہے، حالاں کہ فعل مقدم ہوتا ہے اور فاعل مؤخر۔

جواب: جی ہاں فعل فاعل کے احوال میں سے ایک ہے، لیکن اس کے باوجود فاعل کی فعل سے تاخیر اشتباہ کے عارض ہونے کی وجہ سے واجب ہوتی، کیوں کہ اگر فاعل فعل پر مقدم کر دیا جائے تو مبتدا کے ساتھ اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔ بہر حال جب اصل مبتدا میں مقدم ہونا ہے تو فی دارہ زید کی ترکیب درست ہے، اس لیے کہ زید رتبہٴ مقدم ہے بس اضمار قبل الذکر رتبہٴ لازم نہیں آئے گا، بلکہ صرف لفظاً لازم آئے گا جو کہ منع نہیں ہے اور صاحبہا فی الدار کی ترکیب ناجائز ہے، اس لیے کہ صاحبہا مبتدا ہونے کی وجہ سے لفظاً اور رتبہٴ دونوں طرح مقدم ہے پس یہاں اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبہٴ دونوں لازم آتا ہے، اس لیے کہ ضمیر مؤنث کا مرجع دار ہے جو کہ خبر ہونے کی وجہ سے لفظاً اور رتبہٴ ہر طرح مؤخر ہے۔

وَقَدْ يَكُونُ الْمُبْتَدَأُ نَكْرَةً إِذَا تَخَصَّصَتْ بِوَجْهِ مَا مِثْلُ وَلِعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ
وَأَرْجُلٌ فِي الدَّارِ أَمِ امْرَأَةٌ وَمَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ وَشَرٌّ أَهْرٌ ذَا نَابٍ وَفِي الدَّارِ رَجُلٌ
وَسَلَامٌ عَلَيْكَ.

ترجمہ: - اور کبھی مبتدا نکرہ ہوتا ہے جب وہ خاص ہو جائے کسی وجہ سے جیسے ولعبد مؤمن خیر من مشرک اور ارجل فی الدار ام امرأة اور وما احد خیر منک اور شر اهر ذاناب اور فی الدار رجل اور سلام علیک۔

توضیح: - یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مبتدا میں اصل معرفہ ہونا ہے، کیوں کہ مبتدا محکوم علیہ ہوتا ہے اور حکم امر متعین پر لگایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی معرفہ میں ہی ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی نکرہ بھی مبتدا بن جاتا ہے بشرطیکہ اسے وجوہ تخصیص میں سے کسی وجہ کے ساتھ خاص کر لیا جائے جیسے ولعبد مؤمن خیر من مشرک میں عبد نکرہ مبتدا ہے جو کہ مؤمن صفت کی وجہ سے خاص ہو گیا ہے اور جیسے ارجل فی الدار ام امرأة میں تخصیص ہے متکلم کے علم کے اعتبار سے کیوں کہ متکلم اس کلام کے ذریعہ رجل اور امرأة میں سے کسی ایک کے گھر میں ہونے کے بارے میں لا

علی السعین جانتا ہے، پس وہ مخاطب سے ان کی تعیین کے بارے میں سوال کرتا ہے۔ اور جیسے و ما احد خیر منك اس میں تخصیص ہے عموم نفی کے اعتبار سے پس احد نکرہ مبتدا ہے جو تحت اللفظی واقع ہے اور نکرہ تحت اللفظی عموم کا فائدہ دیتا ہے اور عام من احيث العام متعین اور مشخص ہوتا ہے، کیوں کہ تمام افراد کا مجموعہ امر واحد ہوتا ہے جو کہ خاص ہے، پس مبتدا واقع ہونا درست ہے۔

سوال: تخصیص اور تعمیم میں تضاد ہے پس کیسے تخصیص تعمیم سے حاصل ہوگی؟

جواب: تخصیص کے دو معنی ہیں۔ تخصیص بمعنی قطع شرکت اور دوسرے تخصیص بمعنی رفع ابہام اور مراد یہاں تخصیص سے دوسرے معنی ہیں جو تعمیم کے منافی نہیں۔

سوال: یہ قاعدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول تمرۃ خیر من جرادة سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ نکرہ اس میں مثبت واقع ہونے کے باوجود مبتدا واقع ہے۔

جواب: نکرہ سے مراد مطلق نکرہ نہیں ہے بلکہ وہ نکرہ ہے جس سے عموم کا ارادہ کیا جائے خواہ نکرہ تحت اللفظی ہو جیسے متن کی مثال میں ہے اور خواہ نکرہ مثبت ہو جیسے کہ اس مثال میں ہے۔ اور جیسے شر اهر ذا ناب اس میں دو اعتبار سے تخصیص ہے۔ ایک تو صفت مقدرہ کے اعتبار سے بایں طور کہ شکی تنوین تعظیم کے لیے ہے پس صفت مقدرہ عظیم ہوگی یعنی تقدیر عبارت شر عظیم ہوگی اور دوسری تخصیص شر کے فاعل کے معنی میں ہونے کے اعتبار سے بایں طور کہ شر مبتدا نکرہ ہے جو مخصوص ہو گیا ہے اس چیز کے ساتھ کہ جس کے ساتھ فاعل اپنے مذکور ہونے سے پہلے مخصوص ہوتا ہے یعنی فعل اس لیے کہ جب آپ نے ضرب کہا تو یہ بات طے ہو گئی کہ جو کچھ اس کے بعد مذکور ہوگا اس میں اس پر ضرب کا حکم لگائے جانے کی صلاحیت ہوگی، پس جب آپ نے رجل کہا تو رجل صالح بصحة الحكم عليه بالضرب کے حکم میں ہو گیا اور فاعل ضرب کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔ پس شر اهر ذا ناب میں اسی قسم کی تخصیص پائی جاتی ہے، اس لیے کہ شر اهر ذا ناب کے معنی وہی ہیں جو ما اهر ذا ناب الا شر کے ہیں اور اس میں تخصیص ہے، لہذا اس میں بھی تخصیص ہوگی البتہ تخصیص کی نوعیت میں فرق ہے کہ ما اهر ذا ناب الا شر میں تخصیص ما اور الا کی وجہ سے ہے اور شر اهر ذا ناب میں تقدیم ما حقہ التاخير یقید الحصر والتخصیص کے قاعدہ کے اعتبار سے ہے۔ اس قاعدہ کے اعتبار سے تخصیص اس لیے ہے کہ شر اهر ذا ناب اصل میں اهر ذا ناب شر ہے پس اهر فعل ماضی معروف ہے اور ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے جو مبدل منہ ہے اور شر اس سے بدل ہے اور بدل مبدل منہ کے حکم میں ہوتا ہے اور مبدل منہ میں تخصیص فعل کے اسناد کی وجہ سے ہے تو بدل میں بھی تخصیص مذکورہ اسناد کی وجہ سے ہوگی پھر شر کو اهر ذا ناب پر حصر کے فائدہ کی غرض سے مقدم کر دیا، کیوں کہ ضابطہ ہے تقدیم ما حقہ التاخير یقید الحصر

والتخصیص . پس شر کا تخصیص میں فاعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مبتدا واقع ہونا درست ہے۔ اور فی الدار رجل میں تخصیص خبر کے مبتدا پر مقدم ہو جانے کی وجہ سے ہے پس رجل نکرہ مبتدا ہے جس کے اوپر خبر جو کہ ظرف ہے مقدم ہے، لہذا اس کا مبتدا بننا درست ہے، کیوں کہ جب فی الدار بولا گیا تو کیلیئر ہو گیا کہ جو چیز اس کے بعد مذکور ہوگی تو اس کا گھر میں ہونے کی وجہ سے محکوم علیہ ہونا درست ہے، پس جب رجل کہا گیا تو ان کے قول رجل صالح لصحة الحكم عليه في داره کے حکم میں ہوگا۔ اور جیسے سلام عليك اس میں تخصیص ہے متکلم کے اپنی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے پس سلام نکرہ مبتدا ہے جو متکلم کی طرف نسبت کی وجہ سے خاص ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ اس کی اصل سلمت سلاماً عليك ہے پس سلاماً مصدر تاکید کے لیے ہے۔ اور مؤکد فی الواقع شی واحد ہے جو متکلم کی طرف نسبت کی وجہ خاص ہے تو اس طرح مؤکد بھی خاص ہو گیا۔ پھر جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف دوام اور استمرار پر دلالت کرنے کے لیے عدول کیا گیا۔ پس فعل کو حذف کر دیا گیا۔ اور مبتدا کی صفت کے لیے نصب کو رفع سے بدل دیا گیا پس سلام عليك ہو گیا۔

والخبر قد یكون جملةً مثل زید ابوہ قائم وزید ابوہ فلا بُدَّ من عائِدٍ وقد یحذف وما وقع ظرفاً فالأكثر علی أنه مقدرٌ بجملةٍ .

ترجمہ: - اور خبر کبھی جملہ ہوتی ہے جیسے زید ابوہ قائم اور زید قام ابوہ پس ضروری ہے ایک عائِد کا ہونا اور کبھی کبھی عائِد کو حذف کر دیا جاتا ہے اور وہ خبر جو بطور ظرف کے واقع ہو تو اکثر لوگ اس بات پر ہیں کہ وہ جملے کے ساتھ مقدر ہوتی ہے۔

توضیح: - والخبر قد یكون جملةً . یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ خبر وہ اسم ہے جو عموماً لفظیہ سے خالی ہو، لہذا مناسب ہے کہ جملہ خبر نہ واقع ہو تو مصنف نے اپنے قول والخبر قد یكون جملةً سے جواب دیا کہ ایسا ضروری نہیں بلکہ خبر جس طرح مفرد ہوتی ہے جملہ بھی ہو سکتی ہے جیسے زید ابوہ قائم اور زید قام ابوہ جملہ عام ہے، خواہ کوئی بھی جملہ ہو سوائے انشائیہ کے اس لیے کہ انشاء بلا تاویل خبر نہیں بن سکتا۔ بہر حال جب خبر جملہ ہو تو ایک عائِد کا ہونا ضروری ہے، کیوں کہ جملہ مستقل بنفسہ ہوتا ہے، لہذا اس میں ربط کا ہونا ضروری ہے اور ربط سوائے عائِد کے کچھ نہیں ہوتا اور عائِد کبھی ضمیر ہوتا ہے۔ جیسے کہ مثال مذکور میں ہے اور کبھی الف لام ہوتا ہے جیسے نعم الرجل زید اور کبھی وضع المظهر موضع الضمیر ہوتا ہے جیسے الحاقۃ ما الحاقۃ اور کبھی خبر کا مبتدا کی تفسیر ہونا ہے جیسے قل هو اللہ احد۔

وقد یحذف العائد: یہ عبارت بھی سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال ہے کہ مذکورہ بالا قاعدہ البر الکر بستین درہما جیسے سے ٹوٹ گیا۔ کہ خبر جملہ بلا عائِد کے ہے تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا

کہ البر الکر بستین درهما وغیرہ میں جملہ خبر بلا عائد کے نہیں ہے بلکہ قرینہ کی وجہ سے ضمیر محذوف ہے پس معلوم ہوا کہ جب عائد کے حذف پر کسی قسم کا کوئی قرینہ ہو تو عائد کو جوازاً حذف کیا جاسکتا ہے، چنانچہ قرینہ یہاں پر یہ ہے کہ گھی اور گندم کا فروخت کرنے والا انہیں چیزوں کا بھانڈا بتائے گا دوسری چیزوں کا نہیں پس اصل عبارت البر الکر منہ بستین درهما اور السمن منوان منہ بدرہم ہے۔

وما وقع ظرفاً: یہاں سے مصنف یہ بتا رہے ہیں کہ جب ظرف خبر واقع ہو تو اکثر لوگوں کے نزدیک ظرف جملہ کی تاویل میں ہوگا، یعنی جار مجرور جملہ یعنی فعل کے متعلق ہوگا ان کی دلیل یہ ہے کہ ظرف کا متعلق ظرف میں عامل ہوگا اور عمل میں اصل فعل ہے، کیوں کہ فعل عمل کے لیے ہی وضع کیا گیا ہے پس جب تقدیر واجب ہو رہی ہے تو اصل اولیٰ بالتقدیر ہے یہ بصریوں کی رائے ہے جو مصنف کا مختار ہے اور کوئی حضرات ظرف کو شبہ فعل یعنی اسم فاعل کے متعلق کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ظرف محل خبر میں ہے اور خبر میں اصل مفرد ہوتا ہے اور مفرد کی رعایت تبھی ہوگی جب ظرف کو شبہ فعل کے متعلق کیا جائے۔

وَإِذَا كَانَ الْمُبْتَدَأُ مُشْتَمِلًا عَلَى مَا لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ مِثْلَ مَنْ ابُوكَ أَوْ كَانَ مَعْرِفَتَيْنِ أَوْ مَتَسَاوَيْنِ نَحْوَ أَفْضَلُ مِنْكَ أَفْضَلُ مِنِّي أَوْ كَانَ الْخَبْرُ فِعْلًا لَهُ مِثْلَ زَيْدٌ قَامَ وَجَبَ تَقْدِيمَهُ.

ترجمہ: - اور جب مبتدا مشتمل ہو اس چیز پر جس کے لیے صدارت کلام ہے جیسے من ابوک یا دونوں کے دونوں معرفہ ہوں یا دونوں برابر ہوں۔ جیسے افضل منك افضل منی یا خبر فعل ہو جیسے زید قام تو مبتدا کی تقدیم واجب ہے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف ان مقامات کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ جہاں پر مبتدا کی خبر پر تقدیم واجب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب مبتدا اس اسم پر مشتمل ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہے تو مبتدا کا خبر پر مقدم کرنا واجب ہے، تاکہ اس کی صدارت کلام نہ فوت ہو جائے جیسے من ابوک۔

سوال: من ابوک میں من نکرہ ہے پس اس کا مبتدا ہونا کیسے درست ہوگا؟

جواب: من اگرچہ صورتاً نکرہ ہے، لیکن وہ معنی معرفہ ہے، اس لیے کہ وہ هذا ابوک ام ذاک کی تاویل میں ہے، دوسری جگہ جہاں مبتدا کی تقدیم واجب ہوتی ہے یہ ہے کہ مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں اور ان میں سے کسی ایک کے مبتدا اور دوسرے کے خبر ہونے پر کوئی قرینہ بھی نہ ہو یا مبتدا اور خبر دونوں اصل تخصیص میں برابر ہوں تو مبتدا کی تقدیم واجب ہوگی۔ اس لیے تاکہ مبتدا اور خبر میں اشتباہ پیدا نہ ہو جیسے اللہ الہنا افضل منك افضل منی غلام رجل صالح خیر منك۔ تیسری جگہ جہاں مبتدا کی تقدیم واجب ہے یہ ہے کہ خبر فعل ہو تو مبتدا کا خبر پر مقدم کرنا واجب ہے، تاکہ مبتدا کا فاعل کے ساتھ اشتباہ پیدا نہ ہو جیسے زید قام۔

سوال: آپ نے جو یہ کہا کہ خبر کے فعل ہونے کی صورت میں مبتدا کی تقدیم فاعل کے ساتھ اشتباہ سے بچنے کے لیے ضروری ہے تو یہ فعل کے مفرد ہونے کی حد تک تو درست ہے لیکن جب فعل تشنیہ یا جمع ہو۔ جیسے الزیدان قاما اور الزیدون قاموا تو آپ کی بات ٹھیک نہیں معلوم ہوتی، اس لیے کہ اس صورت میں مبتدا کا فاعل کے ساتھ اشتباہ نہ ہوگا۔

جواب: فاعل کے ساتھ صورت مذکورہ میں بھلے اشتباہ نہ ہو، لیکن اس کے بدل کے ساتھ تو اشتباہ لازماً رہے گا، نیز وہ شخص جن کے نزدیک الف اور واؤ کا فاعل کے تشنیہ اور جمع ہونے پر دلالت کرنے والا حرف ہونا درست ہے کے نزدیک عین فاعل کے ساتھ اشتباہ ہوگا۔ اس لیے مبتدا کی تقدیم ان صورتوں میں واجب ہی ہوگی۔

وَإِذَا تَضَمَّنَ الْخَبْرُ مَا لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ مِثْلَ ابْنِ زَيْدٍ أَوْ كَانَ مُصَحِّحًا لَهُ مِثْلَ فِي الدَّارِ رَجُلًا أَوْ كَانَ لِمُتَعَلِّقِهِ ضَمِيرٌ فِي الْمُبْتَدَاءِ مِثْلَ عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلَهَا زَيْدًا أَوْ كَانَ الْخَبْرُ خَبْرًا نَحْوَ عِنْدِي أَنْكَ قَائِمٌ وَجِبْ تَقْدِيمُهُ .

ترجمہ: - اور جب خبر مفرد اس چیز کو متضمن ہو جس کے لیے صدارت کلام ہے جیسے ابن زید یا خبر صحیح کرنے والی ہو مبتدا کو جیسے فی الدار رجل یا خبر کے متعلق کے لیے مبتدا میں کوئی ضمیر ہو جیسے التمرۃ مثلها زیداً خبر ان کی خبر ہو جیسے عندی انک قائم تو خبر کی تقدیم مبتدا پر واجب ہے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف خبر کے تقدیم کے مواقع کو بیان کر رہے ہیں، چنانچہ جب خبر مفرد وہ اسم ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہے تو خبر کا مقدم کرنا واجب ہے۔ جیسے ابن زید پس ابن خبر ہے جو استفہام کے معنی کو شامل ہے اور استفہام صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لیے ابن خبر کو مقدم کر دیا، تاکہ صدارت کلام نہ باطل ہو۔

یاد رکھئے کہ خبر مفرد سے مراد وہ خبر ہے جو صورتاً مفرد ہو بھلے معنی جملہ ہو۔ دوسری جگہ یہ ہے خبر اپنی تقدیم کے ذریعہ مبتدا کے مبتدا ہونے کی صحیح کرنے والی ہو جیسے فی الدار رجل خبر کی تقدیم اس لیے واجب ہے، تاکہ مبتدا کا نکرہ ہونا لازم نہ آئے، کیوں کہ خبر کی تقدیم کی وجہ سے مبتدا میں تخصیص پیدا ہوگی۔ مشہور ضابطہ ہے تقدیم ما حقه التأخیر یقید الحصر والتخصیص۔ تیسری جگہ ہے کہ جب خبر کے متعلق (بشرطیکہ خبر کا متعلق خبر کا ایسا تابع ہو کہ اس کی تبعیت کے ساتھ وہ خبر پر مقدم نہ ہو سکتا ہو) کے لیے مبتدا میں کوئی ضمیر ہو۔ جیسے علی التمرۃ مثلها زیداً تو خبر کی تقدیم واجب ہے پس مثلها مبتدا ہے اور ہا ضمیر کا مرجع التمرۃ ہے جو کہ علی التمرۃ خبر کا مبتدا مثلها زیداً پر مقدم کرنا واجب ہے، تاکہ اضمار قبل الذکر لفظاً ورتباً لازم نہ آئے۔ چوتھی جگہ جب خبر ان کی خبر واقع ہو یعنی ان اپنے اسم و خبر کے ساتھ مفرد کی تاویل

میں ہو کر مبتدا ہو تو ایسے مبتدا کی خبر اس مبتدا پر مقدم ہوگی، تاکہ اَنْ مفتوحہ اور اِنْ مکسورۃ کے درمیان تلفظ میں بھول کے امکان کی وجہ سے اشتباہ پیدا نہ ہو۔

وَقَدْ يَتَعَدَّدُ الْخَبْرُ مِثْلَ زَيْدٍ عَالِمٍ عَاقِلٍ .

ترجمہ: - اور کبھی خبر متعدد ہوتی ہے جیسے زید عالم عاقل۔

توضیح: - سب سے پہلے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ خبر جس طرح ایک ہوتی ہے اسی طرح متعدد ہوتی ہے۔ اب تعدد کبھی لفظ و معنی دونوں اعتبار سے ہوگا۔ یا صرف لفظ کے اعتبار سے ہوگا پہلے کی مثال زید عالم عاقل فاضل۔ دوسری کی مثال ہذا حلوا حامض کیوں کہ حلوا اور حامض سے مقصود اس کیفیت متوسط کا ثابت کرنا ہے جو میٹھے اور کھٹے کے درمیان ہے۔ اور وہ ہے مَزٌّ یعنی کھٹ مٹھا ہونا پس تقدیر ہوگی ہَذَا مَزٌّ البتہ پہلی صورت میں بہتر عطف کا لانا ہے، عطف کے ترک کے جواز کے ساتھ۔ عطف کو لفظ اور معنی میں تعدد کی وجہ سے لایا جائے گا جب کہ عطف کا ترک خبروں کے بحسب المصداق متحد ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ اور دوسری قسم میں بہتر اس کے برعکس ہے یعنی ترک عطف اولیٰ ہے خبروں کے متحد ہونے کی وجہ سے معنی میں اور عطف کا جواز بھی ہے اس لیے کہ خبریں لفظ میں متغائر ہیں، البتہ ایک سوال ہے کہ جب تعدد بحسب اللفظ و المعنی دو قسموں پر ہے ایک عطف کا لانا دوسرے اس کا ترک تو مصنف نے دوسری قسم کی ہی مثال کو کیوں ذکر کیا۔ تو جواب یہ ہے کہ تعدد بالعطف میں کوئی خفا نہیں ہے خواہ مبتدا ہو خواہ خبر۔ اور تعدد بغیر عطف میں خفا تھا کہ مبتدا کا تعدد بلا عطف کے تو بالکل درست نہیں تو وہم ہوا کہ خبر کا تعدد بھی بلا عطف درست نہ ہوگا تو مصنف نے تعدد فی الخبر کی مثال لا کروہم کو دور کر دیا کہ خبر کا تعدد بلا عطف کے درست ہے۔

وَقَدْ يَتَضَمَّنُ الْمُبْتَدَأُ مَعْنَى الشَّرْطِ فَيَصَحُّ دُخُولُ الْفَاءِ فِي الْخَبْرِ وَذَلِكَ الْإِسْمُ الْمَوْصُولُ بِفِعْلٍ أَوْ ظَرْفٍ أَوْ النُّكْرَةُ الْمَوْصُوفَةُ بِهَمَا مِثْلَ الَّذِي يَاتِينِي أَوْ فِي الدَّارِ فَلَهُ دَرَاهِمٌ وَكُلُّ رَجُلٍ يَاتِينِي أَوْ فِي الدَّارِ فَلَهُ دَرَاهِمٌ وَلَيْتَ وَلَعَلَّ مَانِعَانِ بِالِاتِّفَاقِ وَالْحَقُّ بَعْضُهُمْ إِنْ بَهَمَا .

ترجمہ: - اور مبتدا کبھی کبھی شرط کے معنی کو شامل ہوتا ہے۔ پس صحیح ہوتا ہے فا کا داخل ہونا خبر میں اور وہ اسم موصول ہے جو فعل کے ساتھ یا ظرف کے ساتھ ہو یا وہ نکرہ ہے جو ان دونوں کے ساتھ موصوف ہو جیسے الَّذِي يَاتِينِي فِي الدَّارِ فَلَهُ دَرَاهِمٌ وَكُلُّ رَجُلٍ يَاتِينِي أَوْ فِي الدَّارِ فَلَهُ دَرَاهِمٌ اور لَيْتَ لَعَلَّ بِالِاتِّفَاقِ مَانِعَانِ ہیں اور بعض لوگوں نے لاحق کیا ہے اَنْ کو ان دونوں کے ساتھ۔

توضیح: - کبھی مبتدا شرط کے معنی کو شامل ہوتا ہے یعنی مبتدا خبر کے حصول کے لیے یا خبر پر حکم کے لیے سبب ہوتا ہے۔ جیسے وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةِ اللَّهِ فَمَنْ اللَّهُ . پس یہاں اگرچہ اول ثانی کے حصول

کے لیے سبب نہیں ہے، البتہ وہ ثانی پر حکم کے لیے سبب ہے پس فا کا دخول خبر پر صحیح ہے۔ خیر! تو ہر ایسی صورت میں خبر پر فا کا داخل ہونا صحیح ہے، اس لیے کہ جب مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو گیا تو وہ مبتدا شرط کے اور خبر جزاء کے مشابہ ہو گئی اور جزاء پر فا داخل ہوتی ہے پس ایسی خبر پر بھی داخل ہو گئی۔

اب سمجھئے کہ مبتدا شرط کے معنی کو تب شامل ہوگا جب مبتدا ایسا اسم موصول ہو کہ جس کا صلہ فعل یا ایسا ظرف ہو جس کی تاویل جملہ فعلیہ کے ساتھ ہوتی ہو۔ جیسے الذی یاتینی فلہ درہم اور الذی فی الدار فلہ درہم اسی طرح مبتدا ایسا موصوف ہو کہ جس کی صفت مذکورہ بالا اسم موصول ہو یعنی جس کا صلہ فعل یا ظرف ہو جیسے ان الموت الذی تفرون منه فانہ ملائیکم اس میں الذی تفرون منه موصول صلہ سے مل کر الموت کی صفت ہے (دھیان رہے یہ صورت متن میں مذکور نہیں ہے البتہ ملحوظ ہے)۔

او النکرۃ الموصوفۃ بہما: یا مبتدا ایسا نکرہ ہو کہ جس کی صفت فعل یا ظرف ہو جیسے کل رجل یاتینی فلہ درہم اور کل رجل فی الدار فلہ درہم۔ یا مبتدا وہ اسم ہو جو مذکورہ بالا نکرہ کی جانب مضاف ہو یعنی ایسے نکرہ کی طرف مضاف ہو کہ جس کی صفت فعل یا ظرف ہو۔ جیسے کل غلام رجل یاتینی فلہ درہم اور کل غلام رجل فی الدار فلہ درہم۔ (معلوم رہے کہ یہ آخری صورت بھی متن میں مذکور نہیں البتہ ملحوظ ہے)۔ تو ان تمام صورتوں میں خبر پر فا آئے گی۔

اب سن لیجئے کہ مذکورہ تمام صورتوں میں فعل یا ظرف کے کہیں صلہ اور کہیں صفت ہونے کی شرط اس لیے لگائی ہے، تاکہ مبتدا کی مشابہت فعل کے ساتھ طاقتور ہو جائے اس لیے کہ شرط فعل ہوا کرتی ہے۔

ولیت ولعل: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے ضابطہ بیان کیا کہ جب مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو تو اس کی خبر پر فا کا داخل ہونا صحیح ہوتا ہے تو یہ قاعدہ لیس الذی یاتینی فلہ درہم اور لعل الذی یاتینی فلہ درہم سے ٹوٹ گیا۔ کیوں کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہے باوجود اس کے اس کی خبر پر فا کا داخل ہونا درست نہیں ہے تو مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو ضابطہ بیان کیا ہے وہ اپنی جگہ پر مسلم ہے رہی بات مذکورہ مثالوں میں فا کے دخول کے درست نہ ہونے کی تو اصل بات یہ ہے کہ فا کا خبر پر داخل ہونا مبتدا کے شرط اور خبر کے جزاء کے مشابہ ہونے کی وجہ سے صحیح ہوتا ہے اور لیت اور لعل اس مشابہت کو ختم کر دیتے ہیں، کیوں کہ لیت اور لعل کلام کو خبریت سے نکال کر انشائیہ کی طرف لے آتے ہیں جب کہ شرط اور جزاء اخبار کے قبیل سے ہیں۔

اب ایک دوسرا سوال ہے جس کا تعلق بالاتفاق کی عبارت سے ہے اور وہ یہ ہے کہ باب کان اور باب علمت بھی فا کے خبر پر داخل ہونے کی راہ میں بالاتفاق رکاوٹ ہیں۔ پس مصنف نے لیت اور لعل کو ہی کیوں اتفاق کے ساتھ خاص کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لیت اور لعل کو بالاتفاق کے ساتھ خاص کرنا تمام حروف

مشبہ بالفعل کے مقابلہ میں ہے کہ ان میں ان دو کے سوا کوئی نہیں۔ یہ مطلب قطعی نہیں ہے کہ لیت اور لعل کے ماسوا کوئی اور فا کے خبر پر دخول کی راہ میں متفقہ طور پر روڑا نہیں، لہذا اگر باب کان وغیرہ رکاوٹ ہیں تو ہوا کریں ہم کون اس کے منکر ہیں۔

الحق بعضہ: کچھ لوگوں نے ان مکسورہ کو لیت اور لعل کے ساتھ لاحق کیا ہے یعنی جس طرح لیت اور لعل فا کے خبر پر دخول کے بارے میں رکاوٹ ہیں، اسی طرح ان مکسورہ بھی مانع ہے، کیوں کہ فا کا خبر پر دخول مبتدا کے شرط اور خبر کے جزا کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ہے اور ان اس مشابہت کو ختم کر دیتا ہے، اس لیے کہ شرط اور جزاء متردديات کے قبیل سے ہیں، جب کہ ان بجائے تردد کے تحقیق اور یقین کے لیے ہوتا ہے اور ان دونوں میں منافات ہے۔

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ بعض لوگوں نے ان مفتوحہ اور لکن کو بھی ان دونوں کے ساتھ لاحق کیا ہے پس مصنف نے ان مکسورہ کے الحاق کو ہی کیوں بیان کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان مکسورہ کا الحاق لیت اور لعل کے ساتھ سیبویہ کے نزدیک ہے تو مصنف نے سیبویہ کی بات پر اس کے عمدہ ہونے کی وجہ سے اعتماد کیا اور اسے بیان کیا اور ان مفتوحہ اور لکن کا الحاق لیت اور لعل کے ساتھ یہ سیبویہ کے علاوہ کامسک ہے پس مصنف نے ان کی بات پر اعتماد نہیں کیا، اس لیے بیان کرنے سے گریز کیا۔

ویسے قرآن کریم اور فصحاء کا کلام دونوں قولوں کے مخالف ہے بہر حال ان مکسورہ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان الذین کفروا و ماتوا وہم کفار فلن تقبل توبتہم اس کے خلاف ہے۔ اور ان مفتوحہ تو اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسہ اور لکن تو اس کے خلاف شاعر کا یہ شعر ہے فوالله ما رفاتکم قالیا لکم ÷ لکن ما یقضى فسوف یكون نجدا۔ میں نے آپ کو کسی دشمنی کی وجہ سے نہیں چھوڑا ہے پر نوشتہ تقدیر تو ہو کر رہتا ہے۔

وَقَدْ يُحذف المبتدأ لقیام قرینة جوازاً کقول المستهلّ الهلال وَاللّٰهُ وَالخبر جوازاً مثل خرجت فکذا السبع۔

ترجمہ: - اور کبھی کبھی مبتدا کو قرینہ کی وجہ سے جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے جیسے چاند دیکھنے والے کا قول الهلال واللہ اور خبر کو جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے جیسے خرجت فاذا السبع۔

توضیح: - یہاں سے مصنف یہ بتا رہے ہیں کہ مبتداء کبھی کبھی قرینہ پائے جانے کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ قرینہ عام ہے خواہ لفظی ہو یا عقلی۔ نیز مبتدا کا حذف کبھی جوازاً اور کبھی وجوباً بھی ہوتا ہے، البتہ مصنف نے مبتدا کے جوازاً حذف کو بیان کیا ہے مبتدا کے وجوباً حذف کو اس کی قلت کی وجہ سے بیان نہیں کیا یعنی مبتدا کا وجوباً حذف بہت کم ہوتا ہے، مبتدا کا وجوباً حذف ہر ایسی جگہ پر ہوتا ہے کہ

جہاں پر صفت کو رفع لازمی کر دیا جائے، تاکہ وہ مدح اور ذم اور ترحم پر دلالت کرے جیسے الحمد لله اهل
 لحمد کہ اهل الحمد سے پہلے ہو مبتدا و جواباً محذوف ہے، مبتدا کے جوازاً حذف کی مثال چاند دینے
 والے کا قول الھلال واللہ ہے۔ پس یہاں مبتدا محذوف ہے تقدیر عبارت ہے هذا الھلال واللہ
 مبتدا کے حذف پر قرینہ چاند دیکھنے والے کی حالت ہے، کیوں کہ اس کا مقصود اولاً اسم اشارے سے شئی کو
 متعین کرنا ہے پھر اس شئی معین پر چاند ہونے کا حکم لگانا ہے واللہ قسم کو اس لیے لے آئے ہیں کہ چاند دیکھنے
 والوں کی قسم کھانے کی عادت ہوتی ہے۔

والخبر جوازاً جس طریقے سے مبتدا کے حذف کی جوازاً اور وجوباً دو قسمیں ہیں اسی طرح خبر کے
 حذف کی بھی دو قسمیں ہیں جوازاً اور وجوباً تو خبر کے حذف پر صرف قرینہ پایا جاوے تو خبر کا حذف کرنا جائز
 ہوگا اور قرینہ کے ساتھ قائم مقام بھی پایا جائے تو حذف واجب ہوگا۔ جوازاً کی مثال خرجت فاذا السبع
 ہے اور واقف اس کی خبر محذوف ہے قرینہ اذا مفا جاتیہ ہے اس لیے کہ وہ عموماً جملہ اسمیہ پر ہی داخل ہوتا ہے
 اور سبع مفرد ہے پس معلوم ہوا کہ اس کی خبر محذوف ہے۔

وَجُوبًا فِيمَا التَّزْمُ فِي مَوْضِعِهِ غَيْرِهِ مِثْلَ لَوْلَا زَيْدٌ لَكَانَ كَذًّا وَمِثْلَ ضَرْبِي قَائِمًا
 وَكُلُّ رَجُلٍ وَضِيعَتُهُ وَلَعَمْرُكَ لَا فُعَلْنٌ كَذًّا.

ترجمہ: - وجوباً حذف کیا جاتا ہے اس چیز میں کہ لازم کر دیا جائے اس کی جگہ میں اس کے
 علاوہ کو جیسے لولا زید لکان کذا اور جیسے ضربی زیداً قائماً اور کل رجل ضیعتہ اور جیسے
 ولعمرك لا فعلن كذا.

توضیح: - یہاں سے مصنف ان مقامات کی تفصیل بیان کر رہے ہیں جہاں خبر کا حذف
 واجب ہوتا ہے ایسی جگہیں چار ہیں۔ پہلی جگہ یہ ہے کہ مبتدا لولا کے بعد واقع ہو پھر اس کی خبر کو حذف کر دیا
 گیا ہو اور لولا کے جواب کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہو۔ جیسے لولا زید لکان کذا پس یہاں خبر کا
 حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے ہے، بہر حال قرینہ وہ لولا کا داخل ہونا ہے کیوں کہ وہ
 برائے امتناع شئی ثانی، اول کے وجود کی وجہ سے ہے۔ پس یہ موجود پر دلالت کرتا ہے اور خبر کا قائم مقام
 لولا کا جواب ہے تقدیر عبارت ہوگی لولا زید موجود لکان کذا.

اور دوسری جگہ جہاں پر خبر کا حذف واجب ہوتا ہے ہر ایسا مبتدا ہے جو مصدر صریحی یا تاویلی ہو نیز وہ
 فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو اور اس کے بعد فاعل یا مفعول یا دونوں سے کوئی حال واقع ہو یا مبتدا ایسا
 اسم تفصیل ہو جو اس مصدر صریحی یا تاویلی کی طرف مضاف ہو کہ جس کا مضاف الیہ فاعل یا مفعول ہو اور اس
 کے بعد حال واقع ہو پھر خبر کو حذف کر دیا گیا ہو اور حال کو اس کے قائم مقام بنا دیا ہو۔ جیسے ضربی زیداً

قائماً پس یہاں حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے بہر حال قرینہ تو اس لیے کہ مفردات کا استعمال کلام عرب میں معیوب ہے اور قائم مقام تو وہ حال کا خبر کے قائم مقام ہونا ہے۔ پس تقدیر عبارت ہوگی ضربی، زیداً حاصل اذا کان قائماً تو حاصل کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ ظروف کے متعلقات کو حذف کر دیا جاتا ہے پس اذا کان قائماً باقی بچا پھر اذا کو فعل شرط کے ساتھ حذف کر دیا گیا۔ اور حال کو ظرف کا قائم مقام بنا دیا گیا اور ظرف کو خبر کے قائم مقام بنا دیا گیا پس ظرف کے واسطے سے حال خبر کا قائم مقام ہو گیا۔ جب آپ نے پورا قاعدہ سمجھ لیا تو اب مثال سنئے۔ مصدر صریحی مضاف الی الفاعل والمفعول کی مثال ضرب زید عمرواً قائمین اور مصدر تاویلی مضاف الی الفاعل کی مثال ان ذہبت راجلاً اور مصدر تاویلی مضاف الی المفعول کی مثال ان ضرب زید عریاناً اور مصدر تاویلی مضاف الی الفاعل والمفعول جیسے ان ضرب زید عمرواً قائمین اور اسم تفضیل مضاف الی ہذہ الاقسام الستہ کی مثال اکثر ذہابی راجلاً؛ اکثر ضرب زید عریاناً۔ اکثر ضرب زید عمرواً قائمین اور اکثر ان ذہبت راجلاً۔ اکثر ان ضرب زید عمرواً قائمین۔

اور تیسری قسم جگہ جہاں پر حذف واجب ہوتا ہے ہر ایسا مبتدا ہے جس کی خبر مقارنتہ کے معنی پر مشتمل ہو اور اس مبتدا پر کسی چیز کا اس واؤ کے ذریعہ عطف کر دیا جائے جو مع کے معنی میں ہو تو یہاں پر خبر کو حذف کر دیا جاتا ہے اور معطوف خبر کا قائم مقام ہو جاتا ہے جیسے کل رجل و ضیعتہ ہر آدمی اپنے پیشہ کے ساتھ ہوتا ہے یہاں خبر کا حذف قرینہ اور قائم مقام ہونے کی وجہ سے واجب ہے پس قرینہ وہ واؤ ہے جو مع کے معنی میں واؤ کے مقارنت کے معنی پر دلالت کرنے کی وجہ سے ہے اور قائم مقام خبر کا معطوف ہے، پس تقدیر عبارت ہوگی کل رجل مقرون مع ضیعتہ۔

اور چوتھی جگہ جہاں خبر کا حذف واجب ہے ہر ایسا مبتدا ہے جو مقسم بہ ہو اور خبر فعل قسم ہو جیسے لعمرک لافعلن کذا پس یہاں حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے پس قرینہ مقسم بہ کا مذکور ہونا ہے جو فعل قسم پر دلالت کرتا ہے اور قائم مقام جواب قسم ہے پس تقدیر عبارت ہوگی لعمرک قسمی لافعلن کذا۔

خبرُ انّ وَاخواتِها هُوَ الْمَسْنَدُ بَعْدِ دُخُولِ هَذِهِ الْحُرُوفِ مِثْلُ انّ زَيْدًا قَائِمًا وَأَمْرُهُ كَأَمْرِ خَيْرِ الْمُبْتَدَأِ إِلَّا إِذَا كَانَ ظَرْفًا.

ترجمہ: - انّ اور اس کے اخوات کی خبر وہ اسم ہے جو مسند ہوتی ہے انّ اور اس کے اخوات کے داخل ہونے کے بعد جیسے انّ زیداً قائم اور اس کی خبر کا معاملہ مبتدا کے خبر کے معاملہ کی طرح ہے، مگر خبر کے مقدم ہونے میں مگر جب کہ خبر ظرف ہو۔

توضیح: - انّ اور اس کے اخوات کی خبر نیز مرفوعات میں سے ہے حروف مشبہ بالفعل چھ

ہیں۔ اِنَّ، اَنَّ، كَانَ لَكِنَّ، لَيْتَ، لَعَلَّ۔ ان کا حروف مشبہ بالفعل اس لیے نام پڑا کہ یہ فعل کے لفظاً اور معنی مشابہ ہیں، لفظاً مشابہت تو ثلاثی اور رباعی اور ادغام ہونے میں ہے اور معنی مشابہت یہ ہے کہ حروف مشبہ بالفعل کے معنی افعال کے معانی ہیں، اس لیے کہ اِنَّ اور اَنَّ کے معنی تحقیق کے ہیں۔ اور كَانَ کے معنی تشبہ کے ہیں اور لَكِنَّ کے معنی اِسْتَدْرَكَ کے ہیں اور لَيْتَ کے معنی تمنیٰ اور لَعَلَّ کے معنی ترجیٰ کے ہیں۔ اور فعل کے لیے دو عمل ہیں ایک اصلی اور دوسرا فرعی پس فعل کا اصلی عمل مرفوع کی منصوب پر تقدیم ہے جب کہ فرعی عمل منصوب کی مرفوع پر تقدیم ہے اور چوں کہ فعل مشبہ بہ ہے اور یہ حروف مشبہ اور مشبہ بہ اصل ہوتا ہے اور مشبہ فرع پس حروف مشبہ بالفعل کو فرع ہونے کی وجہ سے فرع والا عمل دے دیا گیا، چنانچہ ان کا اسم منصوب اور خبر مرفوع ہوتی ہے، پس اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر وہ اسم کہلاتا ہے جو ان حروف کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو جیسے اِنَّ زَيْدًا قائم حروف مشبہ بالفعل کے داخل ہونے کے بعد خبر کے مسند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خبر ان حروف کے دخول کے بعد ان کا اثر قبول کرتی ہے لفظ اور معنی دونوں میں۔

وامرہ کما مر خبر المبتدا یہاں سے مصنف یہ کہہ رہے ہیں کہ جس طرح مبتدا کی خبر مفرد اور جملہ ہوتی ہے اور واحد اور متعدد ہوتی ہے، کبھی مذکور اور کبھی محذوف ہوتی ہے پھر بصورت جملہ خبر ہونے کی صورت میں عائد ہوتا ہے، اسی طرح اِنَّ اور اس کے اخوات کی بھی خبر ہر طرح ہوتی ہے، البتہ ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ مصنف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز مبتدا کی خبر بن سکتی ہے وہ اِنَّ اور اس کے اخوات کی بھی خبر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، حالاں کہ معاملہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ این زید میں این کا زید کی خبر بننا درست ہے جب کہ ان این زید، ان من ابوك نہیں بولا جاسکتا پس ان اور اس کے اخوات کی خبر کا مبتدا کے خبر کی طرح کہنا درست نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا تب ہے جب کوئی رکاوٹ نہ ہو اور شرائط موجود ہوں اور یہاں مانع ہے اور وہ یہ کہ اِنَّ تحقیق کے لیے ہوتا ہے اِنَّ اور مِّن استنبہام کے لیے ہیں اور دونوں میں منافات ہے اس لیے ان کلمات پر اِنَّ کا دخول منع ہے۔

الا فی تقدیمہ ہاں مبتدا اور حروف مشبہ بالفعل کی خبر میں ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ مبتدا کی خبر مبتدا پر مقدم ہو سکتی ہے جب کہ حروف مشبہ بالفعل کی خبر ان کے اسماء پر نہیں مقدم ہو سکتی تا کہ عمل فرعی کا باطل ہونا لازم نہ آئے، اس لیے کہ حروف مشبہ بالفعل عامل ضعیف ہیں۔ البتہ جب حروف مشبہ بالفعل کی خبر ظرف ہو تو وہ ان کے اسماء پر مقدم ہو سکتی ہے کیوں کہ مشہور قاعدہ کہ الظرف یتوسع فیہ مالا یتوسع فی غیرہ ایک بات اور ذہن نشین کر لیجیے کہ جب حروف مشبہ بالفعل کی خبر ظرف ہو اور اس کا اسم معرف ہو تو خبر کی تقدیم صرف جائز ہے جیسے اِنَّ الینا ایابہم اور اگر اسم نکرہ ہو تو خبر کی تقدیم واجب ہے جیسے اِنَّ مِّنَ البیانِ لیسخرًا اور اِنَّ مِّنَ الشَّعْرِ لِحِکْمَةٌ۔

خبر لا التي لنفي الجنس، هو المسند بعد دخولها مثل لا غلام رجل ظريف فيها ويحذف كثيراً وبنو تميم لا يثبتونه.

ترجمہ: - لائے نفی جنس کی خبر وہ مسند ہوتی ہے لائے نفی کے داخل ہونے کے بعد جیسے لا غلام رجل ظريف في الدار اور لا کی خبر اکثر محذوف ہوتی ہے اور بنو تميم اس کی خبر کو ثابت نہیں کرتے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف لائے نفی جنس کی خبر کو بیان کر رہے ہیں۔ جو مجملہ مرفوعات میں سے ہے لائے نفی جنس کی خبر مرفوعات میں سے اس لیے ہے کہ وہ ان مفتوحہ کے لفظاً اور معنی مشابہ ہے لفظاً مشابہت تو شروع حرف کے مفتوح ہونے میں ہے اور معنأً مشابہت دو طرح سے ہے یا تو تضاد کے علاقہ یا مناسبت کے علاقہ کی وجہ سے جہاں تک علاقہ تضاد کی بات ہے تو وہ نقیض کا نقیض پر محمول کرنا ہے اور علاقہ مناسبت تو اس لیے کہ لائے نفی کی تاکید کے لیے ہے اور ان اثبات کی تاکید کے لیے ہے پس لائے نفی جنس ان کے لفظاً اور معنی مشابہ ہو گیا تو لا کو ان کا عمل دے دیا گیا اب آپ سنئے کہ لائے نفی جنس کی خبر وہ اسم ہے جو لائے نفی جنس کے اوپر داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے۔ جیسے لا غلام رجل ظريف فيها.

مصنف نے لائے نفی جنس کی مشہور مثال لا رجل فيها کو اس لیے چھوڑ دیا کہ مثال مشہور میں اس بات کا وہم ہو سکتا ہے کہ خبر محذوف ہو اور فی الدار بجائے خبر کے رجل کی صفت ہو پس اس مثال میں خبر کے صفت ہونے کے وہم کا اندیشہ موجود ہے لیکن جو مثال مصنف نے بیان کیا ہے اس میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔

فيها یہ خبر بعد الخبر ہے نہ تو ظريف کا ظرف ہے اور نہ ہی حال ہے، اس لیے کہ ظرفیت دار کے ساتھ مقید نہیں ہوتی۔

مصنف نے دو خبریں اس لیے ذکر کی ہیں، تاکہ جنس غلام رجل سے ظرافت کی نفی میں کذب لازم نہ آئے، کیوں کہ فيها لانے کے بعد مطلب ہو گیا کہ آدمی کا غلام گھر میں خوش مزاج نہیں ہوتا اور یہ ہو سکتا ہے جب کہ بغیر فيها لائے مطلب ہوا کہ آدمی کا غلام خوش مزاج ہوتا ہی نہیں اور یہ واقع کے خلاف ہے۔

اور دوسرے اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ لائے نفی جنس کی خبر ظرف اور غیر ظرف دونوں طرح ہو سکتی ہے۔

ويحذف: لائے نفی جنس کی خبر عموماً محذوف ہوتی ہے، بشرطیکہ خبر افعال عامہ میں سے ہو ایسا اس لیے کہ لائے نفی جنس خبر پر دلالت کرتا ہے پس اس کے مذکور ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

و بنو تميم لا يثبتونه اصلاً: اس عبارت کے دو مطلب ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ لائے نفی جنس کی خبر کو لفظ میں ظاہر نہیں کرتے خواہ خبر عام ہو یا خاص، اس لیے کہ بنو تميم کے نزدیک کثرت حذف وجوب

حذف کی دلیل ہے پس خبر لفظ میں وجوہاً مذکور نہیں ہوگی۔ بلکہ مقدر ہوگی۔
 اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ بنو تمیم کے نزدیک لائے نفی جنس کی خبر کا نہ لفظاً اور نہ تقدیراً کسی طرح کا کوئی
 ثبوت ہی نہیں ہوتا بلکہ لا ان کے نزدیک اسم فعل ہے جو انتفی کے معنی میں ہے اور جو فاعل سے پورا
 ہو جاتا ہے، لہذا خبر کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

اسم ما ولا المشبہتین بلیس هو المسندُ الیہ بعد دخولہما مثل ما زید قائماً ولا
 رجل افضل منک عمل لا شاذ۔

ترجمہ: - ما اور لا المشبہتین بلیس کا اسم وہ اسم ہے جو مسند الیہ ہوتا ہے دونوں کے
 داخل ہونے کے بعد جیسے ما زید قائماً ولا رجل افضل منک اور لا کا عمل شاذ ہے۔

توضیح: - مرفوعات میں سے ما اور لا المشبہتین بلیس کا اسم بھی ہے ما اور لا بلیس
 کے نفی میں مشابہ ہوتے ہیں، نیز مبتدا پر داخل ہونے میں مشابہ ہوتے ہیں۔ ما ولا المشبہتین بلیس کا
 اسم ایسا اسم ہے جو دونوں کے اس پر داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے جیسے ما زید قائماً اور لا رجل
 افضل منک۔

پھر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ما اور لا کے عمل میں دو مذہب ہیں ایک اہل حجاز کا اور دوسرا بنو تمیم کا۔
 بنو تمیم کا خیال ہے کہ ما اور لا دونوں کے لیے دو سببوں سے کوئی عمل نہیں ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ عامل کے لیے
 یہ شرط ہے کہ وہ کسی ایک نوع کے ساتھ مخصوص ہو جب کہ ما اور لا کسی ایک نوع کے ساتھ خاص نہیں ہے۔
 چنانچہ یہ دونوں جیسے اسماء پر داخل ہوتے ہیں ویسے افعال پر بھی داخل ہوتے ہیں۔

اور دوسری وجہ شاعر کا قول ومہففہف كالغصن قلت له انتسب ÷ فاجاب ما قتل المحب
 حرام۔ اس میں محل استدلال حرام ہے۔ جو رفع کے ساتھ ہے اور یہی دلیل ہے کہ ما عمل نہیں کرتا اور نہ
 حرام نصب کے ساتھ ہوتا۔

اور اہل حجاز کا کہنا ہے کہ ما اور لا کا عمل کرنا دو وجہوں سے ثابت ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ ما اور لا لائے نفی
 مبتدا پر داخل ہونے میں بلیس کے مشابہ ہے۔ اور دوسری وجہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ما هذا الا بشرًا ہے
 بشرًا منصوب ہے یہ دلیل ہے کہ ما عمل کرتا ہے ورنہ بشرًا کے منصوب ہونے کی اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی
 ہے۔ اب جہاں تک بنو تمیم کی دلیلوں کا معاملہ ہے تو وہ سب باطل ہیں۔ پہلی دلیل کی بنیاد اس پر ہے کہ م
 اور لا کسی نوع کے ساتھ مخصوص نہ ہو کر اسماء اور افعال سب پر داخل ہوتے ہیں، تو ایسا نہیں ہے بلکہ ما اور لا
 مشابہ بلیس یہ نوع خاص کے ساتھ مختص ہیں۔ چنانچہ وہ ما اور لا جو اسماء پر داخل ہوتے ہیں۔ وہ اس ما اور لا کے

علاوہ ہوتے ہیں۔ جو افعال پر داخل ہوتے ہیں یہ اور بات ہے کہ دونوں کی شکلیں ایک سی ہیں، اس لیے فرق مخاطب پر مشتبہ ہو گیا۔

اب رہی بات شاعر کے شعر کی تو وہ شاذ ہے اور شاذ کا اعتبار نہیں ہوتا لگے ہاتھ ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ جب ما اور لامشاہہ بلیس کے عمل کے سلسلے میں دو مسلک تھے تو مصنف نے صرف اہل حجاز کے مسلک کو بیان کر کے اس لیے چھٹی کر دی کہ اہل حجاز کے نظریہ کی قرآن حمایت کرتا ہے جیسا کہ اوپر کی مثال سے ظاہر ہے اور قرآن سے بڑھ کر کوئی اور ثبوت نہیں ہو سکتا۔

وَعَمَلٌ لَا شَاذَ: اور لا بہت کم عمل کرتا ہے اس لیے لا کی لیس سے مشابہت کمزور اور ناقص ہے، کیوں کہ لیس حال کی نفی کے لیے ہوتا ہے جب کہ لا مطلق نفی کے لیے ہوتا ہے لہذا جب لا حال کی نفی کے لیے ہوگا تبھی اس کی لیس سے مشابہت ہوگی گویا لا کی لیس سے بعض اوقات میں ہی مشابہت ہوگی جب کہ ما حال ہی کی نفی کے لیے آتا ہے۔ لہذا لا کا عمل سماع پر موقوف ہوگا جیسے

مَنْ صَدَّ عَنْ فَيْرَانِهَا فَاَنَا ابْنُ قَيْسٍ لَا يِرَاح

ما اور لا میں ایک فرق یہ ہے کہ ما معرفہ اور نکرہ دونوں میں عمل کرتا ہے جب کہ لا صرف نکرہ میں عمل کرتا ہے۔

الْمَنْصُوبَاتُ

منصوبات بارہ ہیں۔ مفعول مطلق، مفعول بہ، مفعول فیہ، مفعول لہ، مفعول معہ، حال، تمیز، مستثنیٰ، ان اور اس کے اخوات کا اسم، لائے نفی جنس کا اسم، کان اور اس کے اخوات کی خبر، ما اور لامشاہہ بلیس کی خبر۔ دلیل حصر یہ ہے کہ منصوب اس کا عامل یا تو فعل ہوگا یا حرف، اگر فعل ہے تو پھر اس کا معمول اصول منصوبات سے ہے یا ملحقات منصوبات سے، اگر فعل کا معمول اصول منصوبات سے ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ جزء فعل ہوگا یا نہیں اول مفعول مطلق ہے، ثانی اس میں چار احتمال ہیں یا فعل اس پر واقع ہے یا اس میں واقع ہے یا اس کے واسطے واقع ہے یا اس کے ساتھ واقع ہے اول مفعول بہ ثانی مفعول فیہ ثالث مفعول لہ رابع مفعول معہ اور اگر معمول ملحقات سے ہے تو معمول بین ہے یا نہیں ثانی مستثنیٰ اور اول دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ بین للذات ہے یا بین للصفات اول تمیز اور ثانی حال ہے۔

اور اگر منصوب کا عامل حرف ہے تو اس کا معمول یا مسند الیہ ہے یا مسند اور اگر مسند الیہ ہے تو کلام موجب میں ہے یا غیر موجب میں اول ان اور اس کے اخوات کا اسم اور ثانی لائے نفی جنس کا اسم اور اگر معمول مسند ہے تو پھر کلام موجب میں ہے یا غیر موجب میں اول افعال ناقصہ کی خبر سوائے لیس کے اور ثانی

لیس اور ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر۔

الْمَنْصُوبَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عِلْمِ الْمَفْعُولِيَّةِ .

ترجمہ: - منصوبات وہ اسم ہے جو مفعولیت کی علامت پر یعنی شی کے مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف منصوبات کی تعریف بیان کر رہے ہیں۔ پس منصوب وہ اسم ہے جو شی کے مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ یعنی جس چیز میں مفعول ہونے کی علامتیں پائی جائیں گی وہ چیز منصوب کہی جائے گی۔

اور مفعول ہونے کی علامت مفردات اور غیر منصرف میں فتح اور جمع مؤنث سالم میں کسرہ ہے اور اسماء ستہ میں الف ہے جب کہ تشنیہ اور جمع مذکر سالم میں یا ہے۔
هُوَ ضَمِيرٌ مَتَعَلِقٌ تَفْصِيلٌ بَعِيْنُهُ وَهِيَ هِيَ جَوَّأَ پ نے المرفوعات ہو ما اشتمل میں پڑھا ہے۔

الْمَفْعُولُ الْمُطْلَقُ هُوَ اسْمٌ مَا فَعَلَهُ فَاعِلٌ فِعْلٌ مَذْكُورٌ بِمَعْنَاهُ وَقَدْ يَكُونُ لِلتَّأَكِيدِ وَالنَّوْعِ وَالْعَدَدِ نَحْوُ جَلَسْتُ جُلُوسًا وَجَلَسَةً وَجَلِسَةً فَالْأَوَّلُ لَا يَشْنِي وَلَا يُجْمَعُ بِخِلَافِ أَخَوِيهِ وَقَدْ يَكُونُ بَغَيْرِ نَحْوِ قَعَدْتُ جُلُوسًا .

ترجمہ: - مفعول مطلق وہ اسم ہے کہ جس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو در انحالیکہ وہ فعل مذکور کے معنی میں ہو۔ اور مفعول مطلق بھی تاکید کے لیے اور کبھی نوع اور عدد کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے جلوساً و جلسة و جلسة پس اول نہ تشنیہ ہوتا ہے اور نہ جمع بخلاف اس کے اخوین کے اور کبھی مفعول مطلق من غیر لفظ ہوتا ہے جیسے قعدت جلوساً .

توضیح: - سب سے پہلے آپ مفعول مطلق کی وجہ تسمیہ سن لیں، مفعول مطلق اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر مفعول کے صیغہ کا اطلاق یعنی لہ، معہ کی قید کے بغیر درست ہے۔ اب تعریف سنئے مفعول مطلق وہ اسم ہے کہ جس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو در انحالیکہ مفعول مطلق فعل مذکور کے معنی میں ہو۔

فاعل کے فعل سے مراد فعل کا فاعل کے ساتھ قائم ہونا ہے، کیوں کہ فاعل فعل میں مؤثر اور اس کا موجد ہوتا ہے نیز فعل کے فعل مذکور کے فاعل کے ساتھ قائم ہونے سے مراد فعل کی اسناد کا فاعل کی طرف صحیح ہونا ہے، خواہ اسناد ایجاباً ہو یا سلماً۔ اور فعل سے مراد فعل لغوی ہے۔ پھر بھی ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں۔ اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے ضربت ضرباً جیسا مفعول مطلق سے نکل جاتا ہے، اس لیے حدیث یعنی مصدر یہاں مذکور نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکور

عام ہے خواہ مطابقت ہو یا تضرماً اور مثال مذکور میں مصدر تضرماً موجود ہے بایں ہمہ ایک سوال اور ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں، اس لیے کہ اس تعریف سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فضر ب الرقاب مفعول مطلق سے نکل جاتا ہے، کیوں کہ فعل یہاں مذکور نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ فعل عام ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً پس فعل مثال مذکور میں گو لفظاً نہیں ہے پر تقدیراً مذکور ہے۔ تقدیر عبارت فضر ب ضرب الرقاب ہے۔ ایک بات دھیان رہے کہ فعل خواہ حقیقیہ فعل ہو یا شبہ فعل ہو۔

اب آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مفعول مطلق چند معانی کے لیے آتا ہے تاکید کے لیے نوعیت بیان کرنے اور تعداد کو بتانے کے لیے۔ مفعول مطلق ان ہی تین معانی کے لیے اس لیے آتا ہے کہ مفعول مطلق کا مفہوم فعل کے مفہوم سے زیادہ ہوگا یا نہیں دوسرے احتمال کی صورت میں تاکید کے لیے ہوگا اور پہلے احتمال کی صورت یا تو مفعول مطلق میں زیادتی نوع کے لیے ہوگی یا عدد کے لیے ہوگی پس اول نوع کے لیے اور ثانی عدد کے لیے ہے۔ تاکید کی مثال جلست جلوساً سے اور ذرع کی مثال جلست جلستہ اور عدد کی مثال جلست جلستہ ہے جو مفعول مطلق تاکید کے لیے ہوتا ہے اس کا تشبیہ اور جمع نہیں آتا ہے، اس لیے کہ تاکید ایسے مفہوم پر دلالت کرتا ہے جو دلالت علی التعداد سے بے نیاز ہوتا ہے، جب کہ تشبیہ اور جمع تعداد کو مستلزم ہیں۔ البتہ جو مفعول مطلق نوعیت اور عدد کے بیان کے لیے آتا ہے وہ تشبیہ اور جمع ہو سکتا ہے، کیوں کہ یہ دونوں ایسی ماہیت پر دلالت کرتے ہیں جس میں تعداد ہوتا ہے پس تشبیہ اور جمع اور ان دونوں کے مفہوم میں کوئی منافات نہیں ہے۔ کبھی کبھی مفعول مطلق من غیر لفظہ ہوتا ہے خواہ بحسب المادة ہو جیسے قعدت جلوساً یا بحسب الباب ہو جیسے انتبه الله نباتاً۔ البتہ سیبویہ من غیر لفظہ کے قائل نہیں ہیں۔ وہ مذکورہ بالا دونوں مثالوں میں من لفظہ فعل مقدر مانتے ہیں، چنانچہ بقول ان کے تقدیر عبارت قعدت وجلست جلوساً اور انتبه الله فنبت نباتاً ہے، لیکن سیبویہ کا مذہب کمزور ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ولا يضرونه شيئاً۔ ان کی رائے کے صحت کی نفی کرتا ہے کیوں کہ شيئاً من غیر لفظہ مفعول مطلق ہے۔

وَقَدْ يُحَذَفُ الْفِعْلُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ جَوَازًا كَقَوْلِكَ لِمَنْ قَدِمَ خَيْرَ مَقْدَمٍ وَوَجُوبًا سَمَاعًا
مِثْلَ سَقِيًّا وَرَعِيًّا وَخَيْبَةً وَجَدَعًا وَحَمْدًا وَشُكْرًا وَعَجَبًا وَقِيَاسًا فِي مَوَاضِعَ .

ترجمہ: - اور کبھی فعل کو قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے جیسے تمہارا قول آنے والے شخص کے لیے خیر مقدم اور وجوباً سماعاً حذف کیا جاتا ہے جیسے سقیاً ورعیاً وخبیة وجدعاً وحمداً وشکراً وعجباً وقياساً متعدد جگہوں میں حذف کیا جاتا ہے۔

توضیح: - یہاں سے منصف مفعول مطلق کے فعل کے حذف کے بارے میں احکام ذکر کرنا

چاہتے ہیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مفعول مطلق کے فعل کے حذف کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جوازاً دوسرے وجوباً۔ مفعول مطلق کے فعل کو جوازاً اس وقت حذف کرتے ہیں جب مفعول مطلق کے حذف پر کوئی قرینہ موجود ہو خواہ قرینہ لفظی ہو یا عقلی پس آنے والے شخص کے لیے آپ کا خیر مقدم کہنا درست ہے، کیوں کہ یہاں آنے والے کا حال فعل کے وجود پر قرینہ ہے، چنانچہ قدمت فعل کو حذف کر دیا گیا تقدیر عبارت ہے **قَدِمْتَ قَدُومًا خَيْرَ مَقْدَمٍ**۔ خیر مقدم کا مفعول مطلق کہنا مجازاً ہے ورنہ درحقیقت مفعول مطلق **قَدُومًا مَوْصُوفٌ** ہے جس کو حذف کر کے صفت کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔

ووجوباً سماعاً: فعول مطلق کے فعل کے وجوباً حذف کی دو صورتیں ہیں سماعاً اور قیاساً **سَمَاعًا** جیسے **سَقِيًا**، **وَرَعِيًا**، **خَيْبَةً**، **جَدَعًا**، **حَمْدًا**، **شُكْرًا** کہ اصل میں **سَقَاكَ اللَّهُ سَقِيًا** اور **رَعَاكَ اللَّهُ رَعِيًا**، **خَابَ خَيْبَةً**، **جَدَعَ جَدَعًا**، **حَمَدْتَ حَمْدًا**، **شَكَرْتَ شُكْرًا** ہے۔

سَمَاعًا کا مطلب یہ ہے کہ ان مفاعیل مطلقہ کا استعمال ان کے افعال عاملہ کے ساتھ کلام عرب میں نہیں پایا جاتا ہے، بلکہ ان کا استعمال ان کے افعال کے حذف کے ساتھ ہی عربوں سے سنا گیا ہے، لہذا اب اس کا استعمال ہمیشہ فعل کے حذف کے ساتھ ہی ہوگا۔

فائدہ: - یہ بات دھیان رہے کہ مذکورہ بالا مفاعیل مطلقہ کا استعمال ان کے افعال کیساتھ فصحاء عرب کے کلام میں موجود نہیں ہے ورنہ غیر فصیح لغت میں ان کا استعمال ان کے افعال کے ساتھ ہوتا ہے۔

وقیاساً فی مواضع: مفعول مطلق کے فعل کا حذف وجوباً قیاساً متعدد جگہوں پر ہوتا ہے جن میں سے وہ مواقع کتاب میں مذکور ہیں۔ جن کے ابحاث زیادہ ہیں۔ آگے پڑھنے سے پہلے سن لیجیے کہ قیاساً کا مطلب ہے حسب ضابطہ معاملہ کرنا۔ اب سماعت فرمائیے کہ جن مقامات پر مفعول مطلق کے فعل کا حذف وجوباً ہوتا ہے ان میں ایک جگہ یہ ہے کہ مفعول مطلق نفی یا معنی نفی کے بعد مثبت واقع ہو اور وہ نفی یا معنی نفی ایسے اسم پر داخل ہوں کہ مفعول مطلق جس کی خبر نہ ہو سکتا ہو۔ یا مفعول مطلق ایسے اسم کی خبر کی جگہ میں مکرر واقع ہو کہ مفعول مطلق اس اسم کی خبر نہ ہو سکتا ہو۔ تو مفعول مطلق کے فعل کا ایسی جگہوں پر حذف واجب ہے جیسے ما انت الا سیراً پس سیراً مفعول مطلق ہے جو کہ نفی یعنی ما کے بعد مثبت واقع ہے اور ما ایسے اسم یعنی انت پر داخل ہے کہ مفعول مطلق اس کی خبر نہیں بن سکتا ورنہ وصف محض کا ذات پر حمل لازم آئے گا اور یہ درست نہیں کیوں کہ انت ذات ہے اور سیراً مصدر ہے اور مصدر وصف محض ہوتا ہے پس اگر مفعول مطلق کو انت کی خبر قرار دیا جائے تو حسب ضابطہ سیراً انت پر محمول ہوگا۔ اور آپ اس کا انجام سن چکے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ سیراً بجائے خبر ہونے کے مفعول مطلق ہی ہوگا، البتہ فعل محذوف ہوگا تقدیر عبارت ہوگی ما انت الا تسیراً اور ما انت الا سیراً البرید کی تفصیل کو ما انت الا سیراً کی تفصیل پر قیاس کیجیے۔

البتہ اس قاعدے کی مصنف نے دو مثالیں اس امر پر تنبیہ کرنے کے لیے دی کہ وہ مفعول مطلق جو موقع خبر میں واقع ہوتا ہے دو قسموں پر ہے ایک نکرہ۔ دوسرا معرفہ۔ پس اول نکرہ کی مثال ہے اور ثانی معرفہ کی مثال ہے اور انما انت سیراً میں سیراً مفعول مطلق ہے جو کہ معنی نفی کے بعد مثبت واقع ہے اور معنی نفی انما ہے جو کہ انت پر داخل ہے جس کی سیراً مفعول مطلق خبر نہیں ہو سکتا ورنہ وصف محض کا ذات پر حمل لازم آئے گا پس تقدیر عبارت ہوگی انما انت تسیر سیراً۔ اور زید سیراً سیراً یہ موقع خبر میں مفعول مطلق کے مکرر واقع ہونے کی مثال ہے۔ پس سیراً مفعول مطلق ہے جو کہ مکرر واقع ہے اور خبر کی جگہ میں ہے لیکن زید کی خبر نہیں بن سکتا، ورنہ مذکورہ بالا خرابی لازم آئے گی۔

ان مقامات پر فعل ناصب کا حذف اس لیے واجب ہے کہ قاعدہ ہے کہ جب مصدر ذات پر محمول ہوتا ہو اور قرینہ مجاز کے مراد نہ ہونے پر دال ہو تو عقل مصدر کے مفعول مطلق ہونے کا حکم لگاتی ہے پس یہاں حذف قرینہ اور قائم مقام کے پائے جانے کی وجہ سے واجب ہے۔ جہاں تک قرینہ کا تعلق ہے تو قرینہ معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام تو معمول کا اپنے عامل کی جگہ لینا ہے۔ ایک بات اور ذہن نشیں کر لیجئے کہ دو مستقل قاعدوں کو علیحدہ بیان کرنے کے بجائے ایک ساتھ یعنی ایک منہا میں اس لیے بیان کر دیا کہ دونوں کی قید ایک ہے نیز دونوں موقع خبر میں واقع ہوتے ہیں۔

وَمِنْهَا مَا وَقَعَ تَفْصِيلاً لِأَثَرِ مَضْمُونٍ جُمْلَةٍ مُتَقَدِّمَةٍ مِثْلَ فَشِدُوا الْوَثَاقَ فَمَا مِّنَّا بَعْدَ وَإِنَّا فِدَاءٌ .

ترجمہ: - اور ان مقامات میں کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے ایک مقام یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملہ کے اثر کی تفصیل واقع ہو جو مفعول مطلق سے مقدم ہو جیسے فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء .

توضیح: - یہاں سے مصنف ان مواقع میں سے کہ جہاں پر مفعول مطلق کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے ایک اور مقام کو بیان کر رہے ہیں اور وہ مقام یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملہ کے مضمون کے اثر کی تفصیل یعنی بیان واقع ہو جو جملہ مفعول پر مقدم ہو۔ آگے پڑھنے سے پہلے سمجھ لیجئے کہ مضمون جملہ سے مراد جملہ سے مفہوم ہونے والا وہ مصدر ہے جو فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو اور اثر سے مراد وہ غرض ہے جو مضمون جملہ سے مطلوب ہوتی ہے اور اثر کی تفصیل سے مراد انواع محتملہ کا بیان ہے۔

اب دیکھئے فَشِدُوا الْوَثَاقَ فَمَا مِّنَّا بَعْدَ وَإِنَّا فِدَاءٌ میں فشدوا جملہ ہے جو مفعول مطلق سے پہلے ہے اور شد الوثاق مضمون جملہ ہے اور وہ غرض جو شد الوثاق سے مطلوب ہے یا تو احسان کرنا ہے یا فدیہ دینا اور منا اور فداء مضمون جملہ کے غرض کے انواع محتملہ کا بیان ہے۔ پس یہاں فعل کا حذف

واجب ہے قرینہ اور قائم مقام دونوں کے پائے جانے کی وجہ سے۔ بہر حال قرینہ تو وہ معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام تو وہ جملہ سابقہ ہے جو اس مصدر پر دلالت کرتا ہے جو کہ مفعول مطلق ہے۔ پس تقدیر عبارت ہے ”فشدوا الوثاق فاما تمنون منا واما تفدون فداءً“

فائدہ: - اور فشدوا الوثاق الخ جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جب فعل صیغہ امر سے طلب کیا جائے اور پھر امر کے فائدے کو بصورت مصدر علی سبیل التردد بیان کیا جائے۔

وَمِنْهَا مَا وَقَعَ لِلتَّشْبِيهِ عِلَاجًا بَعْدَ جُمْلَةٍ مُشْتَمِلَةٍ عَلٰى اسْمٍ بِمَعْنَاهُ وَصَاحِبِهِ نَحْوَ مَرْرَتٌ بِهٖ فَاِذَا لَهٗ صَوْتٌ صَوْتٌ حِمَارٍ وَصَرَخٌ صَرَخٌ الشُّكْلِيّ .

ترجمہ: - اور ان مقامات میں سے جہاں مفعول مطلق کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے ایک مقام یہ ہے کہ مفعول مطلق بطور علاج تشبیہ کے لیے واقع ہوا ایسے جملہ کے بعد جو جملہ ایسے اسم پر مشتمل ہو کہ وہ اسم مفعول مطلق کے معنی میں ہو اور اسم والے پر مشتمل ہو جیسے مررت بہ فاذا له صوت صوت حمارٍ وصراخٌ صراخٌ الشُّكْلِيّ .

توضیح: - سب سے پہلے تشبیہ کے معنی سمجھ لیں تشبیہ کہتے ہیں ہو الدلالة علی مشاركة امر لامر فی المعنی .

یعنی ایک امر کا دوسرے امر کے لیے معنی میں شرکت پر دلالت کرنا اور علاجاً کا مطلب ہے کہ وہ مصدر حدوث پر دلالت کرتا ہو یعنی اس مفعول مطلق کا تعلق اعضاء اور جوارح سے ہو۔

جب آپ نے اتنا سمجھ لیا تو اب سنئے کہ جن جگہوں پر مفعول مطلق کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے ان میں سے ایک جگہ یہ ہے کہ مفعول مطلق تشبیہ کے لیے بطور علاج کے ایسے جملے کے بعد واقع ہو کہ وہ جملہ ایسے اسم پر مشتمل ہو کہ وہ اسم مفعول مطلق کے معنی میں ہو اور اس اسم والے پر مشتمل ہو۔ پس ان کے قول للتشبیہ سے احتراز ہو گیا اور لزید صوت حسن سے کیونکہ یہاں صوت حسن تشبیہ کے لیے نہیں ہے اور ان کے قول علاجاً سے احتراز ہو گیا لزید ہذہ الصلحاء جیسے سے کیونکہ زہد معالج یعنی حدوث پر دلالت کے لیے نہیں ہے اور اس کا قول بعد جملہ سے احتراز ہو گیا صوت زید صوت حمار سے کیوں کہ صوت حمار جملہ کے بعد نہیں ہے اور ان کا قول علی اسم بمعناہ سے احتراز ہو گیا مررت بزید فاذا له صفة صوت حمار جیسے سے، کیوں کہ صفت ایسا اسم ہے جو مفعول مطلق کے معنی میں نہیں ہے اور ان کا قول وصاحبہ سے احتراز ہو گیا مررت بالبلد فاذا له صوت صوت حمار جیسے سے، کیوں کہ اس مثال میں جملہ صاحب اسم پر مشتمل نہیں ہے۔ خیر اب قاعدے کو مثال سے سمجھئے جیسے مررت بہ فاذا له صوت صوت حمارٍ وصراخٌ صراخٌ الشُّكْلِيّ پس صوت حمار مفعول مطلق ہے تشبیہ کے لیے

ہے جو افعال جوارح میں سے ایک فعل پر دلالت کرتا ہے نیز جملہ یعنی لہ صوت کے بعد واقع ہے اور جملہ ایسے اسم یعنی صوت پر مشتمل ہے جو مفعول مطلق کے معنی میں ہے نیز جملہ اسم کے صاحب پر مشتمل ہے اور وہ لہ میں ضمیر مجرور ہے پس یہاں حذف وجب ہے قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے قرینہ معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام جملہ سابقہ ہے پس تقدیر عبارت ہوگی مررت بہ فاذا لہ صوت یصوت صوتاً مثل صوت حمار اور مررت بہ فاذا لہ صراخ یصرخ صراخاً مثل صراخ الشکلی۔
مصنف نے اس ضابطے کی دو مثالیں اس بات پر تنبیہ کے لیے دی ہے کہ مفعول مطلق کی مذکورہ نوع دو قسموں پر ہے ایک نکرہ دوسرے معرفہ تو پہلی مثال نکرہ کی ہے اور دوسری مثال معرفہ کی ہے۔

وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مضمونٌ جملۃً لا محتمل لها غیرہ نحو لہ علی الف درہم اعترافاً
وتسمی تاکیداً لنفسہ۔

ترجمہ: - اور ان جگہوں میں سے ایک جگہ یہ ہے کہ مفعول مطلق جملہ کا ایسا مضمون واقع ہو کہ جملے کے لیے اس کے علاوہ کا احتمال نہ ہو جیسے لہ علی الف درہم اعترافاً اور اس کا نام تاکید لنفسہ رکھا جاتا ہے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف ایک اور ایسے مقام کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل کا حذف کرنا واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ مفعول مطلق جملہ کا ایسا مضمون واقع ہو کہ جملے کے لیے مفعول مطلق کے علاوہ کا احتمال نہ ہو۔ جیسے لہ علی الف درہم اعترافاً پس اعترافاً مفعول مطلق واقع ہے جو کہ جملہ کا ایسا مضمون ہے کہ جملہ کے لیے اس کے علاوہ کا احتمال نہیں ہے، کیوں کہ لہ علی فقہاء کی اصطلاح میں علی سبیل الاعتراف لزوم مال کی صراحت ہے پس یہاں حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام کے پائے جانے کی وجہ سے قرینہ تو معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام جملہ سابقہ ہے۔
مفعول مطلق کی اس قسم کا نام تاکید لنفسہ بھی ہے، اس لیے کہ یہ اپنی تاکید کرتا ہے تقدیر عبارت ہوگی لہ علی الف درہم اعترافاً۔

وَمِنْهَا وَقَعَ مضمونٌ جملۃً لا محتمل غیرہ نحو زید قائم حقاً ویسمی تاکیداً لغيرہ۔

ترجمہ: - اور انہیں میں سے ہے کہ مفعول مطلق جملہ کا ایسا مضمون واقع ہو کہ اس جملہ کے لیے مفعول مطلق کے علاوہ کا احتمال ہو۔ جیسے زید قائم حقاً اور اس کا نام تاکید لغيرہ رکھا جاتا ہے۔

توضیح: - یہ بھی ان مقامات میں سے ہے کہ اگر مفعول مطلق جملہ کا ایسا مضمون واقع ہو کہ اس جملہ کے لیے بطور مضمون جملہ مفعول مطلق کے علاوہ کا بھی احتمال ہو تو فعل کا حذف واجب ہے جیسے زید قائم

حقاً پس حقاً مفعول مطلق ہے جو جملہ کا ایسا مضمون واقع ہے کہ جملہ کے لیے اس کے علاوہ کا بھی احتمال ہے، کیوں کہ زید قائم جملہ خبریہ ہے اور جملہ خبریہ کذب و صدق حق و باطل دونوں کا احتمال رکھتا ہے پس یہاں حذف قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے واجب ہے۔ قرینہ معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام جملہ سابقہ ہے۔ تقدیر عبارت ہوگی زید قائم حق حقاً مفعول مطلق کی جس قسم کا تاکید لغیرہ نام رکھا جاتا ہے۔

یہاں اس پر ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ تاکید لغیرہ محال ہے، کیوں کہ تاکید لفظ واحد کو دو مرتبہ تلفظ کرنے کو کہتے ہیں اور یہ معنی مغاڑة کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مغاڑة حقیقیہ مراد نہیں ہے بلکہ مغاڑة اعتباریہ مراد ہے، کیوں کہ جب حقاً لفظ مصدر کے ساتھ منصوب علیہ ہے تو وہ اس حق کا مؤکد ہوگا جس کا جملہ حتمال رکھتا ہے۔

وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مِثْلَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ.

ترجمہ:۔۔ اور انھیں مقامات میں سے ہے کہ مفعول مطلق تشنیہ واقع ہو۔ جیسے لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ.

توضیح:۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ ذہن نشین کر لیجیے کہ تشنیہ سے حقیقتاً تشنیہ ہونا مراد نہیں ہے، بلکہ عام ہے خواہ حقیقتہ تشنیہ ہو یا تکریراً و تکثیراً ہو۔ نیز تشنیہ سے مراد یہاں وہ تشنیہ ہے جو فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو جیسے لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ. لَبَّيْكَ اصل میں اب لك البابین تھا پھر فعل کو حذف کر دیا اور مفعول مطلق کو فعل کا قائم مقام بنا دیا پس البابین لك ہو گیا پھر مفعول مطلق مصدر کو ثلاثی مجرد کی طرف لوٹا دیا زوائد کے حذف کے ساتھ پس لَبَّيْكَ لك ہو گیا پھر لام جارہ کو تخفیفاً حذف کر دیا اور نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ پس لَبَّيْكَ ہو گیا۔ پھر باء کا باء میں ادغام کر دیا لَبَّيْكَ ہو گیا۔

اسی طرح سَعْدَيْكَ اسعدك اسعادین تھا۔ پس فعل کو حذف کر دیا گیا اور مصدر یعنی مفعول مطلق کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔ اور مزید سے مجرد کر لیا زوائد کے حذف کے ساتھ اور نون اضافت کی وجہ سے گر گیا پس سَعْدَيْكَ ہو گیا۔ تو یہاں فعل کا حذف قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے واجب ہے قرینہ معمول کا منصوب ہونا ہے۔ اور مفعول مطلق خود قائم مقام ہے۔

الْمَفْعُولُ بِهِ هُوَ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ نَحْوُ ضَرَبْتُ زَيْدًا وَقَدْ يَتَقَدَّمُ عَلَى الْفِعْلِ نَحْوُ زَيْدًا ضَرَبْتُ وَقَدْ يُحذفُ الْفِعْلُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ جَوَازًا كَقَوْلِكَ زَيْدًا لِمَنْ قَالَ مَنْ أَضْرِبُ وَوَجُوبًا فِي أَرْبَعَةِ مَوَاضِعِ الْأَوَّلِ سَمَاعِي نَحْوِ امْرَأٍ وَنَفْسِهِ وَانْتَهَوْا خَيْرًا لَكُمْ وَأَهْلًا وَسَهْلًا.

ترجمہ: - مفعول بہ وہ اسم ہے کہ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو جیسے ضربت زیداً اور مفعول بہ فعل پر کبھی مقدم ہوتا ہے جیسے زیداً ضربت۔ اور کبھی فعل کو قرینہ کی وجہ سے جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے جیسے تیرا قول زیداً اس شخص کے لیے جس نے کہا من اضرب اور وجوباً چار جگہوں میں حذف کیا جاتا ہے۔ پہلا سماعی ہے، جیسے امرأ و نفسہ و انتھوا خیر لکم اہلاً و سہلاً۔

توضیح: - مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہوتا ہے یعنی مفعول بہ وہ اسم ہے جس سے فاعل کا وہ فعل بالذات متعلق ہوتا ہے کہ جس کی اسناد فاعل کی طرف معتبر ہوتی ہے فاعل عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً۔

ان قیود کے ملحوظ رکھنے کی وجہ سے متعدد اعتراض ختم ہو جاتے ہیں، مثلاً تعلق کی قید سے ایاک نعبد کو لے کر اعتراض نہیں ہو سکتا ہے کہ فاعل کا فعل ایک پر واقع نہیں ہے، حالاں کہ وہ مفعول بہ ہے، کیوں کہ وقوع فعل سے مراد اس کا مفعول بہ سے تعلق مراد ہے پس تعلق یہاں موجود ہے نیز بالذات کی قید سے مررت بزید سے وارد ہونے والا سوال ختم ہو گیا، کہ فاعل کے فعل کا تعلق زید سے ہے۔ لہذا اس کو مفعول بہ ہونا چاہئے، حالاں کہ وہ نہیں ہے تو معاملہ صاف ہے کہ تعلق سے مطلقاً تعلق نہیں مراد ہے، بلکہ فعل کا وہ تعلق مراد ہے جو تعلق مفعول بہ سے بلا واسطہ ہو اور مررت بزید میں فعل کا تعلق باء کے واسطے سے ہے۔

نیز اسناد کے معتبر ہونے کی قید سے ضرب زید کو لے کر جو سوال کیا جاتا تھا کہ مفعول بہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے، کیوں کہ زید سے فاعل کا فعل براہ راست متعلق ہے، لہذا اس کو بھی مفعول بہ کہنا چاہئے، حالاں کہ وہ نائب فاعل ہے تو اس کا جواب قید مذکور سے ہو جاتا ہے کہ مفعول بہ کی تعریف میں فعل سے وہ فعل مراد ہے کہ جس کی اسناد فاعل کی طرف معتبر ہو اور ضرب زید میں ضرب ان افعال میں سے نہیں ہے کہ جن کی فاعل کی طرف اسناد معتبر ہو۔

وقد يتقدم علی الفعل: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مفعول بہ کی اس کے عامل فعل پر تقدیم سے کوئی مانع موجود نہیں ہوتا تو جوازاً مفعول بہ کو فعل پر مقدم کر دیا جاتا ہے جیسے ایاک نعبد و ایاک نستعین اور اگر مفعول بہ ایسا لفظ ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہے تو مفعول بہ کی تقدیم واجب ہے جیسے من ضربت، مفعول بہ کی فعل پر تقدیم اس لیے درست ہے کہ فعل قوی العمل ہوتا ہے پس وہ مفعول مقدم اور مؤخر دونوں میں عمل کرے گا۔

اچھا جب مفعول کی اس کے عامل پر تقدیم سے کوئی رکاوٹ ہو تو تقدیم ممکن نہ ہوگی جیسے من البر ان تکف لسانک میں پس ان موصول حرئی ہے اور تکف اس کا صلہ ہے اور صلہ کی تقدیم موصول پر درست نہیں ہوگی، لہذا صلہ کے معمول یعنی لسانک کی تقدیم موصول پر بدرجہ اولیٰ نہیں ہوگی پس مفعول کی تقدیم

کی راہ میں رکاوٹ ان موصول حرفی ہے۔

وقد يحذف الفعل لقيام قرينة جوازا: جب فعل کے وجود پر قرینہ خواہ عقلی ہو یا لفظی موجود ہوتا ہے تو مفعول بہ کے فعل کا حذف کرنا درست ہوتا ہے، جیسے کسی نے آپ سے پوچھا ماذا أكلت تو آپ نے اس کے جواب میں خبزاً کہہ دیا تو یہاں اكلت فعل حذف کر دیا گیا ہے کہ جس کے وجود پر سائل کا سوال قرینہ ہے۔ البتہ چار مقامات ایسے ہیں جہاں مفعول بہ کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے۔ ایک بات یہیں نوٹ کر لیجیے کہ مفعول بہ کے فعل کا وجوباً حذف ہونا چار مقامات ہی میں منحصر نہیں ہے، بلکہ باب اغراء جیسے اخاك اخاك یعنی خذ اخاك اور منصوب علی المدح جیسے الحمد لله الحميد یعنی اعني الحميد اور منصوب علی الذم جیسے اعوذ بالله من الشيطان الرجيم یعنی اعني الرجيم اور منصوب علی الترحم جیسے مررت بزید ن المسكين یعنی اعني المسكين میں بھی فعل وجوباً محذوف ہوتا ہے۔ ہاں مباحث کی طولانی ان چار مقامات میں زیادہ ہے۔ اس لیے مصنف نے ان چار مقامات کو ہی بیان کیا ورنہ مصنف مطلقاً حصر نہیں بیان کرنا چاہتے۔

پہلی جگہ سماعی ہے یعنی اس کا کوئی ضابطہ نہیں، بلکہ عربوں سے اس مثال کو فعل کے حذف کے ساتھ ہی سنا گیا ہے جیسے امرأ نفسه اصل میں اترك امرأ نفسه ہے اور انتھوا خیر الکم اصل میں انتھوا من التثلیث واقصدوا خیراً لکم ہے۔ دھیان رہے کہ انتھوا کو خیراً لکم کا عامل نہیں قرار دیا جاسکتا ورنہ معنی تضاد و فساد لازم آئے گا۔ اور تیسری مثال اهلًا وسهلاً ہے جو اصل میں اتیت اهلاً اور وطیت سهلاً ہے آخری جملہ مہمانوں کی آمد کے موقع سے بولا جاتا ہے۔

وَالثَّانِي الْمُنَادِي وَهُوَ الْمَطْلُوبُ اِقْبَالُهُ بِحَرْفِ نَائِبٍ مُنَابٍ اَدْعُو لَفْظًا او تَقْدِيرًا وَيُنْبِي عَلٰی مَا يُرْفَعُ بِهِ اِنْ كَانَ مَفْرَدًا مَعْرِفَةً نَحْوَ يَا زَيْدُ وَيَا رَجُلُ وَيَا زَيْدَانَ وَيَا زَيْدُونَ وَيُخَفِّضُ بِلَامِ الْاِسْتِغَاثَةِ نَحْوَ يَا لَزَيْدٍ وَيُفْتَحُ لِالْحَاقِ الْفَهَا وَلِلَا لَامِ فِيهِ نَحْوَ يَا زَيْدَاةَ وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا نَحْوَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ وَيَا طَالِعًا جَبَلًا وَيَا رَجُلًا لَغَيْرِ مَعِيْنٍ.

ترجمہ: - دوسری جگہ منادی ہے اور منادی وہ اسم ہے جس کی توجہ ایسے حرف کے ذریعہ مطلوب ہوتی ہے جو ادعو کے قائم مقام ہوتا ہے خواہ وہ حرف لفظاً ہو یا تقدیراً اور منادی اس علامت پر مبنی ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ رفع دیا جاتا ہے۔ اگر منادی مفرد معرفہ ہو جیسے یازید اور یارجل اور یازیدان اور یازیدون۔ اور منادی مجرور ہوتا ہے لام استغاثہ کی وجہ سے جیسے یالزید اور منادی مفتوح ہوتا ہے الف استغاثہ کے لاحق کرنے کی وجہ سے اور اس میں لام استغاثہ نہیں ہوتا ہے جیسے یازیداہ اور منادی منصوب ہوتا ہے ان صورتوں کے علاوہ میں جیسے یا عبد اللہ اور یا طالعاً جبلاً اور یارجل غیر معین کی صورت میں۔

توضیح: - یہاں سے مصنف اس دوسری جگہ کی نشاندہی کر رہے ہیں، کہ جہاں پر مفعول بہ کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مفعول بہ منادئی ہو منادئی وہ اسم ہے کہ جس کی توجہ مطلوب ہو ایسے حرف کے ذریعہ جو ادعو کے قائم مقام ہوتا ہے خواہ وہ حرف لفظاً ہو یا تقدیراً۔ منادئی کی اس تعریف پر ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ منادئی کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے وہ منادئی خارج ہو گیا کہ جس میں نداء دینے والے اور منادئی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ توجہ عام ہے خواہ بوجہ ہو یا بقلب ہو۔ اب بھی مطلع پوری طرح صاف نہیں ہوا اور وہ ہے کہ پھر بھی منادئی کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے یا سماء اور یاجبل جیسے منادئی سے خارج ہو گئے، کیوں کہ ان کی توجہ نہ بوجہ ممکن ہے اور نہ بقلب تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلب توجہ بوجہ اور بقلب عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً پس اگرچہ توجہ ان مثالوں میں حقیقتاً نہیں ہے لیکن حکماً ہے۔

لفظاً اور تقدیراً کا نصب مفعول مطلق ہونے کے اعتبار سے ہے اصل عبارت طلباً لفظیاً اور تقدیراً ہے۔

منادئی منصوب کیوں ہوتا ہے؟ اس سلسلے میں تین مذہب ہیں۔ سیبویہ، مبرد، بوعلی، سیبویہ کا خیال ہے کہ منادئی فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اور مبرد کا مذہب یہ ہے کہ منادئی اس حرف ندا کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے جو فعل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور ابوعلی کا کہنا ہے کہ منادئی حرف ندا کی وجہ سے اس اعتبار سے منصوب ہے کہ وہ اسمائے افعال کے قبیل سے ہے، لیکن مصنف کے نزدیک مختار سیبویہ کا مسلک ہے۔

اب منادئی کے احکام سنو! پہلا حکم یہ ہے کہ منادئی علامت رفع پر مبنی ہوگا اگر منادئی مفرد معرف ہو تو مبنی اس لیے ہوگا کہ منادئی مذکور کاف اسمی کی جگہ پر واقع ہے جو کاف حرف خطاب کے مشابہ ہے پس مبنی اصل کے ساتھ مناسبت ہوگئی، لہذا مبنی ہوگا۔ اور بجائے سکون کے حرکت پر اس لیے مبنی ہے کہ سکون مبنی اصل کی علامت ہے اور بجائے ضمہ کے علامت رفع پر اس لیے ہے تا کہ الف اور واؤ کو بھی عام ہو جائے۔ اور علامت رفع پر ہی مبنی اس لیے ہوگا کہ اگر فتح پر مبنی قرار دیا جاتا تو اس منادئی سے اشتباہ پیدا ہو جاتا جس کے آخر میں الف ہو پھر الف کو حذف کر دیا گیا ہو۔ اور ما قبل کے فتح پر اکتفا کیا گیا ہو۔ جیسے یا غلام کہ اصل میں یا غلام تھا وہ الف جو یائے متکلم کے عوض میں تھا حذف ہو گیا اور ما قبل فتح باقی رہ گیا اور اگر کسرہ پر مبنی کیا جاتا تو اس منادئی کے ساتھ اشتباہ لازم آتا جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو۔ پھر یا کو حذف کر کے ما قبل کے کسرہ پر اکتفا کیا گیا ہو، جیسے یا رب کہ اصل میں یا ربی تھا یا تخفیفاً حذف ہوگئی اور ما قبل کسرہ باقی رہ گیا۔

یاد رہے کہ منادئی کے باب میں مفرد سے مراد یہ ہے کہ جو نہ مضاف ہو اور نہ شبہ مضاف مذکورہ بالا

قاعدے کی مصنف نے چند مثالیں اس لیے دیں کہ معرفہ ہونا عام ہے خواہ ندا سے پہلے ہو یا ندا کے بعد ہو پہلی مثال معرفہ قبل النداء کی ہے اور دوسری مثال معرفہ بعد النداء کی ہے بشرطیکہ منادی سے مخصوص آدمی مراد ہو اور تیسری مثال مبنی بالالف اور چوتھی مثال مبنی علی الواو کی ہے۔

منادی کا دوسرا حکم یہ ہے کہ جب منادی پر لام استغاثہ ہو تو منادی مجرور معرب ہوگا۔ معرب اس لیے ہوگا کہ لام استغاثہ لام جارہ ہے اور لام جارہ اسم کے بڑے خواص میں سے ہے اور بڑے خواص میں سے ہونے کی وجہ سے اسمیت کی جہت طاقتور ہوگئی اور حرف سے مشابہ ہونے کا پہلو کمزور ہو گیا۔ لہذا منادی کی یہ قسم معرب ہوگی۔ اور مجرور اس لیے ہوگی کہ لام استغاثہ لام جارہ ہے۔ اور لام جارہ اپنے مدخول کو کسرہ دیا کرتا ہے البتہ خود لام استغاثہ باوجود لام جارہ ہونے اور اسم تام پر داخل ہونے کے مفتوح ہوگا۔ تاکہ مستغاث کے محذوف ہونے کی صورت میں مستغاث اور مستغاث لہ میں اشتباہ پیدا نہ ہو، کیوں کہ مستغاث لہ کے قائم مقام ہو جانے کی وجہ سے اس کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

رہی بات کہ استغاثہ کے لیے لام کو ہی کیوں مخصوص کیا تو اصل بات یہ ہے کہ لام استغاثہ لام جارہ ہے۔ اور لام جارہ اختصاص کے لیے ہوتا ہے۔ اور مستغاث بھی اپنے امثال کے درمیان دعا کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے پس ان دونوں کے درمیان مناسبت ہے۔

منادی کا تیسرا حکم یہ ہے کہ منادی مفتوح ہوگا جب اس کو الف استغاثہ لاحق ہو جائے منادی پر لام استغاثہ نہیں آتا، اس لیے کہ لام اپنے مدخول کے مجرور ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور الف اپنے ما قبل مفتوح کا تقاضا کرتا ہے اور ان دونوں میں منافات ہے۔

ایک سوال ہے کہ منادی کی اس قسم کو مبنی کیوں قرار دیا باوجودیکہ اسم میں اصل معرب ہونا ہے۔ نیز فتحہ پر مبنی کیوں قرار دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ منادی کی یہ قسم مبنی اس لیے ہے کہ منادی کاف اسمی کی جگہ پر واقع ہے، جو کاف حرفی کے مشابہ ہے۔ اور فتحہ پر اس لیے مبنی قرار دیا کہ الف اپنے فتحہ کا متقاضی ہوتا ہے۔

منادی کا چوتھا حکم یہ ہے کہ منادی منصوب ہوگا جب کہ وہ مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ ہو ماسواہما کی ضمیر کا مرجع منادی مفرد معرفہ اور مطلق مستغاث ہے خواہ وہ باللام ہو یا بالالف۔

منادی مفرد معرفہ کا ماسوا چار قسموں پر ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ مضاف ہو جیسے یا عبد اللہ دوسری قسم مشابہ مضاف ہو جیسے یا طالعاً جبلاً۔ اور تیسری قسم معرفہ نہ ہو بلکہ نکرہ ہو جیسے یا رجلاً جب کہ غیر متعین فرد کے لیے بولا گیا ہو۔ اور چوتھی قسم نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو جیسے یا حسن و جہہ ظریفاً۔ مصنف نے چوتھی قسم کی مثال بیان نہیں کی، اس لیے کہ دوسری قسم کی مثال میں چوتھی قسم کی مثال بننے کا احتمال پایا جاتا ہے۔

اب سنئے مضاف اور مشابہ مضاف اس لیے معرب اور منصوب ہوں گے کہ یہ دونوں اسم کے اعظم

خواص میں سے ہیں پس اسمیت کا پہلو طاقتور اور حرف سے مشابہ ہونے کا پہلو کمزور ہو گیا اور منصوب اس لیے کہ منادی فی الواقع مفعول بہ ہے اور جب کوئی مانع نہ ہو تو مفعول بہ منصوب ہوتا ہے۔

اچھا جب منادی نکرہ غیر معین ہو تو اس لیے معرب ہوگا کہ وہ کاف اسمی کی جگہ پر واقع نہیں ہے، کیوں کہ نکرہ معرفہ کی جگہ میں واقع نہیں ہوتا۔

وَتَوَابِعُ الْمَنَادِي الْمَبْنِي الْمَفْرَدَةَ مِنَ التَّكْيِيدِ وَالصِّفَةِ وَعَطْفِ وَالْمَعْطُوفِ بِحَرْفِ
نِ الْمَمْتَنِعِ دَخُولِ يَا عَلَيْهِ تَرْفَعُ عَلَى لَفْظِهِ وَتَنْصَبُ عَلَى مَحَلِّهِ مَثَلُ يَا زَيْدُ نِ الْعَاقِلِ
وَالْعَاقِلِ .

ترجمہ: - منادی مبنی کا مفرد تابع یعنی تاکید اور صفت اور عطف بیان اور معطوف ایسے حرف کے ذریعہ کہ جس پر یا کا دخول محال ہے۔ کو رفع دیا جاتا ہے اس کے لفظ پر اور نصب دیا جاتا ہے اس کے محل پر جیسے یا زید نِ العاقل و العاقل .

توضیح: - جب مصنف منادی کے احکام سے فارغ ہوئے تو اب منادی کے توابع کے احکام بیان کر رہے ہیں۔ تو آپ توابع منادی کا اصل حکم سمجھنے سے پہلے اس حکم کی قیدوں کو سمجھ لیجیے پس مصنف کا قول و توابع المنادی المبنی احتراز ہے منادی معرب کے توابع سے اس لیے کہ معرب کا تابع لفظ میں تابع ہوتا ہے۔ اور ان کا قول علی الضم احتراز ہے منادی مبنی علی الفتح کے توابع سے اس لیے کہ اس کے تابع میں نصب متعین ہے، کیوں کہ اس صورت میں منادی کا لفظ اور محل ایک ہی چیز کا تقاضا کرتا ہے اور وہ نصب ہے اور ان کا قول المفردة احتراز ہے مضاف تابع سے اس لیے کہ اس میں بھی نصب متعین ہے، کیوں کہ جب وہ براہ راست منادی ہوتا ہے تب تو منصوب ہی ہوتا ہے تو تابع ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

اب اصل حکم کی طرف آئیے! مصنف فرماتے ہیں کہ منادی مبنی علی الضم کا مفرد تابع خواہ مفرد حقیقتاً ہو یا حکماً کا حکم یہ ہے کہ وہ تابع منادی کے لفظ کا اعتبار کرنے کی وجہ سے مرفوع بھی ہوگا۔ اور منادی کے محل کا اعتبار کرنے سے منصوب بھی ہو سکتا ہے۔ لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے رفع اس لیے پڑھا جائے گا کہ منادی کا مبنی ہونا عارضی ہے پس وہ معرب کے مشابہ ہو گیا اور معرب کا تابع معرب کے لفظ کے تابع ہوتا ہے اور نصب اس لیے پڑھیں گے کہ مبنی کا تابع مبنی کے محل کے تابع ہوتا ہے اور منادی مفرد معرفہ محلاً منصوب ہے، اس لیے کہ وہ مفعول بہ ہے پس اس کا تابع بھی منصوب ہوگا۔

چوں کہ مذکورہ بالا حکم منادی مفرد معرفہ مبنی علی الضم کے تمام مفرد توابع میں نہیں پایا جاتا ہے، اس لیے تمام توابع کو بیان نہیں کیا نیز مطلقاً نہیں پایا جاتا اس لیے جن میں قید ضروری تھی ان کی قید کو بھی بیان کیا۔ جن توابع میں مذکورہ حکم پایا جاتا ہے وہ تاکید ہے۔ جیسے یاتیم اجمعون و اجمعین صفت ہے جیسے

یازیدِ العاقلُ و العاقلُ عطف بیان ہے جیسے یا غلام بشر و بشرًا معطوف معرف باللام ہے جیسے یاریدِ الحارثُ و الحارثُ. فاضل مصنف نے صرف صفت کی مثال بیان کی اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو اس لیے کہ صفت کی مثال مشہور تھی یا واہم کے وہم کے ازالہ کے لیے صرف صفت کی مثال بیان کیا وہم یہ ہے کہ منادی مفرد معرفہ کاف اسمی کی جگہ پر واقع ہوتا ہے اور کاف اسمی ضمیر ہے اور ضمیر موصوف نہیں ہوا کرتی ہے پس وہم ہوا کہ منادی مذکور بھی موصوف واقع نہیں ہو سکے گا۔ کیوں کہ یہ ضمیر کی جگہ پر واقع ہے۔ تو مصنف نے صفت کی مثال منادی مفرد معرفہ کے موصوف ہونے کے جواز پر تنبیہ کرنے کے لیے ذکر کیا۔

وَالْخَلِيلُ فِي الْمَعْطُوفِ يَخْتَارُ الرَّفْعَ وَابُو عَمْرٍو وَالنَّصْبَ وَابُو الْعَبَّاسِ إِنْ كَانَ كَالْحَسَنِ فَكَالْخَلِيلِ وَإِلَّا فَكَأَبِي عَمْرٍو.

ترجمہ: - اور خلیل معطوف میں رفع کو پسند کرتے ہیں۔ اور ابو عمرو و نصب کو اور ابو العباس اگر معطوف معرف باللام الحسن کی طرح ہے تو خلیل کی طرح رفع پسند کرتے ہیں ورنہ ابو عمرو کی طرح نصب پسند کرتے ہیں۔

توضیح: - سب سے پہلے یہ سمجھئے کہ معطوف سے مراد ایسا معطوف ہے کہ جس پر حرف ندا کا داخل ہونا ناجائز ہے یعنی معطوف معرف باللام پر حرف ندا کا داخلہ اس لیے منع ہے کہ الف لام تعریف کے لیے آتا ہی ہے اب اگر حرف ندا جو تعریف کے لیے ہوتا ہے وہ بھی اس پر داخل ہو جائے تو ایک اسم پر بیک وقت دو آکے تعریف ہونا لازم آئے گا۔

جب آپ نے اتنا سمجھ لیا تو اب اصل مسئلے کی طرف لوٹئے تو معلوم ہونا چاہئے کہ منادی بنی علی الضم کے مفرد تابع معطوف معرف باللام میں تین مذہب ہیں۔ خلیل کے نزدیک معطوف معرف باللام میں نصب کے جواز کے ساتھ رفع مختار ہے، اس لیے کہ یہ معطوف مذکور در حقیقت منادی مستقل ہے، لہذا مناسب ہے کہ یہ اس حال پر جاری رہے جس حال پر حرف ندا کے اتصال کی تقدیر پر جاری ہوتا ہے یعنی منادی مفرد ہونے کی وجہ سے علامت رفع پر مبنی ہو۔ لیکن چون کہ اس پر حرف ندا داخل نہیں ہے الف لام کی وجہ سے لہذا وہ ویسا منادی تو نہیں بن پائے گا۔ جو حرف ندا کے منادی مفرد پر دخول کی صورت میں ہوتا ہے۔ البتہ بالکل تابع نہ کر کے منادی کا کچھ نہ کچھ اثر تو باقی رکھا جاسکتا ہے۔ لہذا مبنی نہ سہی معرب بنا دیجیے اور مرفوع کر دیجیے۔ اور دوسرا مذہب ابو عمرو کا ہے۔ ابو عمرو کے نزدیک معطوف معرف باللام میں رفع کے جواز کے ساتھ نصب مختار ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جب معطوف مذکور پر حرف ندا کا دخول منع ہے تو وہ منادی مستقل نہ ہوگا۔ پس وہ منادی کا تابع ہوگا اور مبنی کا تابع اپنے محل کے تابع ہوتا ہے۔ اور منادی بنی علی الضم مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلا منصوب ہے، لہذا اس کا تابع بھی منصوب ہوگا۔

تیسرا مذہب ابو العباس کا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ دیکھو بھائی جھگڑانہ کرو۔ صحیح صورت حال یہ ہے کہ اگر مذکورہ معطوف معرف باللام کا الف لام الحسن کے لام کی طرح اس سے زائل ہو سکتا ہے۔ تو پھر رفع مختار ہے نصب کے جواز کے ساتھ جیسا کہ خلیل ابن احمد کی رائے ہے اور اگر مذکورہ معطوف کا الف لام اس معطوف سے الگ نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لیے لازم ہے جیسے النجم اور الصعق تو پھر نصب مختار ہے۔ رفع کے جواز کے ساتھ اس لیے کہ منادی مستقل بنانے کا بحالات موجودہ کوئی چانس نہیں ہے۔ جیسا کہ ابو عمرو کی رائے ہے۔

والمضافة تنصب والبدل والمعطوف غير ما ذكر حكمه حكم المستقل مطلقاً.

ترجمہ: - اور (منادی مبنی کا) مضاف تابع منصوب ہوگا۔ اور بدل اور وہ معطوف (جو اس کے علاوہ ہے کہ جس کا حکم بیان ہو چکا ہے) کا منادی مستقل کا مطلقاً حکم ہے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف منادی مبنی کے مضاف تابع کا حکم بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ جب منادی مفرد مبنی علی الضم کا تابع مضاف ہو اضافة معنوی کے طور پر تو وہ منصوب ہوگا، کیوں کہ مضاف جب عین منادی واقع ہوتا ہے تو وہ حرف ندا کے اتصال کے باوجود منصوب ہوتا ہے۔ لہذا جب مضاف منادی مبنی کا تابع واقع ہو تو بدرجہ اولیٰ وہ منصوب ہوگا۔

مضاف صفت کی مثال یا زید ذالمال۔ اور مضاف تاکید کی مثال یاتھم کلھم اور مضاف عطف بیان کی مثال یا زید اخا عمرو۔

اور جب منادی مبنی کا تابع بدل یا معطوف غیر معرف باللام ہو تو اس کا حکم مطلقاً منادی مستقل کا حکم ہے۔ مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ خواہ بدل اور معطوف غیر معرف باللام مفرد ہوں یا مضاف ہوں خواہ دونوں معرف ہوں یا نکرہ۔ بدل مضاف کی مثال جیسے یا زید ابا عبد اللہ۔ شبہ مضاف کی مثال یا زید طالعا جبلاً بدل معرف کی مثال یا زید عمرو اور بدل نکرہ کی مثال یا زید رجلاً صالحاً۔

معلوم ہونا چاہیے کہ بدل کی مثالیں اگر او کے ساتھ استعمال کی جائیں تو وہ معطوف غیر معرف باللام کی مثالیں بن جاتی ہیں۔ اب منادی مستقل کے حکم میں ہونے کی دلیل سنئے تو بدل منادی مستقل کے حکم میں اس لیے ہوتا ہے کہ بدل ہی مقصود بالحکم ہوتا ہے اور مبدل منہ کا ذکر تو برائے تمہید ہوتا ہے۔ پس گویا منادی مستقل تابع ہی ہوگا اور معطوف غیر معرف باللام منادی مستقل کے حکم میں اس لیے ہوتا ہے کہ جب حرف نداء کا داخلہ اس پر منع نہیں ہے تو گویا کہ حرف ندا اس میں مقدر ہے۔

والعلم الموصوف بابن او ابنة مضافاً الى علم اخر يختار فتحاً.

ترجمہ: - اور علم جو موصوف ہو ابن اور ابنة کے ساتھ درانحالیکہ وہ ابن اور ابنة دوسرے علم

کی طرف مضاف ہوں تو اس میں فتح مختار ہے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ منادی مفرد معرفہ بنی علی الضم ہوتا ہے تو یہ قاعدہ یازید بن عمرو جیسے سے ٹوٹ گیا۔ اس لیے کہ زید منادی مفرد معرفہ ہے باوجودیکہ اس میں فتح مختار ہے۔ تو مصنف نے جواب دیا کہ وہ علم جو موصوفہ ابن اور ابنة کے ساتھ درانحالیکہ وہ ابن اور ابنة دوسرے علم کی طرف مضاف ہو تو اس میں فتح مختار ہو ہے، مگر قیاس ضمہ کا تقاضا کرتا ہے، اس لیے کہ منادی کی یہ قسم کثیر الاستعمال ہے اور کثرت خفت کا تقاضا کرتا ہے۔ تو لوگوں نے فتح کو اختیار کر کے اس میں تخفیف کر دی۔

وَإِذَا نَادَى الْمَعْرُوفُ بِالْأَمِّ قِيلَ يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ وَيَا هَذَا الرَّجُلُ وَيَا أَيُّهَا الرَّجُلُ

ترجمہ: - اور جب منادی بنایا جائے معرف بالام کو تو کہا جائے گا۔ یا ایہا الرجل اور یا ہذا الرجل اور یا ایہذا الرجل۔

تشریح: - یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ حرف ندا کا داخلہ معرف بالام پر محال ہے تو یہ قاعدہ مذکورہ بالا مثالوں سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ الرجل ان مثالوں میں معرف بالام ہے۔ اس کے باوجود حرف ندا کا داخلہ ان پر صحیح ہے۔ تو مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ معرف بالام پر براہ راست حرف ندا کا داخلہ منع ہوتا ہے بالواسطہ نہیں اور مذکورہ بالا مثالوں میں حرف ندا داخلہ بالواسطہ ہے، چنانچہ یا ایہا الرجل میں ای اور ہا کے توسط سے اور یا ہذا الرجل میں ہا اور ذ کے توسط سے اور یا ایہذا الرجل میں ای اور ہذا کے توسط سے حرف ندا معرف بالام پر داخل ہے تاکہ دو آکے تعریف کا اجتماع بلا فصل کے لازم نہ آئے۔

وَالْتَزَمُوا رَفْعَ الرَّجُلِ لِأَنَّهُ الْمَقْصُودُ بِالنِّدَاءِ

ترجمہ: - اور لوگوں نے رَجُل کے رفع کو لازم قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ وہ مقصود بالنداء ہے۔

توضیح: - مصنف نے مذکورہ بالا عبارت سے سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ای منادی مفرد معرفہ ہے۔ اور الرجل اس کا تابع ہے۔ اور منادی مفرد معرفہ کے تابع میں رفع اور نصب دونوں جائز ہوتے ہیں۔ لہذا حسب قاعدہ الرجل میں بھی دونوں اعرابوں کو جائز ہونا چاہیے، حالاں کہ لوگوں نے الرجل کے رفع کو لازم قرار دیا ہے تو مصنف نے اپنے قول والتزموا سے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ ای منادی مفرد معرفہ ہے اور الرجل اس کا تابع ہے، لہذا اس پر دونوں وجہیں جائز ہونی چاہئیں لیکن چون کہ ندا سے مقصود بالنداء الرجل ہی ہے اس لیے الرجل کے رفع کو نجات نے لازم قرار دے دیا۔

وَتَوَابِعُهُ لِأَنَّهَا تَوَابِعُ مَعْرَبٍ

ترجمہ: - اور لازم قرار دیا ہے لوگوں نے اس کے تابع کے رفع کو اس لیے کہ وہ معرب کا تابع ہے۔
توضیح: - یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب الرجل مقصود بالنداء ہے تو وہ منادی مفرد معرفہ کے حکم میں ہو اور قاعدۃ منادی مفرد معرفہ کے تابع میں دو وجہیں جائز ہیں۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے تو مصنف نے اپنے قول و توالیہ سے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں نے اس کے تابع کے رفع کو لازم قرار دیا ہے، کیوں کہ وہ معرب کا تابع ہے اور معرب کا تابع لفظ میں تابع ہوتا ہے۔
 وَقَالُوا يَا اللَّهُ خَاصَّةً .

ترجمہ: - اور لوگوں نے کہا کہ یا اللہ خاص طور سے۔

توضیح: - یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ معرف باللام پر حرف ندا کا داخلہ براہ راست منع ہے تو یہ قاعدہ یا اللہ جیسے ٹوٹ گیا، اس لیے کہ اللہ معرف باللام ہے باوجود یکہ حرف ندا اس پر براہ راست داخل ہے تو مصنف نے اپنے قول و قالوا سے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ حرف ندا کا معرف باللام پر براہ راست داخلہ تب منع ہے جب الف لام لازم عوضی نہ ہو اور اللہ میں الف لام لازم عوضی ہے، اس لیے منع نہیں ہے۔ لام لازم اس لیے ہے کہ وہ علم کا جزء ہے اور عوضی اس لیے ہے کہ وہ اصل میں الالہ تھا۔ الالہ سے ہمزہ مکسورہ کو حذف کر دیا اور اس کے عوض میں لام تعریف لے آئے پس ہو گیا آل لاه پس لام کالام میں ادغام کر دیا تو ہو گیا اللہ اور خاصۃ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی ایک ایسا مادہ ہے جس میں لام لازم اور عوضی دونوں ہے ورنہ فصیح اور کثیر الاستعمال لفظ عربی میں لام لازم عوضی معدوم ہے۔

وَلَكَ فِي مِثْلِ يَاتِيمُ تَيْمٍ عَدِيٍّ الضَّمِّ وَالنَّصْبِ

ترجمہ: - اور تمہارے لیے اختیار ہے یا تیم تیم عدیٰ جیسے میں ضمہ اور نصب کا۔

توضیح: - یہاں سے مصنف ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ منادی مفرد معرفہ ضمہ پر مبنی ہوتا ہے تو مذکورہ قاعدہ یاتیم تیم عدیٰ جیسے سے ٹوٹ گیا، اس لیے کہ یاتیم جو منادی مفرد معرفہ ہے اس کے باوجود اس میں دو وجہیں جائز ہیں ضمہ اور نصب تو مصنف نے اپنے قول و لك في مثل ياتيم تيم عدي سے جواب دیا جس کا حاصل بیان کرنے سے پہلے آپ سمجھ لیجئے کہ اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں منادی مفرد معرفہ مکرر ہو اور دوسرا اسم مجرور سے متصل ہو اضافت کی وجہ سے تو اس جیسی ترکیب میں ضمہ اس لیے ہے کہ یاتیم منادی مفرد معرفہ ہے اور منادی مفرد معرفہ مبنی علی الضم ہوتا ہے اور نصب اس لیے ہے کہ تيم اول عدیٰ مذکور کی طرف مضاف ہے اور تيم ثانی تاکید لفظی ہے جو کہ فاصل ہے مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان یا یہ ہے کہ تيم اول عدیٰ محذوف کی

طرف مضاف ہے عدی مذکور کے قرینہ سے اور منادی مضاف منصوبات کے قبیل سے ہے۔

وَالْمُضَافُ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ يَجُوزُ فِيهِ يَا غَلَامِي وَيَا غَلَامِي وَيَا غَلَامًا
وَبِالْهَاءِ وَقَفًا وَقَالُوا يَا ابِي وَيَا أُمِّي وَيَا أَبَتِ وَيَا أُمَّتِ فَتَحًا وَكَسْرًا وَبِالْأَلْفِ دُونَ
الْيَاءِ وَيَا ابْنَ أُمِّ وَيَا ابْنَ عَمِّ خَاصَّةً مِثْلَ بَابِ يَا غَلَامِي وَقَالُوا يَا ابْنَ أُمِّ وَيَا ابْنَ عَمِّ.

ترجمہ: - اور منادی جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو جائز ہے، اس میں یا غلامی اور یا غلامی اور یا غلام اور یا غلاماً اور ہا کے ساتھ وقفاً اور لوگوں نے کہا ہے یا ابی یا امی اور یا ابت اور یا اُمت فتحاً و کسراً اور الف کے ساتھ نہ کہ یا کے ساتھ اور کہا ہے یا ابن امّ اور یا ابن عمّ خاص طور سے یا غلامی کے باب جیسے میں اور لوگوں نے کہا ہے یا ابن امّ اور یا ابن عمّ۔

توضیح: - یہاں سے مصنف یہ بیان کر رہے ہیں کہ وہ منادی جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں چار وجہیں جائز ہیں یا غلامی یاء کے سکون کے ساتھ اور یا غلامی یاء کے فتح کے ساتھ اور یا غلام یاء کے حذف کے ساتھ اور اکتفاء بالکسرہ کے ساتھ اور یا غلاماً یا کو الف اور کسرہ کو فتح سے بدلنے کے ساتھ۔ یہ ساری وجہیں اس لیے جائز ہیں کہ یہ مثال کثیر الاستعمال ہے اور کثرت استعمال خفت کا تقاضا کرتا ہے۔

نیز یہ چار وجوہ ہاء کے ساتھ وقفاً درست ہیں۔ حالت وقف اور وصل میں فرق کرنے کے لیے پس تم کہو یا غلامیہ اور یا غلامیہ اور غلامہ اور یا غلاماہ۔

وقالوا: یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ منادی جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو در انحالیکہ منادی اب یا ام ہو تو ایسے منادی میں مذکورہ بالا ساری وجہوں کے جائز ہونے کے ساتھ مزید کچھ وجہیں اور جائز ہیں۔ اس لیے اب اور ام کی نداء زیادہ کثیر الاستعمال ہے غلام کی نداء کے مقابلے میں، لہذا اس میں تخفیفاً مزید گنجائش پیدا کر دی گئی۔ پس یا ابت اور یا اُمت بولتے ہیں یا کو تا مفتوح سے بدلنے کے ساتھ اس لیے کہ تائے مفتوح یاء کی حرکت کے موافق ہے اور یا ابت اور یا اُمت یا کو تا مکسورہ سے بدلنے کے ساتھ اس لیے کہ تا مکسورہ یا کے مناسب ہے۔ اور تا کے بعد الف کے ساتھ بھی ان کا استعمال منقول ہے جیسے یا ابتا اور یا اُمتا اس لیے کہ جمع بین العوضین درست ہے۔ البتہ تا اور یاء کے ساتھ استعمال نہیں ہو سکتا، کیوں کہ تاء یاء کا بدل ہے۔ پس اگر یا ابتی اور یا اُمتی کہا جائے تو عوض اور معوض عنہ کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہے۔

ویا ابن امّ ویا ابن عمّ خاصۃ: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب منادی ام یا عم کی طرف مضاف ہو در اس حالیکہ وہ ام یا عم یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس میں وہ تمام وجوہ جائز ہوتی ہیں۔ جو منادی مضاف الی یاء متکلم میں درست ہوتی ہیں۔ البتہ اس میں مزید ایک وجہ اور درست ہے جو باب غلامی میں درست نہ

تھی اور وہ ہے یا ابن امّ ویا ابن عمّ یا کوالف سے بدلنے اور الف کو حذف کر کے الف کے ما قبل فتح پر اکتفاء کے ساتھ ایسا اس لیے درست ہے کہ یہ منادی منادی مضاف الی یاء المتکلم سے زیادہ ثقیل ہے۔ اور کثیر الاستعمال ہے۔

خاصة کا مطلب یہ ہے کہ جو وجوہ منادی مضاف الی یاء المتکلم میں درست ہیں۔ وہ عم اور ام کی مذکورہ صورت کے سوا کسی اور قسم کے منادی میں درست نہیں خواہ مضاف غیر ابن ہو جیسے یا غلام امی یا غلام عمی یا مضاف الیہ غیر عم اور ام ہو جیسے یا ابن اخی یا مضاف اور مضاف الیہ دونوں ابن اور ام اور عم کے علاوہ ہوں جیسے یا غلام اخی اور یا غلام غلامی۔ ام اور عم کو مذکورہ اسم کے ساتھ اس لیے ذکر کیا کہ اہل عرب کے نزدیک دونوں کثیر الاستعمال ہیں۔

وَتَرْخِيمُ الْمُنَادِي جَائِزٌ وَفِي غَيْرِهِ ضَرُورَةٌ وَهُوَ حَذْفٌ فِي آخِرِهِ تَخْفِيفًا وَشَرْطُهُ أَنْ لَا يَكُونَ مِضَافًا وَلَا مُسْتَفَاثًا وَلَا جُمْلَةً وَيَكُونُ إِمَّا عَلَمًا زَائِدًا عَلَى ثَلَاثَةِ أَحْرَفٍ وَإِمَّا بَتَاءِ التَّانِيثِ فَإِنْ كَانَ فِي آخِرِهِ زِيَادَتَانِ فِي حُكْمِ الْوَاحِدَةِ كَأَسْمَاءَ وَمِرْوَانَ أَوْ حَرْفٍ صَحِيحٍ قَبْلَهُ مَدَّةٌ وَهُوَ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعَةِ أَحْرَفٍ حُذِفَتْ وَإِنْ كَانَ مَرْكَبًا حُذِفَ الْأِسْمُ الْآخِيرُ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ فَحَرْفٌ وَاحِدٌ.

ترجمہ: - اور منادی کی ترخیم جائز ہے۔ اور اس کے علاوہ میں ضرورۃ اور وہ حذف کرنا ہے منادی کے آخر میں تخفیفاً اور اس کی شرط یہ ہے کہ منادی مضاف نہ ہو اور نہ مستفاث ہو اور نہ جملہ ہو اور یہ کہ منادی یا تو علم ہو جو تین حروف پر زائد ہو یا تانیث کی تاکے ساتھ ہو پس اگر اس کے آخر میں دو زیادتیاں ہوں ایک حکم میں جیسے کہ اسماء اور مروان یا ایک حروف صحیح ہو جس سے پہلے مدہ ہو درناخالیکہ وہ اسم چار حروف سے زائد ہو تو دو حرف حذف کیے جائیں گے اور اگر منادی مرکب ہو تو آخری اسم حذف کیا جائے گا۔ اور اگر مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ ہو تو ایک حرف حذف کیا جائے گا۔

توضیح: - جب مصنف منادی کے احکام سے فارغ ہو گئے تو اب منادی کے خصائص یعنی ترخیم کا بیان شروع کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ منادی کی ترخیم مطلقاً جائز ہے۔ خواہ ضرورت شعری ہو یا نثر کلام ہو اور غیر منادی میں بھی ضرورۃ ترخیم جائز ہے۔ ترخیم کے لغوی معنی ہیں دم کا ٹٹنا، اور اصطلاح میں ترخیم کہتے ہیں منادی کے آخر میں تخفیفاً حذف کرنا۔ تخفیفاً کا مطلب یہ ہے کہ حذف برائے تخفیف ہو کسی دوسری علت کی وجہ سے نہ ہو جو حذف کا تقاضا کرتی ہو۔

اب ایک سوال اور اس کا جواب سنو۔ سوال یہ ہے کہ ترخیم کی تعریف مذکورہ اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف سے غیر منادی کی ترخیم خارج ہو گئی۔ تو جواب یہ ہے کہ تعریف منادی کی

ترخیم کے ساتھ مخصوص ہے اور غیر منادی کی ترخیم قیاس سے معلوم ہو جائے گی۔ یا یہ کہ تعریف بالامطلق ترخیم کی ہے، کیوں کہ ہو ضمیر ترخیم مطلق کی طرف راجع ہے اور فی آخرہ میں ضمیر مجرور اسم کی طرف راجع ہے پس مطلب ہوگا ہواى الترخيم مطلقاً حذف فی آخر الاسم تخفیفاً، یعنی ترخیم اسم کے آخر میں مطلقاً برائے تخفیف حذف کرنا۔

اور منادی مرخم کی شرط یہ ہے کہ وہ مضاف نہ ہو، اس لیے کہ اگر منادی مرخم مضاف ہے تو دو حال سے خالی نہیں کہ حذف مضاف کے آخر میں کریں گے۔ یا مضاف الیہ کے آخر میں تو پہلی صورت میں ترخیم وسط کلمہ میں لازم آئے گی بلحاظ معنی کے اور دوسری صورت میں ترخیم غیر منادی میں لازم آئے گی بلحاظ لفظ کے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ منادی مستغاث نہ ہونہ باللام اور نہ بالالف مستغاث باللام کا نہ ہونا اس لیے شرط ہے کہ اس میں حرف ندا کا اثر ضمہ اور نصب ظاہر نہیں ہوتے، لہذا اس میں وہ ترخیم بھی جائز نہ ہوگی، جو منادی کے خصائص میں سے ہے اور مستغاث بالالف کا نہ ہونا اس لیے شرط ہے کہ الف کی زیادتی اس کے آخر میں درازی آواز کی غرض سے ہے اور حذف اس کے منافی ہے۔

اور تیسری شرط یہ ہے کہ منادی مرخم جملہ نہ ہو۔ اس لیے کہ جملہ اپنے حال کی حکایت کے لیے ہوتا ہے، لہذا یہ بمنزلہ کہاوت کے ہو اور کہاوت میں تبدیلی نہیں ہوتی، لہذا اس میں بھی ترخیم کر کے تبدیلی نہیں ہوگی۔ اور چوتھی شرط یہ ہے کہ منادی مرخم یا تو علم ہو۔ جو زائد علی الثلاثہ ہو یعنی چار حرفی ہو۔ علم ہونا اس لیے شرط ہے کہ علم اپنے شہرت کی وجہ سے حذف کیے گئے حرف پر دلیل ہوگا اور زائد علی الثلاثہ ہونا اس لیے شرط ہے تاکہ اسم معرب کا اقل مقدار سے کم ہونا لازم نہ آئے یعنی اسم معرب کا تین حرف سے کم ہونا لازم نہ آئے۔

اور آخری شرط یہ ہے کہ وہ منادی مرخم تاء تانیث کے ساتھ ہو بھلے وہ علم اور زائد علی الثلاثہ نہ ہو، اس لیے کہ تاء کو زائل کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے پس تانیث کے زوال کی وجہ سے سقوط کا کم از کم تقاضا پورا ہو جائے گا۔

فان كان في آخره: جب مصنف ترخیم کے شرائط سے فارغ ہو گئے تو اب مرخم کی مقدار کا بیان شروع کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں، کہ اگر منادی کے آخر میں ایسی دو زیادتیاں ہوں جو ایک زیادتی کے حکم میں ہوں یعنی وہ دونوں ساتھ ساتھ زیادہ کیے گئے ہوں جیسے اسماء اور مروان یا منادی کے آخر میں کوئی ایک ایسا حرف صحیح ہو کہ جس سے پہلے مدہ ہو اور وہ چار حرف سے زائد ہو تو ایسے منادی کے آخر میں دو حرف ساتھ ساتھ حذف کیے جائیں گے۔ پہلی صورت میں تو اس لیے تاکہ وضع کی مطابقت رہے اور دوسری صورت میں اس لیے تاکہ مثل مشہور لازم نہ آئے کہ صلت علی الاسد و بلت من النقد۔ کہ شیر پر تو حملہ کر دیا اور بکری کو دیکھ کر موت کھسک گیا۔

اور اگر منادی مرکب ہو۔ مرکب سے مراد غیر اسنادی اور غیر اضافی ہے تو آخری اسم کو حذف کر دیا جائے گا، کیوں کہ آخری اسم بمنزلہ تاء تانیث ہے عارض ہونے میں اور زائل ہونے میں اور اگر منادی ان تینوں صورتوں کے علاوہ ہو تو ایک حرف کو حذف کیا جائے گا اس لیے کہ ایک سے زائد کے حذف کا کوئی سبب نہیں ہے۔

وَهُوَ فِي حُكْمِ الثَّابِتِ عَلَى الْاَكْثَرِ فَيُقَالُ يَا حَارِ وَيَا ثَمُو وَيَا كَرُو وَقَدْ يُجْعَلُ اسْمًا بِرَاسِهِ فَيُقَالُ يَا حَارُ وَيَا ثَمِي وَيَا كَرَا.

ترجمہ: - اور وہ ثابت کے حکم میں ہے اکثر لوگوں کے نزدیک پس کہا جائے گا یا حار یا ثمو اور یا کرو اور کبھی مرخم کو مستقل کر دیا جاتا ہے پس کہا جائے گا یا حار یا ثمی اور یا کرا۔

تشریح: - جب آپ نے ترخیم کی تعریف اور ترخیم کی مقدار کو جان لیا تو اب منادی مرخم کا حکم سن لیں تو اکثر استعمال کے مطابق منادی مرخم موجود کے حکم میں ہوگا یعنی المحذوف کا المذکور کا معاملہ ہوگا پس آخر کا ماقبل جیسا تھا ویسا ہی رہے گا اور منادی مرخم کا آخر وسط کلمہ کے درجہ میں حکماً ہوگا۔ پس بولا جائے گا یا حار راء کے کسرہ کے ساتھ اور یا ثمو واؤ متطرفہ کے سکون کے ساتھ اور یا کرو واؤ متحرکہ ماقبل فتح کے ساتھ۔

اقل استعمال میں منادی مرخم کے اخیر کو معرب اور مبنی ہونے میں مستقل اسم قرار دے دیا جاتا ہے اس لیے کہ مفرد معرفہ ضمہ پر مبنی ہوتا ہے پس مناسب ہے کہ یا حار کو بھی ضمہ پر مبنی قرار دیا جائے۔ اور جیسے یا ثمی واؤ متطرفہ کے یاء سے اور ماقبل کے ضمہ کے کسرہ سے بدلنے کے ساتھ اس لیے کہ واؤ طرف میں واقع ہے اور اس کا ماقبل مضموم ہے اور ضابطہ ہے کہ جب واو کنارے میں واقع ہو تو واؤ یاء سے اور ماقبل کا ضمہ کسرہ سے بدل جاتا ہے۔

اور جیسے یا کرا، اس لیے کہ بحالت موجودہ واؤ متحرکہ ماقبل مفتوحہ الف سے بدل جائے گا کیوں کہ واؤ کے الف سے بدلنے کی راہ میں جو رکاوٹ تھی یعنی ساکن کا واؤ کے بعد واقع ہونا وہ ختم ہوگئی کہ جس کے ہوتے ہوئے واؤ کو الف کرنے کی صورت میں اجتماع ساکنین لازم آتا۔

وَقَدْ اسْتَعْمَلُوا صِيغَةَ النَّدَاءِ فِي الْمَنْدُوبِ وَهُوَ الْمَتَفَجَّعُ عَلَيْهِ بِيَا أَوْ وَآ وَاخْتَصَّ بِوَاوِ حُكْمِهِ فِي الْاَعْرَابِ وَالْبِنَاءِ حُكْمُ الْمُنَادِي وَلَكِ زِيَادَةُ الْاَلْفِ فِي آخِرِهِ.

ترجمہ: - اور عربوں نے استعمال کیا ہے۔ ندا کے صیغہ کو مندوب میں اور مندوب وہ اسم ہے جس پر اظہار غم کیا گیا ہو یاء، یا واؤ کے ساتھ اور مندوب مخصوص ہے واؤ کے ساتھ اور مندوب کا حکم معرب اور مبنی ہونے میں منادی کا حکم ہے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف مندوب کی تعریف اور اس کے احکام بیان کر رہے ہیں۔ مندوب

لغت میں ایسے میت کو کہتے ہیں۔ جس پر رویا جائے اور اس کے محاسن کو شمار کیا جائے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ اس کی موت کا حادثہ بہت عظیم ہے اور لوگ اسے رونے میں معذور سمجھیں۔

اور اصطلاح میں اسے مندوب کہتے ہیں کہ جس پر وجوداً یا عدماً یا واداً کے ذریعہ سے اظہار غم کیا جائے۔ یا ء کا استعمال مندوب میں اس لیے ہوتا ہے کہ یا ء ندا کے دیگر صیغوں یعنی حروف کے مقابلہ میں زیادہ مشہور ہے، اس لیے اسی کو تعمیم کے لائق سمجھا گیا، چنانچہ جس طرح یا ء منادی میں مستعمل ہے اس طرح مندوب میں بھی البتہ منادی میں استعمال حقیقت ہوگا۔ اور مندوب میں مجاز۔

نیز معلوم ہو کہ مندوب ملحقات منادی میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اس کو منادی سے مؤخر کرنے اور علیحدہ بیان کرنے کے بجائے منادی کی بحث کے درمیان میں ہی اس کا بیان شروع کر دیا۔
واختص بواو: یہاں سے منادی اور مندوب کا فرق بیان کرنا چاہتے ہیں، کہ واداً کا استعمال مندوب کے ساتھ مخصوص ہے، لہذا واداً منادی کے ساتھ نہیں استعمال ہو سکتا جب کہ مندوب مستعمل ہوگا۔ پس دونوں میں قدرے فرق ہو گیا اسی لیے مندوب کو منادی میں باضابطہ داخل نہیں مانا گیا۔

و حکمہ حکم المنادی: مندوب کا حکم معرب اور مبنی ہونے میں وہی ہے جو منادی کا ہے۔ البتہ شرط ہے کہ مندوب منادی کے اقسام میں سے کسی کی صورت پر واقع ہو۔ آگے فرماتے ہیں، کہ مندوب کے آخر میں الف کا اضافہ ہوتا ہے، کیوں کہ ندبہ میں درازی صوت مطائب ہوتی ہے اور زیادتی الف سے یہ مقصود بدرجہ اتم حاصل ہوتا ہے۔

فان خفت اللبس: یہ سوال مقدر کا جواب ہے آپ نے مندوب کے آخر میں الف کے اضافہ کی اجازت دی ہے تو الف کی زیادتی کی صورت میں مخاطب کے غلام کے ندبہ کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح تشنیہ کے غلام کے ندبہ اور جمع کے غلام کے ندبہ کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے تو مصنف نے جواب دیا کہ اگر اشتباہ کا اندیشہ ہو تو مندوب کے آخر کی حرکت کے مناسب حرف مد الف کی جگہ میں لے آؤ۔ لہذا جہاں مذکر کے لیے واغلا مکاہ کہتے ہو وہیں مونث کے لیے واغلا مکیہ کہو اور تشنیہ کے لیے واغلا مکماہ اور جمع کے لیے واغلا مکموہ کہو۔

ولك الهاء: اب بتاتے ہیں کہ مندوب کے آخر میں ہائے سکتے کو بھی لایا جاسکتا ہے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ حرف کا بیان بھی ہو جائے گا، کہ وہ الف ہے یا یا ء ہے یا واداً نیز مذات کی حفاظت بھی ہو جائے گی۔

وَلَا يُنْدَبُ إِلَّا الْمَعْرُوفُ فَلَا يُقَالُ وَارْجُلَاهُ وَامْتَنِعْ وَازِيدُ الطَّوِيلَةَ خِلَافًا لِيُونُسَ وَيَجُوزُ حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ إِلَّا مَعَ اسْمِ الْجِنْسِ وَالْإِشَارَةِ وَالْمُسْتَعْتَابِ وَالْمَنْدُوبِ

نحو يُوسُفُ أَعْرِضُ عَنْ هَذَا وَايُّهَا الرَّجُلُ وَشَدَّ اصْبَحْ لَيْلٌ وَافْتَدِ مَخْنُوقٌ وَأَطْرُقُ
كِرَا وَقَدْ يُحْذَفُ الْمُنَادِي لِقِيَامِ قَرِينَةٍ جَوَازًا مِثْلَ إِلَّا يَا اسْجُدُوا.

ترجمہ: - اور ندبہ نہیں کیا جائے گا، مگر مشہور کا۔ پس نہیں کہا جائے گا۔ وارجلاہ اور ممتنع ہے
وازید الطویلاہ مخالفت کرتے ہوئے یونس کی۔ اور جائز ہے حرف ندا کا حذف کرنا مگر اسم جنس اور اسم
اشارہ اور مستغاث اور مندوب کے ساتھ جیسے یوسف اعرض عن هذا اور ایہا الرجل اور شاذ ہے۔
اصبح لیل اور افتد مخنوق اور اطرق کرا۔ اور کبھی حذف کر دیا جاتا ہے منادی قرینہ کے پائے
جانے کی وجہ سے جوازاً جیسے الا یا اسجدوا۔

توضیح: - آگے فرماتے ہیں کہ ندبہ صرف مشہور کا ہی ہوگا۔ غیر مشہور کا ندبہ نہیں ہو سکتا ایسا اس
لیے ضروری ہے تاکہ لوگ مندوب کی شہرت کی وجہ سے اسے ندبہ میں معذر سمجھیں خواہ مندوب علم ہو یا نہ ہو
بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اگر مندوب علم ہے اور غیر مشہور ہے تو اس کا ندبہ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اس صورت
میں ندبہ کا مقصود فوت ہو جاتا ہے لہذا وارجلاہ نہیں کہہ سکتے کیوں کہ کوئی خاص مندوب رجل کے ساتھ
مشہور نہیں ہے۔ یعنی معاملہ کر یلانیم چڑھا کا ہے۔

وامتنع وازیدا الطویلاہ: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ مندوب کی صفت کے آخر میں الف کالاحق
کرنا درست نہیں ہے یہ مسلک خلیل نحوی کا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر وازید الطویلاہ درست ہے تو
الف کالاحق مندوب کی صفت کے آخر میں جائز ہے تو پھر جاء نی زید الطویلاہ یعنی زید کی صفت
الطویل کے آخر میں بھی الف کالاحق صحیح ہونا چاہئے کیونکہ الطویل دونوں ترکیبوں میں مندوب نہیں ہے،
حالانکہ ترکیب ثانی میں صفت کے آخر میں الف کالاحق منع ہے، پس پہلی ترکیب میں بھی صفت کے آخر میں
الف کالاحق صحیح ہونا چاہئے، کیوں کہ الطویل دونوں ترکیبوں میں مندوب نہیں ہے، حالاں کہ ترکیب ثانی
میں صفت کے آخر میں الف کالاحق منع ہے۔

لیکن اس میں یونس نحوی کا اختلاف ہے ان کا کہنا ہے کہ مندوب کی صفت کے آخر میں الف کا اضافہ
درست ہے۔ دلیل یہ ہے کہ مندوب کے مضاف الیہ کے آخر میں الف کالاحق ہوتا ہے، حالاں کہ مضاف
اور مضاف الیہ کے درمیان معنی میں مغائرث ہوتی ہے پس جب مغائرث کے باوجود مندوب کے مضاف
الیہ کے آخر میں الف کالاحق درست ہے تو کیا وجہ ہے کہ مندوب کی صفت کے آخر میں الف کالاحق جائز نہ
ہو، حالاں کہ یہاں تو دونوں یعنی موصوف اور صفت کے درمیان معنی اتحاد ہوتا ہے۔ لہذا مندوب کی صفت
کے آخر میں الف کالاحق بدرجہ اولیٰ درست ہوگا۔

یونس کی دوسری دلیل عربوں کا قول واجمجمی الشامیتیناہ ہے کہ یہاں پر مندوب کی صفت

کے آخر میں الف آیا ہے۔ خلیل کی طرف سے جو درحقیقت جمہور نحاۃ کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مندوب کے مضاف الیہ کے آخر میں الف کے لحوق سے یہ لازم نہیں آتا کہ مندوب کی صفت کے آخر میں الف کے لحوق کی گنجائش پیدا ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں بھلے معنی تغایر ہو لیکن لفظاً اتحاد تام پایا جاتا ہے اور موصوف و صفت کے درمیان اگرچہ معنی اتحاد تام ہوتا ہے لیکن لفظاً اتصال نہیں ہوتا جب کہ نحو یوں کا مقصود الفاظ کی بحث ہے نہ کہ معانی کی اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہ مقولہ واجمعی الشامیتیناہ شاذ ہے۔

ویجوز حرف النداء: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ منادی سے حرف ندا کو قرینہ کے پائے جانے کے وقت حذف کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ قرینہ حرف ندا کے حذف اور منادی کی حیثیت پر دال رہے گا۔ البتہ کچھ مقامات ہیں کہ جہاں سے حرف ندا کا حذف درست نہیں مثلاً منادی اسم جنس ہو تو حرف ندا کا حذف درست نہیں ہے، اس لیے کہ اسم جنس کا حرف تعریف حرف نداء ہی ہے جب اسے حذف کر دیں گے، تو پھر وہ اسم جنس منادی مفرد نکرہ کے ساتھ مشتبہ ہو جائے گا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حرف ندا لام تعریف کا قائم مقام ہے۔ تو اگر حرف ندا کو حذف کیا جاتا ہے تو اصل اور نائب دونوں کا حذف لازم آئے گا۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ علم کی طرح اسم جنس کا منادی ہونا شائع اور رائج نہیں ہے۔ لہذا اگر اسم جنس سے حرف ندا کو حذف کر دیں گے تو ذہن اسم جنس کے منادی ہونے کی طرف نہیں جائے گا۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ منادی اسم اشارہ نہ ہو، کیوں کہ وہ ابہام میں اسم جنس کے حکم میں ہے پس حرف ندا اسم جنس سے محذوف نہیں ہوتا تو پھر اسم اشارہ کے منادی ہونے کی صورت میں اس سے بھی حذف نہیں ہوگا۔ اور تیسرا اور چوتھا مقام یہ ہے کہ منادی مستغاث اور مندوب نہ ہو اس لیے کہ ان دونوں کے آخر میں مطلوب زیادتی اور کلام کی طولانی ہے اور حذف ان دونوں مقاصد کے منافی ہے۔

باقی معارف جن سے حرف ندا کا حذف درست ہے چار قسموں پر ہیں۔ پہلا علم ہے خواہ میم مشدودہ کے ابدال کے ساتھ ہو۔ جیسے اللہم یا بغیر اس کے ہو جیسے یوسف اعرض عن هذا۔ دوسری جگہ لفظ ای کہ جس کی صفت معرف بالام ہو جیسے یا ایہا الرجل یا اس ای کے صفت کی صفت معرف بالام ہو جیسے ایہذا الرجل۔ تیسری جگہ منادی مطلقاً مضاف الی المعرفة ہو جیسے ربنا اتنا۔ غلام زید افعل کذا اور چوتھی جگہ یہ ہے کہ منادی موصول ہو جیسے، مَنْ لا یزال مُحسِنًا اب جہاں تک ضمائر کی بات ہے تو ضمائر کا منادی واقع ہونا شاذ ہے جیسے یا انت وغیرہ۔

وافند مخنوق: یہاں سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال کا حاصل یہ ہے کہ اصبح لیل میں لیل اور وافند مخنوق میں مخنوق اور اطرق کرا میں کرا اسم جنس ہیں۔ اس

کے باوجود ان کے شروع میں حرف ندا کو حذف کر دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ کا سابق میں قاعدہ بیان کرنا کہ جب منادی اسم جنس ہو تو اس کے شروع سے حرف ندا کا حذف درست نہیں ہے غلط ہے۔ اور آپ کا قاعدہ صحیح نہیں ہے۔ تو مصنف نے جواب دیا کہ ہمارا قاعدہ اپنی جگہ پر مسلم اور درست ہے باقی مندرجہ بالا کلمات سے اسم جنس کے باوجود حرف ندا کا حذف ہو جانا یہ شاذ ہے اور شاذ کا اعتبار ہی کون ہوتا ہے۔

وقد يحذف المنادى: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ حرف ندا نہیں، بلکہ نفس منادی کو بھی قرینہ پائے جانے کے وقت حذف کیا جاسکتا ہے، جیسے الا یا اسجدوا میں منادی قوم کو حذف کر دیا گیا ہے یہاں پر قرینہ یہ ہے کہ حرف ندا کا دخول اسم پر ہوتا ہے اور یہاں فعل پر ہے۔ معلوم ہوا کہ منادی جو کہ اسم ہی ہو سکتا ہے مقدر ہے۔

یہ تب ہے جب الا کو بغیر تشدید کے پڑھا جائے ورنہ بصورت تشدید الا مذکورہ ضابطہ کی مثال میں اسے پیش کرنا درست نہ ہوگا بلکہ الا ان ناصبہ اور لائے نفی سے مرکب سمجھا جائے گا اور یسجدوا فعل مضارع جس کا نون اعرابی ناصب کی وجہ سے محذوف مانا جائے گا۔

الثالث ما اضمِرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرِيْطَةِ التَّفْسِيْرِ وَهُوَ كَلَّ اسْمٌ بَعْدَهُ فِعْلٌ اَوْ شِبْهُهُ مُشْتَغَلٌ عَنْهُ بِضَمِيْرِهِ اَوْ مُتَعَلِّقٌ لَوْ سُلِّطَ عَلَيْهِ هُوَ اَوْ مُنَاسِبَةٌ لِنَصْبِهِ مِثْلَ زَيْدًا ضَرْبَتُهُ وَزَيْدًا مَرْرَتُ بِهِ وَزَيْدًا ضَرْبَتْ غَلَامَهُ وَزَيْدًا حُبْسَتْ عَلَيْهِ يُنْصَبُ بِفِعْلِ مُضْمَرٍ يَفْسَرُهُ مَا بَعْدَهُ اِي ضَرْبَتْ وَجَاوَزَتْ وَاهْتَتْ وَلَا بَسَتْ .

ترجمہ: تیسرا مقام ما اضمِرَ عاملہ علی شریطۃ التفسیر ہے اور وہ ہر ایسا اسم ہے کہ اس کے بعد کوئی فعل یا شبہ فعل ہو جو اس اسم سے اس کی ضمیر یا متعلق کی وجہ سے اعراض کر رہا ہو، لیکن اگر وہ فعل (یا شبہ فعل) یا اس کا مناسب اسم پر مسلط کر دیا جائے تو وہ اس اسم کو نصب دیدے۔ زیدًا ضربتہ وزیدًا مررت بہ اور زیدًا ضربت غلامہ وزیدًا حبست علیہ جیسے کو نصب دیا جاتا ہے ایسے فعل مضمر کی وجہ سے کہ جس کی تفسیر اس کا مابعد کر رہا ہے۔ یعنی ضربت اور جاوزت اور اہنت اور لا بست۔

توضیح: تیسرا مقام جہاں مفعول بہ کے فعل کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے ما اضمِرَ عاملہ علی شریطۃ التفسیر ہے۔ آگے اس کی تعریف کر رہے ہیں کہ ما اضمِرَ عاملہ علی شریطۃ التفسیر ہر ایسا اسم ہے کہ جس کے بعد کوئی فعل یا شبہ فعل ہو۔ اور وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کی ضمیر یا اس اسم کے متعلق میں عمل کر لینے کی وجہ سے اس اسم میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہو، لیکن فعل یا شبہ فعل اس طرح ترکیب میں واقع ہوں کہ اگر ان کو اس اسم پر مسلط کر دیا جائے یعنی بجائے اس کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل دلانے کے خود اس مذکور کو معمول بنا دیا جائے اور فعل یا شبہ فعل کو اس کا عامل قرار دے دیا جائے تو وہ فعل یا شبہ فعل یا ان کا

مناسب فی الترادف یا فی اللزوم اسم مذکور کو بحیثیت مفعول بہ ہونے کے منصوب بنا دے اگر ایسا ہو تو مفعول بہ کے فعل کا حذف واجب ہے، تاکہ بے فائدہ مفسر اور مفسر کا اجتماع لازم نہ آئے۔

فائدہ: - آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسم مذکور کے بعد فعل یا شبہ فعل کے واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اس کلام کا جزء ترکیباً واقع ہوں جو کلام اسم ماضی عاملہ کے بعد واقع ہے۔ پس زیداً عمرو ضربہ وزیداً انت ضاربہ ماضی عاملہ کے باب سے ہی ہوئے بھلے زیداً کے بعد بجائے ضربہ کے عمر ہے جو کہ اسم محض ہے، اس لیے کہ ضربہ عمرو کا جز ہے پس گویا ضربہ، زیداً کے بعد ہی ہے۔ اسی طرح اسم مذکور میں فعل یا شبہ فعل کے عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹ صرف فعل یا شبہ فعل کا اسم مذکور کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کر لینا ہو اور کوئی دوسرا مانع عمل کرنے سے موجود نہ ہو، اگر اشتغال بالضمیر اور اشتغال بالمتعلق کے علاوہ اور کوئی مانع ہو تو وہ باب ماضی عاملہ سے نہیں مانا جائے گا۔ جیسے زیداً ضربتہ اس لیے کہ مثال مذکور میں ضربتہ کے عمل کی راہ میں رکاوٹ تھا اشتغال بالضمیر ہی نہیں ہے، بلکہ ابتداء بھی ہے، جو کہ عامل معنوی ہوتا ہے۔

اب اصل بحث کی طرف لوٹے اور مثالیں سماعت کیجیے جیسے زیداً ضربتہ اور زیداً مرت بہ اور زیداً ضربتہ غلامہ اور زیداً حبست علیہ۔

مصنف نے متعدد مثالیں مثل لہ کے تعدد کی وجہ سے دیا ہے دراصل یہاں چار باتیں ہیں (۱) فعل کا اشتغال ضمیر کے ساتھ اور فعل بعینہ ممکن التسلیط ہو جیسے کہ پہلی مثال سے ظاہر ہے۔ کہ اشتغال ضمیر کے ساتھ ہے اور ضربت کو بنفس نفیس مسلط کیا جاسکتا ہے۔ (۲) فعل کا اشتغال ہو تو ضمیر ہی کے ساتھ لیکن فعل بعینہ ممکن التسلیط نہ ہو بلکہ اس کا مناسب فی الترادف مسلط کیا جاسکتا ہو۔ جیسا کہ دوسری مثال میں ہے کہ زیداً مرت بہ میں اشتغال ضمیر کے ساتھ ہے لیکن مرت کو بعینہ مسلط نہیں کر سکتے، کیوں کہ اس کی تسلیط دو حال سے خالی نہیں کہ یا تو مرت کو حرف جار کے ساتھ زیداً پر مسلط کریں گے یا بغیر اس کے۔ پہلی صورت میں حرف جر کی وجہ سے اسم مذکور بجائے منصوب ہونے کے مجرور ہوگا، کیوں کہ حرف جر کا مدخول مجرور ہوتا ہے، حالاں کہ بصورت تسلیط فعل، نصب شرط ہے اور دوسری صورت میں مرت لازم ہونے کی وجہ سے مفعول سے بے نیاز ہوگا، لہذا اسم مذکور کو نصب نہ دے سکے گا، کیوں کہ مرت بغیر حرف جر کے متعدی نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ بعینہ مرت کا مسلط کرنا ممکن نہیں، لہذا اس کے مرادف جاوزت کو مسلط کریں گے جو نصب دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(۳) فعل کا اشتغال اسم ماضی عاملہ کے متعلق کے ساتھ ہو اور اس کا مناسب باللزوم مسلط ہوتا ہو۔ جیسے زیداً ضربت غلامہ مثال مذکور میں بعینہ ضربت فعل کو زیداً پر مسلط نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ مقصود

غلام کی مضروبیت کو بتانا ہے جب کہ فعل کو بعینہ مسلط کرنے کی صورت میں زید کا مضروب ہونا لازم آتا ہے، لہذا بجائے ضربت فعل کو مسلط کرنے اس کے لازم اہنت کو مسلط کریں گے، کیوں کہ زید کے غلام کا مضروب ہونا زید کی اہانت کو مستلزم ہے، اس لیے کہ غلام کے ضرب سے اس کے آقا کی توہین ضروری ہے۔ (۴) فعل کا اشتغال ضمیر کے ساتھ ہو لیکن بجائے فعل مذکور کی تسلیط کے اس کا مناسب باللازم مسلط ہوتا ہو، اس لیے حُبست فعل مجہول ہے، جسے یا تو بغیر علی حرف کے مسلط کریں گے یا علی کے ساتھ۔ صورت اول میں اسم مذکور بجائے منصوب ہونے کے مجرور ہو جائے گا، کیوں کہ وہ حرف جار کا مدخول ہوا جار ہا ہے اور صورت ثانی میں چون کہ وہ مجہول ہے، لہذا وہ بجائے نصب کے رفع دے گا، حالاں کہ نصب شرط ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حُبست ممکن التسلیط نہیں ہے، لہذا اس کے مناسب باللازم کو مسلط کر دیا اور وہ ہے لَابَسْتُ، حُبست کے لیے لَابَسْتُ اس لیے لازم ہے کہ شئی کا شئی پر جس، مجبوس علیہ کے ملا بس ہونے کو مستلزم ہے۔

وَيُخْتَارُ الرَّفْعُ بِالْإِبْتِدَاءِ عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةٍ خِلَافِهِ أَوْ عِنْدَ وُجُودِ أَقْوَى مِنْهَا كَمَا مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ وَإِذَا لِلْمُفَاجَاةِ وَيُخْتَارُ النَّصْبُ بِالْعَطْفِ عَلَى جُمْلَةٍ فَعَلِيَّةٍ لِلتَّنَاسُبِ وَبَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ وَالِاسْتِفْهَامِ وَإِذَا الشَّرْطِيَّةِ وَحَيْثُ وَفِي الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ إِذْ هِيَ مَوَاقِعُ الْفِعْلِ وَعِنْدَ خَوْفٍ لِبَسِ الْمُفَسِّرِ بِالصِّفَةِ مِثْلَ إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ .

ترجمہ: - اور رفع مختار ہوتا ہے ابتداء کی وجہ سے اس کے خلاف قرینہ نہ ہونے کے وقت یا اس سے زیادہ طاقتور قرینہ کے پائے جانے کے وقت جیسے اما غیر طلب اور اذا مفاجیہ کے ساتھ۔ اور نصب مختار ہوتا ہے عطف کی وجہ سے جملہ فعلیہ پر مناسبت کے لیے اور حرف نفی اور استفہام اور اذا شرطیہ اور حیث کے بعد اور امر ونہی میں اس لیے کہ یہ فعل کے مواقع ہیں اور صفت کے ساتھ مفسر کے اشتباہ کے خوف کے وقت جیسے انا کل شیء خلقناہ بقدر۔

توضیح: - معلوم ہو کہ وہ اسم جو ما اضمر عاملہ علی شریطة التفسیر کے موقع گمان میں واقع ہو وہ پانچ قسموں پر ہے۔ (۱) رفع مختار ہونے کے جواز کے ساتھ (۲) نصب مختار ہونے کے جواز کے ساتھ (۳) رفع متعین ہو (۴) نصب متعین ہو (۵) رفع اور نصب دونوں برابر ہوں۔

وَيُخْتَارُ فِيهِ الرَّفْعُ: سب سے پہلے مصنف ان مواقع کو بتاتے ہیں کہ جہاں رفع مختار ہوتا ہے تو رفع دو موقعوں سے مختار ہوتا ہے۔ پہلا موقع تو یہ ہے کہ نصب پڑھنے کا قرینہ مصححہ مرجحہ معدوم ہو اور رفع کا قرینہ مصححہ مرجحہ موجود ہو تو مبتدا ہونے کی بنیاد پر نصب کے جواز کے ساتھ رفع پڑھنا اولیٰ ہے۔ جیسے زید ضربتہ کہ زید کا عامل لفظی سے خالی ہونا رفع کا قرینہ مصححہ ہے اور ایسے لفظ کا موجود ہونا جو تفسیر کی صلاحیت

رکھتے ہو نصب کا قرینہ مصححہ ہے، لیکن نصب کے قرینہ کے لیے کوئی مرجح نہیں ہے، جب کہ رفع کے قرینہ مصححہ کے لیے مرجح، سلامتی عن الحذف موجود ہے، کیوں کہ رفع پڑھنے کی صورت میں فعل کو اسم مذکور سے پہلے مقدر ماننے کی کوئی ضرورت نہیں جب کہ نصب کی صورت میں فعل کی تقدیر ضروری ہے اور قاعدہ ہے کہ سلامتی عن الحذف حذف سے اولیٰ ہے۔

اور دوسرا موقع یہ ہے کہ رفع کا قرینہ مصححہ مرجح نصب کے قرینہ مصححہ مرجح سے طاقتور ہو اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اسم مذکور اما غیر طلب کے بعد یا اذا مفا جائیہ کے بعد واقع ہو جیسے لقیبت القوم اما زید فا کرمتہ اور خرجت فاذا زید یضربہ عمرو۔

پہلی مثال میں زید کا عامل لفظی سے خالی ہونا رفع کا قرینہ مصححہ اور مفسر کا وجود نصب کا قرینہ مصححہ ہے، اور اما کا اسم مذکور پر داخل ہونا رفع کا قرینہ مرجح ہے اور عطف علی الفعلیہ نصب کا قرینہ مرجح ہے۔ لیکن رفع کا قرینہ مرجح بمقابلہ نصب کے قرینہ مرجح کے طاقتور ہے، اس لیے کہ اما غیر طلب عموماً اسم پر ہی داخل ہوتا ہے اور یہ تبھی ہو سکتا ہے جب اسم مذکور کو مبتدا کی بنیاد پر مرفوع پڑھا جائے ورنہ جب اسم مذکور کو منصوب پڑھیں گے تو پھر اس سے پہلے فعل مقدر ماننا پڑے گا پس اما غیر طلب کا دخول بجائے اسم کے فعل پر ہو جائے گا، مزید مرفوع پڑھنے کی صورت میں سلامتی عن الحذف بھی ہے۔

اور دوسری مثال میں زید کا عامل لفظی سے خالی ہونا رفع کا قرینہ مصححہ اور مفسر کا پایا جانا نصب کا قرینہ مصححہ ہے اور اذا مفا جائیہ کا دخول رفع کا قرینہ مرجح ہے، جب کہ عطف علی الفعلیہ نصب کا قرینہ مرجح ہے، لیکن رفع کا قرینہ مرجح نصب کے قرینہ سے طاقتور ہے، اس لیے کہ اذا مفا جائیہ بیشتر اسم پر ہی داخل ہوتا ہے دوسرے رفع کی صورت میں سلامتی عن الحذف بھی ہے۔

ویختار النصب: اب دوسرے قسم کو بیان کر رہے ہیں کہ اسم مذکور کو اس وقت نصب پڑھنا رفع کے جواز کے ساتھ ساتھ اولیٰ ہوتا ہے۔ جب اس جملہ کا کہ جس میں اسم مذکور واقع ہے کا عطف جملہ فعلیہ پر ہو رہا ہو جیسے خرجت فزیدا لقیته نصب اس لیے مختار ہے تاکہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فعلیہ ہونے میں مناسبت کی رعایت ہو جائے ورنہ رفع کی صورت میں ایک فعلیہ اور دوسرا اسمیہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ پہلی صورت بہتر ہے۔

نیز اسم مذکور میں نصب اس وقت مختار ہوتا ہے جب اسم مذکور حرف نفی کے بعد واقع ہو جیسے ما زیدا ضربتہ استفہام کے بعد واقع ہو جیسے ازیدا ضربتہ یا اذا شرطیہ کے بعد واقع ہو جیسے اذا عبد اللہ تلقیہ فا کرمتہ یا حیث کے بعد واقع ہو جیسے حیث زیدا تجده فا کرمتہ یا امر اور نہی سے پہلے واقع ہو جیسے زیدا اضربہ اور اسامۃ لا تقتله۔ نصب ان مواقع میں اس لیے مختار ہوگا کہ یہ عموماً فعل کے مواقع ہوتے

ہیں، چنانچہ حرف نفی، حرف استفہام اور اذا شرطیہ اور حیث شرطیہ اکثر افعال پر داخل ہوتے ہیں اور جب ان حروف کے بعد فعل ملفوظ نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ وہ مقدر ہے اور امر و نہی کی صورت میں نصب اس لیے مختار ہوگا کہ اگر اسم مذکور مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو تو پھر امر و نہی کا اس کی خبر ہونا لازم آئے گا، حالاں کہ یہ دونوں انشاء کے قبیل سے ہیں اور انشاء بلا تاویل بعید کے خبر نہیں واقع ہوتا۔ پس رفع کی صورت تکلف سے خالی نہیں۔

و عند خوف لبس المفسر: نیز جب اسم مذکور پر رفع پڑھنے کی صورت میں صفت کے ساتھ مفسر کے اشتباہ کا خوف پیدا ہو جائے تو بھی نصب مختار ہوتا ہے۔ جیسے انا کل شیء خلقناہ بقدر۔ اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب سے کہ اگر اسمیں اسم مذکور فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہو تو اس سے معنی صحیح کا فائدہ حاصل ہو۔ اور اگر اسم مذکور مرفوع ہو مبتدا ہونے کی بنیاد پر تو اس میں دو احتمال ہوں ایک یہ کہ اسم مذکور مبتدا ہو اور مابعد اس کا پورا کا پورا خبر ہو اس تقدیر پر بھی معنی درست ہوں گے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسم مذکور مبتدا ہو اور اس کا مابعد قریب یعنی خلقناہ مبتدا کی صفت ہو اور اس کا مابعد بعید یعنی بقدر خبر ہو تو اس تقدیر پر معنی بگڑ جاتے ہیں اس لیے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو چیزیں ہم نے پیدا کیں ہیں وہ تو ٹھیک ہیں معلوم ہوا کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ خالق نہیں حالاں کہ کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ شانہ کی مخلوق نہ ہو پس یہاں نصب مختار ہے اس لیے کہ نصب کی جہت احتمال فساد سے خالی ہے جب کہ رفع کی بعض شق میں فساد معنی کا احتمال ہے اور کلام کو ایسے طریق پر محمول کرنا جو احتمال فساد سے مبرا ہو اولیٰ ہے بہ نسبت اس طریق پر محمول کرنے سے کہ جس میں فساد معنی کا دغدغہ ہو۔

ویستوی الامران فی مثل زید قام و عمراً کرمتہ۔

ترجمہ: - اور دونوں امر برابر ہیں زید قام و عمراً کرمتہ جیسے میں۔

توضیح: - یہاں سے مصنف ما اضمر عاملہ علی شریطة التفسیر کی تیسری قسم بیان کر رہے ہیں کہ ما اضمر عاملہ علی شریطة التفسیر میں رفع اور نصب دونوں برابر درجہ کے ہوں۔ نہ رفع کا پڑھنا نصب کے مقابلہ میں اولیٰ ہو اور نہ ہی اس کا عکس اولیٰ ہو بلکہ دونوں کی حیثیت برابر ہو۔

زید قام و عمراً کرمتہ جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ وہ جملہ جس میں اسم مذکور واقع ہے اس کا عطف ایسے جملہ پر ہو جو ذوق جہتین ہو یعنی وہ جملہ باعتبار مبتدا کے اسمیہ ہو اور باعتبار خبر کے فعلیہ ہو۔ چنانچہ مثال مذکور میں عمرو کرمتہ کا عطف زید قام پر ہے جو باعتبار مبتدا یعنی زید کے اسمیہ ہے اور باعتبار خبر یعنی قام کے فعلیہ ہے پس عطف علی الکبریٰ یعنی زید قام کا مجموعہ رفع کا تقاضہ کرتا ہے کیوں کہ قام جو کہ معطف علیہ ہے فعلیہ ہے پس اسم مذکور پر نصب پڑھنے کی صورت میں وہ جملہ جس میں اسم مذکور واقع ہے

فعلیہ ہو جائے گا۔ پس دونوں میں جملوں فعلیہ ہونے کی مناسبت پیدا ہو جائے گی۔ اب معاملہ یہ ہے کہ عطف الکبریٰ اور عطف الصغریٰ میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں ہے، لہذا ان کے مقتضاء یعنی رفع اور نصب میں سے کسی کو دوسرے کے مقابلہ اولیٰ اور بہتر نہیں کہا جاسکتا، لہذا دونوں کا حکم برابر ہے۔

و یجب النصبُ بعد حرفِ الشرطِ وحرفِ التحضیضِ مثل ان زیدا ضربتہ ضربتک والّا زیدا ضربتہ و لیس ازیدٌ ذہبٌ بہ منہ فالرفعُ و كذلك کُلُّ شئیءٍ فَعَلُوهُ فِی الزُّبْرِ وَنَحْوِ الزَّانِیَةِ وَالزَّانِیِ فَاجْلِدُوا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ الْفَاءُ بِمَعْنَى الشَّرْطِ عِنْدَ الْمَبْرَدِ وَجُمْلَتَانِ عِنْدَ سِبْوِیَةِ وَالْا فَالْمُخْتَارُ النَّصْبُ.

ترجمہ: - اور نصب واجب ہوتا ہے حرف شرط اور حرف تحضیض کے بعد جیسے ان زیدا ضربتہ ضربتک اور الا زیدا ضربتہ۔ اور ازید ذہب بہ اس سے نہیں ہے پس رفع لازم ہے اور ایسے ہی کل شئی فعلوہ فی الزبر اور الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائة جلدۃ فاء اس میں شرط کے معنی میں مبرد کے نزدیک ہے اور دو جملہ ہیں سیبویہ کے نزدیک ورنہ پس مختار نصب ہے۔

و یجب النصب: اب ما اضمرع عاملہ کا چوتھا حکم بیان کر رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ما اضمرع عاملہ جب حرف شرط یا حرف تحضیض کے بعد واقع ہو تو اس میں نصب واجب ہے رفع کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ حرف شرط اور حرف تحضیض وجوباً فعل پر داخل ہوتے ہیں اور یہاں فعل لفظوں میں نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ وہ مقدر ہے جیسے ان زیدا ضربتہ ضربتک اور الا زیدا ضربتہ۔

ولیس مثل ازید ذہب بہ منہ: یہاں سے مصنف ما اضمرع عاملہ علی شریطۃ التفسیر کا آخری اور پانچواں حکم بتا رہے ہیں اور وہ ہے رفع کا وجوب جو بصورت سوال و جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے ما قبل میں بتایا کہ اگر اسم مذکور حرف استفہام کے بعد واقع ہو تو اس میں رفع کے جواز کے ساتھ نصب اولیٰ ہوتا ہے تو آپ کا یہ قاعدہ مثال مذکور ازید ذہب بہ سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ زید یہاں حرف استفہام ہمزہ کے بعد واقع ہے، اس کے باوجود بجائے نصب کے اولیٰ ہونے وجوباً مرفوع ہے پس معلوم ہوا کہ آپ کا قاعدہ سابق درست نہیں، اس کا جواب مصنف نے دیا کہ ہمارا قاعدہ اپنی جگہ پر مسلم ہے، رہی بات مثال مذکور کی تو یہ باب ما اضمرع عاملہ سے ہے ہی نہیں اس لیے کہ ما اضمرع عاملہ میں شرط ہے کہ وہ فعل جو اسم مذکور کے بعد واقع ہو وہ خود یا اس کا مناسب اس اسم پر مسلط ہو سکتا ہو اور یہاں ایسی کوئی صورت نہیں اس لیے کہ ذہب فعل لازم ہے جو اسم مذکور میں بناء علی المفعول بہ نصب کا عمل نہیں کر سکتا۔ رہی بات اس کے مناسب اذہب کی تو یہ بھی ممکن التسلیط نہیں ہے، اس لیے کہ اذہب فعل مجہول ہے جو بجائے نصب

کے مفعول بہ کو رفع دے گا جو باب ما اضممر عاملہ کی شرط کے خلاف ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ مثال مذکور میں نہ تو خود فعل اور نہ ہی اس کا مناسب اسم مذکور پر مسلط ہو سکتا ہے، لہذا یہ باب ما اضممر عاملہ سے ہوا ہی نہیں پس نصب کے مختار ہونے نہ ہونے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں، البتہ مبتدا ہونے کی وجہ سے وہ مرفوع ہوگا۔

و مثل قوله تعالى و كل شيء فعلوه في الزبر: اس عبارت کا تعلق بھی پانچویں حکم سے ہے اور سابق کی طرح یہ بھی بصورت سوال و جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے ما قبل میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جب رفع اور نصب دونوں کا قرینہ صحیح موجود ہو، لیکن قرینہ صحیح رفع کا نصب کے قرینہ صحیح سے طاقتور ہو تو بھلے رفع مختار ہوتا ہو، لیکن نصب پڑھنا پھر بھی جائز ہوتا ہے، لیکن آپ کا یہ قاعدہ کل شيء فعلوه في الزبر سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ مثال مذکور قاعدہ مذکور کے قبل سے ہے لیکن اس کے باوجود رفع واجب اور نصب کی کوئی گنجائش نہیں پس معلوم ہوا کہ آپ کا قاعدہ سابق درست نہیں؟ تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ اعتراض تب ہوگا جب یہ مثال باب ما اضممر عاملہ سے ہو یہاں مسئلہ یہ ہے کہ یہ مثال باب ما اضممر عاملہ سے ہے ہی نہیں اس لیے کہ باب مذکور کی مشہور شرط فعل یا اس کے مناسب کا ممکن التسلیط ہونا ہے جو یہاں فوت ہے، اس لیے کہ اگر فعل کو مسلط کیا تو تقدیر عبارت ہوگی فعلو کل شيء فعلو الزبر جو فساد معنی کو مستلزم ہے، اس لیے کہ بریں صورت مطلب ہوگا کہ لوگوں نے تمام اعمال نامہ اعمال میں کیا، حالاں کہ نامہ اعمال بندوں کے افعال کا محل نہیں ہے، بلکہ کراما کا تبین کے فعل کا محل ہے۔

نحو الزانية و الزانى: یہ عبارت بھی پانچویں حکم کے متعلق ہے اور سابق کی طرح سوال اور جواب کی صورت میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے سابق میں بیان کیا کہ اگر اسم مذکور کے بعد امر ہو تو نصب مختار ہوتا ہے تو آپ کا یہ قاعدہ مسلم نہیں، اس لیے کہ مثال مذکور میں اسم مذکور کے بعد امر واقع ہے اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ نصب مختار نہیں ہے، بلکہ نصب کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ رفع باتفاق قرأ سبعة متعین ہے۔ تو اس کا مصنف نے دو طرح کا جواب دیا۔ پہلے کا تعلق مبرد سے ہے اور دوسرے کا تعلق سیبویہ سے ہے۔ مبرد کا کہنا ہے کہ فاء شرط کے معنی میں ہے یعنی شرط کے معنی کے ساتھ مربوط کرنے والی ہے، کیوں کہ الزانية و الزانى کا لام موصولہ ہے جو الذی کے معنی میں ہے اور زانية و زانى صلہ ہیں اور وہ مبتدا جو موصول ہو اور اس کا صلہ فعل ہو تو وہ شرط کے معنی کو شامل ہوتا ہے، لہذا الزانية و الزانى الف لام کے موصول اور اسم فاعل کے فعل کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مذکورہ بالا شرط پر پورا اترتے ہیں، لہذا یہ شرط کے معنی کو شامل ہوئے پس فاجلدوا کی فاء جزائیہ ہوئی اور فاجزائیہ اپنے ما بعد کو اپنے ما قبل میں عمل کرنے سے باز رکھتی ہے، لہذا فاجلدوا کو الزانية و الزانى پر مسلط نہیں کیا جاسکتا پس ما اضممر عاملہ کی تسلیط کی شرط فوت ہوگی، لہذا یہ مثال باب ما اضممر عاملہ سے ہوئی ہی نہیں کہ اعتراض کیا جائے۔

اور سیبویہ کے جواب کا بھی یہی حاصل ہے کہ آیت مذکورہ باب ما اضمر عاملہ سے ہے ہی نہیں، کیوں کہ فعل فاجلدوا کی الزانیۃ و الزانی پر تسلیط بنیادی شرط ہے وہ پائی ہی نہیں جاتی اس لیے کہ یہ آیت دو مستقل جملہ ہے، ایک جملہ الزانیۃ و الزانی جو مضاف کی تقدیر کے ساتھ یوں ہے حکم الزانیۃ و الزانی فیما سیتلی علیکم۔ اور فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة۔ دوسرا جملہ ہے جسے حکم موعود کے بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ ایک جملہ کا جزء دوسرے جملہ کے جزء میں عمل نہیں کرتا پس فعل ممکن التسلیط نہ ہوا، لہذا یہ شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے باب ما اضمر عاملہ سے بھی نہ ہوا۔ اور اگر فاء کو شرط کے معنی میں نہ لیا جائے جیسا کہ مبرد کا خیال ہے یہ آیت دو جملے نہ تسلیم کی جائے جیسا سیبویہ کا خیال ہے تو نصب ہی حسب قاعدہ مختار ہوگا، لیکن نصب کا مختار ہونا باتفاق قراء باطل ہے پس یا توفاء شرط کے معنی میں ہے اور یا آیت دو مستقل جملہ ہے۔

الرابع التحذیر وهو معمول بقتدیر اتق تحذیراً مما بعدہ او ذکر المحذر منه مکرراً مثل ایاک والاسد و ایاک وان تحذف والطریق الطریق وتقول ایاک من الاسد ومن ان تحذف و ایاک ان تحذف بتقدیر من ولا تقول ایاک الاسد لامتناع تقدیر من۔

ترجمہ: - چوتھے تحذیر ہے اور وہ معمول ہے اتق کے تقدیر کے ساتھ ڈرانے کے لیے اس کے مابعد سے یا ذکر کیا جائے محذر منہ مکرر جیسے ایاک الاسد اور ایاک وان تحذف اور الطریق الطریق اور تم کہو ایاک من الاسد ومن ان تحذف اور ایاک ان تحذف من کی تقدیر کے ساتھ اور نہ کہو گے ایاک الاسد من کی تقدیر کے ممتنع ہونے کی وجہ سے۔

توضیح: - یہ چوتھا مقام ہے جہاں مفعول بہ کے فعل کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے اور یہ وجوب فرصت نہ ہونے اور وقت کی تنگی کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے۔ اس چوتھی قسم کا نام تحذیر ہے تسمیۃ المفعول باسم المصدر کے طور پر یعنی جو نام مصدر کا تھا وہ مفعول یعنی محذر اور محذر منہ کا رکھ دیا گیا۔

تحذیر لغت میں ایک چیز کو دوسری چیز سے ڈرانے اور ایک کو دوسرے سے دور رکھنے کا نام ہے۔ اور اصطلاح میں تحذیر ایسے معمول یعنی ہر ایسے اسم کو کہتے ہیں جس میں نصب کا عمل مفعول بہ ہونے کی بنیاد پر اتق یا بعد کی تقدیر کی وجہ سے ہو مفعول بہ کو اس کے مابعد سے ڈرانے کے واسطے یا تحذیر اتق یا بعد کی تقدیر کی وجہ سے ایسے معمول محذر منہ کو کہتے ہیں جسے مکرر ذکر کیا گیا ہو۔

پس حاصل تعریف کا یہ نکلا کہ تحذیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محذر اور دوسرے محذر منہ۔ پس اگر تحذیر محذر ہو تو اس کے بعد محذر منہ کا ذکر کرنا ضروری ہے، تاکہ مخاطب کو بیدار اور ہوشیار کیا جاسکے اور اگر تحذیر محذر

منہ ہو تو اس کا مکرر ذکر کرنا برائے تاکید ضروری ہے۔

اب سنو اگر تخذیر محذر ہو تو محذر منہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ اسم صریحی ہو گا یا اسم تاویلی اگر وہ اسم صریحی ہے تو اس کا استعمال دو طرح ہوتا ہے واؤ اور من لفظی کے ساتھ پہلے کی مثال جیسے ایاک و الاسد اور دوسرے کی مثال ایاک من الاسد۔ پہلے کی مثال مصنف نے پہلے نمبر پر ذکر کیا ہے اور دوسرے کی مثال چوتھے نمبر پر بیان کیا ہے۔ اور اگر محذر منہ اسم تاویلی نہ ہو تو اس کا ذکر تین طرح ہوتا ہے واؤ لفظی اور من لفظی اور من تقدیری کے ساتھ۔ پہلے کی مثال جیسے ایاک و ان تحذف اور دوسرے کی مثال ایاک من ان تحذف اور تیسرے کی مثال ایاک ان تحذف۔ تیسرے طریقہ استعمال میں من بجائے لفظی ہونے کے تقدیری اس لیے ہو گا کہ من حروف جارہ میں سے ہے اور حرف جارہ کا حذف ان اور ان کے ساتھ قیاسی ہے، کیوں کہ ان موصول حرفی ہے اور اس کا مابعد صلہ ہے اور صورت، جملہ کی صورت ہے جو مفرد کے معنی ادا کرتا ہے پس اس سے من کے حذف کو تخفیفاً روارکھا گیا۔

لہذا اگر محذر منہ اسم صریحی ہو تو وہاں من کی تقدیر درست نہ ہوگی، کیوں کہ من کا حذف ان اور ان کے علاوہ کے ساتھ شاذ ہے۔ اسی لیے مصنف نے کہا کہ ایاک الاسد مت کہو، کیوں کہ من کی تقدیر تفصیل سابق کی وجہ سے ناممکن ہے۔ پہلے کی مثال مصنف نے دوسرے نمبر پر اور دوسرے اور تیسرے طریقہ استعمال کی مثال پانچویں اور چھٹے نمبر پر ذکر کی ہے۔ اور اگر تخذیر محذر منہ ہو تو اس کو مکرر ذکر کیا جائے گا اس کی مثال مصنف نے تیسرے نمبر پر بیان کی ہے۔ انہی وجہوں سے مصنف نے متعدد مثالیں ذکر کی ہیں، کیوں کہ تفصیل مذکورہ کی روشنی میں متعدد مثل لہ کا ہونا ظاہر ہو گیا۔

ایک بات اور سمجھ لیجیے کہ تخذیر کی پہلی قسم کے تمام اور نوع ثانی کے بعض افراد میں بعذ کو مقدر مانا جائے گا جیسے نفسک اور نوع ثانی کے بعض افراد میں اتق مقدر مانا جائے گا جیسے الطريق الطريق۔

فائدہ:- جب آپ نے نفس مسئلہ سمجھ لیا تو اب عبارت کی لفظی تحلیل کا فریضہ بھی ادا کر لیجیے۔ کہ تخذیر کا نصب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہوگا تو فعل حذر مقدر مانا جائے گا۔ یا اس کا نصب مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ہوگا تو ذکر فعل مقدر مانا جائے گا۔

او ذکر المحذر منہ کا عطف بجائے معمول پر حذر یا ذکر مقدر پر ہے اور معطوف علیہ میں ضمیر ہونے کے باوجود معطوف میں اس ضمیر کی جگہ اسم ظاہریہ بتانے کے لیے آئے ہیں کہ معمول سے مراد محذر منہ ہے محذر نہیں۔

ایک بات اور سمجھ لیں کہ ایاک و الاسد اصل میں اتقک و الاسد تھا، چوں کہ قاعدہ ہے کہ جب فاعل اور مفعول کی ضمیروں کا مصداق ایک ہی چیز ہو جائے تو مفعول کی ضمیر کا افعالِ قلوب کے علاوہ میں نفس

سے بدلنا واجب ہو جاتا ہے، لہذا وہ اتق نفسک و الاسد ہو گیا۔ پس جب مقام کی تنگی کی وجہ سے اتق کو حذف کیا تو نفس کو بھی حذف کر دیا گیا، کیوں کہ اب فاعل اور مفعول کی ضمیروں کے اجتماع کی ضرورت بھی ختم ہو گئی یعنی ضمیر مفعول کو نفس سے بدلنے کا جو باعث تھا وہ اب باقی نہیں رہا، لہذا نفس کی بھی کوئی ضرورت نہ رہی، پس ضمیر متصل کو منفصل سے بدل دیا کیوں کہ جب وہی نہ رہا کہ جس سے ضمیر متصل، متصل ہوا کرتی تھی تو ضمیر متصل کا وجود کیوں کر باقی رہ سکتا ہے۔ اور الاسد، ایاک پر معطوف ہے۔ مطلب ہے اتق نفسک ان تتعرض لك الاسد و اتق الاسد ان تهلك.

المفعول فيه هو ما فعل فيه فعل مذکور من زمان او مکان و شرط نصبه تقدير في وظروف الزمان كلها تقبل ذلك وظروف المكان ان كان مبهما قبل ذلك والّا فلا وفسر المبهم بالجهات الست وحمل عليه عند ولدى وشبههما لا بهامهما ولفظ مكان لكثيره وما بعد دخلت على الأصح وينصب بعامل مضمير وعلى شريطة التفسير .

ترجمہ: - مفعول فيه وہ اسم زمان یا اسم مکان ہے جس میں فعل مذکور کیا گیا ہو اور اس کے منصوب ہونے کی شرط فی کی تقدیر ہے۔ اور ظروف زمان سب کے سب اس کو قبول کرتے ہیں اور ظروف مکان اگر مبہم ہوں تو فی کی تقدیر قبول کرتے ہیں ورنہ نہیں اور مبہم کی جہات ستہ کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے اور محمول ہے اس پر عند اور لدی اور ان دونوں کے مشابہ ان دونوں کے مبہم ہونے کی وجہ سے اور لفظ مکان محمول ہے اس پر اس کے کثرت استعمال کی وجہ سے اور دخلت کا ما بعد اصح ترین قول پر (اسی پر محمول ہے) اور مفعول فيه منصوب ہوتا ہے عامل مضمیر کی وجہ سے اور تفسیر کی شرط پر۔

توضیح: - اب مفعول فيه کی تعریف بیان کر رہے ہیں مفعول فيه ایسے ظرف زمان یا مکان کو کہتے ہیں جس میں فعل مذکور کیا گیا ہو۔ فعل مذکور عام ہے خواہ مطابقت ہو یا تضمناً اور خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً اور خواہ فعل ہی ہو یا شبہ فعل۔ ایک بات اور ملحوظ خاطر رہے کہ فعل مذکور سے مراد فعل لغوی ہے یعنی مصدر۔ فعل اصطلاحی مراد نہیں ہے۔ اب ایک سوال اور اس کا جواب سمجھ لیجئے۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے، کیوں کہ اس میں مفعول بہ (شہدت یوم الجمعة جیسی مثال میں) داخل ہوا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ یوم الجمعة ایسا اسم ہے جس میں فعل مذکور یعنی شہود کیا گیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حیثیت کی قید تعریف میں ملحوظ ہے اور وہ یہ کہ مفعول فيه ایسا اسم ہے کہ جس میں فعل مذکور اس حیثیت سے کیا گیا ہو کہ وہ اسمیں کیا گیا ہے اس اعتبار سے نہ کیا گیا ہو کہ وہ اس پر واقع ہے اور یوم الجمعة کا ذکر کیا جانا اس اعتبار سے

ہے کہ شہود اس پر واقع ہے اس حیثیت سے نہیں ہے کہ شہود اس میں کیا گیا ہے، لہذا یہ مفعول فیہ نہیں ہو اور تعریف کا دخول غیر سے مانع نہ ہونے کا اعتراض ختم ہو گیا۔

من زمان او مکان: اس سے مصنف مفعول فیہ کی دونوں قسموں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں مبہم اور محدود۔ مبہم کہتے ہیں ایسے ظرف کو جس کی کوئی حد نہ ہو۔ اور محدود کہتے ہیں کہ جس کی کوئی حد ہو۔

مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ فی مقدر ہوگا اس لیے کہ اگر فی لفظوں میں ہو تو پھر مفعول فیہ بجائے منصوب ہونے کے مجرور ہوگا۔ اس سے ایک بات اور معلوم ہوئی کہ مصنف کے نزدیک مفعول فیہ کا منصوب ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ بشكل مجرور بھی مفعول فیہ پایا جاسکتا ہے، البتہ جمہور نحاۃ کا خیال یہ ہے کہ مفعول فیہ وہی ہوگا جو فی کے مقدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ ورنہ وہ بجائے مفعول فیہ ہونے کے مفعول بہ ہوگا۔

ظروف الزمان: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ ظروف زمان خواہ مبہم ہوں یا محدود سب کے سب فی کی تقدیر کو قبول کرتے ہیں اور منصوب ہوتے ہیں۔ ظروف زمان مبہم تو اس لیے فی کی تقدیر کو قبول کرتے ہیں کہ زمان مبہم فعل کے مفہوم کا جزء ہوتا ہے جیسے کہ مفعول مطلق فعل کے مفہوم کا جزء ہوتا ہے، لہذا یہ مفعول مطلق کے مشابہ ہو گیا اور مفعول مطلق کا بالذات فعل سے تعلق ہوتا ہے پس اسی طرح زمان مبہم بھی فعل سے بالذات بغیر فی کے واسطے کے متعلق ہوگا۔ اب رہی بات زمان محدود کی تو وہ زمان مبہم پر محمول ہے، کیوں کہ دونوں (ذات) یعنی زمان ہونے میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔

اور ظرف مکان مبہم اس لیے فی کی تقدیر کے ساتھ ہوگا، کیوں کہ وہ زمان مبہم پر محمول ہے زمان مبہم اور مکان مبہم دونوں کے وصف یعنی ابہام میں شریک ہونے کی وجہ سے البتہ مکان محدود فی لفظی کے ساتھ ہوگا، کیوں کہ وہ زمان مبہم کا نہ ذات میں شریک ہے اور نہ وصف میں۔

و فسر المبہم: بتا رہے ہیں کہ مکان مبہم سے مراد جہات ستہ ہیں، خلف، قدم، تحت، فوق، یمین، وشمال۔

و حمل علیہ عند ولدای: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آپ نے اوپر بتایا کہ مکان مبہم تو فی کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے، البتہ مکان محدود تو وہ چوں کہ زمان مبہم کے ساتھ نہ ذاتا اور نہ ہی صفۃ کوئی اشتراک رکھتا ہے، لہذا وہ فی کے لفظ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگا تو آپ کا یہ قاعدہ لفظ مکان سے ٹوٹ گیا، اس لیے کہ وہ مکان محدود ہے پھر بھی وہ فی کی تقدیر کے ساتھ ہے۔

تو مصنف نے جواب دیا کہ جہات ستہ پر لفظ مکان بھی محمول ہے اور چونکہ جہات ستہ فی کی تقدیر کے

ساتھ استعمال ہوتے ہیں لہذا جب لفظ مکان کثرت استعمال کی وجہ سے جہات ستہ کے مشابہ ہو گیا تو وہ بھی ن کی تقدیر کے ساتھ استعمال ہوگا بھلے وہ مکان محدود ہے۔

وما بعد دخلت علی الاصح: یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ دخلت کا مابعد مثلاً دخلت الدار مکان محدود ہے اس کے باوجود فی مقدر ہے تو مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ دخلت کا مابعد دخلت کے کثرت استعمال کی وجہ سے مبہم ہونے میں جہات ستہ کی طرح ہے اور چونکہ جہات ستہ میں فی مقدر ہوتا ہے، لہذا مذہب اصح کے مطابق دخلت کے مابعد میں فی مقدر ہوگا۔ مذہب غیر اصح یہ ہے کہ دخلت کا مابعد فی لفظی کے ساتھ مجرور ہو کر استعمال ہوگا، کیونکہ مابعد دخلت مفعول فیہ نہیں ہے، البتہ مفعول بہ ہے، لیکن مذہب اصح یہ ہے کہ مابعد دخلت مفعول فیہ ہے اور اصل میں فی کا ذکر ہے لیکن اسے کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔

وینصب بعامل مضر: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ مفعول فیہ عامل پوشیدہ کی وجہ سے کبھی جوازاً بغیر تفسیر کی شرط کے منصوب ہوتا ہے جیسے یوم الجمعة اس شخص کے جواب میں جس نے پوچھا متی سرت آپ کب چلے تو دیکھئے یوم الجمعة منصوب ہے عامل پوشیدہ سرت کی وجہ سے اور اس کی تفسیر کرنے والا کوئی دوسرا فعل موجود نہیں ہے۔

نیز کبھی کبھی مفعول فیہ تفسیر کی شرط پر عامل پوشیدہ کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اور اس کی بھی مفعول بہ کی قسم ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کی طرح پانچ قسمیں ہیں انہی مواقع کی تفصیل کے ساتھ جو مفعول بہ کی بحث میں مذکور ہو چکے ہیں یہاں صرف نمونہ کے طور پر مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

پہلی قسم رفع کا مختار ہونا نصب کے جواز کے ساتھ۔ جیسے یوم الجمعة سرت فیہ اور دوسری قسم نصب کا مختار ہونا رفع کے جواز کے ساتھ جیسے یوم الجمعة صم فیہ۔ اور حیث یوم الجمعة سافرت فیہ اور تیسری قسم دونوں کا برابر ہونا جیسے یوم الجمعة سار فیہ عبد اللہ ویوم الخمیس سار فیہ اور چوتھی قسم نصب کا واجب ہونا جیسے ان یوم الجمعة سرت فیہ اور پانچویں قسم رفع کا واجب ہونا جیسے ہکذا یوم الجمعة صمت فیہ۔

المفعول له هو ما فعل لاجله فعل مذکور مثل ضربته تاديباً وقعدت عن الحرب
جُبْنَا خَلْفًا لِلزَّجَّاجِ فَانَهُ عِنْدَهُ مَصْدَرٌ وَشَرَطُ نَصْبِهِ تَقْدِيرُ اللّامِ وَانْمَا يُجُوزُ حَذْفُهَا
اِذَا كَانَ فِعْلًا لِفَاعِلِ الْفِعْلِ الْمُعَلَّلِ بِهِ وَمُقَارِنًا لَهُ فِي الْوُجُودِ .

ترجمہ: مفعول لہ وہ اسم ہے کہ جس کی وجہ سے فعل مذکور کیا گیا ہو جیسے ضربته تاديباً اور قعدت عن الحرب جُبْنَا اختلاف کرتے ہوئے زجاج سے، کیوں کہ مفعول لہ ان کے نزدیک مصدر ہے

اور اس کے نصب کی شرط لام کی تقدیر ہے اور بلاشبہ لام کا حذف جائز ہے جب وہ فعل ہو اس فعل کے فاعل کا کہ جس کی علت اس کے ذریعہ بیان کی گئی ہے اور وہ فعل مذکور کو مقارن ہو وجود میں۔

توضیح: - مفعول لہ وہ اسم ہے کہ جس کی وجہ سے یعنی جس کے حصول کے ارادے یا جس کے وجود کے سبب فعل مذکور کیا گیا ہو۔ فعل مذکور عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً، لہذا اعتراض اس مفعول لہ سے نہیں وارد کیا جاسکتا کہ جس کا فعل مقدر ہو جیسے تأدیباً اس شخص کے جواب میں جس نے کہا لما ضربت زیداً۔ مصنف کے قول مذکور سے احتراز ہو گیا اعجبنی التأدیب میں التأدیب سے کیوں کہ اس کا فعل مذکور نہیں ہے مفعول لہ کے ساتھ فعل کے مذکور ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ فعل اسی ترکیب میں مفعول لہ میں اثر پیدا کرنے کے لیے مذکور ہوا ہو جس ترکیب میں مفعول لہ واقع ہے۔

چونکہ مفعول لہ کی دو قسمیں ہیں ایک علت غائی اور ایک علت مؤثرہ اس لیے مصنف نے دو مثالیں دی ہیں ضربتہ تأدیباً پہلی قسم کی مثال ہے اور قعدت عن الحرب جبناً دوسری قسم کی مثال ہے۔

خلافاً للزجاج: خلافاً ترکیب میں مفعول مطلق واقع ہے، اس سے پہلے یخالف فعل مقدر ہے۔ جمہور کی رائے کے برعکس مفعول لہ کے بارے میں زجاج کا کہنا ہے کہ وہ مفعول مطلق ہے، کیونکہ مفعول لہ ان کے نزدیک مستقل معمول نہیں ہے، بلکہ وہ مفعول مطلق میں داخل ہے، لہذا مذکورہ مثالوں میں تأدیباً اور جبناً بجائے مفعول لہ مفعول مطلق ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے ادبتہ بالضرب تأدیباً وجنت فی القعود عن الحرب جبناً یا ضربتہ ضرباً تأدیب اور قعدت عن الحرب قعوداً جبناً ہے۔

لیکن جمہور نحاۃ زجاج کی بات سے اتفاق نہیں کرتے ان کا کہنا ہے کہ ایک نوع کی تاویل کا صحیح ہونا دوسری نوع کے ساتھ شئی کو اس کی حقیقت سے خارج نہیں کرتا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حال کی تاویل ظرف کے ساتھ درست ہے باوجود اس کے وہ حقیقتاً حال ہی ہے، ظرف نہیں ہو جاتا، لہذا مفعول لہ، مفعول مطلق کی تاویل میں اگر ہو بھی جائے تو وہ مفعول لہ ہی رہے گا مفعول مطلق نہیں ہو جائے گا۔

و شرط نصبہ تقدیر اللام: یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط لام کا مقدر ہونا ہے، کیوں کہ اگر لام ملفوظ ہو تو مفعول لہ مجرور ہو جائے گا اور حرف جر کے ساتھ اس کا نصب ناممکن ہو جائے گا اور جب لام کی تقدیر کے ساتھ وہ منصوب نہ ہوگا تو پھر اس سے وہ علت مفہوم نہ ہو سکے گی جو کہ مفعول لہ کی شرط ہے۔

یہاں پر ایک سوال ہے کہ جس طرح لام تعلیل کے لیے ہوتا ہے اسی طرح ”من“، ”باء“ اور ”فی“ بھی تعلیل کے لیے ہوتے ہیں تو بطور خاص مفعول لہ میں لام کی تقدیر کو ہی کیوں ذکر کیا، ”من“ کی مثال جیسے لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لرأیته خاشعاً متصدعاً من خشية الله. اور ”باء“ کی مثال جیسے

فَبُظِّلِمَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ. اور فی کی مثال جیسے نبی صلی اللہ علیہ کا ارشاد ان امرأۃ دخلت النار فی ہرۃ.

تو جواب یہ ہے کہ لام کو بطور خاص اس لیے ذکر کیا کہ لام کا استعمال عامۃً افعال کی تعلیلات میں ہوتا ہے۔ جب کہ ”من“ ”باء“ اور ”فی“ کی تقدیر اکثر اسماء کی تعلیلات میں ہوتی ہے۔ لہذا مفعول لہ میں ان سب کو مقدر نہیں مانا گیا۔

ویجوز حذفها: اب بتا رہے ہیں کہ لام کا حذف کب ہوگا تو اس کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ مفعول لہ مصدر ہو عین یعنی ذات نہ ہو، لہذا جئتک للسمن سے حذف لام درست نہ ہوگا اور دوسری شرط یہ ہے کہ مفعول لہ فعل معلل بہ کے فاعل کا فعل ہو بالفاظ دیگر فاعل عامل کا فاعل اور مفعول لہ کا فاعل ایک ہو، لہذا جئتک لمجینک ایای سے لام کا حذف درست نہ ہوگا، کیوں کہ فعل عامل کا فاعل متکلم اور مفعول لہ کا فاعل مخاطب ہے، پس مفعول لہ اور اس کے عامل دونوں کا فاعل متحد ہونے کے بجائے الگ الگ ہو گئے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ مفعول لہ اور فعل عامل کا وجود اُزمانہ ایک ہو یا کم از کم ایک کا زمانہ دوسرے کے زمانہ کا جزء ہو، لہذا اکرمتک الیوم لوعدی بذالک امس اس سے لام کا حذف درست نہ ہوگا، کیوں کہ فعل عامل اور مفعول لہ کا زمانہ ایک نہیں ہے یہ شرائط حذف لام کے لیے اس لیے ضروری ہیں کہ ان شرائط کے وجود کے وقت مفعول لہ، مفعول مطلق کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور چوں کہ مفعول لہ سے فعل بالذات ملتا ہے، لہذا مفعول لہ سے بھی براہ راست مل سکے گا۔

فائدہ: - فائدہ کے طور پر ایک بات سمجھ لیجیے کہ مصنف نے بجائے ویجوز کے ویجوز حذفها فرمایا تقدیر اللام کی طرف ضمیر کے لوٹانے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ حذفها کا اضافہ فرمایا، اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ دونوں لفظوں کا اصطلاحاً ایک مفہوم میں استعمال رائج ہے۔ دوسری وجہ ایک اور جو زیادہ دل لگی معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ تقدیر کہتے ہیں لفظ سے ساقط کر دینا اور نیت میں باقی رکھنا اور حذف مطلق اسقاط کو کہتے ہیں کہ خواہ ابقاء فی النیۃ کے ساتھ ہو یا نہ ہو، تو اب اگر صرف ضمیر کے لوٹانے پر اکتفاء کر لیتے تو کسی کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ اسقاط عن اللفظ اور ابقاء فی النیۃ دونوں کے لیے مذکورہ بالا شرائط درکار ہیں جب کہ ایسا نہیں ہے بلکہ بقائے لام تو اصل ہے، اس کے لیے کسی شرط کی ضرورت نہیں۔

المفعول معہ ہُوَ مذکورٌ بعد الواو لمصاحبة معمول فعل لفظاً او معنی فان کان الفعل لفظاً و جاز العطف فالوجهان مثل جنتُ انا و زیدٌ و زیداً و الا تعین النصب مثل جنتُ و زیداً و ان کان معنی و جاز العطف تعین العطف نحو ما لزید و عمرو و الا تعین النصب مثل مالک و زیداً و ما شانک و عمراً لان المعنی ما تصنع.

ترجمہ: - مفعول معہ وہ ہے جسے واؤ کے بعد ذکر کیا گیا ہو فعل کے معمول کی مصاحبت کے لیے خواہ لفظاً ہو یا معنی پس اگر فعل لفظاً ہو اور عطف درست ہو تو دو جہیں جائز ہیں جیسے جنّت انا وزیدٌ وزیداً ورنہ نصب متعین ہوگا جیسے جنّتٌ وزیداً اور اگر فعل معنی ہو اور عطف درست ہو تو عطف متعین ہوگا جیسے مالزید و عمرو ورنہ نصب متعین ہوگا۔ جیسے مالک وزیداً اور ما شأنک و عمراً اس لیے کہ معنی ما تصنع ہیں۔

توضیح: - معلوم ہونا چاہیے کہ المفعول میں الف لام الذی کے معنی میں ہے اور معہ جو کہ المفعول کا نائب فاعل ہے، اس کی ضمیر الف لام بمعنی الذی کی طرف لوٹ رہی ہے، اتنا سمجھ لینے کے بعد اب مفعول معہ کی تعریف سنئے، مفعول معہ ایسا اسم ہے کہ جس کو واؤ بمعنی مع کے بعد فعل کے معمول کی مصاحبت کے واسطے ذکر کیا گیا ہو خواہ فعل لفظاً ہو یا معنی۔ مصاحبت کبھی فعل کے صدور یعنی معنی فاعل میں ہوگی جیسے استوی الماء والخشبۃ اور کبھی وقوع یعنی معنی مفعول میں ہوگی جیسے کفّاک وزیداً درہم۔ فعل کے لفظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل لفظوں میں پایا جاتا ہو یا عبارت میں مقدر ہو اور فعل کے معنوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل مضمون کلام سے مستفاد ہوتا ہو عبارت میں نہ تو وہ صراحۃً ہو اور نہ تقدیراً۔ آگے بڑھنے سے پہلے چند باتیں اور ذہن نشین کر لیجئے کہ مصاحبت معمول فعل کی قید سے احتراز ہو گیا اس سے جو فعل کا معمول نہ ہو جیسے زید و عمرو اخوک یا ہو تو فعل کا معمول لیکن فعل کی مصاحبت کے لیے نہ ہو جیسے جاء نی زید و عمرو۔

دوسری بات فعل کے معمول کے مصاحب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مفعول معہ کے معمول کا شریک ہو فعل کے صدور اور وقوع میں زمان کے اتحاد کے ساتھ جیسے سرت زیداً اور مکان کے اتحاد کے ساتھ جیسے لو ترکت الناقة و فصیلتها لرضعتها۔

تیسری بات مصنف نے مع کی جگہ پر واؤ کا انتخاب کیا اس کی دو جہیں ہیں ایک تو واؤ مختصر ہے دوسرے یہ کہ اس واؤ کی اصل واؤ عطف ہے جو کہ جمع کے معنی کے لیے ہوتا ہے اور جمع کے معنی معیت کے معنی کے مناسب اور شایان شان ہوتے ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مفعول معہ کا عامل جمہور نحاۃ کے نزدیک واؤ کے واسطے سے فعل یا معنی فعل ہوتا ہے۔

فان کان الفعل لفظاً و جاز العطف: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ اگر مفعول معہ کا فعل یا شبہ فعل لفظاً ہو اور مفعول معہ کا اس کے معمول پر عطف جائز ہو واجب نہ ہو نیز ممتنع بھی نہ ہو تو اس مفعول معہ کا معطوف ہونا بھی درست ہے اور مفعول معہ ہونا بھی، اس لیے کہ دونوں احتمالوں کے اعتبار کرنے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ جیسے جنّت انا وزیداً وزیدٌ پس زیداً کو منصوب مفعول معہ ہونے کی وجہ سے پڑھ سکتے ہیں اور ضمیر مرفوع متصل پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔

اس مثال میں عطف اس لیے درست ہے کہ عطف ضمیر مرفوع متصل پر ہے اور قاعدہ ہے کہ جب عطف ضمیر مرفوع متصل پر ہو تو اس کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل سے لانا ضروری ہوتا ہے اور یہاں اس کی رعایت پائی جاتی ہے کہ تاکید کے لیے انا ضمیر ہے عطف کی صورت مذکورہ میں تاکید اس لیے ضروری ہوتی ہے تاکہ جزء کلمہ پر عطف لازم نہ آئے اس لیے کہ ضمیر مرفوع شدت اتصال کی وجہ سے جزء کلمہ کے درجہ میں ہے، جو کہ بحیثیت جزء کے ناقص ہے، جب کہ معطوف مستقل کلمہ ہونے کی وجہ سے تام اور معطوف علیہ سے افضل ہے جب کہ معطوف علیہ کو اس سے کمتر نہ ہونا چاہئے۔

اور اگر فعل لفظی تو ہو پر اس کے معمول پر مفعول معہ کا عطف درست نہ ہو تو نصب متعین ہے، کیوں کہ عطف کی جب کوئی گنجائش نہیں تو پھر نصب پڑھنے کے سوا چارہ کیا ہے؟ جیسے جنت وزیداً یہاں پر زید کا عطف ضمیر مرفوع متصل پر ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید نہ ہونے کی وجہ سے درست نہیں، لہذا اب صرف مفعول معہ ہونے کی بنیاد پر نصب کی گنجائش ہے۔

وان كان الفعل معنی: اور اگر مفعول معہ کا فعل عامل معنوی ہو اور عطف کی گنجائش ہو تو پھر عطف متعین ہے، تاکہ عامل لفظی کے ہوتے ہوئے عامل معنوی پر حمل لازم نہ آئے۔ جیسے مالزید و عمرو۔ اور اگر عطف روا نہ ہو پھر نصب متعین ہے اس لیے کہ اس کے سوا چارہ کیا ہے؟ جیسے مالک وزیداً۔ اور شأنک و عمرا۔ پہلی صورت میں عطف اس لیے درست نہیں کہ عربوں کے یہاں ضمیر مجرور پر بلا اعادہ حرف جار عطف نہیں ہوا کرتا اور یہاں حرف جار کا اعادہ نہیں ہے اور دوسری صورت میں اس لیے کہ متکلم کا مقصود مخاطب اور عمرو دونوں کی حالت دریافت کرنا ہے، اب اگر عطف کر دیتے ہیں تو پھر سوال کا مقصود مخاطب کی حالت اور عمرو کی ذات کا دریافت کرنا ہو جائے گا۔ ظاہر ہے یہ متکلم کے مقصود کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے عطف کی کوئی گنجائش نہیں، تاکہ قلب مقصد کے ارتکاب سے بچا جاسکے۔

ان تمام مذکورہ مثالوں میں فعل معنوی ہوگا، اس لیے کہ تمام امثله بالا کے معنی ما تصنع کے ہیں۔

الحال ما یبین هیئۃ الفاعل او المفعول بہ لفظاً او معنی نحو ضربت زیداً قائماً وزید فی الدار قائماً وهذا زید قائماً وعاملها الفعل او شبهه او معناه وشرطها ان تكون نكرة وصاحبها معرفة غالباً وارسلها العراک ومررت بہ وحده ونحوه متاؤل فان كان صاحبها نكرة وجب تقديمها ولا يتقدم على العامل المعنوی بخلاف الظرف ولا على المجرور على الاصح. وكل ما دل على هیئۃ صبح ان يقع حالاً مثل هذا بسراً اطیب منه رطباً.

ترجمہ:- حال وہ لفظ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت پر لفظاً یا معنی دلالت کرے جیسے ضربت

زیدًا قائمًا اور زید فی الدار قائمًا اور اس کا عامل فعل یا شبہ فعل یا معنی فعل ہوگا اور اس کی شرط یہ ہے کہ حال نکرہ ہو اور ذوالحال عموماً معرفہ۔ اور ارسلها العراک اور مررت به وحدہ اور اس جیسے تاویل شدہ ہیں پس اگر ذوالحال نکرہ ہو تو اس کی تقدیم واجب ہے اور حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا بخلاف ظرف کے اور نہ مجرد پر صحیح ترین قول کے مطابق اور ہر وہ اسم جو حالت پر دلالت کرے اس کا حال واقع ہونا صحیح ہے جیسے ہذا بُسراً اطیب منه رطباً۔

توضیح: - اب مصنف حال کی تعریف اور اس کے متعلقہ احکام بیان کرنا چاہتے ہیں۔ تو حال ایسے لفظ کو کہتے ہیں جو فاعل یا مفعول بہ یا دونوں کی حالت پر بحیثیت ان کے فاعل یا مفعول بہ کے دلالت کرے خواہ فاعل یا مفعول بہ لفظاً ہو یا حکماً۔

فاعل اور مفعول بہ عام ہے خواہ حقیقتاً فاعل یا مفعول بہ ہوں یا حکماً اس تعمیم کا فائدہ یہ ہے کہ وہ حال جو مفعول مطلق سے واقع ہے اس کا بھی حال واقع ہونا درست ہے، کیوں کہ اگر وہ سچ مچ مفعول بہ نہیں ہے، لیکن حکماً مفعول بہ ہے، چنانچہ ضربت الضرب شدیداً احدثت الضرب شدید کے معنی میں ہے پس شدیداً کا الضرب مفعول مطلق سے حال واقع ہونا صحیح ہے۔ اسی طرح وہ حال جو مفعول معہ سے ہو، کیوں کہ وہ مفعول بہ یا فاعل حکماً ہے، کیوں کہ اگر مفعول معہ فعل کے معمول کا صدور میں مصاحب ہے تو وہ فاعل کے درجہ میں حکماً ہوگا۔ اور اگر وہ فعل کے معمول کا وقوع میں مصاحب ہے تو وہ حکماً مفعول بہ ہوگا، جیسے جنت وزیداً را کبین۔ اسی طرح سے وہ لفظ جو مضاف الیہ سے حال واقع ہو بشرط کہ مضاف فاعل یا مفعول بہ ہو اور مضاف کے حذف کے بعد مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام بنانا درست ہو حکماً فاعل یا مفعول بہ سے حال مانا جائے گا جیسے بل نتبع ملة ابراهيم حنیفاً کہ حنیفاً ابراهيم مضاف الیہ سے حال واقع ہے۔

فوائد قیود: مزید کچھ اور قیودوں کا فائدہ سمجھ لیجیے تو ہیئت کے ذکر سے تمیز سے احتراز ہو گیا اس لیے کہ وہ شی کی ذات کو بیان کرتا ہے۔ اور ہیئت کی فاعل اور مفعول بہ کی طرف اضافت سے مبتدا کی صفت سے احتراز ہو گیا جیسے زید ن العالم اخوک پس العالم زید کی ہیئت کو بیان تو کرتا ہے، لیکن زید نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ۔ اور حیثیت کی قید سے فاعل اور مفعول بہ کی صفت سے احتراز ہو گیا کیوں کہ وہ بھلے فاعل اور اور مفعول بہ کی حالت کو بتاتی ہیں، لیکن فاعل اور مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے نہیں جیسے جاء نی رجل عالم اور رأیت رجلاً عالماً۔

ایک بات اور یاد رہے کہ تعریف میں مذکور او منع الخلو کے لیے ہے منع الجمع کے لیے نہیں ہے۔

لفظاً او معنی: فاعل لفظی اور مفعول بہ لفظی ایسے فاعل اور مفعول بہ کو کہتے ہیں کہ جس فاعل کی فاعلیت اور مفعول بہ کی مفعولیت باعتبار کلام کے لفظ کے ہو بغیر کسی معنی خارج کا اعتبار کیے ہوئے۔ اور ملفوظ

اعم ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً۔

اور فاعل اور مفعول بہ معنوی کہتے ہیں ایسے فاعل کو کہ جس فاعل کی فاعلیت اور مفعول بہ کی مفعولیت اس معنی کے اعتبار سے ہو جو مضمون کلام سے مستفاد ہوتی ہے۔ کلام کی عبارت میں بغیر کسی تقدیر و تصریح کے۔ اب مصنف مثال بیان کر رہے ہیں پس ضربت زیداً قائماً یہ فاعل اور مفعول بہ لفظی کی مثال ہے جو حقیقتاً ملفوظ ہے، بلاشبہ تائے متکلم کی فاعلیت اور زید کی مفعولیت کلام کے لفظ کے اعتبار سے ہے کسی معنی خارج کونکا لے بغیر وہ دونوں حقیقتاً ملفوظ ہیں۔

اور زید فی الدار قائماً یہ فاعل لفظی کی مثال ہے جو حکماً ملفوظ ہے، کیوں کہ ظرف میں ضمیر مستتر کی فاعلیت کلام کے لفظ کے اعتبار سے ہے، اس لیے کہ ضمیر پوشیدہ حکماً ملفوظ سمجھی جاتی ہے۔ اور ہذا زیداً قائماً یہ معنوی کی مثال ہے، اس لیے کہ زید کی مفعولیت اس معنی کے اعتبار سے ہے جو مضمون کلام سے سمجھا جاتا ہے نظم کلام میں بغیر اس کی تقدیر و تصریح کے، یعنی اُسیر اور اُبْنہ جو ہذا سے سمجھا جاتا ہے قائماً اس سے حال ہے۔

و عاملها الفعل او شبهه: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ حال کا عامل فعل یا شبہ فعل یا معنی فعل ہوتا ہے۔ فعل کسے کہتے ہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ اور شبہ فعل اس اسم کو کہتے ہیں جو فعل سائل کرے اور فعل کی ترکیب سے ہو، البتہ معنی فعل کسے کہتے ہیں؟ اس سلسلے میں ایک رائے تو فاضل مصنف کی ہے اور دوسری علامہ رضی کی ہے۔ مصنف کا خیال یہ ہے کہ عامل معنوی وہ ہے جس کے لیے لفظ میں حصہ ہوتا ہے خواہ وہ کلام کی عبارت میں مقدر ہو یا مضمون کلام سے مستفاد ہوتا ہو، اور علامہ رضی کا مذہب یہ ہے کہ فعل معنوی وہ فعل ہے جو مضمون کلام سے مستفاد ہوتا ہے۔ نظم کلام میں بغیر تقدیر اور تصریح کے۔ پس ضربت زیداً قائماً جیسی مثال میں عامل بالاتفاق لفظاً ہے اور ہذا زید قائماً جیسی مثال میں بالاتفاق عامل معنوی ہے اور زید فی الدار قائماً جیسی مثال میں عامل محل نزاع ہے پس مصنف کے نزدیک اس میں عامل معنوی ہے اور رضی کے نزدیک اس میں عامل لفظی ہے۔

و شرطها ان تكون نكرة: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ حال کے لیے نکرہ ہونا ضروری ہے، کیوں کہ حال سے مقصود اس معنی مصدری کو مقید کرنا ہے جو ذوالحال کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اتنی بات نکرہ سے حاصل ہو جاتی ہے پس حال کے معرفہ لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ذوالحال کے لیے معرفہ ہونے کی شرط اس لیے قرار دی کی ذوالحال درحقیقت محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ میں اصل معرفہ ہونا ہے غالباً کی قید بڑھا کر مصنف نے بتا دیا کہ کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔

وارسلها العراك الخ: یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ حال کے لیے نکرہ

ہونا شرط ہے تو یہ قاعدہ شاعر کے قول وارسلہا العراک اور عربوں کے قول مررت بہ وحدہ سے ٹوٹ گیا، اس لیے کہ العراک حال ہے باوجودیکہ وہ معرف باللام ہے اور وحدہ حال ہے باوجودیکہ وہ اضافت کی وجہ سے معرف ہے تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ سب نکرہ کی تاویل میں ہیں دو وجہوں سے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ العراک اور وحدہ افعال محذوفہ کے مصادر ہیں یہ افعال مصادر کے ساتھ جملہ فعلیہ ہو کر حال واقع ہیں تقدیر عبارت ہے وارسلہا تعترک العراک ہے و مررت بہ ینفرد وحدہ اور جملہ من حیث الجملہ نکرہ ہوتا ہے، لہذا شرط کے خلاف معاملہ نہیں ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی صورت اگرچہ معرفہ کی صورت ہے، لیکن وہ معنی نکرہ ہیں جیسے کہ العراک اس میں الف لام زائدہ ہے اور جب الف لام زائدہ ہو گیا تو وہ نکرہ ہو گیا۔ رہی بات وحدہ کی تو وہ اضافت لفظیہ ہے اور اضافت لفظی مفید للتعریف والتخصیص نہیں ہوتی پس تقدیر عبارت ہوگی وارسلہا معترکة اور مررت بہ منفرداً۔

فان كان صاحبها نكرة: یہاں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر ذوالحال نکرہ ہو تو حال کا ذوالحال پر مقدم کرنا واجب ہے، جیسے جاء نی را کبار رجل. صورت مذکورہ میں ذوالحال کی حال پر تقدیم اس لیے واجب ہے کہ اگر حال مؤخر ہے تو نصی حالت میں حال کا صفت کے ساتھ اشتباہ لازم آئے گا جیسے ضربت رجلا مجرداً عن ثیابہ تو اس اشتباہ سے بچنے کے لیے حال کی تقدیم مطلقاً باب کی موافقت میں ضروری کر دیا ہر چند کہ رفعی اور جری حالت میں یہ خدشہ نہیں ہے۔ اچھا جب حال کو مقدم کر دیں گے تو صفت کے ساتھ اشتباہ کا خطرہ اس لیے نہیں ہوگا کہ صفت بحیثیت صفت کے موصوف پر مقدم نہیں ہوتی۔

ولا يتقدم على العامل المعنوی: مطلب یہ ہے کہ جب کسی حال کا عامل عامل معنوی ہو تو وہ حال اپنے عامل معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ عامل معنوی ضعیف العمل ہے لہذا وہ معمول متأخر میں تو عمل کرے گا، لیکن معمول متقدم میں عمل نہیں کرے گا، البتہ دھیان رہے کہ جب دو حال دو چیزوں سے دو مختلف اعتباروں سے واقع ہوں تو دونوں حالوں کا اپنے ذوالحال سے متصل ہونا ضروری ہے۔ بھلے حال کو اپنے عامل معنوی پر مقدم ہونا پڑے جیسے زید قائماً کعمرو قاعداً۔

بخلاف الظرف: اس کا مطلب یہ ہے کہ حال اگرچہ عامل معنوی پر نہیں مقدم ہو سکتا، لیکن وہ ظرف پر مقدم ہو سکتا ہے، اس لیے کہ ظرف میں بڑی وسعت ہوتی ہے۔

ولا على المجرور: اس ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا اسی طرح ذوالحال مجرور خواہ وہ مجرور بالاضافت ہو یا مجرور بحرف الجرا اس پر بھی حال کی تقدیم درست نہیں۔ اگر ذوالحال مجرور بالاضافت ہو تو اس کی تقدیم حال پر بالاتفاق اس لیے منع ہے کہ حال دو لحال کی فرع ہے اور ذوالحال یہاں مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ کی تقدیم مضاف پر ناممکن ہے تو جب مضاف الیہ کی تقدیم

مضاف پر نہیں ہو سکتی تو مضاف الیہ کے متعلقات یعنی حال کی تو بدرجہ اولیٰ تقدیم منع ہوگی جیسے جاء تنی مجرداً عن الثياب ضاربةً زید پس یہ ترکیب حال کے مضاف پر مقدم ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔ اور اگر مجرور بحرف الجر ہو تو اس میں دو مذہب ہیں مذہب اصح، اور غیر اصح، مذہب اصح یہ ہے کہ حال کی تقدیم ذوالحال مجرور بحرف الجر پر درست نہیں، کیوں کہ جب مجرور کی تقدیم حرف جر پر ناممکن ہے تو مجرور کے متعلقات کی تو بدرجہ اولیٰ تقدیم منع ہوگی۔

اور مذہب غیر اصح یہ ہے کہ حال کی تقدیم مجرور بحرف الجر پر ٹھیک ہے، کیوں کہ حرف جر فعل لازم کو متعدی بنایا کرتا ہے پس گویا وہ فعل کے حروف کا جزء ہو گیا اور حال کی تقدیم فعل پر درست ہے۔

لہذا مجرور بحرف الجر پر بھی درست ہوگی، چنانچہ قرآن کریم میں ذوالحال مجرور بحرف الجر پر حال کی تقدیم کا استعمال موجود ہے جیسے وما ارسلناك الا كافة للناس کہ كافة، للناس مجرور سے حال واقع ہے اور للناس پر مقدم ہے۔ لیکن جمہور کی جانب سے اس کے دو جواب دیئے جاتے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ كافة مصدر محذوف کی صفت سے حال نہیں ہے، چنانچہ تقدیر عبارت ہے وما ارسلناك الا رسالة كافة للناس اور دوسرا جواب یہ ہے کہ كافة خود فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے پس تقدیر عبارت ہوگی وما ارسلناك الا ان تكف كافة للناس پس اس آیت کے ذریعہ مجرور بحرف الجر پر حال کی تقدیم کے جائز ہونے پر استدلال صحیح نہیں ہے۔

وكل ما دل على هيئة؛ اس عبارت سے مصنف درحقیقت ان لوگوں کا رد کرنا چاہتے ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ حال کے لیے مشتق ہونا ضروری ہے، چنانچہ اگر کہیں جو امد حال کی صورت میں نظر آتے ہیں تو وہ اس کی تاویل مشتق سے کرنے سے باز نہیں آتے۔

مصنف کے رد کا حاصل یہ ہے کہ کوئی بھی لفظ ہو اگر وہ فاعل یا مفعول بہ کی حالت پر دلالت کرتا ہے تو اس کا حال بنا درست ہے چاہے وہ جامد ہو یا مشتق جیسے هذا بُسراً اطیب منه۔ پس بُسراً اور رطبا کے باوجود جامد ہونے کے حال ہونا درست ہے۔ محققین کے نزدیک رطبا اور بُسراً میں عامل اطیب ہے۔

قد تكونُ جُمْلَةٌ خَبْرِيَّةٌ فَالاسْمِيَّةُ بِالْوَاوِ وَالضَّمِيرِ، او بِالْوَاوِ او بِالضَّمِيرِ عَلَيَّ
ضَعْفٍ وَالْمَضَارِعُ الْمَثْبُتُ بِالضَّمِيرِ وَحَدَهُ وَمَا سِوَاهُمَا بِالْوَاوِ وَالضَّمِيرِ او
بِاحْدِهِمَا وَلَا بُدَّ فِي الْمَاضِي الْمَثْبُتِ مِنْ قَد ظَاهِرَةٍ او مُقَدَّرَةٍ وَيَجُوزُ حَذْفُ
الْعَامِلِ كَقَوْلِكَ لِلْمَسَافِرِ رَاشِدًا مَهْدِيًّا وَيَجِبُ فِي الْمَوْكِدَةِ مِثْلَ زَيْدٍ اَبُوكَ عَطُوفًا
اِي اُحْقَقَهُ وَشَرْطُهَا اَنْ تَكُونَ مَقْرُورَةً لِمَضْمُونِ جُمْلَةٍ اِسْمِيَّةٍ .

ترجمہ: - اور کبھی حال جملہ خبریہ ہوتا ہے پس اسمیہ واؤ اور ضمیر کے ساتھ یا واؤ کے ساتھ یا ضمیر

کے ساتھ ضعیف قول پر اور مضارع مثبت ضمیر کے ساتھ تنہا حال واقع ہوگا۔ اور جوان دونوں کے علاوہ ہے واؤ یا ضمیر کے ساتھ یا ان میں سے کسی کے ساتھ (حال واقع ہوگا) اور ماضی مثبت میں قد ضروری ہے خواہ ظاہر ہو یا مقدر اور عامل کا حذف درست ہے جیسے مسافر سے آپ کا قول راشدیا مہدیاً اور مؤکدہ میں حذف واجب ہوتا ہے جیسے زید ابوک عطوفاً یعنی احقہ اور اس کی شرط یہ ہے کہ وہ جملہ اسمیہ کے مضمون کو ثابت کرنے والا ہو۔

وقد تكون جملة خبرية: حاصل عبارت یہ ہے کہ جس طرح مفرد حال واقع ہو سکتا ہے، اسی طرح جملہ خبریہ بھی حال ہو سکتا ہے، کیوں کہ جس طرح مفرد فاعل اور مفعول بہ کی حالت پر دلالت کرتا ہے اسی طرح جملہ سے بھی یہ مقصود حاصل ہوتا ہے، لہذا جملہ کا بھی حال واقع ہونا درست ہے، البتہ جملہ خبریہ ہونا چاہئے، کیوں کہ حال ذوالحال سے مربوط ہے جب کہ انشاء ربط کو قبول نہیں کرتا۔

فلاسمية بالواو والضمير: آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ حال ذوالحال سے مربوط ہوتا ہے، تو جب جملہ حال واقع ہو تو رابط کی ضرورت ہے، اس لیے کہ جملہ مستقل ہونے کی وجہ سے ذوالحال سے لا پرواہ ہوگا تو چونکہ جملہ خبریہ کی مختلف صورتیں ہیں، اس لیے اب مصنف تفصیل سے بتا رہے ہیں کہ کونسا جملہ حال واقع ہو تو کون حرف رابط ہوگا پس فرماتے ہیں کہ جملہ اسمیہ واؤ اور ضمیر کے ساتھ حال واقع ہوگا کیوں کہ جملہ اسمیہ مستقل ہونے میں زیادہ مؤکد ہوتا ہے، لہذا رابط قوی چاہئے اور وہ واؤ اور ضمیر کا ساتھ میں ہونا ہے۔ جیسے جاء نی زید وهو راكب یا دوسری صورت یہ ہے کہ تنہا واؤ کے ساتھ جملہ اسمیہ حال واقع ہو، کیوں کہ واؤ شروع کلام میں وجوباً واقع ہوتا ہے، لہذا وہ شروع ہی کلام سے ربط پر دال ہوگا پس تنہا واؤ سے بھی رابط قوی کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے جیسے كنتُ نبياً و آدمُ بين الماءِ والطينِ .

البتہ اگر جملہ اسمیہ تنہا ضمیر کے ساتھ حال واقع ہو یعنی رابط قوی کی ضرورت تنہا ضمیر سے پوری کی جائے تو پھر یہ ضرورت تکلف کیساتھ پوری ہوگی۔ اسی کو مصنف نے علی ضعف کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اچھا تکلف کیوں ہے اس لیے کہ ضمیر واؤ کے مانند شروع کلام میں تو وجوباً واقع نہ ہوگی تو جب یہ شروع کلام میں وجوباً واقع نہ ہوگی تو اول وہلہ ہی سے ربط پر دلالت بھی نہ ہوگی۔ جیسے كلمته فوه الى فيّ .

وما سواهما بالواو الخ: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر جملہ خبریہ جو حال واقع ہو رہا ہے وہ جملہ اسمیہ اور مضارع مثبت کے علاوہ ہے خواہ وہ مضارع منفی ہو یا ماضی منفی ہو اور چاہے ماضی مثبت۔ تو وہ واؤ اور ضمیر کے ساتھ یا ان میں سے کسی ایک یعنی تنہا واؤ یا تنہا ضمیر کے ساتھ حال واقع ہوگا۔ کل ملا کر اس کی نو صورتیں ہیں، کیوں کہ ما سوا کا مصداق تین چیزیں ہیں پھر تینوں جملوں کا استعمال تین طرح سے ہو سکتا ہے اور جب تین کو تین سے ملائیں گے تو نو قسمیں بن جائیں گی ذیل میں مثالیں لکھی جا رہی ہیں۔

مضارع مثبت منفی جو واؤ اور ضمیر کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاء نی زید وما يتكلم غلامه. اور مضارع منفی جو واؤ کے ساتھ تنہا حال واقع ہو جیسے جاء نی زید وما يتكلم عمرو، اور مضارع منفی جو تنہا ضمیر کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاء نی زید ما يتكلم غلامه. ماضی مثبت جو واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ حال ہو۔ جیسے جاء نی زید وقد خرج غلامه. ماضی مثبت جو صرف واؤ کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاء نی زید وقد خرج عمرو. ماضی مثبت جو تنہا ضمیر کے ساتھ حال ہو جیسے جاء نی زید قد خرج غلامه. ماضی منفی جو ضمیر اور واؤ دونوں کے ساتھ حال ہو جیسے جاء نی زید وما خرج غلامه. ماضی منفی جو تنہا واؤ کے ساتھ حال ہو جیسے جاء نی زید وما خرج عمرو ماضی منفی جو صرف ضمیر کے ساتھ حال ہو جیسے جاء نی زید ما خرج غلامه.

اب سنو ان تین اقسام کا استعمال مذکورہ تین طرح سے اس لیے جائز ہے کہ جملہ فعلیہ استقلال میں مؤکد نہیں ہوتا، پس رابط قوی کا متقاضی بھی نہیں ہے، لہذا اس کا استعمال مذکورہ تین طریقوں میں سے چاہے جس طریقہ کے ساتھ کیا جائے اس سے ربط محض کی ضرورت پوری ہو جائے گی اور اس کا حال واقع ہونا درست سمجھا جائے گا۔

ولا بد فی الماضي المثلث: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ماضی مثبت حال واقع ہو پھر اس پر لفظ قد کا دخول ضروری ہے خواہ لفظ قد ظاہر ہو جیسے جاء نی زید وقد خرج غلامه یا قد مقدر ہو جیسے جاء و کم حصرت صدورهم یعنی قد حصرت صدورهم۔ پس قد مقدر ہے۔

اچھا: قد کا دخول ماضی مثبت پر دریں صورت اس لیے ضروری ہے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہونا لازم ہے اور ظاہر ہے کہ ماضی مثبت کے حال واقع ہونے کی صورت میں اس شرط کی رعایت باقی نہیں رہتی، اس لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا لفظ ہو جو ماضی کو زمانہ حال سے قریب کر دے اور ایسا لفظ، لفظ قد ہے کیوں کہ واضح نے قد کو اصلاً زمانہ ماضی کو زمانہ حال سے قریب کرنے کے لیے وضع کیا ہے پس ماضی مثبت کے حال واقع ہونے کی صورت میں جب اس پر قد داخل ہوگا تو وہ حال کے عامل ذوالحال سے قریب ہونے پر دلالت کرے گا۔

ویجوز حذف العامل: فرماتے ہیں حال کے عامل پر جب کوئی قرینہ لفظی یا عقلی موجود ہو تو اس کے عامل کا حذف درست ہے، قرینہ لفظی کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ لَنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ، بَلَى قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ“ پس قادرین حال سے پہلے نجمعها فعل کو قرینہ لفظی ان لن نجمع عظامہ کی وجہ سے حذف کر دیا اور قرینہ عقلی کی مثال جیسے مسافر سے ارشاداً مہدیا کھنا۔ پس قرینہ یہاں مسافر کی حالت ہے جو عقلی چیز ہے تقدیر عبارت ہوئی سرت ارشاداً مہدیا۔

ووجب حذف عامل الحال: اب بتارہے ہیں کہ حال کے عامل کا حذف واجب کب ہوتا ہے تو اصل مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ حال کی دو قسمیں ہیں ایک حال مؤکدہ کہ جس کا اپنے ذوالحال سے عموماً جدا ہونا ناممکن ہوتا ہے اور دوسرے حال منقلہ جو عموماً اپنے ذوالحال سے جدا ہو جاتا ہے تو حال کے عامل کا حذف پہلی قسم میں واجب ہوتا ہے جیسے زیداً ابوک عطوفاً پس عامل اُحِقُّہ محذوف ہے۔

پھر حال مؤکدہ سے مطلقاً عامل کا حذف واجب نہیں ہوتا ہے، بلکہ چند شرطیں ہیں جن کی رعایت ضروری ہے۔ اور وہ شرطیں یہ ہیں کہ حال مؤکدہ جملہ اسمہ کے مضمون یعنی مدلول کی تثبیت یعنی تاکید کر رہا ہو۔ اور اس جملہ اسمیہ میں کوئی ایسا جزء نہ ہو جو حال میں عمل کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جملہ کی قید سے وہ حال مؤکدہ خارج ہو گیا جو جملہ کے پورے مضمون کی تو نہیں البتہ بعض اجزائے جملہ کی تاکید کر رہا ہو جیسے انا ارسلناک للناس رسولاً اور اسمیہ کی قید سے اس حال سے احتراز ہو گیا جو جملہ فعلیہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہے جیسے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَالْوَالِدُ الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ اور اخیر کی قید (کہ اس جملہ کا کوئی جزء حال میں عمل کی صلاحیت نہیں رکھتا ہو) سے احتراز ہو گیا اللّٰهُ شَهِدَ قَائِمًا بِالْقِسْطِ سے اس لیے کہ اس مثال مذکور میں شاہد عمل کی صلاحیت رکھتا ہے۔

خیر جب کسی حال مؤکدہ میں مذکورہ بالا شرطیں پائی جائیں گی تو حال کے عامل کا قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے حذف واجب ہوگا۔ قرینہ معمول کا منصوب ہونا اور قائم مقام تو خود اس کا معمول ہوگا۔

التَّمِيزُ مَا يَرْفَعُ الْاِبْهَامَ الْمُسْتَقَرَّ عَنْ ذَاتِ مَذْكُورَةٍ اَوْ مَقْدَرَةٍ فَاوَّلُ عَنْ مُفْرَدٍ مِقْدَارٍ غَالِبًا اِمَّا فِي عَدَدٍ نَحْوِ عِشْرُونَ دِرْهَمًا وَسَيَاتِي وَاِمَّا فِي غَيْرِهِ نَحْوِ رَطْلٍ زَيْتًا وَمِنَوَانٍ سَمْنًا وَقَفِيزَانٍ بُرًّا وَعَلَى التَّمْرِ مِثْلَهَا زُبْدًا فَيُفْرَدُ اِنْ كَانَ جَنْسًا اِلَّا اِنْ يُقْصَدُ الْاَنْوَاعُ وَيُجْمَعُ فِي غَيْرِهِ ثُمَّ اِنْ كَانَ بَتْنُوِيْنَ اَوْ بَنُوْنَ التَّنِيَّةِ جَازَتْ الْاِضَافَةُ وَالْاَفْلَاوَعْنَ غَيْرِ مِقْدَارٍ مِثْلُ خَاتَمٍ حَدِيْدًا وَالْخَفْضُ اَكْثَرُ.

ترجمہ: - تمیز وہ اسم ہے جو موضوع لہ میں ثابت شدہ ابہام کو دور کرتا ہو۔ ذات مذکورہ یا ذات مقدرہ سے پس اول مفرد مقدار سے اکثر (ابہام دور کرتا ہے) بہر حال عدد میں جیسے عشرون درہما اور عنقریب اس کا بیان آئے گا۔ اور بہر حال عدد کے علاوہ میں جیسے رطل زیتا اور منوان سمنان اور قفیزان برا اور علی التمر مثلاً زبدا پس تمیز کو مفرد لایا جائے گا اگر وہ تمیز جنس ہو مگر یہ کہ انواع کا قصد کیا جائے اور جمع لائی جائے گی اس کے علاوہ میں۔

پھر اگر وہ تمیز تنوین یا نون تشنیہ کے ساتھ ہو تو اضافت درست ہے ورنہ پس نہیں اور ابہام غیر مقدار سے (دور کرتا ہے) جیسے خاتمہ حدیداً اور اس تمیز کا مجرور ہونا اکثر ہے۔

توضیح:- تمیز ایسے اسم کو کہتے ہیں جو ذات مذکورہ یا ذات مقدرہ سے اس ابہام کو دور کرتا ہو جو

موضوع لہ میں بحیثیت موضوع لہ کے راسخ ہو۔

اسم کی قید سے قطع رزقہ ائی مات جیسی ترکیب سے احتراز ہو گیا، کیونکہ مات بھلے قطع رزقہ میں ثابت شدہ ابہام کو دور کرتا ہے، لیکن وہ فعل ہے۔ اور المستقر بمعنی الثابت فی الموضوع لہ کی قید سے احتراز ہو گیا اس صفت سے جو ابہام کو مشترک سے دور کرتی ہے۔ جیسے رأیت عیناً جاریۃً۔ اسی طرح مبہمات کی صفت جیسے هذا الرجل اور عطف بیان جیسے ابو حفص عمر سے احتراز ہو گیا، کیوں کہ اول میں ابہام وضع کے تعدد اور ثانی میں مستعمل فیہ کے تعدد اور ثالث میں عدم شہرت کی وجہ سے ہے باقی موضوع لہ میں اس اعتبار سے کہ وہ لفظ اس معنی کے لیے موضوع ہے کوئی ابہام نہیں ہے۔

مذکورۃ او مقدرۃ: اس عبارت سے تمیز کی دونوں قسموں کی طرف اشارہ ہے تمیز کی پہلی قسم ذات مذکورہ سے اور دوسری قسم ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے۔

پہلی قسم پھر دو قسموں پر ہے مفرد مقدار۔ اور مفرد غیر مقدار۔ آگے بڑھنے سے پہلے آپ مفرد مقدار کی تعریف سمجھ لیجیے اور جان لیجیے کہ مفرد مقدار کن چیزوں سے تام ہوتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ تمیز کے باب میں مفرد، جملہ اور شبہ جملہ نیز اضافت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ اس باب میں کسی چیز کے مفرد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جملہ اور شبہ جملہ اور مضاف نہ ہو۔

مقدار اس چیز کو کہتے ہیں جس سے اشیاء کا اندازہ کیا جاتا ہے اور یہ پانچ چیزیں کہلاتی ہیں کیل اور وزن، عدد، ذراع اور قیاس۔

مفرد کبھی تنوین سے تام ہوتا ہے خواہ تنوین لفظاً ہو جیسے رطل اور خواہ تقدیراً ہو جیسے ثلثۃ عشر۔ اور کبھی نون ثننیہ سے جیسے منوان اور کبھی نون جمع سے جیسے مسلمون اور کبھی ایسے نون سے جو نون جمع کے مشابہ ہوتا ہے جیسے عشرون یا اضافت سے جیسے خاتم حدید۔

مفرد مقدار جو بصورت عدد ہوتا ہے، اس کی مثال جیسے عندی عشرون درہمًا۔ اور وہ مفرد مقدار جو عدد نہیں ہوتا اس کی چار صورتیں ہیں کل مفرد مقدار کی پانچ صورتیں ہیں، جیسا کہ ایک قسم اوپر مذکور ہو چکی ہے پس عندی رطل زیتا اور عندی منوان سمنًا وزن کی مثال ہے اور عندی قفیزان برا کیل کی مثال ہے اور علی التمرۃ مثلها زبدا قیاس کی مثال ہے اور ذراع کی مثال عندی ذراع ثوبا ہے۔

البتہ مصنف نے ذراع کی مثال کو بیان نہیں کیا، کیونکہ مصنف کا مقصود دراصل مثال بیان کرنا نہیں تھا بلکہ ان صورتوں کی نشاندہی مقصود تھی جن سے مفرد کی تمیز ہوتی ہے تاکہ مفرد مقدار کی تمیز منصوب ہو سکے، اس لیے کہ مفرد مقدار فعل کے مشابہ ہوتا ہے اور اس کا متمم یعنی تنوین وغیرہ فاعل کے اور تمیز بمنزلہ مفعول کے

ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ مصنف نے نون جمع سے تتمیم کی مثال اس لیے نہیں بیان کی کہ نون جمع نون تشنیہ کے حکم میں ہے۔
فیفرڈ ان کا جنسًا: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مفرد مقدار کی تمیز اگر جنس ہو تو اس کو جو با مفرد لائیں گے، کیوں کہ جنس کہتے ہیں جو مجرد عن التاء ہو اور قلیل و کثیر سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہو پس تمیز کے تشنیہ اور جمع لانے کا مقصد دلالت علی الکثرة ہے اور جنس دلالت علی الکثرة کے سلسلہ میں کافی ہے، یعنی تشنیہ اور جمع لانے کا فائدہ بصورت جنس بغیر تشنیہ اور جمع لائے حاصل ہو رہا ہے تو پھر تشنیہ اور جمع لانے کی ضرورت کیا ہے، جیسے عندی رطل زیتا۔ ہاں اگر اس جنس سے جو کہ مفرد مقدار کی تمیز واقع ہو رہی ہے انواع کا ارادہ کیا جائے یعنی جنس کے حصص کا خواہ وہ حصص کلی ہوں یا شخصی تو ایسی صورت میں اس جنس کا بھی تشنیہ اور جمع حسب تقاضا لایا جائے گا جیسے عندی رطل زیتن عندی رطل زیوتا ایسا اس لیے ضروری ہے کہ جنس بھلے کثرت پر دلالت کرتی ہو، لیکن انواع کی کثرت پر دلالت نہیں کرتی پس صورت مذکورہ میں تشنیہ اور جمع لانا ضروری ہے، تاکہ انواع کی کثرت پر دلالت ہو سکے۔

ویجمع فی غیرہ: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر مفرد مقدار کی تمیز جنس نہ ہو تو حسب میمیز تمیز لائی جائے گی پس اگر میمیز جمع ہے تو میمیز جمع لائی جائے گی اور اگر تشنیہ ہو تو تمیز تشنیہ لائی جائے گی۔ مصنف نے ویجمع کے ساتھ ویشی یعنی تمیز کے تشنیہ لانے کا تذکرہ نہیں کیا، اس لیے کہ میمیز کے جمع ہونے کی صورت میں تمیز جمع لانا ضروری ہوتا ہے، تو میمیز کے تشنیہ ہونے کی صورت میں تمیز کا تشنیہ ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا۔
 حسب میمیز دریں صورت تمیز اس لیے ضروری ہے کہ اصل یہی ہے کہ میمیز اور تمیز میں مفرد اور ثنی اور جمع ہونے میں موافقت رہے جیسے عندی عدل ثوبا، عندی عدلان ثوبین، عندی عدلون اثوابا۔

ثم ان کان بتنویں الخ: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ اگر مفرد مقدار کی تمامیت تنوین یا نون تشنیہ سے ہو تو اس کو اس کی تمیز کی طرف مضاف کر سکتے ہیں، کیونکہ تمیز کا مقصد مفرد مقدار سے ابہام کا دور کرنا ہے۔ اور یہ مقصد بصورت اضافت مزید تخفیف کے فائدہ کے ساتھ حاصل ہے، لہذا اضافت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور اگر وہ مفرد مقدار نون جمع یا اضافت سے تام ہوتا رہا تو اس کی اضافت اس کے تمیز کی طرف نہیں کر سکتے نون جمع کی صورت میں تو اس لیے کہ جمع میمیز کی اضافت تمیز کے علاوہ کی طرف بھی ممکن ہے پس اگر اس کا استعمال تمیز کی طرف مضاف ہو کر راجح ہو جائے تو پھر بعض صورتوں میں اشتباہ لازم آئے گا جیسے عشرون رمضان کہ یہاں یہ فائل نہیں ہے کہ عشرون اپنے تمیز کی طرف مضاف ہے، پس اس کے معنی بیس رمضان کے ہوئے، یا غیر تمیز کی طرف مضاف ہے، لہذا اس کے معنی بیسواں رمضان ہو۔ لہذا باب کی

موافقت میں اشتباہ کے علاوہ کی صورتوں میں بھی اضافت کو منع کر دیا گیا۔

اور اضافت سے تام ہونے کی صورت میں اضافت اس لیے منع ہے کہ کلمہ اضافت سے ہی تو تمام ہوا تھا، لہذا ایک بار مضاف ہونے کے بعد اضافت ثانی کا کیا مطلب؟ لہذا وہ تمیز جو اضافت کی وجہ سے تام ہوا ہو وہ تمیز کی طرف مضاف نہیں ہوگا ورنہ حالت اضافت میں مضاف کا دوبارہ مضاف ہونا لازم آئے گا حالانکہ یہ مقصود نہیں ہے۔

وعن غیر مقدار: اب مصنف ذات مذکورہ کی دوسری قسم کو بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی تمیز مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے اور مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرنے والی تمیز عموماً مجرور ہوتی ہے، کیونکہ تمیز کا مقصد ابہام کو دور کرنا ہے اور وہ اضافت کے ساتھ بھی حاصل ہے، مزید برآں اضافت کی صورت میں تخفیف بھی ہے جیسے عندی خاتم حدید۔

والثانی عن نسبة في جملة او ما ضاها مثل طاب زيد نفساً وزيداً طيباً ابا و ابوة و داراً و علماً او في اضافة مثل يعجبنى طيبه ابا و ابوة و داراً و علماً ولله دره فارساً ثم ان كان اسماً يصح جعله لما انتصب عنه جازان يكون له ولمتعلقه والافهوا لمتعلقه فيطبق فيهما ما قصد الا اذا كان جنساً الا ان يقصد الانواع وان كانت صفة كانت له و طبقه واحتملت الحال ولا يتقدم التميز على عامله والاصح ان لا يتقدم على الفعل خلافاً للمازني والمبرد.

ترجمہ: - اور دوسری (قسم) اس نسبت سے ابہام کو دور کرتی جو جملہ یا شبہ جملہ میں ہو جیسے

طاب زيد نفساً وزيداً طيباً ابا و ابوة و داراً و علماً یا اس نسبت سے جو اضافت میں ہو جیسے يعجبنى طيبه ابا و ابوة و داراً و علماً، ولله دره فارساً. پھر اگر تمیز ایسا اسم ہو جس کو منتصب عنہ کے لیے کرنا درست ہوتا ہے تو جائز ہے کہ وہ تمیز منتصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لیے ہو ورنہ پس وہ متعلق کے لیے ہوگی پس تمیز دونوں صورتوں میں مطابق ہوگی اس کے جس کا قصد کیا جائے۔ ہاں جب تمیز جنس ہو مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے اور اگر تمیز صفت ہو تو وہ منتصب عنہ کے لیے ہوگی اور منتصب عنہ کے مطابق ہوگی۔ اور وہ صفت حال کا بھی احتمال رکھتی ہے اور تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوگی، اور صحیح ترین مذہب یہ ہے کہ تمیز فعل پر مقدم نہ ہو اختلاف کرتے ہوئے مازنی اور مبرد سے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف تمیز کی دوسری قسم (یعنی تمیز جو ذات مقدرہ یعنی اس نسبت سے

ابہام کو دور کرتی ہے جو جملہ یا شبہ جملہ یا اضافت میں ہوتی ہے) کو بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تمیز کی دوسری قسم وہ ہے جو ابہام کو اس نسبت سے دور کرے جو نسبت جملہ یا شبہ جملہ یا اضافت میں ہوتی ہے۔ جیسے

طاب زید نفساً وزید طیب ابا ابوة ودار وعلماً.

یہاں پر ایک سوال ہے۔ کہ دوسری قسم کا اجمال بتاتا ہے کہ تمیز کی دوسری قسم ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے اور تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ تمیز کی قسم ثانی کا تعلق نسبت فی الجملہ اور نسبت فی شبہ الجملہ سے ہے، پس اجمال اور تفصیل میں توافق نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ ابہام فی طرف النسبة ابہام فی نفس النسبة کو مستلزم ہے۔ اور نفس النسبة سے ابہام کا رفع ابہام عن طرف النسبة کے رفع کو مستلزم ہے، لیکن مصنف نے صرف نسبت پر اکتفاء کیا اس بات پر تنبیہ کے لیے کہ تمیز کی دونوں قسموں میں مقابلہ ذات مقدرہ اور ذات مذکورہ کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ ذات اور نسبت کے اعتبار سے ہے۔ پس اگر تمیز ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے تو وہ قسم اول ہے۔ خواہ ذات مذکور ہو جیسے عندی رطل زیتا اور خواہ مقدر ہو جیسے نعم رجلا اور اگر تمیز نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے تو وہ قسم ثانی ہے خواہ ذات مذکور ہو جیسے طاب زید نفساً یا مقدر ہو جیسے طاب زید ابا۔

معلوم ہونا چاہئے کہ تمیز عن النسبة رفع ابہام کے اعتبار سے چار قسموں پر ہے عین اضافی اور عین غیر اضافی اور عرض اضافی اور عرض غیر اضافی۔

عین اضافی کہتے ہیں جو قائم بنفسہ ہو اور اس کے مفہوم میں اضافت الی الغیر کا اعتبار ہو جیسے اب اور عین غیر اضافی کہتے ہیں جو قائم بنفسہ ہو اور اس کے مفہوم میں اضافت الی الغیر کا اعتبار نہ ہو جیسے نفس اور عرض اضافی کہتے ہیں جو قائم بالغیر ہو اور اس کے مفہوم میں اضافت الی الغیر کا اعتبار ہو جیسے ابوة اور عرض غیر اضافی کہتے ہیں جو قائم بالغیر ہو اور اس کے مفہوم میں اضافت الی الغیر کا اعتبار نہ ہو جیسے علم۔

تمیز عن النسبة کی ایک اور تقسیم ہے جو باعتبار منصب عنہ کے ہے۔ پس پہلی قسم وہ ہے جو منصب عنہ کے ساتھ مخصوص ہو اور دوسری قسم وہ ہے جو منصب عنہ کے متعلق کے ساتھ مخصوص ہو۔ اور تیسری قسم وہ ہے جو منصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لیے ہو سکتی ہو۔

ملفوظ خاطر رہے کہ جملہ اور شبہ جملہ کی تمیزوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ پس جو اسم جملہ کی تمیز ہو وہ شبہ جملہ کی بھی تمیز ہو سکتا ہے ایسا ہی اس کے برعکس پس نفساً جملہ کے ساتھ اور ابا وغیرہ شبہ جملہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوئے، تمیز کی جتنی صورتیں جملہ میں ہوں گی اتنی ہی شبہ جملہ اور اضافت میں بھی ہوں گی۔

اب سنو چونکہ تمیز کی متعدد اعتبار سے متعدد قسمیں ہیں، اس لیے مصنف نے بجائے ایک مثال کے متعدد حیثیتوں کا لحاظ کرتے ہوئے متعدد مثالیں دی ہیں مثلاً طاب زید نفساً جملہ اور زید طیب ابا شبہ جملہ کی مثال ہے، نیز نفس عین غیر اضافی مخصوص بمنصب عنہ ہے اور اب عین اضافی منصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لیے ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، کیونکہ جب طاب زید ابا یا زید طیب ابا کہا گیا تو

اس کا دو مطلب ہو سکتا ہے، ایک تو یہ کہ زید خود باپ ہونے کے اعتبار سے اچھا ہے۔ کہ وہ اپنے بچوں کے حق میں بہترین مربی اور شفیق ہے۔ دوسرے یہ کہ زید اس لحاظ سے خوش نصیب ہے کہ اس کا باپ اچھا آدمی ہے کہ اس نے زید کی مثالی تربیت کی۔ پس اول منصب عنہ یعنی تمیز کے لیے ہوگا اور دوسرے مطلب کا تعلق منصب عنہ کے متعلق سے ہوگا کہ خود زید کیسا ہے ہمیں اس سے کوئی لینا دینا نہیں، البتہ اس کا باپ ڈھنگ کا آدمی ہے اور اس لحاظ سے زید اقبال مند ہے۔

اور ابوة عرض اضافی اور دار عین غیر اضافی، نیز علم عرض غیر اضافی ہے اور یہ تینوں کے تینوں منصب عنہ کے متعلق کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً جب طاب زید ابوة کہا جائے گا یا داراً یا علماً کہا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زید کی خوبی اس کے باپ کے شفیق ہونے کی وجہ سے ہے، اسی طرح زید کی خوش اقبالی اس کے گھریا علم کی وجہ سے ہے، پس معلوم ہوا کہ تمیز جس کی وجہ سے تمیز کو نصب ہو رہا ہے بذات خود خوبی سے خالی ہے۔ البتہ اپنے متعلقات کی وجہ سے اچھا سمجھا جا رہا ہے۔

فی اضافة: جو تفصیل تمیز عن النسبة فی الجملہ اور شبہ جملہ کی ہے بعینہ وہی تفصیل تمیز عن النسبة فی الاضافة کی ہے۔ مذکورہ تمیز وہ تمیز کہلاتی ہے جو ابہام، اضافت میں پائی جانے والی نسبت سے دور کرے۔
وللہ درہ فارسا: مصنف نے یہ مثال دے کر یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ تمیز عن النسبة جس طرح پابند ہوتی ہے، اسی طرح مشتق بھی ہوتی ہے، چنانچہ مذکورہ بالا مثال میں فارسا مشتق ہے اور ذر کی نسبت جو ضمیر کی طرف ہے اس سے ابہام کو دور کر رہا ہے فارس تمیز عن النسبة اس صورت میں ہوگا جب درہ کی ضمیر کا مرجع معلوم ہو، جیسا کہ مصنف خیال کرتے ہیں ورنہ فارسا تمیز کی پہلی قسم کی مثال ہوگا۔ چنانچہ صاحب منہل کا یہی خیال ہے۔

ثم ان كان ذاتياً: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمیز اسم ذات ہے یعنی صفت نہیں اور اس تمیز کا منصب عنہ کے لیے کرنا (بایں شرط کہ وہ تمیز منصب عنہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو جیسے کہ نفساً منصب عنہ کیساتھ مختص ہوتا ہے) صحیح ہو تو اس کو منصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لیے کیا جاسکتا ہے جیسے طاب زید ابا۔ مزید توضیح پیچھے گزر چکی ہے ورنہ وہ صرف منصب عنہ کے متعلق کے لیے ہی ہوگا جیسے طاب زید داراً۔ فرماتے ہیں کہ تمیز کی ان دونوں صورتوں میں تمیز حسب مقصود دلالتی جائے گی خواہ تمیز منصب عنہ کے لفظ کے مطابق ہو جیسے طاب زید ابا، طاب الزیدان ابوین، طاب الزیدون آباء اور خواہ منصب عنہ سے متعلق معنی کے مطابق ہو جیسے طاب زید ابا، طاب زید ابوین، طاب زید آباء۔
ہاں اگر تمیز جنس ہو تو مذکورہ صورتوں میں بھی تمیز کو منصب عنہ کے لفظ اور معنی کسی کے بھی مطابق لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو مقصد ثنیہ اور جمع لانے کا ہوتا ہے وہ جنس سے بغیر ثنیہ اور جمع لائے حاصل

ہو جاتا ہے، کیوں کہ جنس قلیل و کثیر سب پر دال ہوتی ہے۔ البتہ مذکورہ صورتوں میں تمیز کو تب حسب مقصود لانا ضروری ہوگا جب اس جنس سے انواع کا ارادہ کیا جائے، کیونکہ جنس انواع کی کثرت پر دلالت نہیں کرتی۔

وان كان في صفة الخ: سب سے پہلے سمجھئے کہ و طبقہ کا واؤ، واؤ عطف ہے اور طبق مصدر اسم فاعل مطابقت کے معنی میں ہے اور صفت سے مراد اسم مشتق ہے خواہ صریحاً اسم مشتق ہو یا تاویلاً، تاویلاً کی مثال جیسے کفی زید رجلاً جس کی تقدیر ہے کفی زید کاملاً فی الرجلية۔

اب سنو عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمیز صفت یعنی اسم مشتق ہو تو وہ منصب عنہ کے ساتھ مخصوص ہوگی، اس لیے کہ صفت موصوف کا تقاضا کرتی ہے پس مذکور موصوف ہونے کا مقدر سے زیادہ حق دار ہے۔ پس منصب عنہ اس کا موصوف ہو اور صفت کا موصوف کے ساتھ مختص ہونا ظاہر ہے۔ نیز وہ صفت منصب عنہ کے واحد تشنیہ اور جمع ہونے میں مطابق ہوگی۔ یہ مطابقت اس لیے ضروری ہے کہ اسم مشتق تمیز میں ایک ضمیر ہوگی جس کا مرجع منصب عنہ ہوگا پس اگر تمیز صورت مذکورہ میں منصب عنہ کے مطابق نہ ہو تو ظاہری بات ہے کہ پھر ضمیر منصب عنہ کے مطابق نہیں آسکتی، لہذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت بھی نہ پائی جاسکے گی، حالاں کہ مطابقت ضروری ہے۔ جیسے طاب زید شاعراً، طاب زید والدًا وغیرہ۔

نیز مذکورہ صفت میں حال ہونے کا بھی احتمال ہے۔ یعنی وہ اسم مشتق جیسے تمیز کی اہلیت رکھتا ہے۔ اسی طرح حال کی بھی اہلیت رکھتا ہے، لہذا وہ ترکیب میں حال بھی واقع ہو سکتا ہے جیسے طاب زید فارساً پس فارساً تمیز اور حال دونوں واقع ہو سکتا ہے۔

ولا يتقدم التميز على عامله الخ: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمیز کا عامل اسم جامد ہو تو اس پر تمیز کی تقدیم درست نہیں، کیوں کہ اس کی مشابہت فعل سے ضعیف ہے، لہذا جامد ضعیف العمل ہوا، پس وہ معمول متاخر میں تو عمل کرے گا لیکن معمول متقدم میں عمل پر وہ قادر نہیں۔

اور قول اصح یہ ہے کہ اگر فعل عامل ہو تو اس پر بھی تمیز مقدم نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ تمیز عن النسبة دراصل فاعل ہے اور فاعل کی تقدیم فعل پر محال ہے۔

دھیان رہے کہ فاعل عام ہے خواہ وہ نفس فعل کا فاعل ہو جیسے طاب زید نفساً جو حکم میں طاب نفس زید کے ہے اور خواہ وہ فعل کا فاعل ہو اس فعل کو لازم کرنے کے بعد جیسے فجرنا الارض عیوناً جب اس کو باب انفعال میں لے جائیں گے تو ہو جائے گا انفجرت عیونہا یا متعدی کرنے کے بعد جیسے امتلاء الاناء ماءً آ کہ جب اس کو ثلاثی مجرد میں لے جائیں گے تو ملاء ہ الماء ہو جائے گا۔

حاصل بحث یہ ہے کہ تمیز عن النسبة فی الواقع فاعل ہے خواہ وہ کسی طرح بھی ہو۔

مبرد اور مازنی کا اختلاف ہے، ابوالعباس مبرد اور ابو عثمان مازنی کا کہنا ہے کہ جب عامل فعل ہو تو تمیز

عن النسبة کی اس کے عامل پر تقدیم درست ہے، اس لیے کہ فعل قوی العمل ہوتا ہے پس وہ معمول متقدم اور متاخر دونوں صورتوں میں عمل کرے گا۔

ان دونوں بزرگوں کا استدلال اتھجر سلمی بالفراق جیہا ÷ وما کاد نفسا بالفراق تطیب سے ہے کہ دیکھئے نفسا تطیب سے حال ہے اور اس پر مقدم ہے، معلوم ہوا کہ تقدیم عامل کے فعل ہونے کی صورت میں درست ہے۔

شعر کا ترجمہ ہے کہ کیا سلمیٰ اپنے محبوب کو بتلائے ہجر کر کے چھوڑ دے گی، حالاں کہ خود اس کا جی فراق حبیب پر راضی نہیں، لیکن جمہور کا کہنا ہے کہ تطیب بجائے واحد مؤنث غائب کے واحد مذکر غائب ہے اور نفسا کاد سے تمیز واقع ہے اور بطیب کی ضمیر کا مرجع حبیب ہے، پس تمیز کی تقدیم اپنے عامل پر ثابت نہیں ہو پائے گی اور مصرع ثانی کا مطلب ہوگا، کہ حالاں کہ اس فرقت پر محبوب کا دل راضی نہیں ہے۔

المُسْتَثْنَى مُتَّصِلٌ وَمُنْقَطِعٌ فَالْمُتَّصِلُ هُوَ الْمَخْرَجُ عَنِ مُتَعَدِّدٍ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا بِالْأَخَوَاتِهَا وَالْمُنْقَطِعُ الْمَذْكُورُ بَعْدَهَا غَيْرَ مَخْرَجٍ وَهُوَ مَنْصُوبٌ إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا غَيْرِ الصِّفَةِ فِي كَلَامٍ مُوجِبٍ أَوْ مُقَدِّمًا عَلَى الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ أَوْ مُنْقَطِعًا فِي الْكَثْرِ أَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا فِي الْكَثْرِ أَوْ مَا خَلَا وَمَا عَدَا وَلَيْسَ وَلَا يَكُونُ وَيَجُوزُ فِيهِ النَّصْبُ وَيَخْتَارُ الْبَدَلُ فِي مَا بَعْدَ إِلَّا فِي كَلَامٍ غَيْرٍ مُوجِبٍ وَذِكْرُ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ مَثَلُ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ وَإِلَّا قَلِيلًا .

ترجمہ: - مستثنیٰ متصل ہے اور منقطع ہے پس متصل وہ ہے جس کو متعدد سے لفظ یا تقدیراً نکالا گیا ہو، والا اور اس کے اخوات کے ذریعے۔ اور منقطع وہ ہے جس کو والا اور اس کے اخوات کے بعد ذکر کیا گیا ہو درانحالیکہ وہ متعدد سے نکالا نہ گیا ہو۔ اور مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے جب وہ والا غیر صفت کے بعد کلام موجب میں واقع ہو یا مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو یا مستثنیٰ منقطع ہو اکثر لوگوں کے نزدیک یا مستثنیٰ خلا اور عدا کے بعد واقع ہو اکثر لوگوں کے نزدیک یا ماخلا اور ماعدا، لیس اور لایکون کے بعد واقع ہو۔ اور مستثنیٰ میں نصب جائز ہوتا ہے اور بدل مختار ہوتا ہے، والا کے مابعد میں کلام غیر موجب میں درانحالیکہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو جیسے مافعلوہ الا قلیل والا قلیلاً .

توضیح: - اب مستثنیٰ کے احکام بیان کرنا چاہتے ہیں، مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں متصل اور منقطع۔ وجہ حصر یہ ہے کہ مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ میں دخول استثناء سے پہلے یقینی طور پر معلوم ہوگا یا مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ سے خروج قبل الاستثناء یقینی طور پر معلوم ہوگا۔ صورت اول متصل کہلاتی ہے اور صورت ثانی منقطع۔ اب سوال پیدا ہوتا

ہے کہ مستثنیٰ کی تقسیم درست نہیں ہے، کیوں کہ تقسیم میں شرط ہے کہ مقسم کے لیے کوئی ایسا مفہوم مشترک ہو جو ہر قسم پر صادق ہو اور مستثنیٰ کے لیے ایسا کوئی مفہوم مشترک نہیں ہے؟ جواب یہ ہے کہ مفہوم مشترک عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا اعتباراً تو اگرچہ مستثنیٰ کا حقیقتاً ایسا مفہوم مشترک نہیں ہے لیکن اعتباراً ہے اور وہ یہ کہ مستثنیٰ ہر ایسی چیز ہے کہ جس پر مستثنیٰ کا لفظ نحاۃ کی اصطلاح میں بولا جائے۔

پر اب بھی الجھن ختم ہوتی نظر نہیں آتی معاملہ یہ ہے کہ مستثنیٰ کی تقسیم متصل اور منقطع کی طرف درست نہیں ہے، اس لیے کہ تقسیم تعریف پر موقوف ہوتی ہے اور مصنف نے تعریف کیا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ مقسم کے بارے میں کسی درجہ میں معلوم ہونا اس کی تقسیم کے لیے کافی ہوتا ہے اور مستثنیٰ کے بارے میں کسی نہ کسی درجہ معلومات حاصل ہے کہ مستثنیٰ لفظ کی قسم سے ہے اور اتنا معلوم ہونا تقسیم کے لیے کافی ہے۔

اب دونوں قسموں کی علیحدہ علیحدہ تعریف سنو، پس مستثنیٰ متصل وہ مستثنیٰ ہے جو متعدد سے نکالا گیا ہو خواہ لفظاً جیسے جاء نی القوم الا زیذاً یا تقدیراً جیسے ما جاء نی الا زیذاً، الا اور اس کے اخوات کے ذریعے خواہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو یا نہ ہو۔ اور مستثنیٰ منقطع وہ ہے جس کو الایا اس کے اخوات کے بعد ذکر کیا گیا ہو درانحالیکہ وہ متعدد سے نہ نکالا گیا ہو خواہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہی ہو یا نہ ہو۔ اول کی مثال جاء نی القوم الا زیذاً بشرطیکہ زید کہ قوم میں داخل نہ مانا جائے اور دوسرے کی مثال جیسے جاء نی القوم الا حماراً۔

یہ تعریف محققین کے نزدیک ہے اور مصنف نے اسی کو پسند کیا ہے جب کہ عام لوگوں کے نزدیک متصل اور منقطع کی تعریف دوسری ہے، عوام کے نزدیک مستثنیٰ متصل کی تعریف یہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو اور مستثنیٰ منقطع وہ ہے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو۔

تعریف میں اس اختلاف کا نتیجہ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اِجْمَعُونَ الا ابلیس میں ظاہر ہوگا، کہ محققین کے نزدیک یہ مستثنیٰ متصل ہوگا، کیوں کہ ابلیس کو متعدد یعنی ملائکہ سے نکالا گیا ہے بھلے وہ بلائکہ کی جنس سے نہیں ہے۔ اور عام لوگوں کے نزدیک مستثنیٰ منقطع ہے، کیوں کہ ابلیس ملائکہ کی جنس سے نہیں ہے۔

وہو منصوب: یہاں سے مصنف مستثنیٰ کا اعراب بیان کر رہے ہیں۔ مستثنیٰ کے اعراب کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم مستثنیٰ کا منصوب ہونا ہے۔ مستثنیٰ کا نصب پانچ جگہوں میں ہوتا ہے۔ پہلی جگہ یہ ہے کہ جب مستثنیٰ ایسے الّا کے بعد جو صفت کے لیے نہ ہو کلام موجب میں واقع ہو۔ لگے ہاتھ فوائد قیود بھی سمجھتے چلیے پس الّا کو غیر صفت کے ساتھ اس لیے مقید کیا کہ اگر الا صفت کے لیے ہو تو الّا کا مابعد یعنی مستثنیٰ منصوب نہیں ہوگا، بلکہ الّا کے ماقبل یعنی مستثنیٰ منہ کے اعراب کے تابع ہوگا جیسے لو کان فیہما الہة الا اللہ لفسدتا۔ پس اللہ الّا کے ماقبل الہة کے تابع ہے الّا کے برائے صفت ہونے کی وجہ سے۔

اور کلام موجب سے مراد یہ ہے کہ اس کلام میں نفی، نہی، استفہام نہ ہو جیسے جاء نبي القوم الا زيدًا
؛ مستثنیٰ منصوب ہوگا مفعول کے ساتھ مستثنیٰ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور بدل کے ممتنع ہونے کی وجہ سے۔
مستثنیٰ میں عامل الآ کے واسطے سے فعل یا معنی فعل ہوتا ہے۔

دوسری جگہ جہاں مستثنیٰ کا منصوب ہونا واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو جیسے جاء
نبي الا زيدان القوم اس میں نصب اس لیے واجب ہے کہ مستثنیٰ بدل اور صفت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا
ہے، کیوں کہ بدل کا مبدل منہ پر اور صفت کا موصوف پر مقدم ہونا محال ہے، لہذا نصب متعین ہے۔
تیسری جگہ جہاں پر مستثنیٰ کا منصوب ہونا واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہو اکثر لوگوں کے
نزدیک جیسے جاء نبي القوم الا حمارًا اس قسم میں مستثنیٰ اس لیے منصوب ہوگا کہ بدل ممتنع ہے، کیوں کہ
بدل کی چاروں اقسام میں زیادہ سے زیادہ بدل الغلط کا احتمال ہو سکتا تھا، لیکن یہاں یہ بھی درست نہیں، اس
لیے کہ بدل الغلط کی بنیاد غفلت اور سہو پر ہوتی ہے جب کہ مستثنیٰ منقطع کی بنیاد بیداری اور ہوشیاری پر ہوتی
ہے، اور ان دونوں کے درمیان منافات ظاہر ہے۔

فی الاكثر: اکثر سے مراد اہل حجاز ہیں، اس سے احتراز ہو گیا اقل استعمال سے اور وہ بنو تمیم ہیں بنو
تمیم کے نزدیک مستثنیٰ منقطع مطلقاً منصوب نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس میں تھوڑی سی تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر
مستثنیٰ منہ کو حذف کر کے مستثنیٰ کو قائم مقام بنایا جاسکتا ہو تو اس میں بدل اور نصب دونوں جائز ہوں گے اور
اگر مستثنیٰ منہ کو حذف کر کے مستثنیٰ کو قائم مقام نہ بنایا جاسکتا ہو تو نصب متعین ہے جیسے لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ الْآ
مَنْ رَجِمَ۔

اور چوتھی جگہ جہاں پر نصب واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مستثنیٰ خلا اور عدا کے بعد واقع ہو۔
منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خلا اور عدا یہ افعال ہیں اور ان کے اندر ضمیر فاعل کی ہے، لہذا خلا اور
عدا کا مابعد مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ اور خلا و عدا کے بعد واقع ہونے والے مستثنیٰ کا
مذکورہ حکم اکثر لوگوں کے نزدیک ہے ورنہ بعض لوگوں کے نزدیک خلا اور عدا حرف جار ہیں، لہذا ان کا
مابعد مجرور ہوگا۔

اور پانچویں جگہ جہاں مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے ما خلا، ما عدا اور لیس اور لایکون ہے، ما خلا
اور ما عدا میں مستثنیٰ اس لیے منصوب ہوتا ہے کہ ما مصدریہ ہے اور ما مصدریہ فعل پر ہی داخل ہوتا ہے، لہذا
خلا اور عدا کا فعل ہونا ضروری ہو گیا نیز ضمیروں کا ان کا فاعل ہونا اور مستثنیٰ کا ان دونوں کے بعد مفعول بہ
ہونا لازم ہو گیا، لہذا مستثنیٰ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ان کے بعد وجوباً منصوب ہوگا۔ جیسے جاء نبي القوم
ما خلا زيدًا وما عدا زيدًا اور لیس اور لایکون کے بعد مستثنیٰ کا منصوب ہونا اس لیے واجب ہے کہ

یہ دونوں فعل ناقص ہیں اور دونوں کا اسم ضمیر مستتر ہے اور مستثنیٰ کی حیثیت ان دونوں کے بعد خبر کی ہے اور چونکہ افعال ناقصہ کی خبر وجوباً منصوب ہوتی ہے لہذا مستثنیٰ کا منصوب ہونا واجب ہو گیا جیسے جاء نی القوم لیس زیداً اور جاء نی القوم لا یكون زیداً۔

ویجوز فیہ النصب: یہ مستثنیٰ کے اعراب کی دوسری قسم ہے کہ بدل مختار ہو اور نصب درست ہو اور ایسا تب ہوتا ہے جب مستثنیٰ الّا - بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ کو ذکر نہ کیا جائے تو اس میں نصب جائز ہوتا ہے اور بدل مختار جیسے ما فعلوہ الا قبل والّا قلیلاً نصب اس لیے جائز ہے، کیوں کہ وہ مستثنیٰ ہے اور بدل اس لیے مختار ہے کہ جب الّا کے مابعد کو بدل پر محمول کریں گے تو الّا کا مابعد اعراب بالاصالۃ کا مستحق ہو جائے گا اور جب الّا کے مابعد کو مستثنیٰ پر محمول کریں گے تو وہ اعراب بالواسطہ کا مستحق ہوگا۔ اور قاعدہ ہے کہ بالاصالۃ اعراب کا مستحق ہونا بالواسطہ اعراب کے مستحق ہونے سے زیادہ بہتر ہے، اس لیے بدل مختار ہے۔

فائدہ:- کلام غیر موجب کی قید اس لیے لگائی ہے، تاکہ کلام موجب سے احتراز ہو جائے۔

وَيُعَرَّبُ عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ إِذَا كَانَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ غَيْرَ مَذْكُورٍ وَهُوَ فِي غَيْرِ الْمَوْجِبِ لِيُفِيدَ مِثْلَ مَا ضَرَبَنِي إِلَّا زَيْدٌ إِلَّا أَنْ يَسْتَقِيمَ الْمَعْنَى مِثْلَ قَرَأْتُ الْيَوْمَ كَذَا وَمِنْ ثَمَّ لَمْ يَجُزْ مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا وَإِذَا تَعَدَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ فَعَلَى الْمَوْضِعِ مِثْلَ مَا جَاءَ نِي مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٌ وَلَا أَحَدٍ فِيهَا إِلَّا عَمْرُو وَمَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ لِأَنَّ مِنْ لَا تَزَادُ بَعْدَ الْإِثْبَاتِ وَمَا وَلَا لَا تُقَدَّرُ أَنْ عَامِلَتَيْنِ بَعْدَهُ لِأَنَّهُمَا عَمَلَتَا لِلنَّفْيِ وَقَدْ انْتَقَضَ النَّفْيُ بِالْأَخْتِافِ لَيْسَ زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْئًا لِأَنَّهَا عَمَلَتْ لِلْفِعْلِيَّةِ فَلَا أَثَرَ فِيهَا لِنَقْضِ مَعْنَى النَّفْيِ لِبَقَاءِ الْأَمْرِ الْعَامِلَةِ هِيَ لِأَجْلِهِ وَمِنْ ثَمَّ جَازَ لَيْسَ زَيْدٌ إِلَّا قَائِمًا وَامْتَنَعَ مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمًا .

ترجمہ:- اور اعراب دیا جاتا ہے حسب عوائل جب مستثنیٰ منہ غیر مذکور ہو اس حال میں کہ وہ غیر موجب میں ہو، تاکہ وہ فائدہ دے جیسے ما ضربنی الا زید مگر یہ کہ معنی درست ہوں جیسے قراءت الا یوم کذا اور اسی وجہ سے نہیں جائزے ما زال زید الا عالمًا، اور جب بدل لفظ پر ناممکن ہو جائے تو پھر محل پر ہوگا جیسے ما جاء نی من احد۔ الا زید اور لا احد فیہا الا عمرو اور ما زید شیئاً الا شیئ لا یعبا بہ اس لیے کہ من نہیں زائد ہوتا ہے اثبات کے بعد اور ما اور لا نہیں مقدر ہوتے عامل ہو کر اثبات کے بعد، کیوں کہ وہ دونوں نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں، جب کہ نفی الّا کے بعد ٹوٹ جاتی ہے

بخلاف لیس زید شیئا الا شیئا کے اس لیے کہ لیس فعلیت کی وجہ سے عامل ہوتا ہے پس کوئی اثر نہ ہوگا لیس کا عمل کے ٹوٹنے میں معنی منہفی کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اس امر کے بقاء کی وجہ سے کہ جس کی وجہ سے لیس عامل ہوتا ہے، اسی وجہ سے جائز ہے لیس زید الا قائمًا اور محال ہے ما زید الا قائمًا۔

توضیح: - اور مستثنیٰ کے اعراب کی تیسری قسم یہ ہے کہ مستثنیٰ کو عوامل کے اعتبار سے اعراب دیا جائے یہ اس وقت ہوتا ہے جب مستثنیٰ منہ غیر مذکور ہو اور مستثنیٰ کلام غیر موجب میں ہو، تا کہ وہ استثناء صحیح، صحیح فائدہ دے، جیسے ما ضربی الا زید اس مثال میں زید مستثنیٰ ہے اور مستثنیٰ منہ کل واحد غیر مذکور ہے اور نیز کلام غیر موجب ہے اور استثناء صحیح، صحیح فائدہ دے رہا ہے، کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ متکلم کو سوائے زید کے اور کسی نے نہ مارا ہو۔

اب قیود کا فائدہ سمجھ لیجئے، تو مستثنیٰ منہ کے غیر مذکور ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہوگا تو بجائے مذکورہ اعراب کے مستثنیٰ پر نصب جائز اور بدل مختار ہوگا۔ اور غیر موجب کی قید اس لیے لگائی کہ اکثر حالات میں مستثنیٰ کلام موجب میں ہونے کی صورت میں صحیح فائدہ نہیں دیتا ہے، جیسے ضربی الا زید یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ تمام آدمیوں کا سوائے زید کے فرد خاص کا مارنا ممکن نہیں ہے۔

جب آپ نے اتنا سمجھ لیا ہے تو اب ایک اعتراض اور اس کا جواب بھی سن لیں۔ سوال یہ ہے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہوگا تو مستثنیٰ کا اعراب علی حسب العوائل نہ ہو سکے گا، کیوں کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور ہوتا ہے تب بھی مستثنیٰ کا اعراب علی حسب العوائل آتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے ما جاءنی احد الا زید اور ما رأیت احدًا الا زیدًا اور ما مررت باحد الا زید۔ لہذا اس تیسری قسم کے علی حسب العوائل اعراب دیئے جانے کی وجہ تخصیص کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یعراب علی حسب العوائل کا مطلب یہ ہے کہ مستثنیٰ کے اعراب کی تیسری قسم میں مستثنیٰ کو اعراب علی حسب العوائل بغیر تبعیت کے دیا جاتا ہے کیوں کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہوتا تو مستثنیٰ کا اعراب مبدل منہ کے تابع ہو کر ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ کی بیان کردہ مثالوں سے واضح ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو مستثنیٰ کا اعراب بلا تبعیت کے ہوتا ہے اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو مستثنیٰ پر اعراب علی حسب العوائل آسکتا ہے، لیکن مبدل منہ کے تابع ہو کر۔ لہذا اعتراض بے مقصد ہے۔

الا ان یستقیم المعنی: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کا ضابطہ سابق قرات الا یوم کذا سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ مستثنیٰ مثال مذکور میں کلام موجب میں واقع ہے پھر بھی مستثنیٰ کا اعراب علی حسب العوائل آیا ہے تو مصنف نے اس اعتراض مذکور کا جواب دیا کہ جب استثناء کا معنی درست ہو تو علی حسب العوائل اعراب آنے کے لیے مستثنیٰ کے کلام غیر موجب میں ہونے کی شرط ضروری نہیں جیسے

کہ مثال مذکور میں معنی درست ہیں، لہذا یہاں شرط مذکور شرط نہیں ہے، کیوں کہ مثال مذکور میں مستثنیٰ منہ کل یوم سے ہفتہ یا مہینہ یا سال کے تمام دن مراد ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ آدمی ہفتہ یا مہینہ یا سال کے تمام دن پڑھے اور جمعہ کے دن نہ پڑھے۔

ومن ثم لم یجز: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ چونکہ مستثنیٰ مفرغ کلام موجب میں نہیں پایا جاسکتا ہے اس لیے کہ بدیں صورت وہ استثناء معنی صحیح کا فائدہ نہیں دیتا مازال زید الا عالماً کی ترکیب درست نہیں ہے، اس لیے کہ زال نفی کے لیے ہے اور ما بھی نفی کے لیے ہے پس مازال اثبات کے لیے ہو گیا، کیوں کہ نفی جب نفی پر داخل ہوتی ہے تو وہ اثبات کا فائدہ دیتی ہے پس مازال زید الا عالماً کے معنی ہوئے ثبت زید علی کل صفة من الصفات الا عالماً یعنی زید تمام صفات کے ساتھ متصف ہے، سوائے عالم ہونے کے اور یہ غیر ممکن ہے اس لیے کہ اس تقدیر پر یہ لازم آتا ہے کہ زید متضاد صفات کے ساتھ ایک ہی وقت میں متصف ہو اس لیے کہ اس ترکیب کا مطلب یہ ہے کہ زید میں عالم ہونے کے سوا تمام صفات موجود ہیں خواہ وہ آپس میں متضاد ہی کیوں نہ ہوں جیسے قیام و قعود، شبعان اور جوعان وغیرہ اور اس کا غلط ہونا واضح ہے۔

واذا تعذر البدل علی اللفظ: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کا سابقہ قاعدہ کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور ہو اور مستثنیٰ کلام غیر موجب میں ہو تو اس میں نصب جائز ہے اور بدل مختار ہوتا ہے مندرجہ ذیل مثالوں سے ٹوٹ گیا جیسے ما جاءنی من احد الا زید، ولا احد فیہا الا عمرو اور ما زید شیئاً الا شیء لا یعبأ به، کیوں کہ مذکورہ بالا مثالوں میں مستثنیٰ کا رفع متعین ہے جب کہ حسب قاعدہ پہلی مثال میں مستثنیٰ کو مجرور ہونا چاہئے اور دوسری اور تیسری مثال میں منصوب ہونا چاہئے حالاں کہ ایسا نہیں ہے تو مصنف نے جواب دیا کہ جب بدل لفظ پر متعذر ہو تو بدل کو مبدل منہ کے محل پر محمول کیا جاتا ہے اور ان تینوں مثالوں میں مبدل منہ محلاً مرفوع ہے، لہذا مختار پر بقدر امکان عمل کرتے ہوئے مستثنیٰ منہ کے محل سے بدل ہی قرار دیا گیا ہے، لہذا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ ہمارا قاعدہ ٹوٹ گیا ہے۔

لان من لا تزداد بعد الاثبات: یہاں سے فاضل مصنف دلیل بیان کر رہے ہیں کہ مستثنیٰ منہ کے لفظ پر بدل کی گنجائش کیوں نہیں ہے؟ فرماتے ہیں کہ ایسا اس لیے ہے کہ لفظ سے بدل قرار دینے کی صورت میں لفظ من کا اثبات کے بعد اضافہ کرنا لازم آتا ہے، اس لیے کہ بدل چونکہ تکریر عامل کے حکم میں ہوتا ہے پس اگر لفظ سے بدل قرار دیا جائے گا تو وہ "من" جو مبدل منہ میں عامل ہے، لفظاً اس کا بدل میں بھی اعتبار لازم آیا اور بدل الا کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے مثال مذکور میں مثبت ہو جاتا ہے اور معاملہ یہ ہے کہ من کا اضافہ بعد الاثبات نہیں ہوتا۔ اس لیے لفظ سے بدل قرار دینے کی صورت میں یہ خرابی لازم آتی ہے۔

اور دوسری اور تیسری مثال میں اسی طرح لفظ سے بدل قرار دینے کی صورت میں ما اور الا کا اثبات کے بعد مقدر ماننا لازم آتا ہے جب کہ ما اور الا کو بحیثیت عامل کے الا کے بعد مقدر نہیں مانا جاسکتا ہے کیوں کہ ما اور الا نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں، جب کہ نفی الا کی وجہ سے ختم ہو چکی ہے۔ پس ان دونوں مثالوں میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، لہذا مجبوراً مستثنیٰ منہ کے محل سے قرار دیا گیا۔

بخلاف لیس زید شیئا الا شیئا: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب نفی کے معنی الا کے بعد ختم ہو جاتے ہیں تو جب کلمہ نفی مستثنیٰ منہ میں عامل ہو تو پھر مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل قرار نہیں دیا جاسکتا، جب کہ لیس زید شیئا الا شیئا میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل قرار دیا گیا ہے، حالاں کہ نفی کے معنی الا کے ذریعہ ختم ہو گئے۔ پس ماسبق کی علت کی تقریر صحیح نہیں ہے۔ تو مصنف نے جواب دیا کہ لیس زید شیئا الا شیئا کو لا احد فیہا الا عمرو پر قیاس کر کے ناجائز نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ لیس فعل ہے، اور وہ اسی حیثیت سے عامل ہے، لہذا نفی کے معنی الا کے بعد ٹوٹ جانے کا اس کے عمل پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیوں کہ لیس کے عامل ہونے کی بنیاد فعل ہونا ہے اور یہ بنیاد نفی کے معنی کے ختم ہو جانے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ جب کہ لا احد فیہا الا عمرو میں عمل کی بنیاد الا کے ذریعہ ختم ہو جاتی ہے، اس لیے اس میں لفظ سے بدل قرار دینا صحیح نہیں۔ کہتے ہیں کہ اس فرق کی وجہ سے لیس زید الا قائما کی مثال ٹھیک ہے اور ما زید الا قائما کی مثال درست نہیں ہے۔

وَمَخْفُوضٌ بَعْدَ غَيْرِ وَسَوَىٰ وَسِوَاءَ وَبَعْدَ حَاشَا فِي الْاَكْثَرِ وَاَعْرَابُ غَيْرِ فِيهِ
كَاعْرَابِ الْمُسْتَثْنَىٰ بِالْاِ عَلَى التَّفْصِيلِ وَغَيْرُ صِفَةٍ حُمِلَتْ عَلَى الْاِ فِي الْاِسْتِثْنَاءِ
كَمَا حُمِلَتْ الْاِ عَلَيْهَا فِي الصِّفَةِ اِذَا كَانَتْ تَابِعَةً لَجَمْعٍ مَنكُورٍ غَيْرِ مَحْضُورٍ لِتَعْدِرِ
الْاِسْتِثْنَاءِ مِثْلَ لَوْ كَانَ فِيهِمَا الْهَاءُ الْاِ اللَّهُ لَفَسَدَتَا وَضَعْفَ فِي غَيْرِهِ وَاَعْرَابُ سَوَىٰ
وَسِوَاءَ النِّصْبُ عَلَى الظَّرْفِ عَلَى الْاَصْحَحِ .

ترجمہ: - اور مستثنیٰ مجرور ہوگا غیر اور سوی اور سواء کے بعد اور حاشا کے بعد اکثر لوگوں کے نزدیک اور غیر کا اعراب استثناء میں مستثنیٰ بالآ کے اعراب کی طرح ہے۔

اور غیر صیغہ صفت ہے جو الا فی الاستثناء پر محمول ہوتا ہے جیسا کہ الا غیر فی الصفة پر بشرطیکہ الاتباع ہو ایسی جمع منکور کے جو غیر محصور ہو استثناء کے امتناع کی وجہ سے جیسے لَوْ كَانَ فِيهِمَا الْهَاءُ الْاِ اللَّهُ لَفَسَدَتَا. اور ضعیف ہے اس کے علاوہ کی صورت میں اور سوی اور سواء کا اعراب نصب ہوگا ظرف ہونے کے ناطے صحیح ترین قول کے مطابق۔

توضیح: - یہاں سے مستثنیٰ کے اعراب کی چوتھی قسم بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ غیر

اور سوی اور سواء کے بعد مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوتا ہے اور حاشا کے بعد بھی اکثر لوگوں کے نزدیک مجرور ہوتا ہے، کیوں کہ حاشا حرف جار ہے جو تمام حروف جارہ کی طرح اپنے مدخول کو مجرور کرتا ہے۔ فی الاکثر کی قید سے مبرد کے قول سے احتراز کیا ہے، کیوں کہ مبرد کے نزدیک حاشا فعل اور ضمیر اس میں فاعل اور مستثنیٰ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

واعراب غیر فیہا الخ: اور غیر کا اعراب باب استثناء میں مستثنیٰ بالآ کے اعراب کی طرح پوری تفصیل کے ساتھ ہے، اور ایسا اس لیے ہے کہ غیر کے بعد جب مستثنیٰ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہو گیا اور اصل مستثنیٰ کے اعراب کا ظہور اس پر ناممکن ہو گیا تو مستثنیٰ کا اعراب غیر کو منتقل ہو گیا۔

وغیر صفة حلت الخ: یہاں سے یہ بتاتے ہیں کہ لفظ غیر صفت کا صیغہ ہے، کیوں کہ غیر ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے جو مغائرت کے معنی میں ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی غیر کو معنی موضوع لہ کے علاوہ الّا فی الاستثناء کے معنی پر محمول کر لیا جاتا ہے جیسا کہ الّا کو غیر فی الصفة کے معنی پر محمول کر لیتے ہیں یعنی غیر الّا کی طرح استثناء کے معنی کے لیے آتا ہے جیسا کہ الّا کبھی صفت کے معنی کے لیے غیر کی طرح مستعمل ہوتا ہے۔ اور ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ غیر جس طرح مغائرت پر دلالت کرتا ہے الّا بھی اسی طرح مغائرت کے معنی پر دلالت کرتا ہے، البتہ الّا غیر کے معنی میں تب ہوتا ہے جب الّا ایسی جمع کے تابع ہو جو نکرہ ہو اور غیر محصور ہو، تاکہ مستثنیٰ کے معنی متعذر ہو جائیں، کیوں کہ جب تک الّا استعمال استثناء کے لیے صحیح ہوگا تب تک وہ صفت کے معنی کے لیے مستعمل نہیں ہو سکتا۔

اب قیود کا فائدہ سنئے! تو جمع کے تابع ہونے کی شرط اس لیے قرار دیا کہ جمع متعدد پر دلالت کرتی ہے اور جب الّا بطور صفت کے جمع کے بعد آئے گا تو متعدد کے بعد ہوگا تو اب دریں حالت الّا صفت کی حالت الّا حرف استثناء کی حالت کے مطابق ہو جائے گی، کیوں کہ الّا حرف استثناء مستثنیٰ منہ متعدد کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اور جمع کے نکرہ ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ اگر جمع معرف باللام ہو تو یا تو لام استغراق کے لیے ہوگا یا عہد کے لیے۔ پہلی صورت میں مستثنیٰ متصل متعذر نہ ہوگا اور دوسری صورت میں لام سے اشارہ یا تو ایسی جماعت کی طرف ہوگا جس میں مستثنیٰ یقینی طور پر داخل ہوگا یا ایسی جماعت کی طرف ہوگا جس سے مستثنیٰ یقینی طور پر خارج ہوگا پس اگر پہلی صورت ہو تو مستثنیٰ متصل پھر متعذر نہیں اور اگر دوسری صورت ہو تو مستثنیٰ منقطع متعذر نہیں ہے۔

جب کہ الّا کے غیر کے معنی میں ہونے کی شرط یہ ہے کہ الّا کا مستثنیٰ کی دونوں قسموں کے لیے ہونا متعذر ہو۔ اور غیر محصور ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ محصور دو قسموں پر ہے جنس مستغرق اور جنس مستغرق بعض معلوم العدد اور دونوں تقدیروں پر الّا کے مابعد کا اس کے ماقبل میں داخل ہونا ضروری ہے، لہذا مستثنیٰ متصل

متعذر نہ ہو سکے گا جو الا کے غیر کے معنی میں ہونے کی شرط کے خلاف ہے۔ بہر حال جب یہ ساری شرطیں پائی جائیں گی تو الا صفت کے معنی میں مستعمل ہو سکے گا۔ جیسے لو کان فیہما الہة اللہ لفسدتا پس الا جمع یعنی الہة کے بعد واقع ہے، جو منکور غیر محصور ہے، لہذا الا غیر کے معنی صفتی میں ہوگا اور آیت کا مطلب ہوگا کہ اگر زمین و آسمان میں ایسے چند معبود ہوتے جو اللہ کا غیر ہیں تو نظام عالم بگڑ جاتا نیز اس آیت میں الا کو استثناء کے معنی پر محمول کرنے سے ایک دوسرا مانع بھی موجود ہے وہ یہ ہے کہ اگر الا کو استثناء کے معنی پر محمول کیا جائے تو معنی ہوں گے کہ اگر زمین و آسمان میں ایسے چند معبود ہوتے جن سے اللہ مستثنیٰ ہے تو نظام عالم بگڑ جاتا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں وحدانیت کے اثبات پر دلالت نہ ہوگی جب کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ثابت کرنا ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب الا غیر کے معنی میں ہو کہ وہ غیر اللہ کی نفی پر دلالت کرتا ہے اور غیر اللہ کی نفی وحدانیت کو مستلزم ہے۔

وضعف فی غیرہ الخ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا شرطوں کے بغیر الا کو غیر کے معنی میں لینا ضعیف ہے، اس لیے کہ بغیر ان شرطوں کے الا کو استثناء کے معنی میں لینا درست ہوگا۔ اور جب معنی استثناء صحیح ہو سکتے ہیں تو استثناء کے علاوہ دوسرے یعنی غیر کے معنی پر محمول کرنا غیر مناسب ہوگا۔

واعراب سوی وسواء: یہاں سے سوی اور سواء کا اعراب بتا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ سوی اور سواء کا اعراب ظرفیت کی وجہ سے نصب ہوگا اس لیے کہ یہ دونوں فی الاصل مکان کی صفت ہیں جیسے قرآن میں ہے مکاناً سویاً پھر موصوف کو حذف کر کے صفت کو موصوف کا قائم مقام بنا دیا پس یہ دونوں مکان کے معنی میں ہو گئے اور مکان ظرف ہے لہذا یہ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے یہ مذہب اصح ہے۔

اور مذہب غیر اصح یہ ہے کہ جو کوئیوں کا مذہب ہے وہ یہ ہے کہ سوی اور سواء کا اعراب غیر کے اعراب کی طرح ہوگا یعنی علی حسب المواقع رفع، نصب اور جر، اور مرد کا مذہب یہ ہے کہ سوی اور سواء مکان کے معنی میں نہیں ہیں، البتہ نصب متعین ہے۔ جیسے لقد تقطع بینکم کہ بین فاعل ہونے کے باوجود منصوب ہے۔

خبر کان واخواتها هو المسند بعد دخولها مثل کان زید قائماً وامرہ کامر خبر المبتداء ویتقدم معرفة وقد یحذف عاملہ فی نحو الناس مجزیون باعمالہم ان خیراً فخر وان شراً فشر، ویجوز فی مثلہا اربعۃ اوجہ ریجب الحذف فی مثل اما انت منطلقاً انطلقت ای لان کنت منطلقاً.

ترجمہ:- کان اور اس کے اخوات کی خبر وہ مسند ہوتی ہے کان اور اس کے اخوات کے داخل

ہونے کے بعد جیسے کان زید قائماً اور کان کی خبر کا معاملہ مبتداء کے خبر کے معاملہ کی طرح ہے اور کان اور اس کے اخوات کی خبر معرفہ ہونے کے باوجود مقدم ہو سکتی ہے اور کبھی اس کے عامل کو الناس مجزیوں باعمالہم ان خیرا فخیراً وان شراً فشرّاً جیسے میں حذف کر دیا جاتا ہے۔ اور اس جیسے میں چار و جہیں جائز ہیں اور کان کا حذف واجب ہوتا ہے اما انت منطلقاً انطلقت جیسے میں یعنی لان کنت منطلقاً۔

توضیح: - یہاں سے مصنف کان اور اس کے اخوات کی خبر کے بارے میں بتا رہے ہیں، کہ کان اور اس کے اخوات کی خبر، کان یا اس کے اخوات میں سے کسی کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے یعنی ان کے دخول کے بعد ان کا اثر قبول کرتی ہے۔ جیسے کان زید قائماً۔

وامرہ کامر خبر المبتداء: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کان اور اس کے اخوات کی خبر کا معاملہ احکام، اقسام اور شرائط میں مبتداء کے خبر کے معاملہ کی طرح ہے، لہذا مبتداء کی خبر کا ایک بار اور تفصیلی مطالعہ کر لیا جائے۔

ویتقدم: اس عبارت سے مصنف نے ایک وہم کو دور کیا ہے۔ وہم یہ تھا کہ آپ نے فرمایا کہ کان اور اس کے اخوات کی خبر کا حکم مبتداء کے خبر کی طرح ہے تو مبتداء کی خبر معرفہ ہونے کی حالت میں مبتداء پر مقدم نہیں ہو سکتی، حالاں کہ کان اور اس کے اخوات کی خبر معرفہ ہونے کے باوجود اپنے اسم پر مقدم ہو سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کان اور اس کے اخوات کی خبر کو مبتداء کی خبر کے مانند کہنا درست نہیں ہے تو اس کا مصنف نے جواب دیا ہے کہ ہاں بلاشبہ کان اور اس کے اخوات کی خبر کا معاملہ مبتداء کے خبر کی طرح ہی ہے۔ اب جہاں تک کان اور اس کے اخوات کی خبر کا معرفہ ہونے کے باوجود اپنے اسم پر مقدم ہو جانے کی بات ہے تو اس میں اتنا فرق اس لیے ہو گیا ہے کہ کان اور اس کے اخوات خبر اور اسم میں اعراب کے مختلف ہونے کی وجہ سے اشتباہ نہ ہوگا، جب کہ اسم و خبر ظاہرۃ الاعراب ہوں یعنی قرینہ موجود ہو جیسے کان المنطلق زید بہر حال اگر کان اور اس کے اخوات کی خبر اور اسم ظاہرۃ الاعراب نہ ہو بایں طور کہ دونوں کا اعراب تقدیری ہو جیسے کان موسیٰ عیسیٰ یا ایک تقدیری اور دوسرا محلی ہو جیسے کان الفتی هذا تو خبر کی تقدیم درست نہ ہوگی، کیوں کہ خبر کے معرفہ ہونے کی صورت میں بصورت تقدیم خبر جس طرح خبر کے مبتداء کے ساتھ اشتباہ کا اندیشہ ہوتا ہے ٹھیک عدم قرینہ کی صورت میں یہاں بھی یہی مسئلہ پیدا ہوگا۔

وقد یحذف: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ خود کان کو الناس مجزیوں باعمالہم ان خیراً مخیراً و ن شراً فشرّاً جیسی ترکیب میں حذف کر دیتے ہیں، اچھا حذف صرف کان کا تو ہو سکتا ہے، اس کے اخوات کا نہیں، اس لیے کہ کان کا استعمال اس قدر ہے کہ اگر اس کو حذف کر دیا جائے تو ذہن اس کی طرف منتقل ہو سکتا ہے جب کہ دیگر اخوات میں یہ بات نہیں ہے۔

الناس مجزیون الخ جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں ان پھر اسم اور فاء کو ذکر کیا گیا ہو۔ فرماتے ہیں کہ اس میں چار وجہیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی وجہ پہلے کا نصب اور دوسرے کا رفع، نصب تو اس لیے کہ وہ کان محذوف کی خبر ہے اور کان کی خبر منصوب ہوتی ہے اور ثانی کا رفع تو اس لیے کہ وہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مبتدا کی خبر مرفوع ہوتی ہے۔ لہذا تقدیر عبارت ہوگی ان کان عملہم خیراً فجزائہم خیراً وان کان عملہم شراً فجزائہم شرّاً۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں جگہ نصب ہو ایسا تب ہوگا جب خیراً دونوں جگہ کان محذوف کی خبر ہو اور ظاہر ہے کہ کان کی خبر منصوبات میں سے ہے پس تقدیر ہوگی ان کان عملہم خیراً فکان جزائہم خیراً اور تیسرا احتمال دونوں کا رفع ہے پہلے کا رفع تو اس لیے کہ وہ کان محذوف کا اسم ہے اور کان کا اسم مرفوع ہوتا ہے اور دوسرے کا رفع اس لیے کہ وہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مبتدا کی خبر کا مرفوع ہونا عالم آشکارہ ہے۔ تقدیر عبارت ہے ان کان فی عملہم خیراً فجزائہم خیراً وان کان فی عملہم شرّاً فجزائہم شرّاً۔

اور چوتھا احتمال یہ ہے کہ پہلے کا رفع اور دوسرے کا نصب بہر حال پہلے کا رفع تو اس لیے کہ وہ کان محذوف کا اسم ہے اور دوسرے کا نصب اس لیے کہ وہ کان محذوف کی خبر ہے پس تقدیر عبارت ہوگی۔ ان کان فی عملہم خیراً فکان جزائہم خیراً۔ ان وجوہ کی قوت اور ان کا ضعف قلت حذف اور کثرت حذف کے اعتبار سے ہے۔

ویجب الحذف: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ کان کا حذف اما انت منطلقاً انطلقت جیسی مثال میں واجب ہے۔ اصل عبارت لان کنت منطلقاً انطلقت ہے سب سے پہلے لام جاڑہ کو تخفیفاً حذف کیا پھر کان اختصاراً حذف ہو گیا اور کان کے عوض میں ما لے آئے اور ضمیر متصل کو منفصل سے بدل دیا پس ان ما منطلقاً انطلقت ہو گیا پھر ان کا ما میں ادغام ہو گیا اما انت منطلقاً انطلقت ہو گیا تو یہاں حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام دونوں کے پائے جانے کی وجہ سے بہر حال قرینہ تو معمول منطلقاً کا منصوب ہونا ہے۔ اور قائم مقام تو وہ ما ہے جو کان کی جگہ پر ہے۔

اسم انّ و اخواتها هو المسند الیہ بعد دخولها مثل انّ زیدا قائم۔

ترجمہ: - منصوبات میں سے انّ اور اس کے اخوات کا اسم بھی ہے جو مسند الیہ ہوتا ہے انّ یا اس کے اخوات کے داخل ہونے کے بعد جیسے انّ زیدا قائم۔
تفصیل مرفوعات میں گذر چکی ہے۔

المنصوب بلا التي لنفی الجنس هو المسند الیہ بعد دخولها یلیها نكرة مضافاً او مشبهاً به مثل لا غلام رجل ظریف فیها ولا عشرین درهماً لك فان كان مفرداً

فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ وَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً أَوْ مَفْصُولًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا وَجِبَ الرِّفْعِ وَالتَّكْرِيرُ وَمِثْلُ قَضِيَّةٍ وَلَا أَبَا حَسَنِ لَهَا مَتَاوَلٌ .

ترجمہ:- منصوب بلائے نفی جنس وہ اسم ہے جو مسند الیہ ہوتا ہے اس کے یعنی لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد جو متصل ہوتا ہے اس سے درانحالیکہ وہ اسم نکرہ ہو مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو جیسے لا غلام رجل ظریف فیہا اور لا عشرين درهما لك پس اگر اسم لاء مفرد ہو تو وہ منصوب ہوگا اس چیز پر کہ جس کے ساتھ نصب دیا جاتا ہے اور اگر معرفہ ہو یا جدائی واقع ہو اسم لا اور لا کے درمیان تو رفع اور تکریر واجب ہے اور قضیۃ ولا ابا حسن لہا تاویل شدہ ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف اس منصوب کی تعریف کر رہے ہیں جو لائے نفی جنس کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ منصوب بلائے نفی جنس وہ اسم ہے جو مسند الیہ ہوتا ہے لا کے داخل ہونے کے بعد درانحالیکہ وہ مسند الیہ لا سے متصل ہو جو نکرہ ہو، مضاف یا شبہ مضاف ہو، اب قیود کا فائدہ سمجھئے مسند الیہ کے لائے سے متصل ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ لا ضعیف العمل ہے وہ فصل کے ساتھ عمل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو سکتا۔ اور نکرہ ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ لا جنس کی نفی کے لیے آتا ہے اور جنس کثرت کا تقاضہ کرتی ہے جب کہ معرفہ ہونا قلت کا تقاضہ کرتا ہے اور ان دونوں باتوں میں منافات ہے۔ اور مضاف یا شبہ مضاف ہونا اس لیے شرط ہے کہ یہ دونوں اسم کے بڑے خواص میں سے ہیں تو اس سے اسمیت کی جہت طاقتور ہوگی اور حرف سے مشابہت کا پہلو کمزور ہو گیا۔

اب مثال دیکھئے جیسے لا غلام رجل ظریف فیہا ولا عشرين درهما لك پہلی مثال نکرہ مضاف کی ہے اور دوسری نکرہ مشابہ مضاف کی ہے، پہلی مثال میں فیہا خبر بعد الخبر ہے، تاکہ آدمی کے غلام کی ظرافت کی نفی سے کذب لازم نہ آئے۔

فان کا مفردا: پس اگر مسند الیہ مفرد ہو یعنی مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو تو وہ اس حرف یا حرکت پر مبنی ہوگا جس کے ساتھ وہ لاء کے دخول سے پہلے منصوب ہوتا تھا، بہر حال اس کا مبنی ہونا تو اس لیے ہے کہ وہ من استغراقیہ کے معنی کو متضمن ہے اور من استغراقیہ حرف ہونے کی وجہ سے مبنی ہے، لہذا جو من یعنی حرف کے معنی کو متضمن ہوگا وہ بھی مبنی ہوگا۔

مسند الیہ من استغراقیہ کے معنی کو اس لیے متضمن ہے کہ وہ سائل کے اس سوال کے جواب میں واقع ہے جو کلمہ من پر مشتمل ہے جیسے بل من رجل فی الدار اور قاعدہ ہے کہ مذکور فی السؤال ایسے ہے جیسے جواب میں اس کا اعادہ کیا گیا ہو اور فتح پر مبنی ہونا اس لیے ہے تاکہ حرکت بنائے حرکت اعرابیہ کے موافق ہو جائے جیسے لا رجل فی الدار۔

وان كان معرفة او مفصلاً: یہ اسم لا کے شرط ثانی اور اول پر تفریح ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر لا کا اسم نکرہ کے بجائے معرفہ ہو یا لا اور اس کے اسم کے درمیان بجائے اتصال کے انفصال ہو تو ان دونوں صورتوں میں لا کے اسم کا رفع اور خود لا کا تکرار واجب ہوتا ہے پہلے کی مثال جیسے لا زید فی الدار ولا عمرو۔

مذکورہ مثال میں زید بجائے نکرہ کے معرفہ ہے جو کہ لا کا اسم ہے، چنانچہ زید مرفوع ہے اور لا مکرر ہے اور دوسرے کی مثال جیسے لا فی الدار رجل ولا امرأة اس مثال میں رجل لا کا اسم ہے لیکن لا سے متصل نہیں ہے بلکہ منفصل ہے، چنانچہ رجل مرفوع ہے اور لا مکرر ہے۔ پہلی مثال میں تو رفع اس لیے واجب ہے کہ جب لا کا اثر معرفہ میں ظاہر نہیں ہوا تو اس میں رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے واجب ہو گیا اور لا کا تکرار اس لیے ضروری ہے کہ لا کا تکرار کثرت میں سے فوت شدہ کی خبر دینے والا ہو جائے۔ اور دوسری مثال میں رفع اس لیے واجب ہے کہ لا فصل کی وجہ سے ضعیف العمل ہے اور لا کا تکرار اس لیے ضروری ہے تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے، کیوں کہ سوال ہے افی الدار رجل او امرأة۔

ومثل قضية ولا ابا حسن لها متاؤل: مذکورہ عبارت سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ما قبل میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ لا کا اسم جب معرفہ ہو تو لا کے اسم کا رفع اور خود لا کا تکرار واجب ہوتا ہے۔ پس یہ قاعدہ شاعر کے قول قضية ولا ابا حسن لها سے ٹوٹ گیا اس لیے کہ لا کا اسم اس میں معرفہ ہے اس کے باوجود نہ تو وہ مرفوع ہے اور نہ ہی خود لا مکرر ہے تو مصنف نے اپنے قول متاؤل سے اس کا جواب دیا کہ قضية ولا ابا حسن لها نکرہ کی تاویل میں ہے اور جب ابا حسن نکرہ کی تاویل میں ہو گیا تو وہ اب حسب ضابطہ منصوب ہوگا۔

اب رہی بات نکرہ کے تاویل میں ہونے کی تو اس کی دو وجہیں ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ اس عبارت میں مضاف محذوف ہے، تقدیر عبارت یوں ہے قضية ولا مثل ابي حسن لها اور مثل کا لفظ زیادتی ابہام کی وجہ سے اضافت کے باوجود معرفہ نہیں ہوتا۔ اور جب بات ایسی ہے تو ابا حسن لفظ مثل کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہوگا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ابا حسن کنایہ ہے صاحب علم کے وصف مشہور سے اور صاحب علم کا وصف مشہور حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنا ہے تو اب اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ مسئلہ موجود ہے لیکن کوئی اس کا فیصلہ کرنے والا نہیں اس صورت میں ابا حسن کا نکرہ ہونا عالم آشکارا ہے، لہذا ہمارا قاعدہ نہیں ٹوٹا۔

ومثل لا حول ولا قوة إلا بالله خمسة أوجه فتحها وفتح الأول ونصب الثاني ورفعه ورفعهما ورفع الأول على ضعف وفتح الثاني وإذا دخلت الهمزة لم يتغير

العملُ وَمَعْنَاهَا الاستفهامُ والعرضُ والتمنى ونعتُ المبنى الاولُ مفردًا يليه مبنىٌ
ومعربٌ رفعًا ونصبًا مثل لا رجلٌ ظريفٌ وظريفٌ والّا فالاعرابُ.

ترجمہ:- اور لاحول ولا قوة الا بالله جیسے میں پانچ وجہیں ہیں دونوں کا فتح، اور پہلے کا فتح اور دوسرے کا نصب پہلے کا فتح اور دوسرے کا رفع، دونوں کا رفع پہلے کا رفع ضعف کے ساتھ اور دوسرے کا فتح۔ اور جب ہمزہ داخل ہو جائے تو عمل میں تبدیلی نہیں آتی البتہ ہمزہ کے معنی استفہام اور عرض اور تمنی کے ہوتے ہیں۔ اور مبنی کی پہلی صفت جو مفرد ہو اور جو مبنی سے متصل ہو معرب اور مبنی ہوگی رفع اور نصب کے ساتھ جیسے لا رجلٌ ظريفٌ وظريفًا ورنہ پس معرب ہوگی۔

توضیح:- سب سے پہلے سمجھئے کہ اس جیسی ترکیب سے کوئی ترکیب مراد ہے پس لاحول ولا قوة الا بالله جیسے سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں لا علی سبیل العطف مکرر ہو اور ہر لا کے بعد نکرہ مفردہ بلا فاصل ہو تو اس میں پانچ احتمال ہیں۔ پہلی وجہ دونوں کا فتح جیسے لاحول ولا قوة الا بالله ایسا اس لیے کہ دونوں جگہ لا جنس کی نفی کے لیے ہے اور لا کا اسم نکرہ مفردہ بلا فاصل ہے اور جب لا کا اسم اس طرح ہو تو وہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے۔ دوسری وجہ پہلے کا فتح اور دوسرے کا نصب ہے جیسے لاحول ولا قوة الا بالله ایسا اس لیے کہ پہلا لائے جنس کی نفی کے لیے ہے اور لاء کا اسم نکرہ مفردہ بلا فاصل ہے اور جب لاء کا اسم اس طرح ہو تو وہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے اور دوسرے کا نصب اس لیے کہ دوسرا لاء، لاء زائدہ ہے جو نفی کی تاکید کے لیے ہے اور دوسرے لاء کا اسم پہلے لاء کے محل قریب پر معطوف ہوگا اور اس کا محل قریب نصب ہے، لہذا یہ بھی منصوب ہوگا اور تیسری وجہ پہلے کا فتح اور دوسرے کا رفع ہے جیسے لاحول ولا قوة الا بالله بہر حال پہلے کا فتح تو اس کی وجہ گذر چکی ہے رہی بات دوسرے کے رفع کی تو اس لیے کہ دوسرا لاء زائدہ نفی کی تاکید کے لیے ہے اور دوسرے کا اسم پہلے کے اسم کے محل بعید پر معطوف ہے اور پہلے کے اسم کا محل بعید رفع ہے، مبتدا ہونے کی وجہ سے، لہذا یہ بھی مرفوع ہوگا اور چوتھی وجہ دونوں کا رفع ہے، جیسے لاحول ولا قوة الا بالله دونوں کا رفع اس لیے ہے، تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے۔ ان چاروں صورتوں میں جملہ کا عطف جملہ پر بھی ہو سکتا ہے، اس لیے کہ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ خبر ہے اور مفرد کا عطف مفرد پر بھی ہو سکتا ہے، کیوں کہ دونوں کی خبر ایک ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ اول ضعف کے ساتھ مرفوع ہو اور دوسرا مفتوح ہو جیسے لاحول ولا قوة الا بالله۔ رفع تو اس لیے کہ لائے اول بمعنی لیس ہے اور لا بمعنی لیس کا اسم مرفوع ہوتا ہے، لہذا یہ بھی مرفوع ہوگا اور ضعیف اس لیے کہ لا بمعنی لیس قلیل العمل ہے اور دوسرے کا فتح اس لیے کہ لائے ثانی جنس کی نفی کے لیے ہے اور اس کا اسم نکرہ مفردہ بلا فاصل ہے اور لا کا اسم جب اس طرح ہوتا ہے تو وہ مفتوح ہوتا ہے، لہذا یہ بھی مفتوح ہوگا البتہ اس وجہ خاص میں جملہ کا عطف جملہ پر ہوگا

مفرد کا عطف مفرد پر نہیں ہو سکتا ورنہ اسم واحد کا مرفوع اور منصوب دونوں ہونا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔
ہاں اگر اول کا رفع اس لیے مانا جائے کہ لا کا عمل باطل ہو چکا ہے، کیوں کہ لا کے عمل کے ابطال کے
لا کا تکرار ضروری ہوتا ہے اور وہ موجود ہے تو ایسی صورت میں عطف الجملۃ علی الجملۃ کے ساتھ عطف المفرد
علی المفرد بھی روا ہوگا۔

وإذا دخلت الهمزة: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جب ہمزہ استفہام لائے نفی جنس پر داخل
ہو جائے تو لا کا عمل کچھ بھی نہیں بدلتا البتہ لا مذکور صورت مذکور میں کبھی استفہام کے معنی میں ہوتا ہے جیسے
الآ رجل فی الدار اور کبھی عرض کے معنی میں ہوتا ہے جیسے الا تنزل عندی اور کبھی تمنا کے لیے ہوتا ہے
جیسے الا ماء اشربہ۔ صورت مذکور میں لا کا عمل معرب اور مبنی ہونے میں اس لیے نہیں بدلتا کہ لا کی تائید
میں معرب اور مبنی ہونے کی حیثیت سے ہمزہ استفہام کے اس پر دخول کی وجہ سے کوئی فرق نہیں آتا پس عمل
میں تبدیل بھی نہیں ہوئی اگرچہ معنی میں تبدیل ہو جاتی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔

البتہ ایک سوال رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کا قاعدہ مذکور شاعر کے قول الا رجل جزاء اللہ
خیراً سے ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ اس مثال میں لا کا عمل حرف استفہام کے اس پر داخل ہونے کی وجہ سے
مبنی سے معرب کی طرف بدل گیا ہے تو جواب یہ ہے کہ لا اس مثال میں جنس کی نفی کے لیے نہیں ہے کہ
اس پر حرف استفہام داخل ہو بلکہ یہ ایک مستقل حرف، حرف کخصیض ہے۔ اس پر خلجان ہوتا ہے کہ حرف کخصیض
فعل پر داخل ہوتا ہے جب کہ یہ اسم پر داخل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فعل عام ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً
فعل اگرچہ یہاں لفظاً نہیں ہے لیکن تقدیراً ہے، تقدیر عبارت ہے الا ترونی رجلاً جزاء اللہ خیراً۔

ونعت السبئی الاول الخ: اس عبارت کا ما حاصل یہ ہے کہ اسم لا مبنی کی صفت اول جو مفرد ہو اور
مبنی سے متصل ہو تو وہ معرب اور مبنی دونوں ہو سکتی ہے جیسے لارجل ظریف و ظریف و ظریفاً یعنی
ظریف جو کہ رجل کی صفت اول مفرد بلا فصل ہے ہر سہ حالتوں کا مستحق ہو سکتا ہے، اس کی علت اور مزید
تفصیل جاننے سے پہلے قیدوں کا فائدہ سمجھ لینا مناسب ہوگا۔ پس اسم لا مبنی کی قید سے اسم لا معرب
خارج ہو گیا جیسے لا غلاماً رجل ظریفاً اور اول کی قید سے اسم لا مبنی کی صفت ثانی سے احتراز ہو گیا جیسے
لارجل ظریف کریم فی الدار اور مفرداً کی قید سے صفت، بصورت مضاف سے احتراز ہو گیا جیسے
لارجل حسن الوجه اور یلیہ کی قید سے اسم لا مبنی کی صفت اول مفرد مفصول سے احتراز ہو گیا۔ جیسے
لا غلام فیہا ظریف، جب ان مذکورہ بالا قیدوں کے ساتھ اسم لا مبنی کی صفت اول ہوگی تو وہ معرب اور
مبنی دونوں ہو سکتی ہے مبنی علی الفتح اس لیے ہوگی کہ موصوف اور صفت کے درمیان اتحاد اور اتصال ہوتا ہے
لہذا صفت کو موصوف پر محمول کر دیا یا صفت کو موصوف پر اس لیے محمول کیا کہ حرف نفی صفت کی طرف متوجہ ہو

ہے کیوں کہ حرف نفی جب مقید پر داخل ہوتا ہے تو مقید سے قید کی نفی کر دیتا ہے۔
 اور معرب اس لیے ہوتا ہے کہ اصل توابع میں یہ ہے کہ تابع اپنے متبوع کا معرب ہونے میں تابع ہو
 پھر معرب کی دو صورتیں ہیں، چنانچہ معرب مذکور مرفوع بھی ہوگا اور منصوب بھی ہوگا۔ مرفوع اس لیے ہوگا کہ
 صفت کو موصوف کے محل بعید پر محمول مانا جائے اور منصوب اس لیے ہوگا کہ صفت کو موصوف کے محل قریب پر
 محمول قرار دیا جائے۔ جیسا کہ اوپر مثال گذر چکی ہے۔

والا فالاعراب: اس ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ اگر اسم لا مبنی کی صفت میں مذکورہ بالا تمام قیدوں
 میں سے کوئی قید بھی فوت ہو جائے تو ایسی صورت میں اسم لا مبنی کی صفت معرب ہوگی البتہ معرب ہونا
 بصورت رفع اور نصب دونوں ہوگا۔

والعطف علی اللفظ وعلى المحل جائز فی مثل لا اب وابنا وابن ومثل لا ابا له
 ولا غلامی له جائز تشبیہاً له بالمضاف لمُشارِ کتہ له فی اصل معناه ومن ثم لم
 یجز لا ابا فیها ولس بمضاف لفساد المعنی خلافاً لسیبویہ ویحذف کثیراً فی
 مثل لا علیک ای لا باس علیک.

ترجمہ: - اور عطف لفظ پر اور محل پر جائز ہے لا اب وابنا وابن جیسے میں اور لا ابا ولا
 غلامی له جیسی ترکیب جائز ہے، اس کے مضاف کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کے مضاف کا شریک
 ہونے کی وجہ سے اس کے اصلی معنی میں اور اسی وجہ سے نہیں جائز ہے الا ابا فیها اور وہ مضاف نہیں ہے
 فساد معنی کی وجہ سے مخالفت کرتے ہوئے سیبویہ کی اور اسم لا اکثر حذف کر دیا جاتا ہے لا علیک جیسے میں
 یعنی لا باس علیک.

توضیح: - یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسم لا مبنی کے لفظ اور عمل دونوں پر عطف
 ہو سکتا ہے۔ البتہ یہاں مبنی ہونے کی گنجائش نہیں ہے، اس لیے کہ صرف عاطف کے ذریعہ سے معطوف علیہ
 اور معطوف کے درمیان فصل پایا جاتا ہے اور معطوف علیہ اور معطوف میں بالذات مغایرت ہوتی ہے۔

ایک بات اور ملحوظ رہے کہ معطوف سے مراد وہ نکرہ ہے جو بغیر لا کے تکرار کے ہو جیسے لا اب وابنا
 وابن مذکورہ مثال میں اب جو کہ لا کا اسم ہے مبنی علی الفتح ہے، ابنا نکرہ کا واو عطف کے ذریعہ اس پر عطف
 کیا گیا ہے، لہذا ابنا کو اب کے لفظ سے معطوف قرار دینے کی صورت میں منصوب پڑھیں گے اور محل پر
 معطوف قرار دینے کی صورت میں مرفوع پڑھیں گے۔

ومثل لا ابا له الخ: مذکورہ بالا عبارت ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ ضابطہ ہے کہ جب لا

کا اسم نکرہ ہو اور لا سے متصل ہو تو وہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے تو مذکورہ ضابطہ لا ابا له ولا غلامی له سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ لا کا اسم نکرہ ہے جو لا سے متصل ہے پھر بھی منصوب ہے، جب کہ مبنی علی الفتح ہونا چاہئے۔ تو مصنف نے جواب دیا اپنے قول لا ابا له ولا غلامی سے کہ اس جیسی ترکیب میں باوجود لا کے اسم کے نکرہ ہونے اور لا سے متصل ہونے کے لا کے اسم کا منصوب ہونا جائز ہے، اس لیے کہ صورت مذکورہ میں لا کا اسم مضاف کے مشابہ ہے لا کے اسم کے ان دونوں ترکیبوں میں مضاف کے ساتھ مضاف کے اصل معنی یعنی اختصاص میں مشارکہ کی وجہ سے یعنی جس طرح اختصاص مضاف میں ہوتا ہے، اسی طرح ان ترکیبوں میں اسم لا میں اختصاص پایا جاتا ہے اس لیے دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہوئے، پس اسی مشابہت کی وجہ سے حکم اصلی کے بجائے اسم لا کا مذکورہ بالا حکم ہو گیا اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں لام اضافت اسم لا کے بعد واقع ہو اور اس پر مضاف کے احکام جاری ہوتے ہوں۔

ومن ثم لم یجز الخ: اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ چون کہ لا ابا فیہا اور مضاف میں امر مشترک نہ ہونے کی وجہ سے مشابہت نہیں ہے، کیوں کہ اضافت یہاں بمعنی فی مقصود نہیں ہے۔ لہذا جس طرح لا ابا له اور لا غلامی له کی ترکیب کا منصوب ہونا اضافت کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے درست ہے، اس ترکیب مذکور کا منصوب ہونا صحیح نہیں، البتہ یہ ترکیب مبنی علی الفتح ہوگی۔

ولیس بمضاف لفساد المعنی: خلاصہ یہ ہے کہ لا ابا له اور لا غلامی له بھلے مضاف کے مشابہ ہوں لیکن حقیقتاً مضاف نہیں ہیں، کیوں کہ مضاف ماننے کی تقدیر پر معنی میں فساد لازم آتا ہے، کیوں کہ ان دونوں ترکیبوں کے معنی مرادی جنس اب اور جنس غلام کے ثبوت کی نفی بغیر خبر کی تقدیر کے ہے جب کہ اضافت کی صورت میں یہ معنی بغیر خبر کی تقدیر کے حاصل نہیں ہوتے ہیں، کیوں کہ ان دونوں ترکیبوں کے معنی اضافت کی تقدیر پر لا ابا ولا غلامیہ موجودان ہوگا، البتہ مسئلہ مذکورہ میں سیبویہ کا اختلاف ہے، کیوں کہ یہ دونوں ترکیبیں ان کے نزدیک جائز ہیں لہذا اضافت فی الواقع ہوگی ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ ترکیبیں اضافت کا فائدہ دیتی ہیں اور وہ اختصاص ہے۔ اب جہاں تک لام کا مسئلہ ہے تو سیبویہ کا کہنا ہے کہ یہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان پایا جانے والا لام، لام مقدر کی تاکید کے لیے ہے۔

ویحذف کثیر الخ: اس عبارت سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ لا علیک جیسی مثال میں عموماً لا کے اسم کو حذف کر دیتے ہیں عموماً کا فائدہ دینے کے لیے۔ لا علیک جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں لا کی خبر مذکور ہو، اس لیے کہ اگر لا کی خبر مذکور نہ ہو بلکہ محذوف ہو تو لا کے اسم کا حذف جائز نہ ہوگا۔ تاکہ احجاف لازم نہ آئے اصل عبارت ہے لا باس علیک۔

خبر ما ولا المشبهتين بليس هو المُسندُ بعدَ دخولها وهي لغةٌ حجازيةٌ واذا زِيدَتْ إن مع ما او انتقضَ النفيُ بالآ او تقدّمَ الخبرُ بطلَ العملُ واذا عُطِفَ عليه بموجبَ فالرفعُ .

ترجمہ:- ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر وہ ہے جو مسند ہوتی ہے ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد اور یہ لغت حجاز ہے اور جب ان ما کے ساتھ زیادہ کر دیا جائے یا نفی الا کی وجہ سے ٹوٹ جائے یا خبر مقدم ہو جائے تو عمل باطل ہو جائے گا۔ اور جب ما اور لا کی خبر پر کسی موجب کے ذریعہ عطف کیا جائے تو معطوف پر رفع ہوگا۔

توضیح:- ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر کی تعریف کر رہے ہیں کہ ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر وہ ہے جو ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے یعنی ان کا اثر قبول کرتی ہے۔ ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر کا منصوب ہونا یہ اہل حجاز کی لغت ہے ورنہ بنو تمیم کے نزدیک ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر منصوب نہیں ہوتی بلکہ مرفوع ہوتی ہے۔ ان کا متدل یہ شعر ہے وَمَهْفَهْفِ كَالْعَضْنِ قَلتْ لَهْ انتسب ÷ فاجاب ما قتل المحب حرام۔ کہ حرام ما کی خبر ہونے کے باوجود بجائے منصوب ہونے کے مرفوع ہے پس معلوم ہوا کہ ما عمل نہیں کرتا یعنی اپنی خبر کو نصب نہیں دیتا ورنہ شاعر بجائے حرام رفع کے ساتھ پڑھنے کے نصب کے ساتھ پڑھتا۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ شاذ ہے اور شاذ کا اعتبار نہیں ہوتا مزید تفصیل مرفوعات کی بحث میں گذر چکی ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ ان کو ما کے ساتھ زیادہ کر دیا جائے جیسے ما ان زید قائم یا نفی کے معنی الا کی وجہ سے ٹوٹ جائیں جیسے ما زید الا قائم یا خبر اسم پر مقدم ہو جائے جیسے ما قائم زید تو ما کا عمل باطل ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت میں تو اس لیے کہ ما ضعیف العمل ہے وہ فصل کے ساتھ عمل نہیں کرتا ہے اور دوسری صورت میں تو اس لیے کہ ما کا عمل نفی کی وجہ سے ہے اور جب نفی الا کی وجہ سے ٹوٹ گئی تو پھر اس کا عمل بھی ختم ہو گیا اور تیسری صورت میں تو اس لیے کہ ما اور لا ضعیف العمل ہیں تو دونوں ترکیب کے پلٹ جانے کے ساتھ عمل نہیں کر سکتے، لہذا یہاں بھی عمل ختم ہو جائے گا۔

واذا عطف: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر پر کسی موجب یعنی ایسے عاطف کے ذریعہ جو ایجاب کا فائدہ دیتا ہے عطف کیا جائے تو معطوف مرفوع ہوگا اس لیے کہ وہ عاطف نفی کے توڑنے میں الا کی طرح ہے پس ما اور لا کا اثر معطوف تک نہ پہنچ سکے گا، لہذا بجائے خبر کے لفظ پر معطوف ہونے کے وہ محل پر معطوف ہوگا جیسے ما زید مقيما بل مسافرا لکن مسافر۔

المجروراتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عِلْمِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ وَالْمُضَافِ إِلَيْهِ كُلِّ اسْمٍ نُسِبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ بِوِاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا مُرَادًا فَالتَّقْدِيرُ شَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ اسْمًا مُجْرَدًا تَنْوِينُهُ لِاجْلِهَا وَهِيَ مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ فَالْمَعْنَوِيَّةُ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ غَيْرَ صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا وَهِيَ إِمَّا بِمَعْنَى اللّامِ فِي مَا عدا جِنْسِ الْمُضَافِ وَظَرْفَهُ وَإِمَّا بِمَعْنَى مَنْ فِي جِنْسِ الْمُضَافِ أَوْ بِمَعْنَى فِي، فِي ظَرْفِهِ وَهُوَ قَلِيلٌ مِثْلُ غُلامِ زَيْدٍ وَخاتِمُ فَضِيَّةٍ وَضَرْبُ الْيَوْمِ وَتَفِيدُ تَعْرِيفًا مَعَ الْمَعْرِفَةِ وَتَخْصِيصًا مَعَ النِّكَرَةِ وَشَرْطُهَا تَجْرِيدُ الْمُضَافِ مِنَ التَّعْرِيفِ وَمَا اجازَهُ الْكُوفِيُّونَ مِنَ الثَّلَاثَةِ الْاِثْوَابِ وَشَبَّهَهُ مِنَ الْعَدَدِ ضَعِيفٌ

ترجمہ: - مجرورات وہ ہیں کہ جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہوں اور مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے کہ جس کی طرف کسی چیز کی حرف جر کے واسطے سے نسبت کی گئی ہو خواہ حرف جر لفظاً ہو یا تقدیراً جو مراد ہو پس تقدیراً اس کی شرط یہ ہے کہ مضاف ایسا اسم ہے جس کو تنوین سے اضافت کے واسطے خالی کر لیا گیا ہو اور وہ معنوی ہوتی ہے اور لفظی۔ پس معنوی یہ ہے کہ مضاف اپنے معمول کی طرف مضاف ہونے والی صفت کا غیر ہو اور وہ یا تو بمعنی لام ہوگی مضاف کی جنس اور اس کے ظرف کے ماسوا میں اور یا بمعنی من ہوگی مضاف کی جنس کی صورت میں یا بمعنی فی ہوگی مضاف الیہ کے مضاف کا ظرف ہو نیکی صورت میں اور وہ بہت کم ہے۔ جیسے غلام زید اور خاتم فضیہ اور ضرب الیوم۔ اور وہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے معرفہ کے ساتھ اور تخصیص کا نکرہ کے ساتھ اور اس کی شرط مضاف کا خالی ہونا تعریف سے۔ اور وہ جس کو کوفیوں نے جائز قرار دیا ہے الثلاثة الاثواب اور اس کے مانند عدد میں ضعیف ہے۔

توضیح: - لفظ مجرورات کی وہی تفصیل ہے جو مرفوعات کی ہے۔ لہذا اس کی تفصیل مرفوعات کی ابتدائی بحث میں ملاحظہ کر لیا جائے۔

مجرورہ اسم ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو یعنی شئی کے مضاف الیہ ہونے کی علامت پر۔ اور مضاف کی علامت مفردات اور جمع مؤنث سالم میں کسرہ ہے اور غیر منصرف میں فتح اور اسمائے ستہ مکبرہ، تشنیہ اور جمع مذکر سالم میں یاء ہے۔

مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے کہ جس کی طرف شئی کی حرف جر کے واسطے سے نسبت کی گئی ہو خواہ حرف جر لفظاً ہو یا تقدیراً ہو اور مضاف الیہ کا اسم ہونا عام ہے خواہ وہ اسم صریحی ہو یا اسم تاویلی۔

مضاف الیہ کی اسی تعریف پر ایک سوال ہوتا ہے کہ یہ تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں، اس لیے

کہ مضاف الیہ کی مذکورہ تعریف کی رو سے اضافت لفظیہ مضاف الیہ سے خارج ہو جاتی ہے، کیوں کہ بعض لوگ اضافت لفظیہ میں حرف جر کی تقدیر کے قائل نہیں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ مصنف کے کلام سے متن میں ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اضافت جو اضافت لفظیہ اور معنویہ کی طرف منقسم ہوتی ہے وہ اضافت بتقدیر حرف جر ہے اور قاعدہ ہے کہ شئی کی قسم اپنے مقسم کے خلاف نہیں ہوتی تو جب مقسم حرف جر کی تقدیر کے ساتھ ہوگا تو بھلا اس کی قسمیں حرف جر کی تقدیر کے ساتھ کیوں کرنے ہوں گی لہذا یہ کہنا کہ اضافت لفظیہ حرف جر کی تقدیر کے ساتھ نہیں ہوئی، غلط ہے، یہ الگ بات ہے کہ مصنف نے اضافت لفظیہ کے بیان کے دوران اس کی وضاحت نہیں کی جس سے کچھ لوگوں کو دھوکا لگ گیا۔ پس مضاف الیہ کی تعریف جامع ہے۔

مراداً: یہ ٹکڑا ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ مضاف الیہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں مفعول فیہ، قمت یوم الجمعة جیسی ترکیب کا داخل ہوا جا رہا ہے، کیوں کہ یوم ایک اسم ہے جس کی طرف ایک شئی کی اضافت بواسطہ حرف جر یعنی بواسطہ فی کے کی گئی ہے باوجود اس کے کہ وہ مضاف الیہ نہیں ہے۔ تو مصنف نے اپنے قول مراداً سے جواب دیا کہ مضاف الیہ وہ اسم ہے کہ جس کی طرف کسی چیز کی بواسطہ حرف جر کے نسبت کئی گئی ہو خواہ حرف جر لفظی ہو یا تقدیری درانحالیکہ وہ حرف جر من حیث العمل اثر کو باقی رکھنے کے ساتھ ساتھ مراد ہو یعنی حرف جر کا اثر ظاہر ہوتا ہو۔ اور یوم الجمعة میں اگرچہ جمعہ کی فی تقدیر کے واسطے سے یوم کی طرف نسبت ہے، لیکن وہ فی تقدیراً مراد نہیں ہے، لہذا مضاف الیہ کی تعریف دخول سے غیر مانع ہے۔

فالتقدیر شرطہ: یہاں سے حرف جر کی تقدیر کے شرائط بیان کر رہے ہیں پس حرف جر کی تقدیر کی پہلی شرط یہ ہے کہ مضاف اسم ہو، کیوں کہ اضافت کے لوازم اسم کے ساتھ مخصوص ہیں، اضافت کے لوازم تعریف، تخصیص اور تخفیف ہیں لہذا اگر مضاف فعل ہو تو حرف جر کا تلفظ لازم ہے فعل کو مفعول تک پہنچانے کے لیے جیسے مردت بزید نیز وہ مضاف جو اسم ہوتوین اور تنوین کے قائم مقام نون ثنیہ اور نون جمع سے بھی خالی ہو اس لیے کہ تنوین اور قائم مقام تنوین کلمہ کے تمام ہونے اور مابعد سے کلمہ کے انقطاع کو واجب کرتی ہے جب کہ اضافت اتصال اور امتزاج کو واجب کرتی ہے پس جب نحو یوں نے دو کلموں کے درمیان اتصال کا ارادہ کیا اس طرح کہ پہلا کلمہ دوسرے کلمہ سے تعریف یا تخصیص یا تخفیف کو حاصل کرے تو ان لوگوں نے پہلے کلمہ سے کلمہ کے تمام ہونے کی علامت کو حذف کر دیا اور اس کو دوسرے کلمہ کے ذریعے پورا کر دیا۔

اضافت جو حرف جر کی تقدیر کے ساتھ ہوتی ہے دو قسموں پر ہے معنوی اور لفظی، وجہ حصر یہ ہے کہ مضاف یا تو ایسا صفت کا صیغہ ہوگا جو مضاف الیہ میں اضافت سے پہلے عامل ہوگا یا نہیں اول لفظی اور ثانی معنوی ہے۔

فالمعنوية ان يكون المضاف الخ: یہاں سے اضافت معنوی کی تعریف کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اضافت معنوی کہتے ہیں ایسی اضافت کو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہونے والی صفت کا غیر ہو یعنی اول تو مضاف بالکل صفت کا صیغہ نہ ہو جیسے غلام زید یا صفت کا صیغہ تو ہو لیکن وہ مضاف الیہ میں عامل نہ ہو جیسے کریم المصر۔ اس لیے کہ کریم شہر نہیں بلکہ شہر والے ہوتے ہیں۔

اضافت معنوی باعتبار حرف جر کی تقدیر کی نوعیت کے تین قسموں پر ہے اول بمعنی لام ثانی بمعنی من ثالث بمعنی فی۔ اضافت بمعنی لام اس وقت ہوگی جب مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس ہو اور نہ ہی مضاف کے لیے ظرف ہو۔ جیسے غلام زید اور اور صورت ثانی اس وقت ہوگی جب مضاف الیہ مضاف کی جنس ہو جیسے خاتم فضة اور صورت ثالث اس وقت ہوگی جب مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہو۔ جیسے ضرب الیوم۔

جب آپ نے اتنا سمجھ لیا تو اب دلیل حصر سمجھئے کہ اضافت کے تقدیر کی تین ہی صورتیں کیوں ہیں؟ تو وجہ یہ ہے کہ مضاف الیہ یا تو مضاف کا ظرف ہوگا یا نہیں صورت اول میں اضافت بمعنی فی ہوگی جیسے ضرب الیوم اور اگر مضاف الیہ مضاف کا ظرف نہیں ہے تو پھر چند صورتیں ہیں یا تو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تباہین کی نسبت ہوگی یا تساوی کی یا عموم خصوص مطلق کی یا عموم خصوص من وجہ کی اگر تباہین کی نسبت ہو تو وہ اضافت بمعنی لام ہوگی جیسے عجلة دراجة اور اگر تساوی کی نسبت ہو تو اضافت ممتنع ہے، کیوں کہ ایسی صورت میں اضافت بے فائدہ ہوگی جیسے اسد اور لیث جس اور منع اور اگر تیسری صورت ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا تو عام کی اضافت خاص کی طرف ہوگی یا اس کے الٹا اگر پہلی صورت ہو تو اضافت بمعنی لام ہوگی اور صورت ثانی میں اضافت ممتنع ہے، اضافت میں فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے جیسے احد الیوم اور اگر دونوں کے درمیان عام خاص من وجہ کی نسبت ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا تو مضاف اصل ہوگا بلحاظ مضاف الیہ کے یا اس کے برعکس۔ اگر پہلی صورت ہے تو اضافت بمعنی لام ہوگی جیسے فضة خاتمک خیر من فضة خاتمى اور اگر دوسری صورت ہے تو اضافت بمعنی من ہوگی جیسے خاتم فضة۔ مضاف کے بلحاظ مضاف الیہ کے اصل ہونے سے مراد یہ ہے کہ مضاف الیہ کو مضاف سے لیا گیا ہو جیسے کہ پہلی مثال میں ہے اور مضاف الیہ کے بلحاظ مضاف کے اصل ہونے سے مراد یہ ہے کہ مضاف کو مضاف الیہ سے لیا گیا ہو جیسے کہ دوسری مثال میں ہے۔

وهو قليل: اور اضافت بمعنی فی عربوں کے یہاں قليل الاستعمال ہے، اسی لیے اکثر نحو یوں کے نزدیک اضافت بمعنی فی کو اضافت بمعنی لام کی طرف لوٹا دیا گیا ہے، کیوں کہ ضرب الیوم کے معنی ہیں ضرب له اختصاص بالیوم۔

وتفید تعریفاً مع المعرفة: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اضافت معنوی مضاف الیہ کے معرف

ہونے کی حالت میں مضاف کی تعریف کا فائدہ دیتی ہے، اس لیے کہ اضافت معنوی کی ہیئت ترکیبہ مضاف کو معلوم کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ البتہ ایک بات دھیان رہے کہ مذکورہ بالا حکم سے غیر اور مثل مستعمل ہیں، چنانچہ اگر غیر یا مثل مضاف الیہ معرفہ کی طرف مضاف ہوں تو بھی ان میں زیادتی ابہام کی وجہ سے تعریف نہیں پیدا ہوگی ہاں اگر ان کے مضاف الیہ کی کوئی ایک ہی ضد ہو تو ان کے معرفہ کی طرف مضاف ہونے سے ان میں تعریف آجائے گی جیسے عليك بالحركة غیر السكون اور اضافت معنوی تخصیص کا فائدہ دیتی ہے جب وہ نکرہ کی طرف مضاف ہو یعنی مضاف الیہ نکرہ کی طرف کیوں کہ تخصیص نام ہے شرکاء کی تقلیل کا اور کوئی شک نہیں ہے کہ غلام رجل میں غلام کے رجل کی طرف اضافت سے پہلے غلام رجل اور غلام امرأة کے درمیان اشتراک تھا، لیکن جب رجل کی طرف مضاف ہو گیا تو اس سے غلام المرأة نکل گیا۔

اب آگے اضافت معنوی کی شرط بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ اضافت معنوی کی شرط یہ ہے کہ مضاف تعریف سے خالی ہو، اس لیے کہ اگر مضاف تعریف سے خالی نہ ہو تو مضاف الیہ کی دو صورتیں ہیں یا تو مضاف الیہ معرفہ ہوگا یا نکرہ ہوگا۔ پہلی صورت میں بصورت اضافت تحصیل حاصل لازم آئے گی اور دوسری صورت میں اعلیٰ کے حاصل ہونے کے باوجود ادنیٰ کا حاصل کرنا یا شاہ کا گدا سے مانگنا لازم آئے گا۔

وما اجازہ الکوفیون: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے قاعدہ بیان کیا کہ مضاف کا تعریف سے خالی ہونا ضروری ہے اور یہ قاعدہ الثلاثة الاثواب سے ٹوٹ جاتا ہے، اسی طرح الخمسة الدراہم اور اس جیسی ترکیبیں قاعدہ سابق کے خلاف ہیں کیوں کہ یہ اضافت معنوی ہیں باوجود اس کے کہ مضاف اس میں معرف باللام ہے تو مصنف نے ما اجازہ الکوفیون سے جواب دیا کہ الثلاثة الاثواب اور الخمسة الدراہم کی جیسی مثالیں اضافت معنوی ہونے کے باوجود جو کوفیوں نے حرف تعریف سے خالی نہیں کیا ہے، بلکہ الف لام کے ساتھ استعمال کیا ہے یہ ضعیف ہے کیوں کہ یہ استعمال ضابطہ کے خلاف ہے نیز فصحاء کے استعمال کے خلاف ہے، اس لیے کہ فصحاء ثلثة الاثواب اور خمسة الدراہم استعمال کرتے ہیں، لہذا ہمارا قاعدہ نہیں ٹوٹا۔

واللفظیۃ ان یكون المضاف صفة مضافة الى معمولها مثل ضارب زید وحسن الوجه ولا تفيد الا تخفيفا في اللفظ ومن ثم جاز مررت برجل حسن الوجه وامتنع مررت بزید حسن الوجه وجاز الضارباً زید والضارب زید وامتنع الضارب زید خلافاً للفراء وضعف ع الواهب المائة الهجان وعبيها ÷ وانما جاز

الضاربُ الرجلُ حملاً على المختارِ في الحسنِ الوجهِ والضاربُك وشبههُ فيمن
قال انه مضاف حملاً على ضاربك

ترجمہ: - اور اضافت لفظیہ یہ ہے کہ مضاف ایسی صفت ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو
جیسے ضارب زید اور حسن الوجه اور اضافت لفظیہ نہیں فائدہ دیتی ہے، مگر تخفیف کا لفظ میں۔ اور اسی
وجہ سے جائز ہے مررت برجل حسن الوجه اور ممنوع ہے مررت بزید حسن الوجه اور جائز ہے
الضارباً زید اور محال ہے الضارب زید مخالفت کرتے ہوئے فراء کی اور ضعیف ہے مع الواهب
المائة الهجان و عبدھا اور بے شک جائز ہے الضارب الرجل محمول کرتے ہوئے مختار پر حسن
الوجه میں اور جائز ہے الضاربك اور اس کے مشابہ اسی شخص کے قول میں جس نے کہا کہ وہ مضاف ہیں
حمل کرتے ہوئے ضاربك پر۔

توضیح: - اب اضافت لفظیہ کی تعریف کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اضافت لفظیہ ایسا
صفت کا صیغہ کہلاتا ہے جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے ضارب زید اور حسن الوجه۔ اضافت
لفظیہ سے صرف لفظ میں تخفیف کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ تعریف اور تخصیص کا نہیں۔ اضافت لفظیہ میں
حاصل ہونے والی تخفیف کی متعدد صورتیں ہیں یا تو کبھی وہ مضاف کی جانب میں ہوتی ہے یا کبھی مضاف الیہ
کی جانب میں اور کبھی دونوں کی جانب میں۔ مضاف کی جانب میں تخفیف تنوین یا قائم مقام تنوین یعنی نون
تثنیہ اور نون جمع کی صورت میں ہوگی اور مضاف الیہ کی جانب میں ضمیر کے حذف کی صورت میں تخفیف ہوگی
نیز ضمیر کو شبہ فعل میں پوشیدہ ماننے کی صورت میں بھی تخفیف کا تحقق ہوتا ہے۔

اب آپ اس فرق کو بھی سمجھ لیجئے کہ اضافت معنوی لفظ اور معنی دونوں میں مفید الفائدہ ہوتی ہے اور
اضافت لفظی صرف لفظ میں مفید الفائدہ ہوتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اضافت معنوی کے اندر مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان لفظ اور معنی دونوں میں
انفصال ہوتا ہے، لہذا جب اضافت کی جاتی ہے تو لفظ میں اتصال حاصل ہوتا ہے، چنانچہ اس پر فائدہ لفظیہ
مرتب ہوتا ہے نیز عند الاضافت معنی میں بھی اتصال حاصل ہوتا ہے تو اس پر فائدہ معنویہ مرتب ہوتا ہے۔
اور اضافت لفظی میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان اتصال فی المعنی اور انفصال فی اللفظ ہوتا
ہے، لہذا جب اضافت کی جاتی ہے تو اتصال فی اللفظ حاصل ہوتا ہے، چنانچہ اس پر صرف فائدہ لفظیہ مرتب
ہوتا ہے۔

ومن ثم جاز مررت برجل حسن الوجه: خلاصہ عبارت یہ ہے کہ اضافت لفظیہ صرف

تخفيف في اللفظ كما هي فائدة دیتی ہے تو اس وجہ سے مردت برجل حسن الوجه کہنا تو درست ہوگا اور مردت بزید حسن الوجه کہنا ناجائز ہوگا۔ پہلی ترکیب اس لیے درست ہوگی کہ جب اضافت لفظیہ مفید للتعریف نہیں ہے تو رجل نکرہ کا حسن الوجه صفت بن سکتا ہے، کیوں کہ وہ بھی تعریف یا تخصیص کا فائدہ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے نکرہ ہی رہا پس موصوف اور صفت میں مطابقت پائی گئی کیوں کہ رجل کی طرح حسن الوجه بھی نکرہ۔ جب کہ ترکیب ثانی میں تعریف یا تخصیص کے ندارد ہونے کی وجہ سے زید معرفہ اور صفت حسن الوجه نکرہ میں مطابقت نہیں ہے، حالاں کہ موصوف اور صفت کے درمیان مطابقت تعریفاً اور تنکیراً ضروری ہوتی ہے۔

اچھا اگر اضافت لفظیہ مفید للتعریف یا للتخصیص ہوئی تو منظر بدلا ہوتا کہ پہلی ترکیب عدم موافقت کی وجہ سے ناجائز اور ترکیب ثانی موافقت کی وجہ سے جائز ہوتی۔

وجاز الضارب زید: یہ دونوں ترکیبیں اس لیے درست ہیں کہ ان میں حسب ضابطہ تخفیف کا فائدہ حاصل ہے۔ پہلی مثال میں نونِ تشنیہ اور دوسری مثال میں نونِ جمع کا حذف ہے جو عین تخفیف ہے اور یہی اضافت لفظیہ کا فائدہ ہے۔ البتہ الضارب زید کی ترکیب درست نہیں ہے۔

اس لیے کہ اس میں اضافت لفظیہ کا فائدہ تخفیف حاصل نہیں ہے، کیوں کہ الضارب کی تنوین الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اضافت کی وجہ سے نہیں، لہذا اضافت لفظیہ کی وجہ سے اس ترکیب میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا پس یہ ناجائز ہے، لیکن فراء کا خیال ہے کہ الضارب زید کی ترکیب درست ہے وہ کہتے ہیں کہ اضافت لفظیہ کا فائدہ تخفیف اس میں حاصل ہے اور وہ تنوین کا اضافت کی وجہ سے حذف ہوتا ہے، لہذا یہ ترکیب صحیح ہے۔ جمہور کی طرف سے فراء کا جواب یہ ہے کہ لام محقق الذات ہے اور اضافت محقق الصفات۔ اور ضابطہ ہے کہ محقق الذات محقق الصفات پر مقدم ہوتا ہے جب بات یہ ہے تو دخول لام اضافت پر مقدم ہوگا، لہذا تنوین کا سقوط الف لام کی وجہ سے ہوگا نہ کہ اضافت کی وجہ سے۔

وضعف ع الواهب المائة الخ: یہ عبارت فراء کی دوسری دلیل کا جواب ہے، فراء کا کہنا یہ ہے کہ اس شعر کے اندر عبدہا "ح" کے ساتھ ہے جو المائة پر معطوف ہے اور مائة میں الواهب جو کہ مضاف ہے عامل ہے اور قاعدہ ہے کہ جو معطوف علیہ میں عامل ہوتا ہے وہی معطوف میں بھی عامل ہوتا ہے، لہذا حسب ضابطہ الواهب، عبدہا میں عامل ہوگا تو معنی ہوگا الواهب عبدہا اور یہ ترکیب درست ہے، پس جب الضارب زید بعینہ الواهب عبدہا کی طرح ہے تو مناسب ہے کہ الضارب زید کی بھی ترکیب درست ہو۔ جس طرح کہ الواهب عبدہا کی ترکیب درست ہے جو کہ شاعر فصیح کے کلام میں استعمال ہوا ہے، تو مصنف نے اس کا جواب دیا کہ الضارب زید کے جواز پر الواهب عبدہا سے

استدلال درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں عبدھا کے مجرور ہونے کی کوئی صراحت نہیں ہے، بلکہ عبدھا کے منصوب ہونے کا امکان ہے بایں طور کہ وہ مائتہ کے محل پر معطوف ہو اور مائتہ محلاً مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بسا اوقات معطوف میں اس چیز کو انگیز کر لیا جاتا ہے جو معطوف علیہ میں نہیں کیا جاتا۔

وانما جاز الضارب الرجل: فراء نے الضارب زید کے جواز پر تیسری دلیل پیش کی ہے یہ اس کا جواب ہے فراء کی اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ الضارب الرجل کی ترکیب درست ہے اور الضارب زید، الضارب الرجل پر محمول ہے، لہذا یہ ترکیب بھی درست ہے تو مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ الضارب زید کو الضارب الرجل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ الضارب الرجل کی ترکیب بھی حسب ضابطہ درست نہیں ہونا چاہئے، لیکن چوں کہ الحسن الوجه پر الضارب الرجل کو محمول کر لیا گیا ہے تو جس طرح الحسن الوجه درست ہے اسی طرح الضارب الرجل کی ترکیب بھی درست ہے، گو ضابطہ کے خلاف ہے جب کہ الضارب زید کو الحسن الوجه پر محمول نہیں کر سکتے، اس وجہ سے کہ الحسن الوجه میں مضاف معرف باللام ہے اور مضاف الیہ اسم جنس معرف باللام ہے اور الضارب زید میں ایسا نہیں ہے برخلاف الضارب الرجل کے کہ اس میں الحسن الوجه کی طرح مضاف معرف باللام اور مضاف الیہ اسم جنس معرف باللام ہے، لہذا اس کو تو مشابہت کی وجہ سے الحسن الوجه پر محمول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن الضارب زید کے لیے کوئی چانس نہیں ہے۔

وجاز الضاربك: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ فراء نے الضارب زید کی ترکیب کے جواز پر ایک اور طرح سے استدلال کیا جس کا مصنف نے جواب دیا ہے۔

فراء کا استدلال یہ ہے کہ الضارب زید درست ہے، اس لیے کہ وہ الضاربك پر محمول ہے اور الضاربك کی ترکیب کی درستگی مسلم ہے، لہذا الضارب زید کے جواز پر بھی انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی تو مصنف نے اپنے قول وجاز الضاربك سے جواب دیا کہ الضاربك اور اس کے مشابہ الضاربی اور الضاربه وغیرہ اس شخص کے قول کے مطابق جو ان کے مضاف ہونے کا قائل ہے ضاربك پر حمل کرتے ہوئے جائز ہے۔ یعنی حسب ضابطہ الضاربك جیسی ترکیب درست نہیں ہے، کیوں کہ اضافت لفظی ہونے کے باوجود اس میں تخفیف کا فائدہ حاصل نہیں ہے، کیوں کہ تنوین الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے، لیکن اس کے باوجود اس کو ضاربك پر محمول کرتے ہوئے جائز قرار دیا اور چوں کہ ضاربك بلا تخفیف جائز ہے، لہذا اس میں بھی بلا تخفیف جواز کی گنجائش پیدا ہوگی۔

در اصل قاعدہ یہ ہے کہ جب لوگ اسم فاعل اور اسم مفعول مجرد عن اللام کو ان کے مفعولوں سے طائفا چاہتے ہیں در انحالیکہ ان کے مفعولات ضمائر ہوں تو نحویوں نے اضافت کا التزام کیا ہے اور انہوں نے ضاربك کے تخفیف کے تحقق کی طرف توجہ نہیں کی، لہذا جب ضاربك بلا تخفیف درست ہے تو الضاربك کو بھی لوگوں نے اسی پر علاقہ کی وجہ سے محمول کر دیا۔ اور علاقہ ان دونوں کے درمیان یہ ہے کہ یہ دونوں ایک باب سے ہیں اور مضاف دونوں میں شبہ فعل ہے اور مضاف الیہ دونوں میں ضمیر متصل ہے اور تنوین دونوں میں قبل الاضافت ساقط ہوئی ہے بخلاف الضارب زيد کے کہ مضاف اگرچہ اس میں صفت یعنی شبہ فعل ہے، لیکن مضاف الیہ ضمیر نہیں لہذا افراد کا استدلال درست نہیں ہے۔

وَلَا يُضَافُ مَوْصُوفٌ إِلَى صِفَةٍ لَا صِفَةٌ إِلَى مَوْصُوفِهَا وَمِثْلُ مَسْجِدِ الْجَامِعِ وَجَانِبِ الْغَرْبِيِّ وَصَلْوَةِ الْأُولَى وَبَقْلَةُ الْحَمَقَاءِ مُتَاوَلٌ وَمِثْلُ جَرْدُ قَطِيفَةٍ وَاخْتِلَافُ ثِيَابٍ مُتَاوَلٌ وَلَا يُضَافُ اسْمٌ مُمَازِلٌ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ فِي الْعُمُومِ وَالْخُصُوصِ كَلَيْثٍ وَاسَدٍ وَحَبَسٍ وَمَنْعٍ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ بِخِلَافِ كُلِّ الدَّرَاهِمِ وَعَيْنِ الشَّيْءِ فَإِنَّهُ يَخْتَصُّ بِهِ وَقَوْلُهُمْ سَعِيدٌ كَرَزٌ وَنَحْوُهُ مُتَاوَلٌ .

ترجمہ: - اور نہیں مضاف ہوتا ہے کوئی موصوف کسی صفت کی طرف اور نہ کوئی صفت کسی موصوف کی طرف اور مسجد الجامع اور جانب الغربی اور بقلة الحمقاء جیسے تاویل کیے ہوئے ہیں اور جرد قطيفة اور اخلاق ثياب تاویل شدہ ہیں اور ایسا اسم جو عموم اور خصوص میں مضاف الیہ کا مماثل ہو مضاف نہیں ہوتا جیسے لیث اور اسد اور حبس اور منع فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے بخلاف کل الدراہم اور عین الشئ کے، کیوں کہ وہ اس کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے اور ان کا قول سعید کرز اور اس جیسا تاویل شدہ ہے۔

توضیح: - حاصل عبارت یہ ہے کہ موصوف صفت کی طرف اور نہ ہی صفت موصوف کی اور مضاف ہو سکتی ہے وجہ یہ ہے کہ ترکیب توصیفی اور ترکیب اضافی دونوں کے الگ الگ معنی ہیں، چنانچہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا قائم مقام نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ ترکیب توصیفی کی بنیاد صفت اور موصوف کے درمیان اتحاد پر ہے اور ترکیب اضافی کی بنیاد مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان مغایرت پر ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں کے درمیان منافات ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ موصوف مضاف اس لیے نہیں ہوگا کہ موصوف صفت سے اخص ہوتا ہے یا اس کے مساوی ہوتا ہے جب کہ مضاف، مضاف الیہ کے لیے یہ دونوں چیزیں لازم نہیں ہیں۔

اور صفت موصوف کی طرف اس لیے مضاف نہ ہوگی کہ بایں صورت صفت کا اپنے متبوع یعنی اپنے

موصوف پر مقدم ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔

و مثل مسجد الجامع و جانب العربی: یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں ہو سکتی تو یہ مذکورہ بالا قاعدہ مسجد الجامع اور جانب الغربی وغیرہ سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ ان تمام مثالوں میں موصوف اپنی صفت کی طرف مضاف ہے۔ تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ ساری مثالیں تاویل شدہ ہیں چنانچہ پہلی مثال میں وقت مقدر ہے۔ تقدیر عبارت ہے مسجد الوقت الجامع اور دوسری مثال میں مکان مقدر ہے تقدیر عبارت جانب مکان الغربی ہے اور تیسری مثال میں الساعة مقدر ہے۔ تقدیر عبارت ہے صلوة الساعة الاولى اور چوتھی مثال میں حبة مقدر ہے تقدیر عبارت ہے بقلة الحبة الحمقاء۔ پس اگر ان امور مقدرہ کا امثلہ مذکورہ میں لحاظ کیا جائے تو اعتراض دونوں طرح سے ختم ہو جاتا ہے کہ نہ تو موصوف مضاف ہے اور نہ ہی صفت مضاف الیہ ہے، اس لیے کہ امور مذکورہ کی تقدیر کے بعد جو مضاف ہے وہ موصوف نہیں اور جو مضاف الیہ ہے وہ صفت نہیں پس ہمارا قاعدہ اپنی جگہ پر مسلم ہے۔

و مثل جرد قطیفة: یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال ہے کہ آپ کا یہ ضابطہ کہ صفت موصوف کی طرف مضاف نہیں ہوتی جرد قطیفة وغیرہ سے ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ جرد قطیفة میں جرد، قطیفة کی صفت ہے، اسی طرح اخلاق ثیاب میں اخلاق، ثیاب کی صفت ہے بایں ہمہ وہ اپنے موصوف کی طرف مضاف ہیں تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ سب متاویل ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ یہ اضافت بمعنی من ہے اور جرد یہ قطیفة کی صفت نہیں ہے اور نہ ہی اخلاق، ثیاب کی صفت ہے (اگرچہ ہمارے قول قطیفة جرد میں جرد اور ثیاب اخلاق میں اخلاق صفت ہے) اس لیے کہ جب موصوف کو حذف کر دیا اور صفت موصوف کی جگہ پر استعمال ہونے لگی تو موصوف کے لانے کی کوئی ضرورت نہ رہی پھر بعض استعمالات میں اشتباہ پیدا ہو گیا اور وہ یہ کہ جرد کس جنس سے اور اخلاق کس جنس سے تعلق رکھتے ہیں تو لوگ ان کے موصوف کو لے آئے اور ان صفتوں کو بطور بیان کے ان کے موصوفوں کی طرف مضاف کر دیا تو یہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف بحیثیت صفت، موصوف کے نہیں ہے، لہذا ہمارا ضابطہ نہیں ٹوٹا۔

ولا یضاف اسم مماثل للمضاف الیہ الخ: یہاں سے مصنف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر مضاف، مضاف الیہ کے مماثل ہو عام اور خاص ہونے میں جیسے لیٹ اور اسد وغیرہ تو اضافت درست نہ ہوگی۔ کیوں کہ صورت مذکورہ میں اضافت سے کوئی فائدہ حاصل ہونے والا نہیں اس لیے کہ جب مضاف اور مضاف الیہ عام اور خاص ہونے میں برابر ہی ہیں تو نہ تعریف حاصل ہوگی اور نہ تخصیص جو کہ اضافت

لازمی فائدہ ہے، البتہ کل الدراہم اور عین الشئی میں اضافت درست ہے، کیوں کہ کُلُّ اضافت سے پہلے عام تھا، اس لیے کہ وہ دراہم و دنانیر اور دیگر تمام چیزوں پر صادق آتا تھا۔ اسی طرح عین اضافت پہلے موجود اور معدوم دونوں کا احتمال رکھتا تھا، لیکن اضافت کے بعد کل دراہم کے ساتھ اور عین موجود کے ساتھ مخصوص ہو گیا، پس یہ بات فائل ہو گئی کہ مضاف ان مثالوں میں عام ہے اور مضاف الیہ خاص۔ لہذا یہ مماثلین میں سے ایک کی دوسرے کی طرف اضافت کے باب سے نہیں ہیں پس اضافت کل الدراہم اور عین الشئی میں مفید تخصیص ہوئی۔

وقولہم سعید کرز: یہ عبارت کا ٹکڑا ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ سعید اور کرز یہ دو ایسے اسم ہیں جو عموم اور خصوص میں ایک دوسرے کے مماثل ہیں، کیوں کہ یہ دونوں فرد واحد کے نام ہیں، اس کے باوجود ایک دوسرے کی طرف مضاف ہیں جب کہ آپ کہہ چکے ہیں کہ مماثلین میں ایک کی دوسرے کی طرف اضافت نہیں ہو سکتی تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ مآول ہے یعنی تاویل کیا ہوا ہے۔ تاویل یہ ہوئی ہے کہ مراد مضاف سے مسمیٰ اور مدلول ہے جب کہ مضاف الیہ سے مراد اسم اور لفظ ہے تو دونوں مماثل نہیں ہوئے۔ پس جب آپ نے سعید کرز کہا تو گویا آپ نے جاء نی مدلول ہذا اللفظ و مسماہ کہا۔ لہذا ہمارا ضابطہ نہیں ٹوٹا۔

وَإِذَا أُضِيفَ الْأِسْمُ الصَّحِيحُ أَوْ الْمَلْحَقُ بِهِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ كَسِرِ آخِرِهِ وَالْيَاءُ مَفْتُوحَةٌ أَوْ سَاكِنَةٌ فَإِنْ كَانَ آخِرُهُ الْفَاتُثُتْ وَهَذَا يُقَلِّبُهَا لِغَيْرِ التَّثْنِيَةِ يَاءً وَإِنْ كَانَ يَاءً أَدْغَمَتْ وَإِنْ كَانَ وَآوَ قَلِبَتْ يَاءً وَأُدْغِمَتْ وَفُتِحَتْ الْيَاءُ لِلْسَّاكِنِينَ وَإِنَّمَا الْأَسْمَاءُ السُّتَّةُ فَآخِي وَابِي وَاجاز المبرّدُ آخِي وَابِي وَتَقُولُ حَمِي وَهِنِي وَيُقَالُ فِي فِي الْأَكْثَرِ وَفِي وَإِذَا قُطِعَتْ قِيلَ آخِ وَابٍ وَحَمٍ وَهَنٍ وَفَمٍ وَفَتِحَ الْفَاءُ أَفْصَحُ مِنْهُمَا وَجَاءَ حَمٍ مِثْلَ يَدٍ وَخَبٍ وَدَلْوٍ وَعَصَا مُطْلَقًا وَجَاءَ هَنٍ مِثْلَ يَدٍ مُطْلَقًا وَذُو لَا يُضَافُ إِلَى مُضْمَرٍ وَلَا يُقَطَّعُ.

ترجمہ: - اور جب مضاف کیا جائے اسم صحیح یا جو اس کے ساتھ ملحق ہو یا یے متکلم کی طرف تو اس کے آخر کو کسرہ دیا جائے گا در انحالیکہ یا مفتوح ہوگی یا یاء ساکن ہوگی پس اگر اس کا آخر الف ہو تو ثابت رکھا جائے گا اور ہذیل اس کو یاء سے بدل دیتے ہیں تشنیہ کے علاوہ کی صورت میں اور اگر یاء ہو (آخر میں) تو ادغام کر دیا جائے گا اور اگر و او ہو تو یاء سے بدل دیا جائے گا اور ادغام کر دیا جائے گا اور اجتماع ساکنین کی وجہ سے فتح دیا جائے گا، اور بہر حال اسمائے ستہ میں آخی اور ابی کہا جائے گا اور مبرد نے ابی اور آخی جائز

قرار دیا ہے اور تم حمی اور ہنی کہو اور اکثر استعمال میں فی کہا جائے گا اور اقل استعمال میں فمی کہا جائے گا اور جب اضافت ان اسماء کی ختم کر دی جائے گی تو کہا جائے گا آخ اور اب اور حم اور ہن اور فم اور فاء کا فتح زیادہ فصیح ہے ان دونوں سے اور ید اور خبء اور دلو اور عصا کے مثل حم مطلق آیا ہے، اور ہن، ید کے مثل مطلق آیا ہے اور ذو مضممر کی طرف مضاف نہیں ہوتا اور نہ ہی اضافت سے الگ کیا جاتا ہے۔

توضیح: - جب اسم صحیح یا قائم مقام صحیح کی اضافت یاے متکلم کی طرف ہو تو خود اس اسم مضاف کا آخر مکسور ہوگا اور یاء یا تو برائے تخفیف مفتوح ہوگی یا برائے انخفیت ساکن۔
اب سنئے اسم صحیح اور قائم مقام صحیح مضاف کا آخر اس لیے مکسور ہوگا کہ یاء اپنے ما قبل کسرہ چاہتی ہے اور خود یاے متکلم میں دو صورتیں ہیں ایک یاء کا مفتوح ہونا برائے خفت اور دوسرے برائے انخفیت ساکن ہونا، البتہ فتح اصل ہے، اس لیے کہ ایک حرفی کلمات میں اصل حرکت ہے، تاکہ ابتداء بالسکون نہ حقیقتاً اور نہ حکماً لازم آئے اور حرکات میں اصل فتح ہے خفت کی وجہ سے۔

وان کان اخره الفاء: اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسم جو یاے متکلم کی طرف مضاف ہو، اگر اس کے آخر میں الف ہو تو وہ باقی رہتا ہے جیسے عَصَا ایسا اس لیے ہے کہ کسی طرح کی تبدیلی کا کوئی باعث موجود نہیں ہے۔ البتہ ہذیل نحوی کا خیال ہے کہ اس اسم کے آخر کے الف کو جو یاے متکلم کی طرف مضاف ہو بشرطیکہ وہ الف برائے تشنیہ نہ ہو یاء سے بدل دیا جاتا ہے۔ پھر یاء کا یاء میں ادغام ہو جاتا ہے جیسے عَصَى، رَحَى عَصَا اور رَحَا سے تاکہ یاے متکلم کے ساتھ مشاکلت حاصل ہو جائے اور اگر تشنیہ کا الف ہو تو وہ بالاتفاق یاء سے بدلے گا۔ جیسے غَلَامَاً تاکہ مرفوع کا غیر مرفوع سے اشتباہ نہ ہو اور اگر اس مضاف الی یاء المتکلم کے آخر میں یاء ہو تو یاء کا یاء میں ادغام ہو جائے گا جیسے قَاضِي اور اگر مضاف الی یاء المتکلم کے آخر میں واو ہو تو واو یاء سے بدل جاتا ہے پھر یاء کا یاء میں ادغام ہو جاتا ہے، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ جب واو اور یاء ایک کلمہ میں اکٹھا ہو جائیں اور پہلا ان میں ساکن ہو تو واو یاء ہو جاتی ہے اور یاء کا یاء میں ادغام ہو جاتا ہے جیسے مسلمی یاد رہے کہ ان تینوں صورتوں میں یاے متکلم پر فتح ہوگا، تاکہ حرکت نہ ہونے کی تقدیر پر اجتماع ساکنین لازم نہ آئے اور فتح کو اس لیے اختیار کیا کہ وہ اخف الحركات ہے۔

واما الاسماء الستة: اس کا حاصل یہ ہے کہ اسمائے ستہ عند الاضافة الی یاء المتکلم بغیر محذوف کے اعادہ کے ملفوظ ہوں گے، اس لیے کہ محذوف کو نسیا منسیا کر دیا گیا ہے، چنانچہ اخی، ابی بولا جائے گا بغیر واو محذوف کا اعادہ کیے ہوئے۔ لیکن مبرد کا خیال ہے کہ تمام اسمائے ستہ تو خیر نہیں البتہ اخی اور ابی کا تلفظ اخی اور ابی ہوگا بایں طور کہ پہلے حرف محذوف کا اعادہ ہوگا پھر واو کا یاء سے قلب ہو کر یاء کا یاء میں

ادغام ہوگا ان کی دلیل شاعر کے شعر کا یہ مصرع ہے **ع و ابی مالک ذوالمجاز بدار محل استدلال** و ابی ہے کہ اب جو کہ اصل میں **ابو** تھا عند الاضافة الی یاء المتکلم و او یاء سے بدل گیا پھر یاء کا یاء میں ادغام ہو گیا معلوم ہوا کہ **آب** جب یائے متکلم کی طرف مضاف ہوگا تو اس کا حرف محذوف ”واو“ بوقت اضافت مذکورہ عود کر آئے گا اور یاء سے بدل کر یائے اضافت میں مدغم ہو جائے گا، رہی بات اخ کی تو وہ **آب** پر محمول ہے، لہذا یائے متکلم کی طرف اضافت کے وقت جو حکم **آب** کا ہوگا وہی حکم **آخ** کا ہوگا، لیکن جمہور مبرد کی بات سے اتفاق نہیں کرتے۔ اصل میں جمہور کا کہنا یہ ہے کہ جب **واو** محذوف ہو کر نسیا منسیا ہو گیا تو اب وہ بوقت اضافت مذکورہ عود نہیں کرے گا، کیوں کہ اس کا عود کرنا خلاف قیاس ہے۔ رہی بات شاعر فصیح کے استعمال کی تو ممکن ہے کہ ابی جو مذکور فی الشعر ہے **آب** واحد نہ ہو بلکہ **آب** واحد کی جمع سالم **ابین** ہو پس نون اضافت کی وجہ سے حذف ہو گیا ہو اور یاء یاء میں مدغم ہو گئی ہو پس ابی ہو گیا ہو۔

اور **حَم** اور **هَنْ** کا تلفظ بوقت اضافت مذکورہ بغیر اعادہ محذوف بالا اتفاق ہوگا، کیوں کہ **واو** محذوف نسیا نیا مان لیا گیا البتہ **فَم** اکثر استعمال میں **فِی** بولا جاتا ہے کہ حرف محذوف کا اعادہ ہوتا ہے پھر یا سے بدل کر یا میں مدغم ہو جاتا ہے **م** کی اصل **فَوَء** ہے ہاء کو تخفیفاً حذف کر دیا پھر طرف میں **واو** کے ہونے کی وجہ سے ساقط ہو جانے کا اندیشہ تھا، اس لیے **واو** کے عوض میں **میم** لے آئے اچھا: **واو** کے عوض میں **میم** کا لانا اس لیے ضروری تھا، کیوں کہ بصورت حذف **واو** معرب کا ایک حرف پر باقی رہنا لازم آتا اس سے بچنے کے لیے **میم** کو **واو** کا عوض قرار دے دیا گیا تو یہی **واو** یائے متکلم کی طرف اضافت کے وقت بجائے **میم** کے خود آ جاتا ہے پھر یاء سے بدل کر یاء میں مدغم ہو جاتا ہے یہ اکثر استعمال کی صورت ہے جب کہ اقل استعمال میں بجائے **معوض**، **عوض** یعنی **میم** باقی رہتی ہے اور **واو** کا اعادہ نہیں ہوتا ہے چنانچہ **فمی** بولا جاتا ہے، لیکن یہ ملحوظ رہے کہ پہلی صورت **افصح** ہے۔

و اذا قطعت: یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب اسمائے ستہ کی اضافت ختم کر دی جائے تو **آخ**، **اب** اور **حَم** اور **هَنْ** اور **فَم** کہا جائے گا البتہ **فم** کی فاء حرکات ثلاثہ کے ساتھ مستعمل ہوتی ہے ہاں **افصح** **م** کی فاء کا فتح ہے کیوں کہ فتح اخف الحركات میں سے ہے۔

آگے بتا رہے ہیں کہ **حم** کا استعمال چار طرح سے ہو سکتا ہے ایک صورت تو یہ ہے کہ خواہ **حم** مضاف ہو یا مفرد ہو یہ کی طرح بغیر اعادہ **واو** محذوف استعمال ہوگا جیسے کی **ید** کہ اصل میں **یدو** تھا جو ہر دو صورتوں میں بغیر اعادہ **واو** استعمال ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے **دلو** کی طرح **واو** محذوف کے ساتھ ہر دونوں صورتوں میں استعمال ہو اور تیسری صورت یہ ہے کہ **حم**، **خب** کی طرح **واو** محذوف کے ساتھ ہر دونوں صورتوں میں استعمال ہو یعنی جیسے **خب** **واو** محذوف کے ساتھ **واو** کے اعادہ پھر **واو** کے ہمزہ سے تبدیل ہونے

کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اسی طرح حم میں واؤ محذوف کا اعادہ ہو پھر وہ واؤ ہمزہ سے بدل کر استعمال ہو اور یہ استعمال بھی ہر دونوں صورتوں میں ہوگا۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ جیسے عصا میں اولاً واؤ محذوف کا اعادہ ہوتا ہے پھر الف سے بدل کر استعمال ہوتا ہے اسی طرح حم کہ اولاً حَمَوٌ پھر حَمَا، عصا کی طرح ہو جائے اور یہ طریق استعمال بھی ہر دونوں صورتوں میں ہوگا۔ یہی مطلقاً کا مطلب بھی ہے کہ یہ چاروں طریقہ استعمال مضاف اور مفرد ہر دونوں صورتوں میں روا ہیں۔

آگے فرماتے ہیں کہ ہن کا استعمال ید کی طرح بغیر اعادہ واؤ محذوف ہر دونوں صورتوں میں جائز ہے۔
 و ذو لا یضاف الی مضمیر الخ: ذو کی اضافت ضمیر کی طرف اس لیے مستعمل نہیں ہے کہ ذو کی وضع اسم جنس کو اسم کی صفت بنانے کے لیے ہوئی ہے جب بات یہ ہے تو ظاہر ہے کہ ضمیر اسم جنس نہیں ہوتی اور ضمیر کی طرف مضاف کرنے کی صورت میں خلاف مقصود وضع لازم آئے گا۔
 اور مقطوع عن الاضافة بھی اسی لیے نہیں ہوتا کہ ذو کی وضع اسم جنس کو اسم کی صفت بنانے کے لیے بطور وسیلہ کے ہوتی ہے اور یہ مقصد بغیر اضافت کے ممکن نہیں۔

التوابع کُلُّ ثانٍ باعراب سابقہ من جهةٍ واحدة .

ترجمہ: - تابع ہر ایسا ثانی ہے جو اپنے سابق کے اعراب کے ساتھ ہو ایک جہت سے۔

توضیح: - جب مصنف ان اسماء کے بیان سے فارغ ہو گئے جو اصالۃً مستحق اعراب ہوتے ہیں تو ان اسماء کا بیان شروع کیا جو بواسطہ اعراب کے مستحق ہوتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ توابع پانچ ہیں نعت، تاکید، عطف بیان، بدل اور معطوف، دلیل حصر یہ ہے کہ مقصود بالنسبۃ تین حال سے خالی نہیں یا تو وہ تابع ہوگا یا متبوع یا دونوں پس اگر وہ اول ہو تو وہ بدل ہے اور اگر ثانی ہو تو تابع کے لانے سے مقصود یا تو ایسے معنی پر دلالت کرنا ہے جو متبوع میں ثابت ہیں یا متبوع کے معنی کو راسخ کرنا یا اس کی وصاحت کرنا ہے پس اول نعت اور ثانی تاکید اور ثالث عطف بیان ہے اور اگر مقصود بالنسبۃ تابع اور متبوع دونوں ہوں تو معطوف بالحرف۔

سب سے پہلے معلوم ہو کہ کل ثان کُلُّ متاخر کے معنی میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تابع متبوع کے بعد ہر ایسا اسم ہے کہ اگر اس کا متبوع کے ساتھ لحاظ کیا جائے تو وہ اس کے مقابلے میں دوسرے نمبر پر ہو خواہ وہ ذکر میں کہیں بھی ہو۔

جب آپ نے اتنا جان لیا تو اب تابع کی تعریف سنو کہ تابع ہر ایسے دوسرے کو کہتے ہیں جو اپنے سابق کے اعراب کی جنس کے ساتھ ہو جہت واحدہ شخصہ سے۔

فائدہ: - چند ایک ضروری باتیں اور سمجھ لیجیے کہ فاعل کا وزن دو قسموں پر ہے ایک صفتی اور

دوسرے اسمی، پس تابع فاعل اسمی ہے صفتی نہیں ہے، لہذا اس کی جمع فواعل کے وزن پر آ سکتی ہے جیسے کہ کابل فاعل اسمی ہے اس کی جمع کو اہل کے وزن پر آتی ہے البتہ فاعل صفتی کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں اسم کے توابع کا بیان مقصود ہے، لہذا اگر فعل یا حرف کے توابع کو توابع کی تعریف مذکورہ بالا شامل نہیں ہے تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں تیز کل ثان کو کل متأخر کے معنی میں کر لینے کی وجہ سے یہ اعتراض ختم ہو جائے گا کہ جب ایک متبوع کے ایک سے زائد توابع ہوں مثلاً جاء نی عالم عاقل فاضل عابد وغیرہ تو ظاہر ہے کہ ایک تابع کو چھوڑ کر کوئی ثانی اور کوئی ثالث اور رابع ہے، لہذا اس پر کل ثان صادق نہیں آئے گا تو پھر وہ تابع بھی نہیں ہو سکتے حالاں کہ وہ سب تابع ہیں، لہذا تابع کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں لیکن جب کل ثان بمعنی کل متأخر ہو گیا تو تابع کی تعریف سب کو عام ہو گئی۔

اسی طرح جب باعراب السابق معنی میں بجنس اعراب السابق ہو گیا تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جب تابع، متبوع کے اعراب کے ساتھ ہوگا تو پھر متبوع بلا اعراب ہوگا۔ نیز بجهة واحده شخصية کی قید سے باب اعطیت کے مفعول ثانی کا مسئلہ حل ہو گیا، کیوں کہ باب اعطیت کے مفعول ثانی کا اعراب بھلے وہی ہے جو مفعول اول کا ہے اور بحیثیت مفعول کے ہے لیکن بجهة واحده نوعية ہے جب کہ شخصية ہونا چاہیے۔

النعۃ تابع يدل علی معنی فی متبوعه مطلقاً وفائدته تخصیص او توضیح وقد یكون لمجرد الثناء او الذم او التوكید نحو نفحة واحده ولا فصل بین ان یكون مشتقاً او غیره اذا كان وضعه لغرض المعنی عموماً نحو تميمی وذی مال او خصوصاً مثل مررت برجل ای رجل ومررت بهذا الرجل وبزید هذا.

ترجمہ: - نعت ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کے معنی پر مطلقاً دلالت کرتا ہے اور نعت کا فائدہ تخصیص یا توضیح ہے اور کبھی نعت محض تعریف یا مذمت یا تاکید کے لیے ہوتی ہے جیسے نفحة واحده اور کوئی فرق نہیں ہے، اس کے درمیان کہ نعت مشتق ہو یا اس کے علاوہ ہو بشرطیکہ نعت کی وضع معنی کی غرض کے لیے عموماً ہو جیسے تميمی اور ذوال مال یا خصوصاً ہو جیسے مررت برجل ای رجل اور مررت بهذا الرجل وبزید هذا.

توضیح: - جب مصنف تابع کی تعریف سے فارغ ہو گئے تو اب اس کی تقسیم کر رہے ہیں پس سب سے پہلے نعت کی تعریف بیان کر رہے ہیں کہ نعت ایسے تابع کو کہتے ہیں جو اپنے متبوع کے معنی پر مطلقاً دلالت کرے یعنی متبوع کے معنی پر وہ دلالت کسی خاص مادہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ کوئی بھی مادہ ہو وہ

متبوع کے معنی پر دال ہو۔

مصنف کا قول النعت تابع جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور ان کا قول يدل على معنى فى متبوعه فصل ہے جس سے تمام توابع سے احتراز ہو گیا۔

مطلقاً کا ایک مطلب تو وہ ہوا جو اوپر مذکور ہوا، کیوں کہ بدل تاکید اور معطوف بحرف بھی گویا معنی پر دلالت کرتے ہیں جو ان کے متبوع میں حاصل ہوتے ہیں لیکن اپنے مواد کی خصوصیت کی وجہ سے۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ نعت ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کے معنی پر بحال النسبة کی قید کے بغیر دلالت کرتا ہے بخلاف تاکید کے کہ وہ متبوع کے معنی پر بحال النسبة کی قید کے ساتھ دلالت کرتا ہے۔

فائدہ: - نعت کا فائدہ متعدد ہوتا ہے، جب متبوع معرفہ ہو تو فائدہ وضاحت ہوتا ہے جیسے زید الظریف تو صیح نام ہے معارف میں حاصل ہونے والے احتمالات کے ختم ہو جانے کا چنانچہ مثال مذکور میں زید ظریف اور غیر ظریف دونوں کا احتمال رکھتا تھا لیکن جب زید کی صفت ظریف لے آئے تو پیدا شدہ احتمال ختم ہو گیا۔

دوسرا فائدہ تخصیص ہے اور یہ فائدہ موصوف کے نکرہ ہونے کی صورت میں حاصل ہوتا تھا جیسے رجل عالم تخصیص کہتے ہیں نکرات میں عموم اور ابہام کے کم کرنے کو۔ چنانچہ مثال مذکور میں رجل، رجل کے ہر فرد کا احتمال رکھتا ہے لیکن جب اس کی صفت عالم لے آئے تو عموم اور احتمال ختم ہو گیا اور رجل اس فرد کے ساتھ مخصوص ہو گیا جو صفت علم کے ساتھ متصف ہو۔

صفت کا تیسرا فائدہ مدح ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب مخاطب کو بیان سے پہلے معلوم ہو کہ موصوف، بیان کی جانے والی صفت کے ساتھ متصف ہے جیسے بسم الله الرحمن الرحيم اور صفت کا چوتھا فائدہ مذمت ہے، جیسے اعوذ بالله من الشيطان الرجيم اور پانچواں فائدہ تاکید ہے جیسے نفخة واحدة پس نفخة کی تاء وحدت کے لیے ہے اور واحدة اس کی تاکید ہے۔

ولا فصل بين ان يكون مشتقا او غيره: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ نعت کے لیے مشتق ہونا ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ نعت سے مقصود ایسے معنی پر دلالت ہے جو متبوع میں موجود ہوں تو یہ مقصد جس طرح اسماء مشتقہ سے پورا ہوتا ہے جامد سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، لہذا نعت ہونا اسماء مشتقہ کا خاصہ نہیں رہا، البتہ اسمائے جوامد کے لغت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اسمائے جوامد کی وضع کا مقصد متبوع میں موجود معنی پر دلالت ہو خواہ یہ دلالت تمام استعمالات میں ہوں یہی عموماً کا مطلب ہے جیسے تمیمی اور ذومال پس تمیمی ہمیشہ ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو قبیلہ بنو تمیم کی طرف منسوب ہو اور ذومال دو اما مالدار کی ذات پر دلالت کرتا ہے اور خواہ اس اسم جامد کی دلالت معنی متبوع پر خصوصاً یعنی بعض استعمالات میں ہو جیسے

مررتُ برجلِ ائى رجلِ پس ائى رجل اس ترکیب میں ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو متبوع کی ذات میں ثابت ہیں اور وہ معنی ہیں کمال فی الرجولیت لہذا اس کا صفت واقع ہونا درست ہے اور ائى رجل، ائى رجل عندك میں اس معنی مذکور پر دلالت نہیں کرتا، لہذا اس کا نعت واقع ہونا درست نہیں ہے اور مررت بھذا الرجل میں ہذا ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے اور الرجل ذات مبہم کے تعین پر دلالت کرتا ہے اور یہ تعین ایسے معنی ہیں جو ذات مبہم یعنی متبوع میں ثابت ہیں پس الرجل کا صفت واقع ہونا درست ہے۔ اور الرجل جاء نی الرجل میں اس معنی پر یعنی ذات مبہم کے تعین پر دلالت نہیں کرتا، لہذا اس کا صفت واقع ہونا درست نہیں اور مررت بھذا الرجل کی ترکیب میں ہذا ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو زید میں ثابت ہیں اور وہ معنی ہیں زید کا اشارہ حسیہ کے ساتھ مشارالیه ہونا پس ہذا کا باوجود جامد ہونے کے زید کی صفت واقع ہونا درست ہے، جب کہ ہذا مررت بھذا زید کی ترکیب میں اس معنی مذکور پر دلالت نہیں کرتا، لہذا اس کا صفت واقع ہونا درست نہیں۔

وتوصفُ النكرة بالجملة الخبرية ويلزم الضمير وتوصفُ بحال الموصوف
وبحال متعلقہ نحو مررت برجلِ حسنِ غلامه فالاول يتبعه في الاعراب
والتعريف والتكثير والافراد والتثنية والجمع والتذكير والتانيث والثاني يتبعه في
الخمسة الأول وفي البواقي كالفعل ومن ثم حسنُ قامَ رجلٌ قاعدٌ غلمانهُ وضعفُ
قاعدونَ غلمانهُ ويجوزُ قعودُ غلمانهُ.

ترجمہ: - اور نکرہ کو صفت بنایا جاتا ہے جملہ خبریہ کی اور لازم ہوتی ہے ضمیر اور صفت لائی جاتی ہے موصوف کے حال اور اس کے متعلق کے حال کے ساتھ جیسے مررت برجل حسن غلامہ پس اول موصوف کے تابع ہوتی ہے اعراب اور تعریف اور تکثیر اور افراد اور تثنیہ اور جمع اور تذكیر و تانیث میں اور قسم ثانی اس کے تابع ہوتی ہے شروع کی پانچ چیزوں میں اور باقی میں فعل کی طرح ہے اور اسی وجہ سے بہتر ہے قام رجل قاعد غلامہ اور ضعیف ہے قاعدون غلمانہ اور جائز ہے قعود غلمانہ.

توضیح: - وتوصف النكرة الجملة الخبرية: اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح مفرد صفت واقع ہوتا ہے اسی طرح جملہ بھی صفت واقع ہوتا ہے، کیوں کہ صفت سے مقصد ایسے معنی پر دلالت ہے جو متبوع میں ثابت ہوں تو یہ غرض جس طرح مفردات سے حاصل ہوتی ہے جملہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ لہذا جس طرح مفرد کا صفت بنتا صحیح ہے، اسی طرح جملہ کا بھی صفت واقع ہونا درست ہے۔

البتہ وہ جملہ، جملہ خبریہ ہونا چاہئے خواہ اسمیہ ہو یا فعلیہ۔ ظرفیہ ہو یا شرطیہ۔ خبریہ کی قید اس لیے لگائی

کہ صفت موصوف کے ساتھ مربوط ہوتی ہے جب کہ انشاء ربط کو قبول نہیں کرتا یہ کہ تاویل بعید کا سہارا لیا جائے۔ رہی بات جملہ کے صرف نکرہ کی صفت واقع ہونے کی تو اس لیے کہ جملہ من حیث الجملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، لہذا جملہ خبریہ صرف نکرہ کی ہی صفت واقع ہوگا معرفہ کی صفت نہیں واقع ہو سکتا۔

ویلزم الضمیر: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب جملہ صفت واقع ہو تو اس میں ایک ایسی ضمیر چاہئے کہ جو موصوف کی طرف لوٹ رہی ہو، کیوں کہ موصوف اور صفت کے درمیان اتحاد اور ربط ہوتا ہے جب کہ جملہ مستقل بالذات ہونے کی وجہ سے بجائے موصوف کے مربوط ہونے اس سے بے نیاز ہوتا ہے، لہذا جملہ میں رابطہ ضروری ہے اور رابطہ عائد ہی ہو سکتا ہے، اس لیے جملہ میں موصوف کی طرف لوٹنے والی ضمیر ضروری ہے۔

و توصف بحال الموصوف الخ: مصنف یہاں سے صفت کی تقسیم کر رہے ہیں کہ صفت کی دو قسمیں ہیں ایک صفت بحال الموصوف اور دوسری قسم صفت بحال متعلق الموصوف، صفت بحال الموصوف اس صفت کو کہتے ہیں جو واقعۃً بالذات صفتی معنی کو موصوف کے لیے ثابت کرے اور صفت بحال متعلق الموصوف وہ صفتی معنی ہے جو بالذات موصوف کے متعلق کے لیے ثابت ہو اور بالا اعتبار موصوف کے لیے۔ پہلے کی مثال جہاں نی رجل عالم اور دوسرے کی مثال مردت برجل حسن غلامہ۔

فالاول يتبعه في الاعراب الخ: قسم اول اپنے متبوع کی دس چیزوں میں تابع ہوتی ہے وہ دس چیزیں یہ ہیں اعراب یعنی رفع، نصب اور جر میں، معرفہ اور نکرہ ہونے میں، مفرد، تشنیہ اور جمع ہونے میں، تذکیر اور تانیث میں اب سب کی علتیں سنئے! تو موصوف اور صفت کے درمیان اعراب میں درہرہہ حالت مطابقت اس لیے ضروری ہے کہ نعت یعنی صفت کا اعراب اسی جہت سے ہوتا ہے جس جہت سے منوعات کا اعراب ہے، لہذا نعت کے اعراب کا منوعات کے اعراب کے مثل ہونا ضروری ہے۔ اور تعریف اور تنکیر کے لحاظ سے مطابقت اس لیے ضروری ہے کہ نعت سے مراد معنی کے اعتبار سے منوعات ہی ہوتا ہے، لہذا جب دونوں مراد ایک ہوئے تو دونوں میں بائیں لحاظ مطابقت بھی لازمی ہوگی۔ اور بقیہ پانچ چیزوں میں مطابقت اس لیے شرط ہے کہ معنی کے لحاظ سے صفت اس ذات کا نام ہے جو اس صفت کے لیے متبوع یعنی موصوف بنائی گئی ہے۔

البتہ یہ یاد رہے کہ بیک وقت دس میں سے صرف چار چیزیں ہی کسی کلمہ میں پائی جائیں گی اس لیے کہ ان میں آپس میں منافات ہے مثلاً جو مرفوع ہوگا وہ اسی وقت میں منصوب اور مجرور نہ ہوگا، اسی طرح جو معرفہ ہوگا وہ نکرہ نہ ہوگا جو مذکر ہوگا وہ مؤنث نہ ہوگا، اور جو مفرد ہوگا وہ تشنیہ اور جمع نہ ہوگا۔

اور قسم ثانی موصوف کی شروع کی پانچ چیزوں میں تابع ہوتی ہے یعنی رفع، نصب، جر، تعریف اور تنکیر اور باقی پانچ چیزوں یعنی افراد، تشنیہ اور جمع، تذکیر اور تانیث میں فعل کی طرح ہے، اس لیے کہ نعت کی قسم ثانی

فعل کے مشابہ ہے اور فعل جب اسم ظاہر کی طرف مسند ہوتا ہے تو فعل ہمیشہ مفرد ہوتا ہے اور جب ضمیر کی طرف مسند ہوتا ہے تو واحد کے لیے واحد، تشنیہ کے لیے تشنیہ، اور جمع کے لیے جمع ہوتا ہے۔

اور جب فعل اسم ظاہر مؤنث حقیقی کی طرف بلا فصل مسند ہو یا ضمیر مؤنث کی طرف مطلقاً مسند ہو تو اس وقت فعل کی تانیث واجب ہوتی ہے اور جب فعل اسم ظاہر مؤنث غیر حقیقی کی طرف مسند ہو یا اسم ظاہر مؤنث کی طرف فصل کے ساتھ مسند ہو تو اس میں فعل کی تذکیر و تانیث کے درمیان اختیار ہوتا ہے نیز یہ اختیار فاعل کے اسم ظاہر جمع مکسر کی صورت میں رہتا ہے تو اسی طریقہ سے ان تمام چیزوں میں دوسری قسم کی صفت موصوف کے متعلق کے حق میں ہوگی۔

ومن ثم: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ چونکہ دوسری قسم کی صفت اخیر کے پانچ باتوں میں فعل کی طرح ہے، لہذا قام رجل قاعد غلمانہ کی ترکیب عمدہ ہے، اس لیے کہ قاعد غلمانہ یقعد غلمانہ کے درجہ میں ہے اور قام رجل قاعدون غلمانہ کی ترکیب ضعیف ہے، اس لیے کہ قاعدون غلمانہ یقعدون غلمانہ کے حکم میں ہے، جب کہ قاعدہ ہے کہ فاعل تشنیہ اور جمع کی علامت کا اس فعل کے ساتھ لاحق کرنا جو اسم ظاہر کی طرف مسند ہو ضعیف ہے، اس لیے کہ اس طرح کرنے میں دو فاعلوں کا جمع کرنا لازم آتا ہے۔ اور قام رجل قعود غلمانہ کی ترکیب درست ہے، کیوں کہ قعود جمع مکسر ہے اور جمع مکسر مفرد کے حکم میں ہوتا ہے پس قعود باوجود جمع ہونے کے گویا جمع نہیں ہے، لہذا ضابطہ نہیں ٹوٹا۔

والمضمّر لا یوصف ولا یوصف بہ والموصوف اخص او مساوی ومن ثم لم یوصف ذو اللام الا بمثله او بالمضاف الی مثله وانما التزم وصف باب هذا بذی اللام للابہام ومن ثم ضعف مررت بهذا الابيض وحسن بهذا العالم.

ترجمہ: - اور ضمیر نہ موصوف ہوتی ہے اور نہ صفت بنائی جاتی ہے۔ اور موصوف اخص یا مساوی ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ذو اللام کی صفت نہیں لائی جاتی مگر اس کے مثل کے ساتھ یا اس اسم کے ساتھ جو اس کے مثل کی طرف مضاف ہو اور بلاشبہ لازم ہے باب هذا کی صفت ذو اللام کے ساتھ ابہام کی وجہ سے اور اسی وجہ سے ضعیف ہے مررت بهذا لابيض اور عمدہ ہے بهذا العالم.

والضمیر لا یوصف الخ: ضمیر کے موصوف نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر متکلم اور مخاطب اعراف المعارف ہیں لہذا ان دونوں کے توضیح کی کوئی ضرورت نہیں رہی بات ضمیر غائب کی تو ضمیر غائب اعراف المعارف نہیں ہے، لیکن وہ بھی باب کی موافقت میں متکلم اور مخاطب پر محمول ہے۔ رہی بات ضمائر کے لیے صفت مادح اور ذام کی تو چونکہ ضمیر اعراف المعارف ہونے کی وجہ سے صفت توضیح اور تخصیص کی محتاج نہیں ہے، لہذا باب کی موافقت میں یعنی صفت توضیح اور تخصیص کے عدم احتیاج کی رعایت میں صفت مادح اور

ذام کی بھی گنجائش نہیں رہی تاکہ جملہ ضمائر کا حکم ایک سا ہو جائے۔

اور ضمائر صفت اس لیے نہیں ہو سکتیں کہ صفت اسے کہتے ہیں جو متبوع کے معنی پر دال ہو جب کہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے وہ کسی ایسے معنی پر دلالت کی متحمل نہیں جو اس کے متبوع میں پائے جاتے ہیں: لہذا ضمیر کے صفت بننے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

والموصوف اخص او مساو: اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ موصوف کا صفت سے اخص یا کم از کم صفت کے مساوی ہونا ضروری ہے اس لیے معرف باللام کی صفت معرف باللام یا موصول ہوگا یا وہ اسم ہوگا جو معرف باللام کی طرف مضاف ہو پہلے کی مثال جاء نی الرجل ن الظریف دوسرے کی مثال جاء نی الرجل الذی کان عندک امس، تیسرے کی مثال جاء نی الرجل صاحب الفرس۔

وانما التزم وصف باب هذا: یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا موصوف میں شرط یہ ہے کہ موصوف، صفت سے خاص ہو یا صفت کے مساوی ہو تو اس بنیاد پر مناسب ہے کہ اسم اشارہ کی صفت اسم اشارہ لانا درست ہو، کیوں کہ دونوں میں مساوات پائی جائے گی اس کے باوجود نحو یوں نے باب ہذا کی صفت معرف باللام کو لازم قرار دیا ہے۔ تو مصنف نے اپنے قول وانما التزم وصف باب ہذا سے جواب دیا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ باب ہذا میں پایا جانے والا ابہام اصل وضع کے لحاظ سے جنس کے بیان کا تقاضہ کرتا ہے پس جب جنس سے ابہام کے رفع کا ارادہ کیا جائے تو یا تو وہ ابہام مضاف کے ذریعہ، یا اسم اشارہ کے ذریعہ یا معرف باللام کے ذریعہ دور کیا جاسکتا تھا، لیکن پہلی صورت میں استعارہ من المستعیر لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں اور دوسری صورت میں ایک اسم اشارہ میں پائے جانے والے ابہام کا دور کرنا دوسرے اسم اشارہ سے ممکن نہیں، کیوں کہ اسم اشارہ مبہم بالذات ہوتا ہے تو وہ دوسرے سے ابہام کو کیوں کر دور کر سکے گا پس معرف باللام ضرورہ متعین ہو گیا۔

ومن ثم ضعف: اس کا حاصل یہ ہے کہ چون کہ باب ہذا کی صفت معرف باللام کے ساتھ ابہام کو دور کرنے کے لیے لازم ہے، لہذا مردت بھذا لا بیض کی ترکیب ضعیف ہے، کیوں کہ سفیدی صرف ایک ہی جنس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لہذا جنس مبہم کی وضاحت اس سے نہ ہوگی، جب کہ مررت بھذا العالم کی ترکیب عمدہ ہے، اس لیے کہ علم انسان کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ مردوں میں غالب ہے پس العالم سے جنس مبہم کا بیان ہو جائے گا جو کہ مقصود ہے۔

العطف تابع مقصود بالنسبة مع متبوعه ويتوسط بينه وبين متبوعه أحد الحروف العشرة وسیاتی مثل قام زید و عمر و اذا عطف علی المرفوع المتصل أكد. بمنفصل مثل ضربت انا وزید الا ان يقع فصل فيجوز تركه مثل ضربت اليوم

وزید واذا عطف علی الضمیر المجرور أعید الخافض نحو مرت بك ووزید .

ترجمہ: - عطف ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کے ساتھ مقصود بالنسبہ ہوتا ہے اور دس حروف میں سے کوئی ایک معطوف اور اس کے متبوع کے درمیان ہوتا ہے۔ اور عنقریب (اس کا بیان) آجائے گا۔ جیسے قام زید و عمرو اور جب عطف کیا جائے مرفوع متصل پر تو منفصل سے تاکید لائی جائے گی جیسے ضربت انا و زید مگر یہ کہ فصل واقع ہو پس جائز ہے اس کا ترک جیسے ضربت الیوم و زید اور جب عطف کیا جائے ضمیر مجرور پر تو اعادہ کیا جائے گا حرف جار کا جیسے مرت بك ووزید .

توضیح: - سب سے پہلے معلوم ہو کہ عطف معطوف کے معنی میں ہے۔ معطوف ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کے ساتھ مقصود بالنسبہ ہوتا ہے پس مصنف کا قول ”تابع“ جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور ان کا قول مقصود بالنسبہ فصل ہے، چنانچہ اس سے بدل کے ماسوا تمام توابع سے احتراز ہو گیا اور ان کے قول مع متبوع سے بدل سے احتراز ہو گیا۔

اتنا جان لینے کے بعد ایک سوال اور اس کا جواب سمجھئے۔ سوال یہ ہے کہ معطوف کی تعریف مذکور اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف سے معطوف بلا اور بل اور لکن، او، اما ام نکل گیا اس لیے کہ مقصود ان حروف کے ساتھ دو امروں میں سے کوئی ایک ہوتا ہے تابع یا متبوع دونوں نہیں ہوتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ متبوع کے مقصود ہونے سے مراد یہ ہے کہ متبوع، تابع کے ذکر کے لیے وسیلہ نہ ہو اور تابع کے مقصود ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ متبوع پر متفرع نہ ہو اور کوئی شک نہیں ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں ان حروف کے ساتھ اس معنی اور مراد مذکور کے اعتبار سے مقصود ہیں۔

ویتوسط بینہ و بین متبوعہ: اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ معطوف علیہ اور اس کے معطوف کے درمیان حرف عطف ہوتا ہے جیسے قام زید و عمرو اور اس نکلڑا کا اضافہ تعریف کی زیادتی توضیح کے لیے ہے۔

واذ عطف المرفوع المتصل: مصنف یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ جب کسی اسم ظاہر کا ضمیر مرفوع متصل پر عطف کیا جائے تو اس معطوف علیہ یعنی ضمیر مرفوع متصل کی ضمیر مرفوع منفصل سے تاکید لانا ضروری ہے، کیونکہ ضمیر مرفوع متصل لفظاً اور معنی جزء فعل کی طرح ہے تو اگر متصل پر بغیر منفصل کی تاکید کے عطف کیا جائے تو کلمہ کے بعض حروف پر عطف کرنا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے جیسے ضربت انا و زید البتہ اگر معطوف علیہ ضمیر مرفوع متصل اور معطوف کے درمیان فصل واقع ہو جائے تو منفصل کے ساتھ تاکید کا ترک درست ہے، اس لیے کہ کلام میں طویلانی فصل کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔

لہذا اختصار ترک تاکید کے ذریعہ بہتر ہے۔ خواہ فصل حرف عطف سے پہلے ہو جیسے ضربت الیوم و زید یا فصل حرف عطف کے بعد ہو جیسے ما أشرکنا ولا آباءنا .

ویجوز ترکہ: مصنف کے قول ویجوز ترکہ میں اشارہ ہے کہ بصورت فصل اگر معطوف علیہ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید منفصل کے ساتھ کوئی لانا چاہتا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ جیسے فَكَبِكُبُوا فِيهَا هَمٌّ وَالْغَاوُونَ۔ صورت مذکورہ میں ترک تاکید واجب نہیں ہے۔

وإذا عطف على الضمير المجرور: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ضمیر مجرور پر کسی اسم کا عطف کیا جائے تو حرف جار کا اعادہ ضروری ہوتا ہے اس لیے کہ جار اور مجرور کے درمیان کا اتصال فعل اور اس کے فاعل کے درمیان کے اتصال سے اشد ہوتا ہے پس جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف بلا منفصل کے ساتھ تاکید لائے درست نہیں ہے تو ضمیر مجرور پر عطف بغیر اعادہ جار کے کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ اس لیے حرف جار کا اعادہ ضروری ہے۔

والمعطوف في حكم المعطوف عليه ومن ثم لم يجز في مازيد بقائم او قائما ولا ذاهب عمرو الا الرفع وانما جاز الذي يطير فيغضب زيد ن الذباب لانها فاء السببية واذ عطف على عاملين مختلفين لم يجز خلافا للفراء الا في نحو في الدار زيد والحجرة عمرو خلافا لسيبويه .

ترجمہ: - اور معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور اس وجہ سے نہیں جائز ہے مازید بقائم او قائما اور لا ذاہب عمرو میں مگر رفع اور بے شک جائز ہے الذي يطير فيغضب زيد ن الذباب اس لیے کہ فاء سببیت کی ہے۔ اور جب عطف کیا جائے دو مختلف عاملوں پر تو نہیں جائز ہے مخالفت کرتے ہوئے فراء کی مگر فی الدار زيد والحجرة عمرو جیسے میں مخالفت کرتے ہوئے سببویہ کی۔

والمعطوف في حكم المعطوف عليه: حاصل عبارت یہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ان تمام چیزوں میں ہوتا ہے جو معطوف علیہ میں جائز اور ناجائز ہوں۔ اور معطوف علیہ جو کچھ تر کینا واقع ہوگا وہی معطوف واقع ہوگا جیسے جاءني زيد ن العالم والعامل کہ معطوف علیہ صفت واقع ہے تو معطوف بھی صفت واقع ہو سکتا ہے، اسی طرح جاء الذي صلي وصام کہ صام صلی کی طرح صلہ ہے۔

اسی طرح جو چیز معطوف علیہ میں ضروری ہوگی وہ معطوف میں بھی ضروری ہوگی مثلاً اگر معطوف علیہ میں ضمیر جملہ یا صلہ ہونے کی وجہ سے ضروری ہے تو معطوف میں بھی ضمیر عائد ضروری ہوگی۔

البتہ دھیان رہے کہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں انھیں احوال عارضہ میں ہوتا ہے کہ جو احوال معطوف علیہ کو اس کے ماقبل کے اعتبار سے لاحق ہوتے ہیں، لہذا معرب اور مبنی ہونے واحد، تشنیہ، جمع وغیرہ میں معطوف کا معطوف علیہ کے حکم میں ہونا ضروری نہیں ہے، کیوں کہ یہ احوال معطوف علیہ کو اس کی ذات کے اعتبار سے لاحق ہوتے ہیں۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں تبھی ہوگا جب معطوف علیہ میں جو حکم پایا جاتا ہے اس کا تقاضہ کرنے والا معطوف میں نہ پایا جائے تو پھر معطوف علیہ کا حکم معطوف پر نافذ نہ ہوگا۔ جیسے کہ یارجل و الحارث کہ رجل منادی ہونے کی وجہ سے معرفہ ہو گیا لہذا اس پر الف لام داخل نہیں ہو سکتا ورنہ دو آگے تعریف کا بلا فصل ایک ہی کلمہ میں داخل ہونا لازم آئے گا۔ جب کہ الحارث پر الف لام کا داخل ہونا درست ہے، کیوں کہ حرف نداء کے اس پر نہ ہونے کی وجہ سے الف لام کے دخول کی صورت میں دو آگے تعریف کا بیک وقت اس پر داخل ہونا لازم نہیں آئے گا اسی وجہ سے کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے مازید بقائم او قائماً ولا ذاہب عمرو میں ذاہب مرفوع ہوگا عطف کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے مجرور یا منصوب نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ معطوف علیہ بقائم یا قائماً میں ہو کی ضمیر ہے جو ما کے اسم کی طرف راجع ہے، جب کہ معطوف ذاہب اسم ظاہر کی طرف مسند ہونے کی وجہ سے ضمیر سے خالی ہے، لہذا عطف درست نہ ہوگا پس ولا ذاہب عمرو، بقائم پر عطف کی وجہ سے مجرور یا قائماً پر معطوف ہو کر منصوب نہیں ہو سکتا، کیوں کہ یہ ترکیباً ما کی خبر نہیں ہو سکتا جب کہ بقائم یا قائماً خبر ہے۔

وانما جاز الخ: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کا یہ قاعدہ کہ جب معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے تب عطف درست ہوتا ہے ورنہ نہیں الذی یطیر فی غضب زید ن الذباب سے ٹوٹ گیا، اس لیے کہ یطیر میں ایک ضمیر ہے جو الذی موصول کی طرف لوٹ رہی ہے اور فی غضب اس پر معطوف ہے جب کہ اس میں کوئی ضمیر نہیں کیوں کہ فی غضب کا اسم ظاہر فاعل موجود ہے تو مصنف نے اپنے قول وانما جاز سے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا اعتراض تب درست ہوتا جب فاء برائے عطف ہوتی لیکن یہاں پر فاء برائے سبب ہے، لہذا قاعدہ نہیں ٹوٹا۔

واذا عطف علی عاملین الخ: خلاصہ یہ ہے کہ جب دو مختلف عاملوں کے دو مختلف معمولوں پر ایک ہی حرف عطف کے ذریعہ عطف کیا جائے تو یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ واؤ حرف عطف ضعیف العمل ہے وہ دو مختلف عاملوں کا قائم مقام نہیں ہو سکتا، یعنی اس کی ایسی لیاقت نہیں ہے کہ وہ دو مختلف عاملوں کے اثر و دو مختلف معمولوں تک پہنچانے میں واسطہ بن سکے البتہ فی الدار زید و الحجرة عمرو جیسی ترکیب میں دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر ایک ہی حرف عطف کے واسطے سے عطف درست ہے۔

فی الدار زید و الحجرة عمرو جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں مجرور، معطوف اور معطوف علیہ دونوں کی جانب میں مقدم ہو، ترکیب مذکورہ میں الدار میں فی عامل ہے اور اس پر الحجرة کا عطف ہے، اور زید میں ابتداء عامل ہے اور اس پر عمرو کا عطف ہے۔ اس ترکیب کے درست ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ عطف کلام عرب میں خلاف قیاس بنا گیا ہے اور کسی ترکیب کے صحیح ہونے

کے لیے اتنا کافی ہے کہ اسے عرب استعمال کرتے ہوں بھلے اس کا عمل سماع کے مورد پر ہی منحصر رہے یہ تو جمہور کا نظریہ ہے۔ اب ذرا فراء کی بھی رائے سنتے چلیے تو فراء کے نزدیک مطلقاً دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر عطف درست ہے خواہ معطوف اور معطوف علیہ کی جانب میں مجرور مقدم ہو یا نہ ہوں۔ وہ عربوں کے اس قول ما کل سوداء ثمرة وبيضاء شحمة سے استدلال کرتے ہیں (ہر کالی چیز کھجور اور سفید چیز چربی نہیں ہوتی) اس میں بیضاء سوداء پر معطوف اور سوداء میں کُلُّ عامل ہے اور شحمة ثمرة پر معطوف ہے اور ثمر میں عامل ما ہے نیز فراء کا استدلال شاعر کے اس قول سے بھی اکل المرء تحسین امرأ و نار توقد باللیل ناراً (کیا تو ہر آدمی کو آدمی اور ہر رات میں جلتی آگ کو آگ خیال کرتی ہے) جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ دونوں مثالیں سماع کے مورد کے ساتھ مخصوص ہیں ان پر دوسری ترکیبوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا یا یہ دونوں قول مآول ہیں یعنی پہلا قول ما کل سوداء ثمرة و ما کل بیضاء شحمة کی تاویل میں ہے جب کہ دوسرا قول اکل امرء تحسین امرأ و اکل نار توقد باللیل تحسین ناراً کے معنی میں ہے۔

جب کہ سیبویہ کا نظریہ جمہور اور فراء دونوں سے مختلف ہے سیبویہ کا کہنا ہے کہ دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر ایک حرف عطف کے واسطے سے مطلقاً عطف درست نہیں خواہ مجرور معطوف علیہ اور معطوف سے مقدم ہو یا نہ ہو ان کی دلیل یہ ہے کہ حرف عطف قائم مقام عامل کے ہوتا ہے اور واؤ ضعیف العمل ہے، لہذا یہ دو مختلف عاملوں کا قائم مقام نہیں بن سکتا، لہذا اس پر عطف بھی جائز نہیں، ہاں اگر ایک عامل کے دو مختلف معمولوں پر ایک حرف عطف کے ذریعہ عطف کیا جائے تو یہ بالاتفاق درست ہے جیسے ضرب زید عمرو او خالد بکراً۔

التاكيدُ تابعٌ يُقرّرُ امرَ المتبوعِ في النسبةِ او الشُمُولِ وَهُوَ لفظيٌّ و معنويٌّ فاللفظيُّ تكريرُ اللفظِ الاولِ نحو جاءني زيدٌ و زيدٌ و يجري في الالفاظِ كُلِّها و المعنويُّ بالفاظٍ محصورةٍ وَهِيَ نَفْسُهُ و عَيْنُهُ و كِلَاهُمَا و كُلُّهُ و اَجْمَعُ و اِكتَعُ و ابتعُ و ابصعُ فالاولانِ يعمّانِ باختلافِ صيغتهما و ضميرهما تقولُ نَفْسُهُ و نَفْسُهَا و انفسهما و انفسهم و انفسهنَّ و الثاني للمثنى تقولُ كِلَاهُمَا و كِلتَاهُمَا و الباقي لغير المثنى باختلافِ الضميرِ في كَلِهِ و كُلِّها و كُلِّهم و كلهن و الصيغِ في البواقي تقولُ جمع و جمعاء و اجمعون و جُمع .

ترجمہ:- تاکید ایسا تابع ہے جو متبوع کی حالت نسبت یا شمول میں ثابت کرتا ہے اور وہ لفظی اور معنوی ہوتا ہے، پس تاکید لفظی پہلے لفظ کا مکرر ہونا ہے جیسے جاءني زيدٌ و زيدٌ اور تاکید لفظی تمام الفاظ

میں جاری ہوتی ہے۔ اور تاکید معنوی محدود الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ نفسہ اور عینہ اور کلاہما اور کلتاہا اور باقی تشنیہ کے علاوہ کے لیے ہیں ضمیر کے اختلاف کے ساتھ کلہ اور کلہا اور کلہم اور کلہن اور صیغوں کے اختلاف کے ساتھ باقی میں تم کہو اجمع اور جمعاء اور اجمعون اور جمع۔

توضیح: - اب تاکید کی تعریف کر رہے ہیں تو تاکید ایسا تابع ہے جو متبوع کی حالت، نسبت یعنی اس کے منسوب یا منسوب الیہ ہونے میں یا متبوع کے شمول میں ثابت کرتا ہے یعنی اس بات کو راسخ کرتا ہے کہ متبوع اپنے تمام افراد کو عام ہے۔ مصنف کا قول ”تابع“ جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور ان کا قول یقرر المتبوع فصل ہے، چنانچہ اس سے تمام توابع سے احتراز ہو گیا۔

اب سنیے کہ تاکید کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ تو تاکید کے تمام الفاظ کا مقصد یا تو سامع سے غفلت کے نقصان کو دور کرنا ہے یا متکلم کے بارے میں غلط گمان یا مجاز یا تخصیص کے گمان کو ختم کرنا ہے۔

تاکید کی دو قسمیں ہیں لفظی اور معنوی اور وجہ حصر یہ ہے کہ یا تو تاکید صرف لفظ اول کے تکرار سے ہوگی یا معنی کے تکرار سے ہوگی پہلی صورت تاکید لفظی کی ہے اور دوسری صورت تاکید معنوی کی، تاکید لفظی کہتے ہیں لفظ اول کے تکرار کو جیسے جاء نی زید زید۔ لفظ اول سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ لفظ ترکیب میں سب سے پہلے واقع ہو، بلکہ اس کا مطلب ہے لفظ اول بلحاظ ثانی کے خواہ وہ لفظ ترکیب کے شروع میں ہو یا کہیں بھی ہو پس نہیں کہا جاسکتا کہ جاء نی زید زید میں زید لفظ اول نہیں ہے، بلکہ اول جاء اور زید لفظ ثانی ہے لہذا تاکید کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی، حالاں کہ وہ تاکید لفظی کی مثال ہے اس لیے کہ زید لفظ اول ہے بلحاظ زید ثانی کے پس تعریف اس پر صادق ہے۔

ویجری فی الالفاظ: اس کا مطلب یہ ہے کہ تاکید لفظی تمام الفاظ میں خواہ وہ اسم ہوں یا فعل، حرف ہوں یا جملے، مرکبات تقید یہ ہوں یا غیر تقید یہ سب میں پائی جاسکتی ہے۔

اور تاکید معنوی مخصوص اور محدود الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ نفس، عین، کلا اور کلتا، کل، اکتع، اجمع، ابتع، ابصع ہیں۔

فالاولان یعمان: اب موقع استعمال اور طریقہ استعمال بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ نفس اور عین ان کا استعمال واحد، تشنیہ، جمع اور مؤنث سب کی تاکید کے لیے ہو سکتا ہے البتہ صیغہ اور ضمیر دونوں حسب مؤکد تبدیل ہوتے رہیں گے، چنانچہ واحد مذکر کی تاکید کی صورت میں نفسہ اور عینہ اور واحد مؤنث کی تاکید کی صورت میں نفسہا اور اعینہا استعمال ہوگا اور تشنیہ مذکر اور مؤنث کے لیے الرجالن اور المرأتان نفسہما اور عینہما استعمال ہوگا، انفسہما کا استعمال بھی تشنیہ مذکر اور مؤنث کے لیے ہو سکتا ہے اور صیغہ جمع کا استعمال یا تو تشنیہ کو جمع کے ساتھ الحاق کی وجہ سے یا تشنیہ کے اقل جمع ہونے کی وجہ

سے ہے۔

ابن کیسان کا کہنا ہے کہ مذکورہ بالا موقع کے لیے نفساھما اور عیناھما کا استعمال ہوگا البتہ استعمال اول افضل ہے، کیوں کہ قلوبکما کا استعمال قلبا کما سے بہتر ہے۔

اور قسم ثانی یعنی کلا اور کلنا کا استعمال تشنیہ کی تاکید کے لیے ہوتا ہے مذکر کے لیے کلاھما اور مؤنث کے لیے کلتاھما برائے تاکید مستعمل ہوگا۔ اور باقی الفاظ تاکید یعنی کل اور اجمع اور اکتع اور ابتع اور ابصع ماسوائے تشنیہ سب کے لیے مستعمل ہوں گے البتہ کل بجائے صیغہ کے ضمیر کے اختلاف کے ساتھ استعمال ہوگا جب کہ اجمع اور اس کے اخوات کا استعمال صرف صیغوں کے اختلاف کے ساتھ ہوگا چنانچہ مفرد کے لیے اجمع اور مفرد مؤنث کے لیے جمعاء اور جمع مذکر کے لیے اجمعون اور جمع مؤنث کے لیے جمع استعمال کیا جائے گا۔ اسی طرح اس کے اخوات کا حال ہے۔

فائدہ: - دھیان رہے کہ جب اکتع، ابتع اور ابصع کو اجمع سے علیحدہ کر کے یعنی بغیر اجمع کے استعمال کیا جائے تو ان کے کوئی معنی ہوں گے یا نہیں تو اس میں اختلاف ہے تو بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ تینوں اسماء جب اجمع کے ساتھ مستعمل ہوں گے تو اجمع کے معنی میں ہوں گے باقی جب بغیر اجمع کے مستعمل ہوں تو علیحدہ ان کے کوئی معنی نہیں ہیں جب کہ دوسرے بعض حضرات کی رائے ہے کہ اگر یہ اجمع کے ساتھ مستعمل ہوں تب تو اجمع کے معنی میں ہی ہوں گے لیکن اگر بغیر اجمع کے استعمال ہوں تو ان کے مستقل معنی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اکتع مشتق ہے حوٹ کتّع سے جو مکمل کے معنی میں ہے۔ اسی طرح ابصع مشتق ہے عربوں کے قول بَصَع العرف سے جو بہنے کے معنی میں ہے اور اگر ابضع ہے تو بَضَع سے مشتق ہوگا جو سیراب ہونے کے معنی میں ہے۔ اور ابتع مشتق ہے بتع سے جو لمبی گردن کے معنی میں ہے۔

ولا یؤکد بکلّ واجمع الا ذو اجزاء یصحّ افتراقها حسّاً او حکماً مثل اکرمت القوم کلّهم واشتریت العبد کُلّہ بخلاف جاء زید کُلّہ واذا اُکّد الضمیر المرفوع المتّصل بالنفس والعین اُکّد بمنفصل مثل ضربت انت نفسک واکتع واخواہ اتباع لاجمع فلا تتقدّم علیہ و ذکرھا ذونہ ضعیف .

ترجمہ: - اور نہیں تاکید لائی جاتی مگر ایسے اجزا والی چیز کی کہ جن اجزاء کا جدا ہونا حساً یا حکماً درست ہو جیسے اکرمت القوم کلّهم واشتریت العبد کُلّہ بخلاف جاء زید کُلّہ کے اور جب تاکید لائی جائے ضمیر مرفوع متصل کی نفس اور عین کے ساتھ تو تاکید لائی جائے گی منفصل کے ساتھ جیسے ضربت

انت نفسک. اور اکتع اور اس کے بھائی اجمع کے تابع ہیں پس وہ نہیں مقدم ہو سکتے اجمع پر اور ان کا ذکر بغیر اجمع کے ضعیف ہے۔

ولا یؤکد کل الخ: اس ٹکڑے کا ما حاصل یہ ہے کہ کل اور "اجمع" سے تاکید اسی چیز کی لائی جاسکتی ہے کہ جس کے اجزاء کا حساً یا حکماً جدا ہونا ممکن ہو اور ایسا اس لیے ضروری ہے کہ کل، کلیت اور اجمع، جمیعت پر دلالت کرتا ہے اور یہ معنی ذوا اجزاء میں ہی متحقق ہو سکتے ہیں پہلے کی مثال اکرمات القوم کلہم ہے کہ کلہم قوم کی تاکید کے واسطے ہے اور قوم کے افراد کا محسوس طور پر ایک دوسرے سے جدا ہونا عالم آشکارا ہے۔ اور اشتریت العبد کلہ حکماً افتراق کی مثال ہے پس کلہ العبد کی تاکید کے لیے ہے اور عبد کے اجزاء بلحاظ بعض افعال یعنی بیع و ثراء جدا ہوتے ہیں، کیوں کہ اسکے نصف یا ثلث یا ربع کا خریدنا ممکن ہے۔ بعض افعال کی قید اس لیے لگائی کیوں کہ عبد کا افتراق بعض دوسرے افعال جیسے مجیٰ اور ذہاب کے ممکن نہیں کہ بعض عبد آئے اور اس کا نصف آخر نہ آئے۔

چوں کہ کل اور اجمع کے ساتھ تاکید کے لیے مذکورہ بالا شرط ضروری ہے، لہذا جاء زید کلہ کہنا درست نہ ہوگا اس لیے زید کے اجزاء کا افتراق باعتبار محیبت کے نہ حساً ممکن ہے جو ظاہر اور باہر ہے اور نہ ہی حکماً ممکن ہے، کیوں کہ محیبت میں نصف یا ثلث وغیرہ کا کوئی تصور نہیں۔

واذا اکدا الضمیر المرفوع الخ: خلاصہ عبارت یہ ہے کہ جب ضمیر مرفوع متصل کی نفس اور عین کے ساتھ تاکید لانا مقصود ہو تو اولاً ضمیر منفصل کو ذکر کیا جائے پھر نفس اور عین کے ساتھ تاکید ہو جیسے ضربت انت نفسک ایسا اس لیے ضروری ہے کہ اگر ضمیر مرفوع متصل کی نفس اور عین کے ساتھ بغیر ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ تاکید کے لائے تاکید لائی جائے تو تاکید کا بعض مواقع میں فاعل کے ساتھ اشتباہ لازم آئے گا جیسے زید اکرمنی ہو نفسہ پس اگر مثال مذکور میں ہو ضمیر مرفوع متصل مستتر کی ما نفسہ کے ساتھ بغیر ہو ضمیر منفصل کو ذکر کیے ہوئے لے آئی جائے تو نفسہ جو تاکید کے لیے ہے اس کا فاعل کے ساتھ اشتباہ ہو جاتا کیونکہ کچھ پتہ نہ چلتا کہ فاعل اسم ضمیر ہے بلکہ اغلب یہ ہے کہ ذہن نفسہ کے فاعل ہونے کی طرف جاتا حالانکہ وہ فاعل نہیں بلکہ فاعل کی تاکید ہے۔

اب قیود کا فائدہ سمجھئے پہلی قید ہے کہ ضمیر مرفوع کی تاکید لانا ہو تب ایسا حکم ہے اس لیے کہ ضمیر منصوب اور مجرور کی بغیر منفصل کے ساتھ تاکید لائے ہوئے نفس اور عین کے ساتھ تاکید لائی جاسکتی ہے، کیوں کہ یہاں فاعل کے ساتھ اشتباہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے جیسے ضربتک نفسک اور مررت بک نفسک۔ دوسری قید ہے متصل کی اس لیے کہ اگر منفصل کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ منظور ہو تو بھی ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لازمی نہیں کیوں کہ یہاں بھی اشتباہ سے امن ہے۔ جیسے انت نفسک۔

تیسری قید ہے نفس اور عین کے ساتھ تاکید لانے کی۔ اس لیے اگر ضمیر مرفوع متصل کی نفس اور عین کے علاوہ کے ساتھ تاکید لانی ہو تو ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لائے ہوئے بغیر بھی تاکید لائی جاسکتی ہے کیوں کہ یہاں بھی فاعل کے ساتھ اشتباہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے ایسا اس لیے ہے کہ کل اور اجمعون عامۃ عوامل سے متصل نہیں ہوتے، بلکہ دور ہوتے ہیں بخلاف نفس اور عین کے کہ وہ زیادہ تر عوامل سے متصل ہوتے ہیں۔

واکتع واخواہ: یہاں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اکتع اور ابتع اور ابصع، اجمع کے تابع ہیں اور اجمع گویا اصل ہے، لہذا اس کے دو اثر ہوں گے پہلا یہ کہ اکتع وغیرہ اجمع پر مقدم نہیں ہو سکتے تابع ہونے کی وجہ سے کیوں کہ تابع متبوع پر مقدم نہیں ہو سکتا، اور دوسرا یہ کہ اکتع وغیرہ بغیر اجمع کے ذکر کیے مذکور نہیں ہو سکتے ورنہ تابع کا بلا متبوع کے مذکور ہونا لازم آئے گا۔

اب ایک بات اور سمجھ لیجیے کہ اکتع اور ابتع اور ابصع میں ذکر کی ترتیب کیا ہوگی تو فصیح یہ ہے کہ اجمع کے بعد اکتع پھر ابتع اور آخر میں ابصع ذکر کیا جائے گا جیسے جاء نی القوم کلہم اجمعون و اکتعون و ابتعون و ابصعون جب کہ بغدادیہ اور جزلی کی رائے ہے کہ اجمع کے بعد اکتع کا تو نمبر ہے لیکن ابصع، ابتع پر مقدم ہے اور ابن کیسان کا کہنا ہے کہ اجمع کے بعد تینوں میں سے چاہے جس کو پہلے ذکر کیا جائے ان تینوں میں برائے ذکر کی کوئی ترتیب نہیں ہے۔

البدل تابع مقصود بما نسب الی المتبوع دونہ وهو بدل الكل والبعض والاشتمال والغلط فالاول مدلوله مدلول الاول والثانی جزء ہ والثالث بینہ وبين الاول ملبسةً بغيرهما والرابع ان تقصد الیه بعد ان غلطت بغيره ویکونان معرفتین ونکرتین ومختلفتین واذا کان نکره من معرفه فالنعت مثل بالناصیه ناصیه کاذبہ ویکونان ظاہرین ومضممرین ومختلفین ولا یبدل ظاہر من مضممر بدل الكل الا من الغائب نحو ضربته زیداً.

ترجمہ: بدل ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے اس چیز کے ساتھ جس کی طرف متبوع کی نسبت کی گئی ہو اور وہ بدل الكل اور بدل البعض اور بدل الاشتمال اور بدل الغلط ہے۔ پس اول اس کا مدلول اول کا مدلول ہے اور ثانی (اس کا مدلول) اس کا جزء ہے (یعنی اول کے بدل کا جزء ہے) اور ثالث اس کے اور اول کے درمیان ایسا تعلق ہے جو ان دونوں کے علاوہ ہے۔ اور چوتھے یہ ہے کہ تو اس کا ارادہ کرے اس کے علاوہ کے ساتھ غلطی کرنے کے بعد۔ اور وہ دونوں معرفہ ہوں گے اور دونوں نکرہ اور دونوں مختلف اور جب

نکرہ ہو معرفہ سے تو صفت (لازمی) ہے جیسے بالناصیۃ ناصیۃ کا ذبہ اور بدل اور مبدل منہ اسم ظاہر ہوتے ہیں اور ضمیر اور دونوں مختلف ہوتے ہیں اور نہیں بدل لایا جاتا ضمیر سے بدل الکل مگر غائب سے جیسے ضربتہ زیداً۔

توضیح: - سب سے پہلے بدل کی تعریف سنو۔ بدل کہتے ہیں ایسے تابع کو جو مقصود ہوتا ہے اس چیز کے ساتھ کہ جس کی طرف متبوع منسوب ہو متبوع مقصود نہ ہو۔

مصنف کا قول ”تابع“ بمنزلہ جنس کے ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور ان کا قول ”مقصود“ سے غیر معطوف سے احتراز ہو گیا اور ان کے قول ”ذَوْن مَتْبُوعِہ“ کی قید سے معطوف خارج ہو گیا۔

بدل کی چار قسمیں ہیں بدل الکل، بدل البعض، بدل الاشتمال اور بدل الغلط۔ دلیل حصر یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ دو حال سے خالی نہیں یا تو دونوں کے درمیان کوئی تعلق ہو گا یا نہیں۔ دوسری صورت بدل الغلط ہے اور صورت اول تین حال سے خالی نہیں یا تو بدل، مبدل منہ کا کل ہو گیا یا جزء ہو گا یا ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر مشتمل ہو گا پس اول بدل الکل ہے ثانی بدل البعض اور ثلث بدل الاشتمال ہے۔

فالاول مدلوله مدلول الاول: اب ہر چہار اقسام کی تعریف کر رہے ہیں۔ پس بدل الکل ایسے بدل کو کہتے ہیں کہ اس کا مدلول بعینہ وہ ہو جو مبدل منہ کا مدلول ہوتا ہے جیسے جاء نی زید اخوك۔

بدل الکل کی اس تعریف پر اعتراض ہے کہ اس تعریف بالا کی رو سے بدل الکل اور عطف بیان کے درمیان کوئی فرق نہیں رہ جاتا، اس لیے کہ عطف بیان میں بھی ثانی کا مدلول وہی ہوتا ہے جو اول کا ہوتا ہے جو اب اس کا یہ ہے کہ دیکھو فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مقصود بالحکم اول ہو اور ثانی وضاحت کے لیے ہو تو وہ عطف بیان ہے اور اگر مقصود بالحکم ثانی ہو اور اول برائے تمہید ثانی ہو تو وہ بدل الکل ہے۔

اور بدل البعض کہتے ہیں ایسے بدل کو کہ اس کا مدلول، مبدل منہ کے مدلول کا جزء ہو جیسے قطعت زید یدہ اور بدل الاشتمال ایسے بدل کو کہتے ہیں کہ بدل اور مبدل منہ کے درمیان کلیت اور جزئیت کے علاوہ کوئی تعلق ہو جیسے سلب زید ثوبہ اور بدل الغلط کہتے ہیں ایسے بدل کو کہ جس کا ارادہ اس کے علاوہ ہے ساتھ غلطی کرنے کے بعد کیا جائے جیسے جاء نی زید حمار۔

ویکونان معرفتین: اس کا حاصل یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ کے معرفہ اور نکرہ ہونے میں چار احتمال ہیں اول یہ کہ بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ ہوں، دوم دونوں نکرہ ہوں، سوم اول نکرہ ہو اور ثانی معرفہ ہو چہارم اس کے الٹا پس یہ چار صورتیں ہوئی اور بدل کی باعتبار کل یا جزء وغیرہ کی چار صورتیں ہیں پس چار کو جب چار سے ملا یا جائے گا تو سولہ صورتیں حاصل ہو جاتی ہیں اب ہر ایک کی مثال دیکھو۔

بدل اور مبدل منہ دونوں نکرہ ہوں

بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ ہوں

بدل الکل	جاء نی رجل غلام لزيد
بدل البعض	جرح رجل رأس له
بدل الاشتمال	اعجبنى رجل علم له
بدل الغلط	سقط رجل حمار له من الجبل

بدل الکل	جاء نی زيد اخوك
بدل البعض	ضربت زيد رأسه
بدل الاشتمال	اعجبنى زيد علمه
بدل الغلط	جاء نی زيد الحمار

مبدل منہ نکرہ ہو اور بدل معرفہ

مبدل منہ معرفہ ہو اور بدل نکرہ

بدل الکل	جاء نی رجل اخوه
بدل البعض	ضرب تلميذ رأسه
بدل الاشتمال	اعجبنى بنت علمها
بدل الغلط	لقى رجل حماره

بدل الکل	جاء نی زيد غلام له
بدل البعض	ضرب زيد رأس له
بدل الاشتمال	اعجبنى سليم علم له
بدل الغلط	لقيني سالم حمار له

وإذا كان نكرة: یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب بدل نکرہ ہو اور مبدل منہ معرفہ تو بدل کی صفت لانا ضروری ہے تاکہ مقصود کا غیر مقصود سے من کل الوجوه انقص ہونا لازم نہ آئے اور جب بدل نکرہ کی صورت میں صفت لے آئیں گے تو بدل کی نکارت کی صفت کے ذریعہ تلافی ہو جائے گی۔

ویکونان ظاہرین: اس کا حاصل یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ میں باعتبار اسم ظاہر اور اسم ضمیر کے چار احتمال ہیں اول یہ کہ دونوں اسم ظاہر ہوں۔ دوسرے یہ کہ دونوں اسم ضمیر ہوں تیسرے یہ کہ مبدل منہ اسم ظاہر ہو اور بدل اسم ضمیر اور چوتھے اس کے الٹا اور بدل کی بھی چار قسمیں ہیں چار کو چار میں ملانے سے سولہ صورتیں حاصل ہو گئیں۔

بدل اور مبدل منہ دونوں اسم ظاہر ہوں اس کی مثالیں بعینہ وہ مثالیں ہیں جو بدل کے چاروں اقسام کی تعریف کے ذیل میں گذری ہیں۔ بقیہ کی مثالیں نقشہ ذیل میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مبدل منہ اسم ظاہر ہو اور بدل ضمیر

دونوں ضمیر ہوں

بدل الکل	ضربت زيد اياه
بدل البعض	يد زيد قطعت زيدا اياه
بدل الاشتمال	جهلُ زيد كرهت زيدا اياه
بدل الغلط	حمار زيد كرهت زيدا اياه

بدل الکل	زيد ضربته اياه
بدل البعض	يد زيد قطعتہ اياها
بدل الاشتمال	جهلُ الزيدین كرهتهما اياه
بدل الغلط	حمار الزيدین كرهتها اياه

مبدل منہ ضمیر ہو اور بدل اسم ظاہر

زید ضربتہ اخاک	بدل الکل
زید قطعته یدہ	بدل البعض
زید کرہتہ جہلہ	بدل الاشمال
زید کرہتہ حمارہ	بدل الغلط

ولا یبدل ظاہر الخ: حاصل عبارت یہ ہے کہ اسم ظاہر کو ضمیر متکلم اور ضمیر مخاطب سے بدل الکل نہیں قرار دیا جاسکتا، کیوں کہ متکلم اور مخاطب کی ضمیر اسم ظاہر کے مقابلہ میں دلالتہ اقویٰ اور اخص ہے پس اگر اسم ظاہر کو ان دونوں سے بدل الکل قرار دیا جائے تو مقصود کا غیر مقصود سے مدلول میں متحد ہونے کے باوجود ادون اور انقص ہونا لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے، لہذا اسم ظاہر کو بدل الکل متکلم اور مخاطب کی ضمیر سے تو نہیں قرار دیا جاسکتا ہے البتہ بدل البعض، بدل الاشمال اور بدل الغلط قرار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیوں کہ ان قسموں میں دونوں کا مدلول متحد نہیں رہتا نیز بدل سے وہ فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے جو مبدل منہ سے نہیں ہوا تھا۔

الا من الغائب: حاصل یہ ہے کہ اسم ظاہر کو بدل الکل متکلم اور مخاطب کی ضمیر سے تو نہیں قرار دیا جاسکتا لیکن اگر ضمیر غائب سے اسم ظاہر کو بدل الکل قرار دیا جائے تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ ضمیر غائب اور اسم ظاہر دونوں ہم رتبہ ہیں، کیوں کہ اسم ظاہر غائب کے درجہ میں ہی سمجھا جاتا ہے جیسے ضربتہ زیداً۔

عطف البیان تابع غیر صفة یوضح متبوعہ مثل اقسام باللہ ابو حفص عمر، وفصلہ من البدل لفظاً فی مثل انا ابن التارک البکری بشر۔

ترجمہ:- عطف بیان ایسا تابع ہے جو صفت نہ ہو، جو اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہو جیسے اقسام باللہ ابو حفص عمر اور عطف بیان بدل سے لفظاً ممتاز ہے انا ابن التارک البکری بشر جیسے میں۔
توضیح:- اب عطف بیان کی تعریف کر رہے ہیں پس عطف بیان وہ تابع ہے جو صفت نہ ہو کر متبوع کی وضاحت کر رہا ہے۔

پورا شعر یوں ہے اقسام باللہ ابو حفص عمر "ما مبسہا من نقب ولا دبیر ÷ اغفر له اللہم ان کان فجر۔ شعر کا ترجمہ یوں ہے۔ ابو حفص عمر اللہ کی قسم کھا گئے کہ اس کی اونٹنی میں نہ سوراخ کا نشان ہے اور نہ اس کی پیٹھ پر زخم۔ اے اللہ تو عمر کو بخش دے اگر انہوں نے جھوٹی قسم کھائی ہے۔ پس مصنف کا قول "تابع" جنس ہونے کی وجہ سے تمام توابع کو شامل تھا۔ البتہ غیر صفة سے فصول کا سلسلہ شروع ہوا تو

خود اس سے لغت خارج ہوئی اور یوضیح متبوعہ سے دیگر توابع نکل گئے۔

دھیان رہے کہ عطف بیان کا مبین سے اشہر ہونا ضروری نہیں ہے اور بدل اور عطف بیان میں معنوی فرق تو واضح ہے کہ اول میں تابع مقصود بالنسبہ ہوتا ہے، جب کہ ثانی میں متبوع۔ لفظاً بھی دونوں میں فرق انا ابن التارك البكري بشر جیسے میں واضح ہے۔

پورا شعر ہے انا ابن التارك البكري بشر ÷ وعلیه الطيرُ ترقبه وقوعاً

ترجمہ: - میں بکری بشر کے قاتل کا بیٹا ہوں۔ جس پر پرندے ٹوٹ پڑنے کے لیے منتظر ہیں۔

اس ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں عطف بیان ایسے معرف باللام سے قرار دیا جائے کہ جس کی طرف صفت معرف باللام مضاف ہو جیسے الضارب الرجل زید، التارك البكري بشر، تو ترکیب مذکور میں بشر البكري سے عطف بیان ہے اب اگر کوئی اسے البكري سے بجائے عطف بیان کے بدل قرار دیتا ہے تو چوں کہ بدل تکریر عامل کے حکم میں ہوتا ہے، لہذا الضارب جس طرح البكري کا عامل ہے اسی طرح بشر کا بھی سمجھا جائے گا پس اس کی صورت التارك بشر بعینہ الضارب زید کی صورت کی طرح ہوگئی اور الضارب زید کی ترکیب درست نہیں ہے، لہذا التارك بشر کی بھی ترکیب درست نہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ خرابی بدل ماننے سے لازم آئی۔ معلوم ہوا کہ بدل قرار دینا درست نہیں بلکہ عطف بیان ہی قرار دیا جائے گا۔ تقریر مذکور سے ترکیب مذکور میں بدل اور عطف بیان میں لفظاً فرق واضح ہو گیا کہ جو عطف بیان ہوگا وہ انا ابن التارك البكري بشر جیسے میں بدل واقع ہونے کے احتمال سے محفوظ ہے۔

المبني ما ناسب مبني الأصل أو وقع غير مركب .

ترجمہ: - مبني وہ اسم ہے جو مبني اصل کے مناسب ہو یا غیر مرکب واقع ہو۔

توضیح: - قوله المبني: جب اسم معرب کی بحث مکمل ہوگئی تو اب اسم مبني کی بحث شروع کر

رہے ہیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسم مبني ایسے اسم کو کہتے ہیں جو مبني اصل کے اس طرح مناسب ہو کہ وہ مناسبت اعراب کی رکاوٹ میں مؤثر ہو۔

اب قیدوں کا فائدہ سمجھ لیں۔ اسم کی قید سے مضارع، مبني کی تعریف سے نکل گیا اگرچہ مضارع، مبني اصل یعنی فعل ماضی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے کیوں کہ جس طرح ماضی نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے اسی طرح فعل مضارع بھی نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ یہاں تو تعریف اسم مبني کی بیان ہو رہی ہے اور مضارع کا تعلق اسم سے نہیں بلکہ فعل سے ہے۔ نیز مناسبت مؤثرہ کی قید سے غیر منصرف مبني کی تعریف سے خارج ہو گیا بھلے دو فریعتوں کے پائے جانے میں وہ فعل ماضی کے مشابہ ہے، اس لیے کہ غیر

منصرف کی فعل ماضی کے ساتھ مشابہت اور مناسبت ایسی نہیں ہے جو غیر منصرف پر اعراب کے آنے کو روک سکے بلکہ فعل ماضی کے ساتھ دو فریقتوں کے دونوں میں پائے جانے کی وجہ سے ہر چند مناسبت ہے، لیکن پھر بھی غیر منصرف پر اعراب آتا ہے جب کہ مبنی اعراب کو قبول نہیں کرتا۔ اب ایک اور بات سمجھ لیں کہ مبنی دو قسموں پر ہے، ایک مطلق مبنی دوسرے اسم مبنی۔ پس مصنف نے یہاں جو تعریف بیان کی ہے وہ اسم مبنی کی ہے اور اس بات کو دھیان میں رکھتے ہوئے کہ اس تعریف کے مخاطب وہ حضرات ہیں جو مطلق مبنی کی حقیقت سے آگاہ ہیں، لہذا یہ کہنا بجانہ ہوگا کہ مبنی مجہول ہے اور مبنی کی تعریف میں لفظ مبنی ذکر کیا گیا ہے تو گویا مبنی کی تعریف مبنی سے ہونے کی وجہ سے مجہول کی تعریف مجہول سے ہوئی اور یہ باطل ہے۔

دھیان رہے کہ مصنف نے عام نحاۃ کی تعریف مالا یختلف باختلاف العوامل سے ہٹ کر مذکورہ بالا تعریف اس لیے کی کہ مبنی کی حقیقت کا سمجھنا اور اس کا علم اصل ہے اور آخر کے مختلف نہ ہونے کی معرفت فرع ہے پس مناسب یہی تھا کہ اصل پر فرع کو متفرع کیا جائے یعنی پہلے مبنی کی حقیقت معلوم ہو پھر اس کے آخر کی حالت کا حکم جانا جائے۔

جبکہ جمہور نحاۃ کی تعریف مشہور پر اصل کو فرع پر متفرع کرنا لازم آتا ہے جو خلاف انصاف ہے۔ یہ بات بھی نظروں سے اوجھل نہ رہے کہ اسم مبنی بھی دو قسموں پر ہے یا تو کوئی اسم مبنی، مبنی اس لیے ہوگا کہ موجب اعراب یعنی وہ ترکیب سے خالی ہے جیسے اسمائے معدودہ اور الف، با، تا، ثا وغیرہ یا زید، عمرو وغیرہ یا وہ اسم مبنی، مبنی اس لیے ہے کہ موجب اعراب کے حاصل ہوتے ہوئے وہ مانع اعراب سے دوچار ہے یعنی اس پر اعراب کے حصول کے راستہ میں رکاوٹ ہے۔

مانع اعراب، مبنی اصل یعنی حروف فعل ماضی اور امر حاضر معروف میں سے کسی کے مشابہ ہو جانا ہے۔ کسی اسم کی مبنی اصل کے ساتھ مناسبت متعدد طریقوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ کوئی اسم، مبنی اصل کے مشابہ ہو جائے جیسے اسماء مضمورات اشارات اور موصولات حروف کے احتیاج میں مشابہ ہیں یعنی جس طرح حرف کا معنی بغیر ضم ضمیمہ کے نہیں سمجھ میں آتا ہے اور وہ اپنے معنی پر دلالت کرنے میں ضم ضمیمہ کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح اسمائے اشارات مشاذاً الیہ کے اور مضمورات مرجع کے نیز موصولات صلہ کے محتاج اور حاجت مند ہوتے ہیں۔

دوسرا طریقہ حصول مناسبت کا یہ ہے کہ کوئی اسم، مبنی اصل کے معنی کو شامل ہو جیسے اسمائے استفہام اور اسمائے شرط، حرف استفہام اور حرف شرط کے معنی کو شامل ہوتے ہیں۔

تیسرا طریقہ مناسبت یہ ہے کہ کوئی اسم، مبنی اصل کے واقع ہونے کی جگہ میں واقع ہو جائے جیسے نزال اور تَرَاکِ انزول اور اُتَرَکِ کی جگہ میں واقع ہیں۔

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ کوئی اسم مبنی اس اسم سے مشابہت رکھتا ہے جو مبنی اصل کی جگہ میں واقع ہوتا ہے جیسے حضار اور طمار جو ہر چند مبنی اصل کی جگہ میں خود تو نہیں واقع ہیں لیکن مبنی اصل کی جگہ میں واقع ہونے والے نزال اور ترالک سے ان کو مشابہت حاصل ہے۔

پانچواں طریقہ یہ ہے کہ کوئی اسم اس اسم کی جگہ میں واقع ہو کہ جسے مبنی اصل سے مشابہت حاصل ہے۔ جیسے یازید میں زید منادی جو کاف اسمی کے جگہ میں واقع ہے کہ جسے کاف حرفی خطابی سے مشابہت حاصل ہے۔

چھٹا طریقہ یہ ہے کہ کوئی اسم مبنی اصل کی طرف مضاف ہو جائے جیسے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد من عذاب یومئذ میم کے فتح کے ساتھ کہ تقدیر میں یوم اذ کان کذا کی طرف مضاف ہے اور کان مبنی اصل ہے۔
فائدہ: - جب اتنا ساتھ آپ نے دے دیا تو پانچ باتیں اور سمجھ لیں کہ مشابہت، مناسبت، مجانست، مماثلت اور مشاکلت کسے کہتے ہیں۔

تو مشابہت کہتے ہیں دو چیزوں کے کسی ایسے وصف میں اشتراک کو کہ وہ وصف ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے لازم ہو اور کوئی ایک اس وصف کے ساتھ مشہور بھی ہو جیسے بہادر آدمی کی بہادری میں شیر کے ساتھ مشابہت، پس بہادری شیر کے لیے لازم بھی ہے اور وہ شجاعت میں مشہور بھی ہے۔

مناسبت دو چیزوں کے کسی ایسے وصف میں اشتراک کا نام ہے کہ جو وصف ان دونوں کے لیے لازم ہو خواہ کوئی اس کے ساتھ مشہور ہو یا نہ ہو جیسے شجاعت اور ٹہمی۔

مجانست کہتے ہیں دو چیزوں کا جنس میں مشترک ہونا جیسے آم کا جامن کے ساتھ پھل ہونے میں شریک ہونا۔
مماثلت دو چیزوں کے نوع میں مشترک ہونے کو کہتے ہیں جیسے دسہری، اور پوسا کا آم ہونے میں شریک ہونا۔

مشاکلت کہتے ہیں دو چیزوں کا صورت میں مشترک ہونا جیسے دیوار پر بنے ہوئے شیر کی صورت کا جنگل کے واقعی شیر کے جشہ کے ساتھ شریک ہونا۔

قولہ او وقع غیر مرکب: اس کا ما حاصل یہ ہے کہ یا تو اسم مبنی اسے کہتے ہیں جو اپنے غیر کے ساتھ اس طرح مرکب نہ ہو کہ اس کے ساتھ اس کا عامل موجود ہو عام ازیں کہ وہ عامل لفظی ہو یا معنوی۔ لہذا عامل کی قید کی وجہ سے غلام زید میں مضاف مبنی ہی رہے گا کیونکہ ترکیب مع الغیر تو ہے لیکن وہ عامل سے محروم ہے، لہذا جب تک اس کے ساتھ عامل نہیں ہوگا مضاف مبنی ہی کہلائے گا۔ اور عامل میں تعمیر کر لینے کی وجہ سے زید قائم مبنی میں داخل نہ ہو سکے گا اس لیے کہ یہاں ترکیب مع الغیر عامل معنوی کے ساتھ پائی جا رہی ہے۔ لہذا مبنی کی تعریف جامع بھی ہے اور مانع بھی۔

یہاں ایک اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ مبنی، معرب کا مقابل ہے اور معرب کی تعریف میں عدم المشابہت کا لحاظ کیا گیا ہے، لہذا مقابلہ کی رعایت کا تقاضا یہ تھا کہ مبنی کی تعریف مشابہت سے کی جاتی لیکن مصنف نے ایسا نہ کر کے مناسبت سے مبنی کی تعریف کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ معرب میں جس عدم المشابہت کا اعتبار کیا گیا ہے اس کا حاصل یہی مناسبت ہے جو مبنی کی تعریف میں ملحوظ ہے، لہذا مقابلہ کا لحاظ رہا۔

وَالْقَابَةُ ضَمٌّ وَفَتْحٌ وَكَسْرٌ وَوَقْفٌ وَحُكْمُهُ أَنْ لَا يَخْتَلِفُ آخِرُهُ لِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ

ترجمہ: - اور مبنی کے القابہ ضم اور فتح اور کسر، اور وقف ہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے اختلاف سے نہیں بدلتا۔

توضیح: - والقابہ الخ یہاں سے بتا رہے ہیں کہ اسم مبنی کی حرکات و سکونات کو جس چیز سے بیان کیا جاتا ہے وہ اس کا لقب کہلاتا ہے اور وہ بحالت حرکت ضم و فتح اور کسر ہے جب کہ بحالت سکون وقف ہے۔ ضم کو ضم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا حصول دونوں ہونٹوں کے ملنے کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ اور کسر کو کسر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ادائیگی کے وقت نیچے کے ہونٹ جھک جاتے ہیں اور فتح کو فتح اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی ادائیگی کے وقت منہ کھلا رہتا ہے۔ اور وقف کو وقف اس لیے کہتے ہیں کہ سانس اس میں حرکت سے رک جاتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اہل بصرہ کے نزدیک ہی ایسا ہے کہ مبنی اور معرب کے حرکات و سکونات کو ظاہر اور بیان کرنے کے لیے الگ الگ عنوان ضروری ہے ورنہ اہل کوفہ اس کو ضروری نہیں مانتے بلکہ ان کے یہاں معرب کے اعراب مبنی کے القاب کی جگہ اور مبنی کے القاب معرب کے اعراب کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ مصنف نے یہاں القاب کا عنوان اور معرب میں انواع الاعراب کا عنوان الگ الگ اس لیے اختیار کیا کہ انواع اعراب ہر نوع کے علیحدہ معنی پر دلالت کرنے کی وجہ سے مختلف بالحقیقت ہیں جب کہ یہ بات القاب مبنی میں نہیں ہے۔ کیوں کہ ان سے سوائے الفاظ اور کچھ مراد نہیں ہے۔

وهي المضمراتُ وأسماءُ الإِشَارَةِ وَالْمَوْصُولَاتُ وَالْمَرْكَبَاتُ وَالْكُنَايَاتُ وَأَسْمَاءُ الْأَفْعَالِ وَالْأَصْوَاتُ وَبَعْضُ الظُّرُوفِ .

ترجمہ: - اور مبنی ضمائر اسمائے اشارات اور موصولات، مرکبات اور کنایات اور اسمائے افعال اور اصوات اور کچھ ظروف ہیں۔

توضیح: - ہی ضمیر کا مرجع المبنی ہے۔ رہی بات یہ کہ ضمیر اور مرجع میں مرجع کے مذکر ہونے کی وجہ سے مطابقت نہیں ہے تو عرض ہے کہ ضمیر کا مؤنث لانا باعتبار خبر کے ہے، کیوں کہ مشہور قاعدہ ہے اذا دار المضمرة بين المرجع والخبر فرعاية الخبر اولی۔

ظروف کو بعض کے ساتھ اس لیے مقید کیا کہ تمام ظروف مبنی نہیں ہیں بلکہ بعض معرب بھی ہیں۔ رہی بات کہ اشارات میں ذان اور ذین عند بعض معرب ہیں اسی طرح ایٰی اور ایۃ بالاتفاق معرب ہیں باوجود اس کے اشارات اور موصولات کو بعض کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا ہے دراصل بات یہ ہے کہ ذان اور ذین کے معرب ہونے کا جو قائل ہے اس کے اس نظریہ کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے اور اسے صحیح نہیں مانا ہے لہذا یہ نظریہ جب لائق اعتبار نہ ہو تو گویا تمام ہی اشارات مبنی ہیں اسی طرح ایٰی اور ایۃ کا معرب ہونا بھی بعض حالات کے ساتھ مقید اور مختص ہے یعنی کہ ان دونوں کا صدر صلہ محذوف نہ ہو لہذا اس کا بھی اعتبار نہیں ہے، پس موصولات کو بھی بعض کے ساتھ مقید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اسماء میں چونکہ اصل معرب ہونا ہے، لہذا کسی اسم کے مبنی ہونے کی علت کا معلوم ہونا ضروری ہے پس معلوم ہو کہ کسی اسم کے مبنی ہونے کی وجہ یا تو عدم ترکیب ہے یا مبنی اصل کے ساتھ مناسبت اول، اصوات ہیں کیوں کہ وہ یا تو ایک دوسرے سے مرکب نہیں ہوتے جیسے غاق اور اگر وہ مرکب بھی ہوتے تو وہ حکلیۃ اور نقل کے طور پر ہوتے ہیں اور ثانی یعنی اصل کے ساتھ مناسبت تو اس میں تین احتمال ہیں یا تو مناسبت ماضی کے ساتھ ہوگی یا امر حاضر یا پھر حرف کے ساتھ پس اول و ثانی اسمائے افعال ہیں اور ثالث یا تو مناسب ہوگا حرف کے من حیث المعنی یا نہیں۔ پس صورت اولیٰ میں وہ کنایات ہیں جیسے کم اور کذا، مذ اور منذ، عن اور علیٰ اور صورت ثانی میں نیز یا تو وہ حرف کے معنی کو متضمن ہوگا یا محتاج ہونے میں وہ حرف کے ساتھ مناسبت رکھتا ہوگا۔ پہلی صورت میں وہ مرکبات ہیں اور دوسری صورت میں دو احتمال ہیں یا تو محتاج الیہ حقیقتاً یا حکماً جملہ ہوگا، یا نہیں۔ پہلی صورت یعنی جملہ ہونے کی صورت میں وہ اسمائے موصولات ہیں اور دوسری صورت یعنی جب وہ جملہ نہ ہو تو محتاج الیہ پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مذکور ہوگا یا نہیں مذکور ہوگا، صورت ثانی ظروف ہیں اور صورت اول میں محتاج الیہ یا تو اشارۃً حسیہ ہوگا یا غیبیت یا مخاطب یا تکلم کا قرینہ ہوگا اول اسمائے اشارات اور ثانی مضمرات ہیں۔

المُضْمَرُ مَا وَضِعَ لِمَتَكَلِّمٍ أَوْ مُخَاطَبٍ أَوْ غَائِبٍ تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ لَفْظًا أَوْ مَعْنَى أَوْ حَكْمًا وَهُوَ مُتَّصِلٌ أَوْ مُنْفَصِلٌ، فَالْمُنْفَصِلُ الْمُسْتَقِلُّ بِنَفْسِهِ وَالْمُتَّصِلُ غَيْرُ الْمُسْتَقِلِّ بِنَفْسِهِ وَهُوَ مَرْفُوعٌ وَمَنْصُوبٌ وَمَجْرُورٌ.

ترجمہ: - ضمیر وہ اسم ہے جو متکلم یا مخاطب یا ایسے غائب کے لیے وضع کیا گیا ہو کہ جس کا ذکر سابق میں ہو چکا ہو خواہ لفظاً اس کا ذکر مقدم ہو چکا ہو یا معنی یا حکماً اور وہ متصل یا منفصل ہوتی ہے، پس ضمیر منفصل، مستقل بنفسہ ہوتی ہے اور متصل غیر مستقل بنفسہ ہوتی ہے اور وہ مرفوع اور منصوب اور مجرور ہوتی ہے۔
توضیح: - المضمرة: یہاں سے مصنف ضمیر کی تعریف بیان کر رہے ہیں کہ ضمیر ایسے اسم کو

کہتے ہیں جسے متکلم کے لیے من حیث المتکلم یا مخاطب کے لیے من حیث المخاطب وضع کیا گیا ہو نیز یا ایسے غائب کے لیے وضع کیا گیا ہو کہ جس کا ذکر اس ضمیر سے پہلے لفظاً یا معنی یا حکماً ہو چکا ہو۔

اس تعریف سے معلوم ہو گیا کہ ضمیر کی تین قسمیں ہیں ضمیر متکلم، ضمیر مخاطب اور ضمیر غائب۔ ضمیر غائب کی تعریف تقدم ذکرہ لفظاً او معنی او حکماً کی قید سے مقید اس لیے کیا تا کہ اسماء ظاہرہ سے احتراز ہو جائے کیوں کہ وہ غائب تو ہوتے ہیں لیکن سابق میں ان کا ذکر کیا جانا خواہ لفظاً ہو یا معنی یا حکماً شرط نہیں ہوتا جیسا کہ ضمیر غائب میں ہوتا ہے۔

تقدم لفظی وہ ہے کہ مقدم ملفوظ ہو اب خواہ مقدم کا ملفوظ ہونا حقیقتاً ہو یا حکماً ہو اول کی مثال جیسے ضرب زید غلامہ ورثانی کی مثال جیسے ضرب غلامہ زید کہ اس میں ہر چند غلامہ پہلے اور زید بعد میں ہے لیکن چون کہ فاعل رتبہ فعل سے متصل ہونے کی وجہ سے غلامہ پر مقدم ہے لہذا ضمیر کے ذکر سے پہلے مرجع لفظاً مذکور ہو گیا گو حکماً سہی۔

اور تقدم معنوی وہ ہے کہ مقدم من حیث اللفظ مذکور نہ ہو بلکہ من حیث المعنی مذکور ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ وہ معنی لفظ معین سے مفہوم ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ کہ ہو ضمیر کا مرجع عدل ہے جس پر اعدلو دلالت کر رہا ہے پس مرجع معنایاً مقدم ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ معنی سیاق کلام سے سمجھا جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَلَا بَوَيْهٍ لِّكُلِّ وَاٰحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ کہ جب ما قبل میں میراث کا بیان ہوا تو معلوم ہو گیا کہ اس جگہ کوئی مؤثر ہے، لہذا من حیث المعنی اس کے لیے ضمیر کا استعمال کرتے ہوئے وَلَا بَوَيْهٍ فرما دیا گیا۔ پس ضمیر کے ذکر سے پہلے مرجع کا معنی مذکور ہونا پایا گیا کہ جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے۔

تقدم حکمی ایسے کو کہتے ہیں کہ جس میں مقدم نہ تو من حیث اللفظ اور نہ ہی من حیث المعنی مذکور ہو، بلکہ مقدم مفروض ہو یعنی اس کے قصہ کی تعظیم کے طور پر مان لیا گیا ہو۔ جیسے قل هو اللہ احد میں لفظ ہو ہے کہ اس کا مرجع سابق میں نہ تو من حیث اللفظ اور نہ من حیث المعنی مذکور ہے لیکن تعظیماً قصہ اس کے مرجع کے تقدم کو مان لیا گیا ہے۔

تقدم حکمی ضمیر شان اور ضمیر قصہ نیز نعم اور رُب کی ضمیروں میں ہوتا ہے۔

قوله متصل او منفصل: یہاں سے ضمیروں کی تقسیم بتا رہے ہیں کہ اس کی دو قسمیں ہیں کہ کوئی بھی متکلم، مخاطب اور غائب کی ضمیروں کی قسم ہو وہ یا تو متصل ہوگی یا منفصل ایسا اس لیے ہے کہ ضمیر تلفظ میں یا تو کسی دوسرے کلمہ کے ملانے کا محتاج ہوگی یا نہیں اول متصل ہے اور ثانی منفصل۔

فالمنفصل المستقل بنفسه الخ: مستقل بنفسہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ منفصل کا تلفظ بغیر کسی

دوسرے کلمہ کے ملائے ہوئے ہو سکتا ہے وہ اس سلسلے میں کہ ضم ضمیمہ کا محتاج نہیں ہے۔ اور متصل کے غیر مستقل بنفسہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تلفظ بغیر دوسرے کلمہ کو ملائے ہوئے نہیں ہو سکتا، پس وہ اپنے تلفظ میں ضم ضمیمہ کا محتاج ہے۔

وہو مرفوع: یہاں سے ضمیر کی ایک دوسری تقسیم کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مطلق ضمیر باعتبار انواع اعراب کے تین قسموں پر ہے، مرفوع، منصوب اور مجرور تین ہی قسمیں اس لیے ہیں کہ ضمیر کا عامل یا تو مقتضی رفع ہوگا یا اس کا تقاضا نصب کا یا پھر اس کا تقاضا جر کا ہوگا۔ پس اول مرفوع اور ثانی منصوب اور ثالث مجرور ہوگا۔

ایک سوال سمجھ لیجیے۔ وہ یہ ہے کہ ضمیر کی اولاً متکلم اور مخاطب اور غیبت کی طرف تقسیم کی گئی ہے، لہذا تقسیم اول کے بعد مرفوع اور منصوب نیز مجرور کی طرف تقسیم، تقسیم بعداً تقسیم ہے جو سوائے تحصیل حاصل کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تقسیم اول بلحاظ مرجع کے ہے اور تقسیم ثانی باعتبار اعراب کے ہے۔ لہذا تحصیل حاصل لازم نہیں آیا۔

فَالأولَانُ متصِلٌ و منفصلٌ و الثالثُ متصِلٌ فقط فذالك خمسةُ انواعِ الاول ضربتُ و ضربتُ الی ضربین و ضربینَ انا الی هنَّ و الثالثُ ضربنی الی ضربهنَّ و اننی الی انهنَّ و الرابعُ ایای الی ایاهنَّ و الخامسُ غلامی الی غلامهنَّ و لهنَّ .

ترجمہ: - پس شروع کے دونوں متصل اور منفصل دونوں ہوتے ہیں اور تیسری قسم صرف متصل ہوتی ہے پس یہ پانچ قسمیں ہوئیں اول ضربتُ اور ضربتُ سے ضربین اور ضربین اور دوسری قسم انا سے هن تک ہے اور تیسری قسم ضربنی سے ضربهن تک اور اننی سے انهن تک اور چوتھی قسم ایای سے ایاهن تک اور پانچویں قسم غلامی سے غلامهن اور لهن تک۔

توضیح: - اب یہاں سے بتا رہے ہیں کہ ضمیر مرفوع اور منصوب متصل بھی ہوتی ہے اور منفصل اور ضمیر مجرور صرف متصل ہی ہوتی ہے لہذا کل پانچ قسمیں ہوئیں مرفوع متصل، مرفوع منفصل اور منصوب متصل اور مجرور متصل۔

معلوم ہو کہ عقل کا تقاضا تو یہ تھا واحد، تشنیہ اور جمع مذکر اسی طرح واحد، تشنیہ اور جمع مؤنث ہر ایک کے لیے صیغہ متکلم ہوتا ہے، لیکن عربوں نے متکلم کے لیے صرف دو لفظ چھ معنوں پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیے اور مخاطب کے لیے پانچ الفاظ چھ معنوں پر دلالت کرنے کے لیے کیوں کہ مذکر مخاطب کا تشنیہ اور مؤنث مخاطب کا تشنیہ مشترک ہے اور غائب کے لیے بھی اسی طرح پانچ الفاظ چھ معنوں کے لیے موضوع ہیں، کیوں کہ ہما تشنیہ مذکر اور مؤنث، غائب دونوں میں مشترک ہے، لہذا کل ضمائر کے لیے ساٹھ الفاظ ہیں جو

توے معانی پر دلالت کرتے ہیں۔

ایک بات اور سمجھ لیں کہ مصنف نے متکلم کی ضمیر کو مخاطب اور غائب کی ضمیر پر اس لیے مقدم کیا کہ متکلم کی ضمیر اعراف المعارف ہے پھر مخاطب کی اور غائب کی ضمیریں سب میں کم مرتبہ ہیں اس لیے تعریف میں بھی متکلم کو مقدم کیا۔

اچھا اہل صرف کا صحیح نظر چوں کہ صیغوں سے بحث کرنا ہے اور غائب کے صیغے زوائد سے خالی ہونے کی وجہ سے بمقابلہ متکلم اور مخاطب کے صیغوں کے اصل ہیں اس لیے اہل صرف آغاز غائب کے صیغوں سے کرتے ہیں اور نحویین کا مقصود بحث ضمائر سے گفتگو کرنا ہے اور ضمائر میں متکلم اصل ہے اعراف المعارف ہونے کی وجہ سے۔

فالاول: یعنی ضمیر مرفوع متصل ضربت اور ضربت کی ضمیر سے لے کر ضرب بن اور ضرب بن کی ضمیر تک ہے پوری گردان یوں ہے: ضربت، ضربنا، ضربت، ضربتما، ضربتم، ضربت، ضربتما، ضربتن، ضرب، ضربا، ضربوا، ضربت ضربتا، ضربن۔

اسی طرح مجہول کی بھی گردان ہوگی۔ مصنف نے دو مثالیں ایک معروف کی اور دوسری مجہول کی ذکر کی ہیں۔

والثانی: اور نوع ثانی یعنی ضمیر مرفوع منفصل کی مثال انا سے لے کر ہن کی ضمیر تک ہے۔ پوری گردان یوں ہے انا، نحن، انت، انتما، انتم، انت، انتما، انتن، هو، هما، ہم، ہی، ہما، ہن۔

والثالث: اور تیسری نوع یعنی ضمیر منصوب متصل ضرب بن کی ضمیر سے لے کر ضرب بن کی ضمیر تک اور انسی کی ضمیر سے لے کر انھن کی ضمیر تک ہے۔

طریقہ تصریف یوں ہے ضرب بنی، ضربنا، ضربك، ضربكما، ضربکم، ضربك، ضربكما، ضربکن، ضربہ، ضربہما، ضربہم، ضربہا، ضربہما ضربہن، اور اننی، اننا، انک، انکما، انک، انکما، انکم، انکن، انه، انہما، انہم، انہا، انہما، انہن۔

مصنف نے منصوب متصل کی دو مثالیں بیان کی ہیں یہ بتانے کے لیے ضمیر منصوب متصل بالفعل بھی ہوتی ہے اور متصل بالحرف بھی ہوتی ہے چنانچہ پہلی مثال متصل بالفعل کی اور دوسری متصل بالحرف کی ہے۔

الرابع: چوتھی نوع منصوب متصل کی ہے اور وہ ایای سے ایان تک ہے۔ پوری گردان اس طرح ہے ایای، ایانا، ایاک، ایاکما، ایاکم، ایاک، ایاکما، ایاکن، ایاه ایاهما، ایاهم، ایاہا، ایاہما ایانہن۔

واضح رہے کہ ایای کے سلسلے میں اختلاف ہے کہ حرف ایای ضمیر اور باقی لواحق ہیں یا اس کے برعکس

ہے تو اس سلسلے میں مختار مذہب یہ ہے کہ ایٹ ضمیر ہے اور لواحق یعنی می اور نا اسی طرح ك اور ف وغیرہ مرجع کے مفرد اور تشنیہ، جمع متکلم، مخاطب اور غائب نیز مذکر اور مؤنث ہونے پر دلالت کرنے کے لیے ہیں جب کہ ایک دوسرا مذہب یہ ہے کہ ایٹ حرف ئما ہے یعنی ایٹا حرف ہے جس پر مابعد بھروسہ اور اعتماد کرتا ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ مابعد اپنے ماقبل پر نکلتا ہے۔ اور لواحق ضمیر ہیں اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ مجموعہ ضمیر ہے لیکن قول ثانی اس لیے مرجوح ہے کہ اس قول کی بنا پر لازم آتا ہے کہ ضمیر منصوب صرف متصل ہو منفصل نہ ہو۔ ظاہری بات ہے کہ یہ خلاف حقیقت ہے اور قول ثالث پر یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ لاحق اور ملحق کا مجموعہ جب ضمیر ہو جائے گا تو پھر مرجع کے احوال یعنی مفرد، تشنیہ اور جمع وغیرہ پر دلالت فوت ہو جائے گی اور یہ غیر پسندیدہ ہے۔

الخامس: ضمیر مجرور غلامی کی ضمیر سے غلامہن کی ضمیر تک اور لی کی ضمیر سے لہن کی ضمیر

تک ہے۔

طریقہ تشریف یہ ہے غلامی، غلامنا، غلامك، غلامكما، غلامكم، غلامك، غلامكما، غلامكن، غلامه، غلامهما، غلامهم، غلامها، غلامهما، غلامهن.

لی، لنا، لك، لكما، لكم، لك، لكما، لكن، له، لهما، لهم، لها، لهما، لهن.

منصف نے دو مثالیں مجرور متصل کی دو قسمیں بتانے کے لیے دی ہیں کہ مجرور متصل دو قسموں پر ہے ضمیر مجرور متصل بالاسم اور ضمیر مجرور متصل بالحرف پہلی مثال ضمیر مجرور متصل بالاسم کی ہے اور دوسری مثال ضمیر مجرور متصل بالحرف کی ہے۔

فالمرفوع المتصل خاصة يستتر الماضي للغائب والغائبة والمضارع للمتکلم مطلقاً والمخاطب والغائب والغائبة وفي الصفة مطلقاً ولا يسوغ المنفصل إلا لتعذر المتصل وذلك بالمتقدم على عامله او بالفصل لغرض او بالحذف او بكون العامل معنویاً او حرفاً والضمير مرفوع او بكونه مسنداً اليه صفة جرت على غير من هي له مثل اياك ضربت وما ضربك انا، واياك والشر، وانا زيد وما انت قائماً، وهد زيد ضاربتہ هي.

ترجمہ: پس ضمیر مرفوع متصل بطور خاص فعل ماضی کے واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب کے صیغوں میں اور فعل مضارع کے متکلم کے صیغوں میں مطلقاً اور واحد مذکر حاضر اور واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب کے صیغوں میں نیز صفت کے صیغوں میں مطلقاً پوشیدہ ہوتی ہے۔ اور ضمیر منفصل نہیں لائی جاتی ہے مگر متصل کے متعذر ہونے کی وجہ سے اور یہ متعذر ہونا کبھی ضمیر کے اپنے عامل پر مقدم ہو جانے

کی وجہ سے ہوتا ہے یا کسی مقصد کے تحت فصل کی وجہ یا حذف کی وجہ سے یا عامل کے معنوی یا حرف ہونے کی وجہ سے درانحالیکہ ضمیر مرفوع ہو یا ضمیر کی طرف ایسی صفت کے مسند ہونے کی وجہ سے کہ جو اس ذات کے علاوہ پر محمول ہے کہ وہ صفت جس ذات کے لیے ہے۔ جیسے اِيَاكَ ضَرَبْتُ اور مَا ضَرَبَكَ إِلَّا اَنَا اور اِيَاكَ وَالشَّرَّ اور اَنَا زَيْدٌ اور مَا اَنْتَ قَائِمًا اور هُنْدٌ زَيْدٌ ضَارِبَةٌ هِيَ۔

توضیح:۔ اب یہاں سے بتا رہے ہیں کہ مرفوع متصل بطور خاص ماضی کے واحد مذکر غائب میں اور واحد مؤنث غائب میں پوشیدہ ہوتی ہے جیسے زید ضرب اور ہند ضربت۔ تشنیہ مذکر اور مؤنث غائب اسی طرح جمع مذکر غائب اور مؤنث غائب میں مستتر اس لیے نہیں ہوتی ہے، تاکہ مفرد کے ساتھ اشتباہ نہ پیدا ہو۔

خاصة: خاصہ کی قید اس لیے لگائی کہ ضمیر کا پوشیدہ ہونا صرف ضمیر مرفوع متصل میں ہی متحقق ہو سکتا ہے، کیوں کہ ضمیر مرفوع متصل شدت اتصال کی وجہ سے بمنزلہ فعل کے جزء کے ہے، کیوں کہ فعل اس پر دال ہوتا ہے۔ باقی ضمیر منصوب اور ضمیر مجرور وہ مستتر نہیں ہوتی ہیں اسی طرح استنار صرف ضمیر مرفوع متصل کا ہوگا منفصل کا بھی نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ اپنے عامل سے جدا ہوتی ہے، لہذا جدا ہو کر عامل میں مستتر ہونے کی کوئی شکل نہیں ہے۔

والمضارع: ضمیر مرفوع متصل مضارع کے متکلم کے صیغوں میں مطلقاً مستتر ہوتی ہے۔ مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ چاہے وہ صیغہ متکلم مفرد کے لیے ہو یا تشنیہ اور جمع کے لیے اسی طرح خواہ وہ مذکر کے لیے ہو یا مؤنث کے لیے سب میں ضمیر مرفوع متصل پوشیدہ ہوتی ہے۔

نیز واحد مذکر حاضر کے صیغہ میں بھی ضمیر مرفوع متصل پوشیدہ ہوتی ہے جیسے تھلی میں انت پوشیدہ ہے۔ مضارع کے واحد مؤنث حاضر، جمع مذکر حاضر و جمع مؤنث حاضر نیز تشنیہ کے صیغوں میں ضمیر اس لیے پوشیدہ نہیں ہوتی تاکہ اشتباہ پیدا نہ ہو۔

البتہ مضارع کے واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب کے صیغوں میں ضمیر پوشیدہ ہوگی جیسے عامر، یجاہد، ہند، تسمع۔ دونوں تشنیہ جمع مذکر غائب اور جمع مؤنث غائب میں بھی پوشیدہ نہیں ہوتی ورنہ اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔

وفی الصفة: واضح ہو کہ صفت سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ اور اسم تفضیل ہے۔ اور مطلق کا مطلب ہے کہ اسمائے مشتقہ چاہے مفرد ہوں یا تشنیہ اور جمع مذکر ہوں یا مؤنث سب میں ضمیر مرفوع متصل پوشیدہ ہوتی ہے جیسے زید ضارب، الزیدان ضاربان، الزیدون ضاربون، ہند ضاربة اور ہندان ضاربتان، ہندات ضاربات۔

اسمائے مشتقہ میں الف تثنیہ اور واو جمع کو ضمیر نہیں قرار دیا جاسکتا کیوں کہ ضمیر میں تغیر نہیں ہوتا ہے۔ جب کہ الف تثنیہ اور واو جمع عامل کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں، پس ضمیر بارز کا کوئی امکان اسمائے مشتقہ میں نہیں ہے۔

ولا يسوغ المنفصل: اب یہاں سے ان مواقع کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ جہاں ضمیر متصل استعمال ممکن نہیں رہتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب تک ضمیر متصل کا استعمال ممکن ہوگا ضمیر منفصل کا استعمال نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ ضمیروں کی وضع ایجاز اور اختصار کے پیش نظر ہوتی ہے اور متصل بمقابلہ منفصل کے زیادہ مختصر ہے، البتہ جب متصل کا استعمال متعذر اور ناممکن ہو جائے تو اب مجبوراً منفصل کا استعمال روارکہ جائے گا۔ اس سلسلے کا سب سے پہلا موقع یہ ہے کہ جب عامل پر ضمیر مقدم ہو جائے تو پھر بجائے متصل کے منفصل کا استعمال کیا جائے گا جیسے ایاک ضربت ایسا اس لیے ہے کہ ضمیر کا اتصال عامل کے آخر میں ہو ہے شروع میں نہیں ہوتا۔

دوسرا موقع یہ ہے کہ ضمیر متصل اور اس کے عامل کے درمیان کسی مقصد کے تحت فعل ہو۔ یعنی وہ مقصد ضمیر اور اس کے عامل کے درمیان فصل کے ساتھ ہی مشروط ہو پس اگر ضمیر اور اس کے عامل کے درمیان پائے جانے والے فصل کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو مقصود فوت ہو جاتا ہے پس ایسی صورت میں ضمیر مرفوع کو بجائے متصل لانے کے منفصل ذکر کیا جائے گا کیوں کہ انفصال اتصال کے منافی ہے اور ترک فصل سے مقصد فوت ہو جاتا ہے جیسے ما ضربك الا انا پس اس مثال میں فصل سے مقصود تخصیص ہے بصورت اتصال حاصل نہیں ہو سکتی۔

تیسرا موقع یہ ہے کہ ضمیر کا عامل محذوف ہو جائے جیسے ایاک والشركہ اصل میں ہے اتق نفسک والشركہ پس اتق تنگی مقام کی وجہ سے حذف کر دیا گیا تو ضمیر کے متصل ذکر کرنے کا موقع بھی ختم ہو گیا کیوں کہ اتصال ملفوظ سے ہوتا ہے محذوف سے نہیں۔ پس جب وہ نہیں بچا کہ جس سے ضمیر متصل ہوتی اس کے متصل ذکر کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہ رہی، چنانچہ اس کو منفصلاً ایاک کی شکل میں ذکر کیا گیا۔ اور چوتھا موقع یہ ہے کہ ضمیر کا عامل بجائے لفظی کے معنوی ہو جائے تو بھی ضمیر متصل نہ ذکر کے منقسم ذکر کی جائے گی جیسے انا زید پس انا کا عامل معنوی ہے کیوں کہ وہ ترکیب میں مبتداء واقع ہے اور ضمیر اتصال عامل لفظی کے ساتھ ہوتا ہے عامل معنوی کے ساتھ نہیں ہوتا ہے۔

پانچواں موقع یہ ہے کہ عامل حرف ہو اور ضمیر مرفوع ہو جیسے ما انت قائمنا کہ ما عامل حرف اور ضمیر انت مرفوع ہے، کیوں کہ وہ اسم واقع ہے۔ لہذا ضمیر کو بجائے متصل لانے کے منفصل ذکر کیا، کیوں کہ ضمیر مرفوع قوی ہے اور حرف ضعیف ہے اور قوی کا اتصال ضعیف کے ساتھ عربوں کی لغت کے خلاف ہے۔

چھٹا موقع یہ ہے کہ ضمیر کی طرف ایسی صفت منسند ہو کہ جس کا حمل اس ذات کے علاوہ پر ہو جس کے لیے وہ صفت ہے۔ تو ایسی صورت میں اگر ضمیر کو صفت سے منفصل کر کے علیحدہ ذکر نہ کریں تو بعض صورتوں میں اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔ جیسے زید، عمرو ضاربہ ہو۔ کہ اس مثال میں ضارب ایک صفت ہے کہ جس کی اسناد ضمیر کی طرف ہے اور اس کا حمل من لہ کے علاوہ پر ہے اس لیے کہ صفت ضرب اصلاً زید کے لیے ثابت ہے اور حمل عمرو پر ہے پس اگر ضمیر کو منفصل کے بجائے متصل ذکر کرتے تو ذہن اس طرف جاسکتا تھا کہ ضارب مثال مذکور میں بجائے زید کے عمرو کی صفت ہے، کیوں کہ وہی ضمیر سے قریب بھی ہے۔ پس جب بجائے متصل کے خلاف قیاس منفصل ذکر کیا گیا تو معلوم ہو جائے گا کہ پھر اس کا مرجع بھی خلاف قیاس عمرو نہیں بلکہ زید ہے پس صفت کا ثبوت بھی عمرو کے لیے نہیں بلکہ زید کے لیے ہے۔

واضح رہے کہ ایسے موقع پر اشتباہ بعض اوقات ہوتا ہے جیسا کہ مثال مذکور میں ہے باقی بعض اوقات صورت مذکورہ میں اشتباہ نہیں ہوتا جیسے کہ ہند زید ضاربہ ہی ہے کہ اس مثال میں اگر ضمیر ہی بجائے متصل لانے کے متصل بھی ذکر کر دی جائے تو بھی یہ طے تھا کہ وہ ہند کی صفت ہے زید کی نہیں ہے۔ لیکن باب کی موافقت میں مطلق یہ حکم کر دیا گیا کہ جملہ ایسے موقعوں میں ضمیر متصل نہ لاکر منفصل لائے جائے گی۔

وَإِذَا اجْتَمَعَ ضَمِيرَانِ وَلَيْسَ أَحَدُهُمَا مَرْفُوعًا فَإِنَّ كَانِ أَحَدُهُمَا أَعْرَفَ وَقَدَّمَ
فَلَكَ الْخِيَارُ فِي الثَّانِي نَحْوِ أَعْطَيْتُكَ وَأَعْطَيْتُكَ آيَاهُ وَضَرَبِيكَ وَضَرَبِي آيَاكَ وَإِلَّا
فَهُوَ مَنْفَعْلٌ نَحْوِ أَعْطَيْتُهُ آيَاهُ وَإِيَّاكَ وَالْمَخْتَارُ فِي خَبَرِ بَابِ كَانِ الْإِنْفِصَالُ وَالْأَكْثَرُ
لَوْلَا أَنْتَ إِلَى آخِرِهِ وَعَسَيْتَ إِلَى آخِرِهَا وَجَاءَ لَوْلَاكَ وَعَسَاكَ إِلَى آخِرِهِمَا.

ترجمہ: - اور جب دو ضمیریں جمع ہو جائیں در انحالیکہ دونوں میں سے کوئی مرفوع نہ ہو تو اگر ان میں سے کوئی ایک اعرف ہو دوسرے سے اور تم نے اس کو مقدم بھی کر دیا ہو تو تم کو ثانی میں اختیار ہے جیسے اَعْطَيْتُكَ اور اَعْطَيْتُكَ آيَاهُ وَضَرَبِيكَ وَضَرَبِي آيَاكَ اور نہ وہ منفصل ہوگی جیسے اَعْطَيْتُهُ آيَاهُ اور آيَاكَ اور پسندیدہ باب کان میں انفصال ہے اور اکثر لولا انت الی آخرہ اور عسیت الی آخرہ ہے اور لولاك اور عساک آخر تک ہے۔

توضیح: - یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب دو ضمیریں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور دونوں میں سے کوئی بھی مرفوع نہ ہو تو اگر ان دونوں ضمیروں میں سے کوئی اعرف ہو بمقابلہ دوسرے کے اور اعرف کو آپ نے مقدم بھی کر دیا ہے تو ضمیر ثانی کے متصل اور منفصل لانے میں آپ کو اختیار ہے کہ چاہے اس کو متصل لائیں جیسے اَعْطَيْتُكَ اور چاہے اس کو منفصل ذکر کریں جیسے اَعْطَيْتُكَ آيَاهُ اسی طرح ضَرَبِيكَ اور ضَرَبِي آيَاكَ۔

دونوں وجہوں کی گنجائش لفظ اور معنی دو اعتباروں کی وجہ سے ہے۔ اتصال اس اعتبار سے ہے کہ ضمیر اول کے ذریعہ فعل کے ساتھ اس کا فصل قابل لحاظ نہیں سمجھا گیا، کیوں کہ اعطیتکۃ میں ضمیر خطاب کا اصل اتصال فعل کے ساتھ ہے تو ضمیر غائب مفعول کا انفصال ہی ہوا، لیکن اس کو متصل اس اعتبار سے کہا جا رہا ہے کہ ضمیر خطاب مفعول کے ذریعہ ضمیر غائب مفعول کا فعل سے فصل قابل شمار نہیں یعنی گویا کہ کوئی فصل ہی نہیں، لہذا اس کا متصل ہونا ثابت ہو گیا۔

اور انفصال اس اعتبار سے ہے کہ فضلہ کے ذریعہ فصل پایا جا رہا ہے جیسے اعطیتک ایاہ۔ اب قیدوں کا فائدہ سمجھنے پہلی قید یہ ہے کہ دونوں ضمیروں میں سے کوئی بھی مرفوع نہ ہو، کیوں کہ اگر کوئی مرفوع ہوئی تو پھر ضمیر ثانی میں فصل محقق نہ ہوگا اس لیے کہ ضمیر مرفوع بمنزلہ فعل کے جزء کے ہے لہذا گویا یوں ہو گیا کہ ضمیر مرفوع اور فعل میں کوئی فصل ہی نہیں۔ لہذا ضمیر ثانی کا اتصال ضروری ہے جیسے اکر متک۔

دوسری قید ہے کہ ان میں سے کوئی ایک اعراف ہو بمقابلہ دوسرے کے اس لیے اگر دونوں میں کوئی اعراف ہونے کے بجائے دونوں مساوی ہوں تو پھر ثانی کا منفصل ہونا واجب ہوگا، تا کہ دو متساویان میں سے ایک کی دوسرے پر تقدیم بلا مرجح لازم نہ آئے جیسے اعطاھا ایاھا۔ تیسری قید ہے کہ آپ نے ضمیر اعراف کو مقدم بھی کر رکھا ہو اور اگر اس کے خلاف ہو یعنی ضمیر اعراف مؤخر ہو جیسے اعطیتہ ایاک میں پس ضمیر خطاب بمقابلہ ضمیر غائب کے اعراف ہے، لہذا صورت مذکورہ میں انفصال واجب ہے، تا کہ اعراف کا مؤخر کرنا لازم نہ آئے، کیوں کہ اگر متصل لایا جاتا ہے اور اعطیتھوک کہا جاتا ہے تو ضمیر اعراف مؤخر ہو جاتی ہے جو خلاف اصل ہے پس اس سے بچاؤ کے لیے اس کو منفصل لانا ہی ضروری ہے، کیوں کہ صورت متکلم اعراف کو مؤخر لانے سے معذور ہے اور شروع ہی وہلہ سے اس کو خلاف اصل منفصل لانے میں کوئی طعن اور عیب نہیں ہے۔

اب سنیے مصنف نے قاعدہ مذکورہ کی دو مثالیں دی ہیں یہ بتانے کے لیے کہ وہ دونوں ضمیریں جو غیر مرفوع جمع ہو رہی ہیں وہ دونوں منصوب بھی ہو سکتی ہیں جیسا کہ مثال اول میں ہے اور دونوں میں سے ایک منصوب اور دوسری مجرور بھی ہو سکتی ہیں جیسا کہ مثال ثانی میں ہے کہ پہلی ضمیر مجرور اور دوسری منصوب ہے۔

والا فھو منفصل: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دونوں میں سے کوئی بھی اعراف نہ ہو بلکہ مساوی درجہ کی ہوں یا کوئی ایک اعراف تو ہے لیکن اعراف بجائے مقدم ہونے کے مؤخر ہے تو ضمیر ثانی کا منفصل لانا ضروری ہے۔ تا کہ صورت اول میں مساوی درجہ کی ضمیروں میں سے ایک کی دوسرے پر تقدیم بلا مرجح کلمہ واحدہ میں لازم نہ آئے اور ثانی میں اضعف کی اتوی پر کلمہ واحدہ میں تقدیم نہ ہو جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا

گیا۔ اول کی مثال اعطیته ایاہ کہ دونوں ضمیر غائب ہیں اور ثانی کی مثال اعطیته ایاک ہے اس میں ہر چند ضمیر ثانی خطاب کی ہے جو غائب یعنی ضمیر اول سے اعراف ہے لیکن مقدم نہ ہو کر مؤخر ہے۔

والمختار فی خبر باب کان الانفصال: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب کان کی خبر ضمیر ہو تو اس کو متصل اور منفصل دونوں طرح ذکر کیا جاسکتا ہے متصل تو اس لیے کہ وہ مرفوع کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے مفعول کے مشابہ ہے، کیوں کہ مفعول، مرفوع یعنی فاعل کے بعد واقع ہوتا ہے اور یہ بھی مرفوع یعنی اسم کان کے بعد واقع ہے اور مفعول کی ضمیر واجب الاتصال ہوتی ہے، اس لیے متصل بھی ذکر کر سکتے ہیں۔ اور منفصل بھی لا سکتے ہیں، کیوں کہ یہ فی الاصل مبتداء کی خبر ہے، کیوں کہ کان کا اسم و خبر حقیقتاً مبتداء اور خبر ہوتے ہیں اور مبتداء کی خبر واجب الانفصال ہوتی ہے، کیوں کہ اس کا عامل معنوی ہوتا ہے۔

پس ضمیر کا اتصال اور انفصال دونوں جائز ہے، لیکن انفصال اولیٰ ہے، کیوں کہ اصل کی رعایت بمقابلہ مشابہت کے اولیٰ ہے۔ اول کی مثال کنتہ اور ثانی کی مثال کنت ایاہ۔

والاكثر لولا انت: یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عموماً لولا کے بعد ضمیر مرفوع منفصل استعمال ہوتی ہے، کیوں کہ لولا کا مابعد مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہوتی ہے اور مبتداء واجب الانفصال ہے، کیوں کہ اس کا عامل معنوی ہوتا ہے، جب کہ ضمیر کا اتصال عامل لفظی کے ساتھ ہوتا ہے۔

پوری گردان یوں ہوگی لولا انت، لولا انتما، لولا انتم، لولا انت، لولا انتما، لولا انتن، لولا هو، لولا هما، لولا هم، لولاها، لولاهما، لولاهن، لولا انا، لولا نحن۔

وعسیت الی آخرها: اور عسی کے بعد ضمیر مرفوع متصل استعمال ہوتی ہے اس لیے کہ عسی کا مابعد فاعل ہوتا ہے اور فاعل واجب الاتصال ہے پوری گردان اس طرح ہے عسیٹ، عسیتما، عسیتم، عسیت، عسیتما، عسیتن، عساہ، عساہما، عساہن، عسیت، عسینا۔ مصنف نے یہاں سابقہ طریقہ کے برخلاف گردان بجائے متکلم کے مخاطب سے شروع کی ہے یہ بتانے کے لیے کہاں طرح بھی گردان درست ہے۔

وجاء لولاك: یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں لولا کبھی ضمیر مجرور متصل کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے، اسی طرح عسی کبھی منصوب متصل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ دونوں کی گردان یوں ہے۔ لولاك، لولاکما، لولاکم، لولاک، لولاکما، لولاکن، لولاہ، لولاہما، لولاہم، لولاہا، لولاہما، لولاہن، لولای، لولانا۔

عساك، عساکما، عساکم، عساك، عساکما، عساکن، عساہ، عساہما، عساہم، عساہا، عساہما، عساہن، عسای، عسانا۔

معلوم ہو کہ لولا اور عسی میں دو مذہب ہیں انخفش اور سیبویہ کا۔ انخفش کا مسلک یہ ہے کہ مابعد لولا ضمیر مجرور ہے جو ضمیر مرفوع کی جگہ میں مستعمل ہے، کیوں کہ ضمائر ایک دوسرے کی جگہ میں استعمال ہو جاتی ہیں جیسے انا کانت۔ (کہ میں آپ کی طرح ہوں) میں ضمیر مرفوع، ضمیر مجرور کی جگہ استعمال ہو گئی ہے۔ اور سیبویہ کا کہنا یہ ہے کہ لولا اس جگہ حرف جار ہے اور اس کا مابعد مجرور ہے، لہذا وہ اپنی جگہ ہی مستعمل ہے۔

اور عسی کے سلسلے میں انخفش کا کہنا یہ ہے کہ مابعد عسی ضمیر منصوب ہے جو ضمیر مرفوع کی جگہ میں واقع ہے۔ اور سیبویہ کا کہنا یہ ہے کہ عسی فعل کے معنی میں ہے، کیوں کہ دونوں کے معنی قریب قریب ہیں اور عسی کا مابعد منصوب ہے جو اپنی جگہ میں ہی مستعمل ہے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ انخفش معمول میں تصرف کے قائل ہیں، چنانچہ وہ اول میں ضمیر مجرور اور ثانی میں ضمیر منصوب کو ضمیر مرفوع کی جگہ میں واقع مانتے ہیں اور سیبویہ عامل میں ہی تصرف کے قائل ہیں۔

ونون الوقایة مع الیاء لازمة فی الماضی وفي المضارع عربیاً عن نون الاعراب وانت مع النون فيه ولدن وان واخواتها مخیر ویختار فی لیت ومن وعن وقد وقط وعکسها لعل.

ترجمہ: اور نون وقایہ یائے متکلم کے ساتھ ماضی میں لازم ہے اور مضارع میں درانحالیکہ وہ نون اعرابی سے خالی ہو۔ اور نون اعرابی کے ساتھ مضارع میں لدن اور ان اور اس کے اخوات میں مختار ہے۔ اور لیت اور من اور عن اور قد اور قط میں نون وقایہ مختار ہے اور اس کا التلعل ہے۔

توضیح: یہاں سے نون وقایہ کا موقع استعمال بتا رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ نون وقایہ کا استعمال یائے متکلم کے ساتھ فعل ماضی میں لازم اور ضروری ہے، تاکہ ماضی کا آخر اس کسرہ سے محفوظ رہے جو اخت جبر ہے کہ جو اسم کے ساتھ مخصوص ہے اس مناسبت سے اس نون کا نون وقایہ نام بھی رکھا گیا۔ جیسے ضربنی، اکر منی۔

نیز نون وقایہ مضارع میں بھی لازم ہے بشرطیکہ مضارع نون اعرابی سے خالی ہو، تاکہ مضارع کا آخر اس کسرہ سے محفوظ رہے۔

وانت مع النون: یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب مضارع نون اعرابی کے ساتھ ہو تو نون وقایہ کے لانے اور نہ لانے کے سلسلے میں اختیار ہے جیسے ضربانی، تضربونی لانے کی وجہ سے توجہ سابق ہے یعنی آخر مضارع کا کسرہ سے محفوظ رکھنا، اور ترک کی اس لیے اجازت ہے کہ چون کہ نون اعرابی موجود ہے، لہذا نون وقایہ کا مطلب اس سے حاصل ہو جائے گا لہذا اس کی کوئی ضرورت نہ رہی نیز اجتماع

نونات سے گریز کے لیے بھی۔

اسی طرح لُذُن میں بھی نون وقایہ کے لانے اور ترک دونوں کی اجازت ہے، نون وقایہ کا اثبات محافظت سکون اور حفاظت بناء کی وجہ سے ہے اور حذف اس کے سہ حرفی اسم ہونے کی وجہ سے اسی طرح اِنّ، اَنَّ، کَانَ، لکنّ، لیت میں اثبات اور حذف نون وقایہ دونوں کی گنجائش ہے اثبات نون وقایہ تو اس لیے ہے کہ یہ حروف فعل کے مشابہ ہیں، لہذا جیسے فعل میں نون وقایہ کا لُحوق صحیح ہے اسی طرح جو اس کے مشابہ ہو اس میں بھی درست ہے۔

اور حذف تو اس لیے درست ہے کہ کئی نونات کا اجتماع پسندیدہ نہیں، چنانچہ شروع کے چار حروف میں کئی نونات کا اجتماع ہو جاتا ہے البتہ اخیر کے دو یعنی لیت اور لعل میں بصورت لُحوق حقیقتاً اگرچہ کئی نونات کا اجتماع نہیں ہوتا ہے لیکن حکماً ایسا ہی ہے اس لیے کہ یہ آخر کے دو شروع کے چار پر محمول ہیں۔

ویختار فی لیت: اب اس کا حاصل یہ ہے کہ لیت میں بھلے نون وقایہ کا حذف درست ہے، لیکن نون وقایہ کا اثبات پسندیدہ ہے، کیوں کہ فعل کے ساتھ مشابہت بھی رکھتا ہے نیز لُحوق کی صورت میں نونات کا حقیقتاً اجتماع بھی نہیں پس اخوات پر محمول کرنا خلاف اصل ہے۔

نیز مین اور عن اور قد اور قط میں بھی لُحوق نون مختار ہے، تا کہ محافظت علی السکون حاصل رہے جو کہ بناء میں اصل ہے۔ اور لعل میں ترک نون وقایہ مختار ہے، کیوں کہ لامات کے تکرار اور کثرت حروف کی وجہ سے اس میں ثقل ہے۔

وَيَتَوَسَّطُ بَيْنَ الْمُبْتَدَاءِ وَالْخَبْرِ قَبْلَ الْعَوَامِلِ وَبَعْدَهَا صِيغَةُ مَرْفُوعٍ مُنْفَصِلٍ مُطَابِقٍ لِلْمُبْتَدَاءِ وَيُسَمَّى فَصْلًا لِيُفْصَلَ بَيْنَ كَوْنِهِ خَبْرًا وَنَعْتًا وَشَرْطَةً اِنْ يَكُونُ الْخَبْرُ مَعْرِفَةً اَوْ اَفْعَالًا مِنْ كَذَا مِثْلَ كَانِ زَيْدٌ هُوَ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو وَلَا مَوْضِعَ لَهُ عِنْدَ الْخَلِيلِ. وَبَعْضُ الْعَرَبِ يَجْعَلُهُ مَبْتَدَاءً وَمَا بَعْدَهُ خَبْرًا.

ترجمہ: - مبتدا اور خبر کے درمیان عوامل سے پہلے اور ان کے بعد صیغہ مرفوع منفصل واقع ہوتا ہے جو مبتدا کے مطابق ہوتا ہے اور اس کا نام فصل رکھا جاتا ہے، تا کہ وہ اس کے خبر اور صفت ہونے کے درمیان فرق کر دے، اور اس کی شرط یہ ہے کہ خبر معرفہ ہو یا اسم تفضیل مستعمل بمن ہو جیسے کان زید ہو افضل من عمرو اور اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہے خلیل کے نزدیک اور بعض عرب اس کو مبتدا اور اس کے مابعد کو اس کی خبر قرار دیتے ہیں۔

توضیح: - یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مبتدا اور خبر کے درمیان اس پر عامل کے دخول سے پہلے اور عامل کے دخول کے بعد صیغہ مرفوع منفصل واقع ہوتا ہے جو مفرد اور تشنیہ اور جمع نیز تذکیر تانیث متکلم،

خطاب اور غیبت میں مبتداء کے مطابق ہوتا ہے تاکہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت باقی رہے۔

اب سمجھئے کہ مبتداء اور خبر پر کون سے عامل لفظی داخل ہو سکتے ہیں تو وہ کان اور اس کے اخوات، ان اور اس کے اخوات ہیں نیز علمت اور اس کے اخوات ہیں ما اور لا المشبہتین بلیس بھی داخل ہوتے ہیں، کیوں کہ یہ افعال اور حروف درحقیقت مبتداء اور خبر پر ہی داخل ہوتے ہیں البتہ اتنا ہے کہ ان کے دخول کے بعد عامل بجائے معنوی ہونے کے لفظی ہو جاتا ہے اور ان کا نام مبتداء ہونے کے بجائے اسم و خبر اور مفعول اول و ثانی ہو جاتا ہے۔

اب مثالیں سنئے کسی طرح کے عامل کے داخل ہونے سے پہلے کی مثال جیسے زید ہو القائم ہے کہ زید پر کوئی عامل لفظی داخل نہیں ہے اور زید اور اس کی خبر کے بیچ میں ضمیر فصل لے آئے ہیں جو القائم کے خبر اور صفت ہونے کے درمیان فرق کر رہی ہے، کیوں کہ القائم میں معرفہ ہونے کی وجہ سے خبر اور صفت دونوں ہونے کی صلاحیت موجود ہے پس ضمیر فصل کے دخول سے پہلے سامع کو اس کے صفت ہونے اور خبر ہونے دونوں کا شبہ ہو سکتا تھا، لیکن ضمیر فصل کے آنے کے بعد صفت ہونے کا شبہ جاتا رہا، کیوں کہ موصوف اور صفت میں فصل نہیں ہوا کرتا۔ کنت انت الرقیب دخول عامل یعنی کان کے داخل ہونے کے بعد اسم و خبر کے درمیان ضمیر فصل یعنی انت کے لانے کی مثال ہے۔ انہ هو الغفور الرحیم حرف مشبہ بالفعل کی مثال ہے۔ اور علمت زید هو القائم، علمت اور اس کے اخوات کی مثال ہے۔ مازید هو الکریم مشابہ بلیس کی مثال ہے۔ مصنف نے صیغہ مرفوع منفصل کہا، ضمیر مرفوع منفصل نہیں کہا اس لیے کہ ضمیر فصل کے ضمیر ہونے میں اختلاف ہے۔

ویسمی فصلاً: اور اس ضمیر کا نام ضمیر فصل ہے، کیوں کہ یہ نعت اور خبر کے درمیان فرق کر دیتی ہے، بشرطیکہ ضمیر کا مابعد خبر اور نعت دونوں ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے اور اگر ضمیر کے ماقبل میں مبتداء اور موصوف اور اس کے مابعد میں خبر اور صفت دونوں ہونے کا احتمال نہ ہو تو بھی ضمیر فصل کا لانا جائز ہے تاکہ ضمیر کے وقوع میں توسیع ہو جائے۔ اب دونوں احتمال کا نہ ہونا خواہ اعراب مختلف ہونے کی وجہ سے ہو جیسے کان زید هو القائم کہ زید کان کا اسم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور القائم خبر کان ہونے کی وجہ سے منصوب ہے پس صفت ہونے کا احتمال نہیں رہا، کیوں کہ موصوف صفت کے اعراب میں مطابقت ضروری ہوتی ہے۔ اور خواہ مبتداء کے ضمیر ہونے کی وجہ سے ہو جیسے کنت انا هو المجاہد پس جب مبتداء ضمیر ہو جائے تو مبتداء کے موصوف اور خبر کے صفت ہونے کا احتمال ختم ہو جاتا ہے، کیوں کہ ضمیر نہ موصوف ہوتی ہے اور نہ ہی صفت۔ بلکہ اس کا مبتداء اور اس کے مابعد کا خبر ہونا متعین ہے۔

وشرطه ان یکون معرفة: مبتداء اور خبر کے درمیان ضمیر فصل لانے کی شرط یہ ہے کہ خبر معرفہ ہو یا

خبر اسم تفضیل ہو جو من کے ساتھ مستعمل ہو، کیوں کہ اسم تفضیل مستعمل بمن لام تعریف کے اس پر دخول کے ممتنع ہونے کی وجہ سے معرفہ کے ہی حکم میں ہے، کیوں کہ معرفہ پر لام تعریف کا دخول منع ہوتا ہے اسی طرح اس پر بھی منع ہے۔

خبر کا معرفہ یا اسم تفضیل مستعمل بمن ہونا اس لیے شرط ہے کہ ضمیر فصل دفع اشتباہ کے لیے ہوتی ہے اور اشتباہ کا تحقق خبر کے معرفہ ہونے کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔

ولا موضع له: خلیل کہتے ہیں ضمیر فصل کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے جب کہ بعض عرب ضمیر فصل کا استعمال بحکم نحاۃ مبتداء اور اس کے مابعد کا خبر کے طور پر کرتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ضمیر فصل کا مابعد مرفوع ہے تو خود وہ مبتداء ہوگی اور اگر اس کا مابعد منصوب ہو تو وہ ضمیر الفصل کہلائے گی۔

ويتقدم قبل الجملة ضمير غائب يسمي ضمير الشان والقصة يفسر بالجملة بعده ويكون منفصلاً ومتصلاً، مستترا وبارزا على حسب العوامل نحو هو زيد قائم و كان زيد قائم وانه زيد قائم وحذفه منصوبا ضعيفا الا مع ان اذا خفيت فانه لازم.

ترجمہ: - اور جملہ سے پہلے ایک ضمیر غائب ہوتی ہے جس کا نام ضمیر شان اور ضمیر قصہ رکھتے ہیں جس کی اس کے بعد واقع ہونے والے جملہ سے تفسیر کی جاتی ہے اور وہ ضمیر منفصل اور متصل، مستتر اور بارز ہر طرح عوامل کے مطابق ہوتی ہے جیسے ہو زيد قائم اور كان زيد قائم وانه زيد قائم اور اس ضمیر کا حذف در انحالیکہ منصوب ہو ضعیف ہے، مگر یہ کہ وہ ضمیر ان مخففہ من المثلثہ کے ساتھ ہو تو لازم ہے۔

توضیح: - سب سے پہلے معلوم ہو کہ يتقدم کے بعد قبل کا لانا تاکید کے لیے ہے، کیوں کہ ضمیر کا مرجع پر مقدم ہونا غیر معہود ہے۔

اب سماعت فرمائیں کہ جملہ سے پہلے ایک ضمیر غائب ہوتی ہے جس کا نام اس ضمیر کے مذکر ہونے کی صورت میں ضمیر شان رکھا جاتا ہے اور مؤنث ہونے کی صورت میں اسے ضمیر قصہ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ ضمیر کے بعد واقع ہونے والا جملہ یا تو مذکر کی حالت بیان کرے گا یا مؤنث کی، یاد دہانی کی۔ اول ضمیر شان ہے جیسے ہو اسامة مجاهد اور ثانی ضمیر قصہ ہے جیسے ہی فاطمة ذكية اور ثالث یا تو عمدہ اس میں مذکر ہوگا یا مؤنث صورت اول میں ضمیر شان جیسے ہو ضرب زيد هذا اور ثانی قصہ ہے جیسے ہی ضربت هند زيدا، کہ جس کی تفسیر اس ضمیر کے بعد واقع ہونے والے جملہ سے کی جاتی ہے۔

آسانی کے لیے پورا قاعدہ سن لیجیے کہ جملہ سے پہلے ایک ضمیر غائب ہوتی ہے اس کی تفسیر ايسے جملہ سے کی جاتی ہے جو اس ضمیر کے بعد واقع ہوتا ہے۔ جملہ ضمیر کا مفسر اس لیے ہوتا ہے کہ اس ضمیر میں ابہام ہوتا

ہے اور یہ ضمیر باب ضمائر کے خلاف ہے اور تعظیم قصہ کی غرض سے اس کو نحو یوں نے وضع کیا ہے، اس لیے کہ کسی بات کو مبہم ذکر کرنا پھر اس کی تفسیر لانا دل میں بہ نسبت اس کے زیادہ وقعت پیدا کرتا ہے کہ اس بات کو شروع ہی سے تفسیر کے ساتھ بیان کیا جائے۔

ویکون منفصلاً: اس کا حاصل یہ ہے کہ ضمیر شان اور ضمیر قصہ حسب عامل منفصل بھی ہوگی اور متصل مستتر بھی اور ضمیر بارز بھی ہوگی، یعنی جیسا عامل ہوگا ویسی ضمیر ہوگی، اس لیے کہ اس کا عامل یا تو اتصال کی صلاحیت رکھتا ہوگا یا نہیں ثانی منفصل ہے اور اول یا تو ضمیر کے استتار کے قابل ہوگا یا نہیں تو اول مستتر ہے اور ثانی بارز جیسے ہو زید قائم یہ ضمیر شان کے منفصل ہونے کی مثال ہے، کیوں کہ وہ متبدا ہے اور مبتدا کا عامل معنوی ہوتا ہے جب کہ ضمیر کا اتصال عامل لفظی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور کان زید قائم یہ ضمیر متصل مستتر کی مثال ہے، کیوں کہ ضمیر شان کا عامل فعل ہے اور خود ضمیر مرفوع ہے پس ضمیر غائب مرفوع مفرد کا فعل میں بلا فصل استتار واجب ہے۔

اور انہ زید قائم یہ ضمیر بارز کی مثال ہے، کیوں کہ ضمیر شان منصوب ہے اور اس کا عامل حرف ہے اور حرف میں ضمیر کا استتار ناممکن ہوتا ہے اور جیسے ظننتہ زید قائم کہ اس میں ضمیر شان متصل بارز ہے، کیوں کہ ضمیر منصوب بھلے اس کا عامل فعل ہو اس کا استتار نہیں ہو سکتا۔

وحذفه منصوباً: اس کا حاصل یہ ہے کہ ضمیر شان اور قصہ جب منصوب ہو تو اس کا ضعف کے ساتھ حذف کرنا جائز ہے، منصوب کی قید سے مرفوع نکل گیا کیوں کہ ضمیر مرفوع عمدہ ہوتی ہے اور اس کا حذف کرنا بغیر قائم مقام کے درست نہیں اور منصوب ہونے کی صورت میں حذف اس لیے جائز ہے کہ وہ فضلہ کی صورت پر واقع ہے اور فضلہ کا حذف درست ہوتا ہے لہذا اس کا بھی حذف درست ہوگا۔

اور ضعف کے ساتھ اس لیے ہے کہ ایسی ضمیر جو کہ مراد ہے اس کا بغیر کسی دلیل کے لفظوں سے حذف ہو رہا ہے یعنی ایسی ضمیر جس کا حذف صرف لفظوں سے ہوگا نیت میں بعد الحذف بھی ہوگی اس کا حذف ہو رہا اور کوئی دلیل اس کے وجود پر دلالت کرنے کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ خبر مستقل کلام ہے اور رابطہ بھی اس میں نہیں کہ جو حذف ضمیر پر دال ہو۔ جیسے ان من یدخل الكنيسة يوماً ۛ یلق فیہا جاذراً و ظباء۔ کہ اصل میں انہ ضمیر کے ساتھ تھا، شعر کا ترجمہ ہے کہ دن گر جا گھر میں جائے گا تو اس کی ملاقات نیل گائے کے بچوں یا ہرنوں سے ہوگی۔

الامع ان اذا خفت: البتہ اگر ضمیر شان منصوب ان مخففہ من المثقلہ کے ساتھ ہو تو پھر وہ ضمیر لازم الذکر ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے و آخر دعواہم ان الحمد لله رب العالمین ایسا اس لیے ہے کہ ان مخففہ کمسورہ من المثقلہ کا اعمال بعد التحفیف بھی نثر کلام میں موجود ہے جیسے و ان کلاً لماً

لِيُؤْفِنَهُمْ جب کہ ان مفتوحہ کا اعمال بعد التخفيف نثر کلام میں نہیں ہے پس لوگوں نے اس کے اعمال کو ضمیر
شأن میں فرض کر لیا تاکہ فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئے کیوں کہ اگر ضمیر شأن ان مفتوحہ مخففہ من
المثقلہ کا اعمال فرض نہ کیا جاتا تو یہ غیر مناسب بات ہوتی کہ جس کی فعل سے زیادہ مشابہت ہے وہ تو محروم
اعمال رہے اور کم مشابہت والا بازی لے جائے۔

اسماء الاشارة ما وُضِعَ لِمُشَارِ اِلَيْهِ وَهِيَ ذَا لِلْمَذْكُرِ وَلِمِثْنَاهُ ذَانٌ وَذَيْنٌ وَلِلْمَوْثِقِ
تَا وَذِي وَتِي وَتَهُ وَذِهِ وَتَهِي وَذِهِي وَلِمِثْنَاهُ تَانٌ وَتَيْنٌ وَلِجَمْعِهَا اَوْلَاءٌ مَدًّا وَقَصْرًا
وَيَلْحَقُهَا حَرْفُ التَّنْبِيهِ وَيَتَّصِلُ بِهَا حَرْفُ الْخَطَابِ وَهِيَ خَمْسَةٌ فِي خَمْسَةِ فَيَكُونُ
خَمْسَةً وَعِشْرِينَ وَهِيَ ذَاكَ اِلَى ذَاكَ وَذَانِكَ اِلَى ذَانِكَ وَكَذَلِكَ الْبَوَاقِي.

ترجمہ: - اسمائے اشارہ وہ اسم ہے جو مشار الیہ کے لیے وضع کیا گیا ہو اور وہ ذان مذکر کے لیے
آتا ہے۔ اور اس کی تشبیہ ذان اور ذین ہے۔ اور مؤنث کے لیے تَا اور ذِي اور تِي اور تَهُ اور ذِهِ اور
تِهِي اور ذِهِي آتا ہے۔ اور اس کی تشبیہ کے لیے تَان اور تَيْن ہے اور ان دونوں کی جمع کے لیے اَوْلَاءِ مَدِّ
اور قصر (دونوں طرح) استعمال ہے اور لاحق ہوتا ہے اسم اشارہ کو حرف تنبیہ اور متصل ہوتا ہے اس کے ساتھ
حرف خطاب اور وہ پانچ، پانچ میں ہیں پس وہ پچیس ہو گئے اور وہ ذَاكَ سے ذَاكَ تک اور ذَانِكَ سے
ذَانِكَ تک اور اسی طرح باقی کلمات۔

توضیح: - اسم اشارہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کی وضع مشار الیہ کے لیے اشارہ حسیہ کے طور پر
کی گئی ہو خواہ یہ اشارہ حسیہ جو ارح اور اعضاء سے حقیقتاً ہو اور خواہ حکماً ہو۔

اشارہ حسیہ کی قید سے ضمیر غائب اور لام عہد ذہنی سے احتراز ہو گیا کیوں کہ ہر چند ان کی وضع مشار
الیہ کے لیے ہی ہوتی ہے، لیکن اشارہ ذہنیہ کے طور پر ہوتی ہے اور اشارہ حسیہ کے تعمیم الی الحکمی کی وجہ سے
ذَالِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ جیسی مثالیں اسم اشارہ کی تعریف سے خارج نہیں ہوں گی کیوں کہ اللہ ہر چند
غیر محسوس ہے لیکن خوب اچھی طرح اہل ایمان کے اذہان میں خدا کا تصور جاگزیں کرنے کے لیے محسوس کے
مرتبہ میں کر لیا گیا ہے پس اللہ کی طرف اشارہ اگرچہ حقیقتاً نہیں ہے لیکن حکماً اشارہ حسی ہے۔

وہی ذَا: یہاں سے اسم اشارہ کے تعدد کی طرف اشارہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ ذَا مذکر واحد کے
لیے مستعمل ہوتا ہے خواہ عاقل ہو یا غیر عاقل۔ اور ذَاكَ اشارہ حسیہ حالت رفعی میں ذَان اور حالت نصبی میں ذَيْن
استعمال ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ ذَان اور ذَيْن کا اختلاف اسی طرح تَان اور تَيْن کا اختلاف عوائل کے
اختلاف کی وجہ سے نہیں ہے جس کی وجہ سے انھیں معرب کہا جائے بلکہ یہ اختلاف وضع کی وجہ سے ہے کہ
تشبیہ مرفوع کے لیے ذَان اور تَان کی وضع ہوئی اور تشبیہ منصوب اور مجرور کے لیے ذَيْن اور تَيْن کی وضع

ہوئی۔ پس جب اس اختلاف کی بنیاد عوائل کے اختلاف کے بجائے وضع کا اختلاف ہے لہذا ان کا مبنی ہونا صحیح ہے۔ کیوں کہ علت بناء ان میں موجود ہے اور واحد مؤنث کے لیے تا اور ذی اور تہی اور تہ اور ذہ اور تہی اور ذہی مستعمل ہوتے ہیں۔ یہ سارے الفاظ ذا سے بنے ہیں چنانچہ ذا کے ذال کوتا سے بدل دیا تو تا ہو گیا اور ذال کو بدلے بغیر اس کے الف کو یا سے بدل دیا تو ذی ہو گیا اور الف کو جب ہاء سے بدلا تو ذہ ہو گیا اور جب ذال کوتا سے اور الف کو یا سے بدلا تو تہی ہو گیا اور جب ذال کوتا سے اور الف کو ہاء سے بدلا تو تہ ہو گیا اور جب آخر میں دونوں بدلیں کو جمع کر دیا تو تہی اور ذہی ہو گیا۔

خیر: وہ کلمات جو واحد مؤنث کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان سب میں اصل تا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ تشنیہ ان کلمات میں سے صرف تا سے تان اور تین آتا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ اصل تا ہی ہے اس کے برعکس ایک قول یہ ہے کہ اصل ذی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ ذاند کر کے مقابلہ میں ہے پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب ذا واحد مذکر کے لیے ہے تو ذی واحد مؤنث کے لیے ہو۔ اور ایک دوسرا قول یہ ہے کہ تا اور ذی دونوں مؤنث کے لیے ہونے میں اصل ہیں کیوں کہ یہ دونوں بقیہ کلمات مؤنث پر مقدم ہیں۔ اور واحد مؤنث کی تشنیہ تان اور تین آتی ہیں۔

اور مذکر اور مؤنث کی جمع اولاء مد اور قصر دونوں طرح استعمال ہوتی ہے یعنی اسم اشارہ مذکر اور مؤنث کی جمع ممدود اور متصور دونوں طرح مستعمل ہے اول کی مثال اولاء اور ثانی کی مثال اولیٰ۔
و یلحقها حرف التنبیہ: سب سے پہلے معلوم ہو لائق یہاں دخول کے معنی میں ہے، کیوں کہ لائق کسی چیز کے شروع کے بجائے آخر میں ہوتا ہے۔ عبارت کا ما حاصل یہ ہے کہ مخاطب کو اولاً متنبہ کرنے کے لیے شروع اسمائے اشارہ میں ہاء تنبیہ کا دخول ہوتا ہے کیوں کہ مناسب بات یہی ہے کہ مخاطب پہلے متنبہ کیا جائے پھر کسی چیز کی طرف اس کو اشارہ کیا جائے جیسے ذا سے هذا، ذان سے هذان، تا سے هاتا، اور اولاء سے هؤلأء۔

و یتصل بہا حرف الخطاب: اسمائے اشارہ کے ساتھ یعنی آخر میں حرف خطاب بھی متصل ہوتا ہے، تاکہ مخاطب کا مفرد، تشنیہ اور جمع ہونا نیز مذکر اور مؤنث ہونا معلوم ہو جیسے ذاک، ذانکما، اور تاک، تانکما اور اولنک۔

اور حرف خطاب پانچ ہیں، ک، گما، کم، ک، کن قیاس کا تقاضہ تو چھ حروف کا تھا لیکن چون کہ تشنیہ مذکر اور مؤنث دونوں کا مشترک ہے لہذا پانچ حروف ہی بچے۔ اور اسماء اشارہ بھی پانچ ہیں ذا اور ذان تا اور تان اور اولاء پس پانچ کو پانچ میں ضرب دینے سے اسم اشارہ کی پچیس قسمیں حاصل ہو گئیں۔

اور وہ حسب ذیل ہیں۔

ذَاكَ، ذَاكَمَا، ذَاكُم، ذَاكَ، ذَاكُن	اسم اشارہ واحد مذکر
ذَانِكَ، ذَانِكَمَا، ذَانِكُمْ، ذَانِكِ، ذَانِكُن	اسم اشارہ تثنیہ مذکر
تَاكَ، تَاكَمَا، تَاكُم، تَاكِ، تَاكُن	اسم اشارہ واحد مؤنث
ذِيكَ، ذِيكَمَا، ذِيكُم، ذِيكِ، ذِيكُن	” ” ”
تَانِكَ، تَانِكَمَا، تَانِكُمْ، تَانِكِ، تَانِكُن	اسم اشارہ تثنیہ مؤنث

اسم اشارہ جمع مذکر اور مؤنث، اُولَئِكَ، اُولَئِكَمَا، اُولَئِكُمْ، اُولَئِكِ، اُولَئِكُن

تثنیہ مذکر اور مؤنث کی رفعی حالت پر نصی اور جری کو قیاس کر لیجیے جیسے ذینک اور تینک۔ اسی طرح جمع بالقصر پر جمع کو قیاس کر لیجیے جیسے اولائک۔

وَيُقَالُ ذَا لِلْقَرِيبِ وَذَالِكَ لِلْبَعِيدِ وَذَاكَ لِّلْمُتَوَسِّطِ وَتَلِكُ وَتَانِكُ وَذَانِكُ مَشْدَدَتَيْنِ
وَ اُولَا لِكَ مِثْلُ ذَالِكَ وَ اَمَّا ثَمَّ وَ هُنَا وَ هُنَا فَلِلْمَكَانِ خَاصَّةً

ترجمہ: - اور کہا جاتا ہے کہ ذَا اسم اشارہ، مشار الیہ قریب کے لیے ہے اور ذَالِكَ مشار الیہ بعید کے لیے ہے اور ذَاكَ متوسط کے لیے اور تَلِكُ اور تَانِكُ اور ذَانِكُ در انحالیکہ دونوں مشدد ہوں اور اُولَا لِكَ، ذَالِكَ کی طرح بعید کے لیے ہیں اور بہر حال ثَمَّ اور هُنَا اور هُنَا تو بطور خاص مکان کے لیے ہیں۔

توضیح: - ذَا مشار الیہ قریب کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے کہ قلت حروف، قلت مسافت پر دال ہیں اور ذَالِكَ مشار الیہ بعید کے لیے مستعمل ہوتا ہے، اس لیے کہ حروف کی کثرت مسافت کی کثرت پر دلالت کرتی ہے۔ اور ذَاكَ متوسط کے لیے ہے، کیوں کہ ذَاكَ کے حروف ذَا اور ذَالِكَ کے حروف کے درمیان ہیں پس وہ درمیانی مسافت پر دال ہیں۔

اب ایک سوال البتہ ہے کہ قیاس کا مقتضی تو یہ تھا کہ قریب کے بعد اور بعید سے پہلے اسم اشارہ متوسط کا بیان ہوتا لیکن مصنف نے بعید سے مؤخر کیوں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ توسط کا مؤخر کرنا اس لیے ہے کہ متوسط کا ثبوت قریب اور بعید کے ثبوت کے بعد ہی ممکن ہے۔

اور تَلِكُ اور تَانِكُ اور ذَانِكُ تشدید کے ساتھ اور اُولَا لِكَ لام کے ساتھ ذَالِكَ کی طرح بعید کے لیے ہی مستعمل ہوں گے اور تَاكَ اور تَانِكُ اور ذَانِكُ بغیر تشدید اور اُولَا لِكَ بغیر لام کے متوسط کے لیے استعمال ہوں گے اور جو کلمات متوسط کے لیے ہیں حرف خطاب کے حذف کے بعد وہ قریب کے لیے استعمال ہونے لگتے ہیں۔

واما ثم: عام اسمائے اشارہ زمان اور مکان دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں البتہ ثم جو ثنائے فتح اور میم کی تشدید کے ساتھ اور ہنا جو کہ ہاء کے ضمہ اور نون کے غیر مشددہ کے ساتھ ہے اور ہنا جو کہ ہاء کے فتح اور نون کی تشدید کے ساتھ ہے، یہ استعمال اکثری ہے ورنہ ہاء کے کسرہ اور نون کی تشدید کے ساتھ بھی اس کا استعمال جائز ہے۔ یہ تینوں کلمات خاص طور سے مکان کے لیے ہی مستعمل ہوتے ہیں الآیہ کہ برائے تشبیہ مجاز اُزمان کے لیے بھی استعمال ہو جاتے ہیں جیسے هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ پس یہاں ہنا مجازاً اُزمان کے لیے ہے جو یومئذ کے معنی میں ہے جیسا کہ کبھی اُزمان کو مجازاً مکان کے ساتھ تشبیہ دے دی جاتی ہے پھر اس کا استعمال مکان کے معنی میں ہوتا ہے جیسے مواقیت الاحرام بول کر مجازاً موضع احرام مراد لیتے ہیں حالاں کہ مواقیت وقت کے معنی میں تھا۔

الموصول ما لا يتم جزءاً الا بصله وعائِد وصلته جملة خبرية والعائِد ضمير له وصله الالف واللام اسم الفاعل والمفعول وهي الذي والتي واللذان واللتان بالالف والياء والاولى والذين واللائى واللآى واللآى واللواتى ومن وما واى واية وذو الطائية وذا بعد ما للاستفهام والالف واللام

ترجمہ: - موصول اس اسم کو کہتے ہیں جو جزء تام نہ ہو، مگر صلہ اور عائِد کے ساتھ اور اس کا صلہ جملہ خبریہ ہوتا ہے اور عائِد اس کی ضمیر ہوتی ہے اور الف ولام کا صلہ اسم فاعل یا اسم مفعول ہوتا ہے اور اسمائے موصولات الذی اور التی اور اللذان اور اللتان الف اور یاء کے ساتھ اور الاولی اور الذین اور اللائی اور اللآی اور اللآی اور اللواتی اور من وما اور ای ایتہ اور ذوقبیلہ طے والا اور ذا جو ما استفہامیہ کے بعد ہو اور الف ولام ہیں۔

توضیح: - سب سے پہلے معلوم ہو کہ جزء کے منصوب ہونے میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ جزء ا منصوب ہو تمیز ہونے کی بنیاد پر اور اس کی صفت محذوف ہو پس مطلب ہوگا الموصول ما لا یکون جزءاً تاماً الا بصله وعائِد ادوسرا مطلب یہ ہے کہ ان لا يتم لا یصیر کے معنی میں ہو اور جزء لا یصیر فعل ناقص کی خبر ہو اور اس کا موصوف تاماً محذوف ہو پس مطلب ہوگا الموصول ما لا یصیر جزءاً تاماً الا بصله وعائِد۔ حاصل یہ ہے کہ موصول ایسے اسم کو کہتے ہیں جو صلہ اور عائِد کے بغیر جزء تام نہ ہو سکتا ہو۔

اور جزء تام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ایسے جزء اولی ہونے میں کہ مرکب جس کی طرف اولاً مغل ہوتا ہے کسی دوسرے امر کے ملائے جانے کا محتاج نہ ہو جیسے کہ مبتداء اور خبر فاعل اور مفعول چنانچہ جب مرکب کھولتے ہیں تو اولاً یہی اجزاء نکلتے ہیں مثلاً زید قائم ایک مرکب ہے جب اس کی ترکیب دور کی جائے گی تو زید اور قائم نکلیں گے۔ جو مبتداء اور خبر ہیں۔

مصنف نے اس عبارت کے ذریعہ علامہ رضی پر رد کیا ہے، کیوں کہ علامہ رضی کے یہاں جزء تام کا مطلب ہے کلام کارکن ہونا جیسے مسند اور مسند الیہ فضلات وغیرہ نہیں کیوں کہ وہ رکن کلام نہیں ہوتے اور صلہ سے مراد اس کے معنی لغوی ہیں، اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے، کیوں کہ اصطلاحی صلہ اس جملہ کو کہتے ہیں کہ جو موصول کے بعد مذکور ہو اور ایسی ضمیر کو شامل ہو جو موصول کی طرف لوٹے پس اس اصطلاحی صلہ کا سمجھنا موصول کے سمجھنے پر موقوف ہے، لہذا اگر موصول کی تعریف اس اصطلاحی صلہ کے ساتھ کی جائے تو دور لازم آئے گا۔ اور بعد میں وعائد کا لفظ زیادہ کرنا اس کا قرینہ ہے کہ صلہ سے اصطلاحی صلہ مراد نہیں، کیوں کہ اگر اصطلاحی صلہ مراد ہوتا تو وعائد کی ضرورت نہ ہوتی، اس لیے وعائد خود اصطلاحی صلہ کے مفہوم میں داخل ہے۔ دوسرے یہ کہ لفظ وعائد اذا اور حیث وغیرہ کے اخراج کے لیے ہے کیوں کہ یہ الفاظ صلہ لغوی کے محتاج ہوتے ہیں حالاں کہ موصول نہیں ہیں پس وعائد کہہ کر ان کو خارج کر دیا کہ موصول، صلہ اور وعائد دونوں کا محتاج ہوتا ہے اور یہ الفاظ صرف موصول کے محتاج ہوتے ہیں وعائد کے نہیں۔

وصلتہ جملہ خبریہ: موصول کا صلہ جملہ خبریہ ہوتا ہے۔ صلہ تو بیان موصول کے لیے ہوتا ہے اور بیان جملہ سے حاصل ہوتا ہے اس لیے اس کا صلہ جملہ ہوگا اور خبریہ اس لیے ہوگا کہ صلہ موصول کے ساتھ مربوط ہوتا ہے جب کہ انشاء ربط کو قبول نہیں کرتا ہے۔ پس ربط کا مقصد خبریہ سے ہی پورا ہوگا، لہذا خبریہ ہونا ضروری ہوا۔ پس حاصل یہ نکلا کہ موصول کا صلہ جملہ خبریہ یا جو اس کے معنی میں ہو، ہوتا ہے جیسے اسم فاعل، اسم مفعول۔ اور وعائد ایسی ضمیر ہوگی جو موصول کی طرف راجع ہو، تاکہ موصول اور صلہ کا ربط استوار رہے۔

وصلة الالف واللام: وہ الف ولام جو موصول کے معنی میں ہوتا ہے اس کا صلہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہوگا اس لیے لام موصول صورت میں لام حرفی کے مشابہ ہوتا ہے اور اسم فاعل اور اسم مفعول بھی معنی جملہ اور صورتاً مفرد ہوتے ہیں پس اسم فاعل اور اسم مفعول کو الف لام موصول کا صلہ بطے کر دیا گیا تاکہ مشابہت اور حقیقت دونوں کی رعایت ہو جائے۔

وهی الذی: اب یہاں سے اسمائے موصولات کو بیان کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ الذی مفرد مذکر کے لیے استعمال ہوتا ہے اور التی مفرد مؤنث کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور اللذان اور اللتان حالت رفعی میں الف ماقبل مفتوح کے ساتھ اور حالت نصبی اور جری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ موضوع ہیں اول تشنیہ مذکر اور ثانی تشنیہ مؤنث کے لیے استعمال ہوتا ہے اور الاولی جمع مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے آتا ہے۔ البتہ جمع مذکر میں اس کا استعمال زیادہ رائج اور مشہور ہے۔ اور الذین جمع مذکر کے ساتھ مخصوص ہے اور اللاتی اور اللواتی جمع مؤنث کے ساتھ خاص ہیں اور اللآنی اور اللآئی اور اللای یاء کے ساتھ مذکر اور مؤنث دونوں میں مستعمل ہوتے ہیں البتہ ان کا استعمال مؤنث میں اشر ہے۔

اللاتی میں ایک استعمال یاء کے حذف اور تاء کے کسرہ کا بھی ہے یعنی اللات اور اللواتی میں تاء اور یاء دونوں کے حذف کے ساتھ اللوا استعمال بھی ثابت ہے۔

مَنْ الذی کے معنی میں عموماً ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی اس کے برخلاف غیر ذوالعقول میں بھی استعمال ہو جاتا ہے جیسے فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى بطنه. اور ما عموماً غیر ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی ذوالعقول کے لیے بھی مستعمل ہو جاتا ہے جیسے والسماء وما بناها میں۔

دھیان رہے کہ مذکورہ بالا توضیح سے اب کوئی اعتراض نہیں واقع ہوگا کہ مَنْ تو صرف ذوالعقول اور ما غیر ذوالعقول کے ساتھ مختص ہیں پھر دوسرے معنوں میں کیونکر مستعمل ہوئے۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ ما اور مَنْ کا استعمال مذکورہ مونت مفرد وثنیہ اور جمع سب کے لیے یکساں بغیر کسی فرق کے ہوتا ہے۔

اور ذوقبیلہ بنی طے کی لغت میں الذی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے شاعر کا قول فان الماء ابی وجدی ÷ وبیری ذو حفرت و ذو طویتُ معنی میں التی حفرتها اور التی طویتها کے ہے۔ شعر کا ترجمہ ہے بلاشبہ پانی تو میرے باپ اور دادا کا ہے اور میرا کنواں وہ ہے کہ جسے میں نے کھودا ہے اور اس کا منہ باندھا ہے۔

اور ذابو ما استفہامیہ کے بعد ہوتا ہے وہ بھی الذی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے ماذا قرأت معنی میں ہے ما الذی قرأت آپ نے کیا پڑھا۔

والعائدُ المفعولُ يجوزُ حذفهُ واذا اخبرت بالذی صدرتها وجعلت موضعَ المخبر عنه ضمیراً لها واخرته خبراً عنه فاذا اخبرت عن زید من ضربت زیداً قلت الذی ضربته زیداً وكذلك الالف واللام فی الجملة الفعلیة خاصة لیصح بناء اسمِ الفاعلِ او المفعولِ فان تعذر امرٌ منها تعذر الاخبارُ ومن ثم امتنع فی ضمیر الشانِ والموصوفِ والصفةِ والمصدرِ العاملِ والحالِ والضمیرِ المستحقِّ لغيرها والاسمِ المشتملِ علیه .

ترجمہ: - اور عائد جب کہ مفعول ہو تو اس کا حذف کرنا جائز ہے۔ اور جب تو الذی کے ذریعہ خبر دے تو اس کو شروع میں لا اور خبر عنہ کی جگہ اس کے لیے کوئی ضمیر کر دے اور اسے تو خبر بنا کر ضمیر کے بعد لا پس جب تو زید کے بارے میں ضربت زیداً کی ترکیب میں خبر دینا چاہے تو تو کہے الذی ضربته زیداً اور اسی طرح الف اور لام جملہ فعلیہ میں خاص طور سے تاکہ اسم فاعل اور اسم مفعول کا بنانا صحیح ہو جائے پس اگر ان میں سے کوئی ایک بات ناممکن ہو جائے تو اخبار (الذی کے ذریعہ) ناممکن ہو جائے گا اور اسی وجہ

سے ممتنع ہے ضمیر شان میں اور موصوف اور صفت میں اور اس مصدر میں جو کہ عامل ہو اور حال میں اور ایسی ضمیر میں جو اپنے غیر کی مستحق ہو۔ اور اس اسم میں جو اسی پر مشتمل ہو۔

توضیح: - اس کا حاصل یہ ہے کہ جب وہ ضمیر جو صلہ سے موصول کی طرف لوٹتی ہے مفعول ہو تو اس کا حذف کرنا درست ہے، اس لیے کہ وہ فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے جیسے اللہ یسُطُ الرزق لمن یشاء من عبادہ میں کہ لمن یشاء ہ تھا پس مفعول ضمیر کو حذف کر دیا۔ اور اس حذف عائد کی گنجائش مانع نہ ہونے کی شرط کے ساتھ ہے پس اگر کسی جگہ عائد کے مفعول ہونے کے باوجود حذف سے کوئی مانع ہے تو پھر اس کو حذف کرنا درست نہ ہوگا جیسے الذی ضربتہ فی دارہ زید پس اس ترکیب میں ایک ہی صلہ میں دو ضمیریں اکٹھا ہو گئی ہیں اس لیے عائد مفعول کو حذف نہیں کریں گے۔

ایک بات اور یاد رہے کہ صلہ سے موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر جب مفعول ہو تو حذف کی اجازت ہے اور اگر مرفوع ہو جائے یا مجرور ہو تو حذف کی اجازت نہیں۔ مرفوع ہونے کی صورت میں تو ممانعت اس لیے ہے کہ فاعل عمدہ ہوتا ہے اور عمدہ کا حذف درست نہیں اور مجرور کی صورت میں ممانعت اس لیے ہے کہ کثرت حذف لازم نہ آئے کیوں کہ مجرور کا حذف جار کے ساتھ میں ہوگا۔ پس دونوں کا ایک ساتھ حذف لازم آئے گا۔

واذا اخبرت بالذی صدرتھا: یہ باب اخبار بالذی ہے اسے نحو یوں نے طلبہ کے اب تک پڑھے ہوئے مختلف مسائل کا امتحان لینے کے لیے قیام کیا ہے۔

اس عبارت کا ما حاصل یہ ہے کہ جب بذریعہ الذی کسی ایسی چیز کی خبر دینا چاہتے ہیں جو من وجہ معلوم ہو اور من وجہ معلوم نہیں ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ الذی نو شروع جملہ میں لائیں اور مخبر عنہ (یعنی جزء جملہ کی جس کی آپ خبر بذریعہ الذی دینا چاہتے ہیں) کی جگہ پر آپ کوئی ایسی ضمیر لے آویں جو موصول کی طرف لوٹے اور مخبر عنہ یعنی جزء جملہ کو خبر کے طور پر اس ضمیر کے بعد لے آئیے۔

فاذا اخبرت عن زید: مذکورہ بالا قاعدہ کو مثال سے سمجھا رہے ہیں کہ مثلاً آپ ضربت زیداً میں زید کی خبر الذی کے ذریعہ دینا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ شروع میں الذی لائیے اور زیداً مفعول کی جگہ میں کوئی ضمیر لائیے جو الذی کی طرف لوٹ رہی ہو، تاکہ موصول اور صلہ کا ربط قائم رہے پھر زیداً کو خبر بنا کر ضمیر کے بعد لاکریں کہئے الذی ضربتہ زیداً۔

واضح رہے کہ مخبر عنہ کی جگہ میں ضمیر کے لانے کا مطلب یہ ہے کہ ترکیب میں جو محل و مقام مخبر عنہ یعنی اس جزء جملہ کا تھا اب وہی محل اور مقام ضمیر کا ہو جائے گا یعنی ضمیر ترکیبی اعتبار سے مخبر عنہ کی جگہ اور گدی سنبھال لے گی۔

و كذلك الالف واللام الخ: جس طرح الذی سے خبر کسی جزء جملہ کی دی جاتی ہے اسی طرح الف ولام سے بھی جملہ فعلیہ متصرفہ میں خاص کر۔ پس جملہ فعلیہ میں جب وہ متصرفہ ہو اور اس کے شروع میں کوئی ایسا حرف نہ ہو کہ جس کے معنی اسم فاعل اور اسم مفعول سے نہ حاصل ہو سکتے ہوں جیسے سین اور سوف حرف نفی اور حرف استفہام تو اس کے کسی جز کی خبر جس طرح الذی سے دی جاسکتی ہے اسی طرح الف ولام سے بھی جیسے ضربت زیداً پس زیداً کی خبر جس طرح الذی ضربتہ زیداً لاکر دینا درست ہے اسی طرح الف لام سے بھی درست ہے جیسے الضاربہ زید اور ضرب عمرو سے جیسے الذی ضرب عمرو اور المضروب عمرو۔

اب قیدوں کا فائدہ سمجھئے الف لام کے ذریعہ خبر دینے کی پہلی شرط ہے کہ وہ جملہ فعلیہ ہوتا کہ اس سے اسم فاعل اور اسم مفعول کا بنانا درست ہو کیوں کہ الف ولام کا عملہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہی ہوتا ہے اور یہ دونوں فعل سے ہی بنائے جاتے ہیں، چنانچہ اسم فاعل فعل مضارع معروف اور اسم مفعول مضارع مجہول سے بنتا ہے۔ پس اگر جملہ اسمیہ ہو تو اس میں اخبار صرف الذی کے ذریعہ ہو سکتا ہے جیسے زید منطلق میں یوں کہیں گے الذی ہو منطلق زید اسی طرح اگر سین یا سوف مضارع کے شروع میں ہوں تو چون کہ ایسے فعل سے اسم فاعل بننے والا سین اور سوف کے معنی سے خالی ہوگا، اس لیے اس کی اخبار صرف الذی سے ہوگی جیسے سیصلی زید سے یوں کہیں گے الذی ہو یصل زید۔

ایک قید اور ہے کہ اس فعلیہ کے افعال متصرفہ ہو کیوں کہ اگر وہ افعال متصرفہ نہیں ہیں یعنی گردان نہیں ہوتی جیسے افعال مقاربتہ تو پھر ان سے اسم فاعل اور اسم مفعول بھی نہیں آسکتا، لہذا ان کی اخبار الف اور لام کے ذریعہ ممکن بھی نہیں۔

فان تعذر امر منها: خلاصہ یہ ہے کہ اخبار بالذی کی جو تین شرطیں تھیں اول یہ کہ الذی کا شروع جملہ میں لانا دوسرے یہ کہ مخبر عنہ کی جگہ کوئی ضمیر لانا جو الذی کی طرف راجع ہو تیسرے کہ مخبر عنہ کو بعد ضمیر خبر بنا کر لانا تو اگر ان میں سے کوئی بھی ناممکن ہو جائے تو پھر اخبار بالذی بھی ناممکن ہو جائے گا۔

اسی وجہ سے کہ جب اخبار بالذی کے شرائط ثلاثہ میں سے کوئی شرط فوت ہو جائے تو اخبار بالذی ناممکن ہو جاتا ہے ضمیر شان میں اخبار بالذی ناممکن ہے تیسری شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے جیسے ہو زید قائم پس الذی ہو زید قائم درست نہیں ہے، کیوں کہ ضمیر شان کا جملہ مفسر پر مقدم ہوتا ہے، تاکہ مفسر کی مفسر پر تقدیم نہ ہو جب کہ اخبار بالذی کی صورت میں یہ تقدیم فوت ہو جاتی ہے۔

اسی طرح موصوف اور صفت میں اخبار بالذی درست نہیں ہے کیوں کہ دوسری شرط موصوف اور صفت میں ناممکن ہے، اس لیے کہ اگر موصوف کی خبر الذی کے ذریعہ دی جاتی تو موصوف کی جگہ میں ضمیر کا لانا ہوگا

جو بمنزلہ موصوف ہوگا اور اگر صفت کی خبر الذی کے ذریعہ دی جاتی ہے تو ضمیر صفت کی جگہ میں آئے گی جو بمنزلہ صفت ہوگی جب کہ ضمیر موصوف اور صفت میں سے کوئی بھی چیز نہیں ہو سکتی ورنہ ضمیر کا موصوف اور صفت ہونا لازم آئے گا۔ کیوں کہ مشہور ضابطہ ہے الضمیر لا یصف ولا یوصف بہ پس ضرب زید ن العاقل میں نہ تو الذی ضرب ہو العاقل زید کہنا صحیح ہے اور نہ ہی الذی ضرب زید ہو العاقل کہنا ہی درست ہے۔

والمصدر العامل: اور اسی طرح اخبار بالذی عمل کرنے والے مصدر میں بغیر معمول کے منع ہے جیسے عجت من دق القصار الثوب پس اگر بذریعہ الذی، دق القصار الثوب کی بعیر ثوب کے الذی کے ذریعہ خبر دی جائے تو جو ضمیر دق القصار مصدر عامل کی جگہ میں لائے جائے گی اس کا الثوب میں عمل کرنا لازم آئے گا حالانکہ ضمیر کا عامل ہونا ممتنع ہے۔ ہاں اگر مصدر عامل کے ساتھ اس کا معمول موجود ہو اور اس کی خبر الذی کے ذریعہ ہو تو درست ہے جیسے الذی عجت منه دق القصار الثوب۔ اسی طرح اخبار بالذی حال میں ممتنع ہے جیسے جاء نی زید را کبا پس اگر را کبا جو کہ حال کی خبر بذریعہ الذی دی جائے اور اس کی جگہ ضمیر لائی جائے تو ظاہر ہے کہ ضمیر کے معرفہ ہونے کی وجہ سے حال کا معرفہ ہونا لازم آئے گا، حالانکہ حال کا نکرہ ہونا واجب ہے۔

والضمیر المستحق لغيرها: اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایسی ضمیر کی خبر الذی کے ذریعہ دینا چاہتے ہیں جو الذی کے ماسوا کی مستحق ہو یعنی اس کا مرجع الذی نہ ہو تو ایسی ضمیر میں اخبار بالذی منع ہے اس لیے کہ اگر آپ اس ضمیر کی الذی کے ذریعہ خبر لاتے ہیں تو پھر وہ غیر بلا ضمیر کے رہ جائے گا اس لیے کہ یہ ضمیر تو الذی کی طرف لوٹے گی جیسے زید ضربتہ پس ضمیر مفعول کہ جس کا مرجع زید ہے اگر الذی کے ذریعہ اس کی خبر دی جائے اور کہا جائے الذی زید ضربتہ یہ کہنا صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ ضمیر مفعول جو کہ اس ضمیر کی جگہ واقع ہے کہ جس کا بذریعہ الذی خبر دینا مقصود ہے اگر الذی کی طرف لوٹی ہے تو مبتدا یعنی زید اس ضمیر سے محروم رہ جائے گا کہ جس کا وہ حق دار ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب جملہ خبر ہو تو اس میں کوئی مبتدا کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہونا ضروری ہے اور اگر یہ ضمیر مبتدا کی طرف راجع ہوتی ہے تو موصول بغیر عائد کے ہو جائے گا اور ایسا بھی درست نہیں ہے۔

والاسم المشتمل علیہ: اس اسم کی بھی بذریعہ الذی خبر دینا صحیح نہیں ہے جو اس ضمیر پر مشتمل ہو کہ جو ضمیر الذی کے غیر کے لیے ہے۔ جیسے زید ضربت غلامہ پس غلام جو کہ ایسی ضمیر کو شامل ہے جو کہ بجائے الذی زید کی طرف راجع ہے اور زید اس کا مرجع ہونے کی وجہ سے اس کا حق دار ہے تو اگر غلام کی خبر الذی کے ذریعہ دی جائے اور کہا جائے الذی زید ضربتہ غلامہ پس ضربتہ میں ضمیر مفعول جو

غلامہ کی جگہ میں اگر زید کی طرف لوٹی ہے تو موصول بلا عائد کے رہ جاتا اور اگر الذی کی طرف لوٹی ہے تو مبتدا محروم عائد ہو جاتا ہے۔

وما الاسمیة موصولة واستفهامیة وشرطیة وموصوفة وتامة بمعنی شیء وصفة ومن کذالك الا فی التامة والصفة وائی وایة کمن وهی مُعرَبة وحدها الا اذا حذفت صدرُ صلتها وفي ماذا صَنَعْتَ وَجْهَانِ احدهما ما الذی وجوابه رَفَعُ والاخر ائی شیء وجوابه نصب.

ترجمہ: - اور ما اسمیہ، موصولہ اور استفہامیہ، شرطیہ اور موصوفہ اور تامة بمعنی شیء اور صفت ہوتا ہے۔ اور من اسی طرح سے مگر تامة اور صفت ہونے میں اور ائی اور ایة من کی طرح ہے اور وہ تنہا معرب ہوتا ہے مگر جب اس کا صدر صلہ حذف کر دیا جائے اور ماذا صَنَعْتَ میں دو وجہیں ہیں ایک ما بمعنی الذی اور اس کا جواب مرفوع ہوگا اور دوسرا ما ای شیء کے معنی میں ہوگا اور اس کا جواب منصوب ہوگا۔

توضیح: - ما استفہامیہ متعدد معنوں کے لیے آتا ہے، منجملہ ان معنوں میں ایک موصولہ ہوتا ہے جو عموماً غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے جیسے اعجبنی ما صنعتہ پس ما یہاں موصولہ ہے اور کبھی ما موصولہ ذوی العقول کے لیے بھی مستعمل ہو جاتا ہے جیسے والسماء وما بناها میں ما موصولہ ہے جو ذوالعقول یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے دوسرے کبھی ما شرطیہ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا میں ما شرطیہ ہے تیسرے ما کبھی استفہامیہ ہوتا ہے جیسے وما تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى چوتھے ما کبھی موصوفہ ہوتا ہے جو بمعنی شیء ہوتا ہے اب اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ما موصوفہ بمفرد ہو جیسے مررت بما مُعْجِبُ لَكَ پس معنی ہیں مررت بشیء مُعْجِبُ لَكَ دوسرے یہ ما موصوفہ بالجملہ ہو جیسے ہمارا قول رُبَمَا تَكَرَهُ النَّفُوسُ مِنَ الْأَمْرِ لَهُ فَرَجَةٌ كَحُلِّ الْعُقَالِ ترجمہ بہت دفعہ نفوس کسی بات سے ناگواری پاتے ہیں کہ جس کے لیے کشادگی ہوتی مانند رستی کے کھل جانے کے پس ما کی صفت جملہ تَكَرَهُ النَّفُوسُ ہے معنی ہوئے اب شیء تَكَرَهُ النَّفُوسُ مِنَ الْأَمْرِ لَهُ فَرَجَةٌ كَحُلِّ الْعُقَالِ.

پانچویں ما تامة بمعنی شیء ہوتا ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَنِعْمًا هِيَ الْبَتَّةُ الْبُوعْلَى کے نزدیک شیء منکر کے معنی میں ہوگا اور سیبویہ کے نزدیک لشیء معرف کے معنی میں ما تامة ہوگا، لہذا البوعلى کے نزدیک نعم شیء ہو اور سیبویہ کے نزدیک نعم الشیء ہو تقدیر عبارت ہوگی۔ اور چھٹے ما صفت کے معنی میں بھی ہوتا ہے جیسے اضرب ضرباً ما پس ما صفت کے لیے ہے۔

ومن کذالك: اس کا حاصل یہ ہے کہ من بھی تامة اور صفت ہونے کے سوا باقی چار احتمالات میں

ما کی ہی طرح ہے، چنانچہ من موصولہ بھی ہوتا ہے جیسے اکرمتُ من جاءك پس من موصولہ ہے اور جاءك اس کا صلہ ہے۔ اور من استفہامیہ بھی ہوا ہے جیسے من غلامك اور من ضربت۔ اور شرطیہ بھی ہوتا ہے جیسے من یضرب اضرب اور من موصولہ بھی ہوتا البتہ کبھی اس کی صفت مفرد ہوتی ہے جیسے شعر و کفی بنا فضلاً علی من غیرنا ÷ حب النبی محمد ایانا پس من موصولہ ہے جس کی صفت غیرنا مفرد ہے۔ ترجمہ: ان لوگوں پر جو ہمارے سوا ہیں کافی ہے ہم کو محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سے۔ اور من موصولہ کی صفت جملہ بھی ہوتی ہے جیسے من جاءك اکرمتہ کہ من کی صفت جاءك جملہ ہے۔

اب ان کلمات بالا کے مبنی ہونے کی وجہ سن لو۔ من اور ما موصولہ مبنی ہیں حرف کے مشابہ ہونے کی وجہ سے محتاج ہونے میں کہ جس طرح حرف ضم ضمیمہ کا محتاج ہوتا ہے یہ دونوں صلہ کا محتاج ہیں اور من اور ما استفہامیہ اس طرح من اور ما شرطیہ کا مبنی ہونا حرف استفہام اور حرف شرط کے متضمن ہونے کی وجہ سے ہے کہ استفہامیہ حرف استفہام اور شرطیہ حرف شرط کو شامل ہے۔ اور ما تامہ اور صفت کا مبنی ہونا لفظاً موصولہ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے۔

وای وایۃ کمن: اور ای وایۃ موصولہ، موصولہ استفہامیہ اور شرطیہ ہونے میں من کی طرح ہے البتہ تامہ اور صفت جیسے من نہیں ہوتا ای اور ایۃ بھی نہیں ہوتے موصولہ کی مثال جیسے ایتھم اشد علی الرحمن عتیا، موصولہ کی مثال جیسے یا ایہا الرجل اور استفہامیہ کی مثل جیسے ایتھم اخوک اور شرطیہ کے مثال جیسے ایاماً تدعوا فلہ الاسماء الحسنی، ایۃ کی مثالیں بعینہ ای کی ہیں پس ای کو ہٹا کر ایۃ اس کی جگہ پر لے آؤ۔

وہی معربہ وحدھا: اس کا حاصل یہ ہے کہ موصولات میں تنہا ای اور ایۃ ہی معرب ہوتے ہیں اب رہی یہ بات کہ موجب بناء کے پائے جانے کے باوجود یہ معرب کیوں ہوتا ہے تو درحقیقت اسی امر پر تنبیہ کرنا ہے کہ ای اور ایۃ کے اخوات میں اصل معرب ہی ہونا ہے لیکن صرف ای اور ایۃ ہی معرب ہوئے اور باقی مبنی ہو جاتے ہیں اس لیے کہ ای اور ایۃ کی مفرد کی طرف اضافت لازم اور ضروری ہے اور اضافت الی المفرد اسم متمکن کے خواص میں سے ہے، لہذا اس کی وجہ سے اسمیت کی جہت طاقتور ہوگئی اور حرف سے مشابہت کمزور ہوگئی لہذا مبنی ہونا بھی معدوم ہو گیا اور معرب ہونا لازم ہو گیا البتہ اس کے اخوات میں اضافت الی المفرد لازم نہیں ہے لہذا وہ حرف سے مشابہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہوں گے۔

الا اذا حذف صدر صلتها: خلاصہ عبارت یہ ہے کہ ای اور ایۃ کی چار حالتیں ہیں اول یہ ہے کہ ای اور ایۃ مضاف نہ ہوں اور صدر صلہ مذکور ہو، جیسے رانی ائی ہو مجاہد دوسرے یہ کہ مضاف نہ ہوں اور صدر صلہ محذوف ہو جیسے رانی ای مجاہد کہ صدر صلہ ہو محذوف ہے۔

تیسرے یہ کہ مضاف ہو اور صدر صلہ بھی مذکور ہو جیسے رآنی الیہم ہو مجاہد اور چوتھے یہ کہ مضاف اور صدر صلہ محذوف ہو جیسے ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عْتِيَا کہ اصل میں الیہم ہو اشد ہے۔ پس شروع کے تین احتمالات میں ای اور ایۃ معرب ہوں گے اور آخری صورت بنی ہونے کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس چوتھی صورت میں ای اور ایۃ کی حرف کے ساتھ مشابہت محذوف کی طرف محتاج ہونے کی وجہ سے مؤکد ہوگئی پس حرف کی طرح یہ بھی بنی قرار پائے۔ واضح ہو کہ جو امثلہ ای کی ہیں وہ ساری ایۃ کی ہو سکتی ہیں پس اسی پر قیاس کر کے ایۃ کی مثالیں نکال لی جائیں۔

وفی ما ذا صنعت: ماذا صنعت میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ماذا صنعت ما الذی صنعت کے معنی میں ہو یعنی ما استفہامیہ اور ذا الذی کے معنی میں ہو پس ما مبتدا واقع ہوگا اور موصول اپنے صلہ سے مل کر خبر واقع ہوگا اور ضمیر محذوف ہوگی تقدیر عبارت یوں ہوگی ما الذی صنعتہ اور اس کا جواب مرفوع ہوگا مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے۔ جواب کا مرفوع ہونا اس لیے ہے تاکہ جواب سوال کے جملہ اسمیہ ہونے میں مطابق ہو جائے یوں نصب کی بھی گنجائش ہے بشرطیکہ اس فعل کو مقدر مانا جائے جو سوال میں مذکور ہے لیکن یہ غیر اولیٰ ہے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ ماذا صنعت کے معنی ای شی صنعت کے ہوں اس صورت میں ای شی مفعول بہ ہونے کی وجہ سے موقع نصب میں ہے، لہذا یہ جملہ فعلیہ ہوگا پس اس کا جواب بھی منصوب ہوگا فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی بنیاد پر تاکہ جواب جملہ فعلیہ ہونے میں سوال کے مطابق ہو جائے۔

اسماء الافعال ما کان بمعنی الامر والماضی نحو رُویدَ زیدًا ای امہلہ وھیہاتَ ذالک ای بعدَ وفعال بمعنی الامر من الثلاثی قیاس بمعنی کنزال بمعنی انزل وفعال مصدرًا معرفة کفجار وصفة مثل یا فساق مبنی لمشابہتہ له عدلاً وزنۃ وفعال علمًا للاعیان مؤنثًا کقطام وغلاب مبنی فی الحجاز ومُعربٌ فی تمیم الا ما کان فی اخرہ راء نحو حصار۔

ترجمہ: اسماء افعال جو کہ امر یا ماضی کے معنی میں ہوں جیسے رُویدَ زیدًا جو امہلہ کے معنی میں ہے اور ہیہاتَ ذالک ای بعدَ یعنی ہیہات بعد کے معنی میں ہے اور فعال بمعنی امر ثلاثی مجرد سے قیاسی ہے جیسے نزال بمعنی انزل اور فعال جو مصدر معرفہ ہو جیسے فجار اور صفت ہو جیسے یا فساق۔ مبنی ہے اس کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اس کے (یعنی فعال بمعنی امر کے) عدل اور وزن میں اور فعال جو نام ہو کسی ذات مؤنث کا جیسے قطام اور غلاب مبنی ہے مجازی لغت میں اور معرب ہے تمیم میں مگر جب کہ

اس کے آخر میں راء ہو جیسے حضار۔

توضیح: - مبیات میں سے اسمائے افعال بھی ہیں یہ مبنی ہوتے ہیں اس لیے کہ بعض کی وضع ماضی کی سی ہے جیسے قدر جو معنی میں یکفیک کے ہے باقی اسماء افعال کو اسی پر محمول کر لیا گیا ہے یا یہ کہا جائے کہ جو اسم فعل امر یا ماضی کے معنی میں ہے اس کو اسی سے مشابہت اور مناسبت حاصل ہے پس وہ امر یا ماضی کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے مبنی کہلاتا ہے۔

اور امر کو مقدم کرنا اس بات کی طرف توجہ دلانے کے لیے ہے کہ اکثر اسماء افعال امر کے معنی میں ہوتے ہیں اور عزت اسی کے لیے ہے جو کثیر ہو۔

اب اسم فعل کی تعریف سنئے کہ اسم فعل ایسے اسم کو کہتے ہیں جو امر حاضر معروف یا ماضی کے معنی میں ہو جیسے رُوَيْدٌ زَيْدٌ اَمْعٰنٌ مِیْنِ اَمِهْلَةٌ کے ہے یعنی اس کو مہلت دے دو پس یہ امر کے معنی میں ہے اور ہیہات ذالک بَعْدَ کے معنی میں ہے یعنی وہ دور ہوا۔

اب ایک اعتراض سمجھ لیجئے وہ یہ ہے کہ اسم فعل کی یہ تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں، کیوں کہ اس تعریف کی رو سے اُفٌ بِمَعْنٰی اَتَضَجِرُ اور اُوهُ بِمَعْنٰی اَتَوَجَّعُ اسمائے افعال کی تعریف سے نکل گئے، کیوں کہ یہ مضارع کے معنی میں ہیں تو جواب یہ ہے کہ اُفٌ اَصْلٌ مِیْنِ تَضَجِرَتْ اور اُوهُ مَعْنٰی مِیْنِ تَوَجَّعَتْ ماضی کے معنی میں ہے لیکن تعبیر مضارع حالی سے کی گئی اس لیے ان دونوں کے معنی انشاء ہیں اور حال انشاء کے مناسب ہوتا ہے۔ پس تعریف جامع ہے۔

وَفَعَالٍ بِمَعْنٰی الْاَمْرِ مِنَ الثَّلَاثِي: اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ فعال جو بمعنی امر ہو اور ثلاثی مجرد سے مشتق ہو قیاسی ہے جیسے نَزَالٌ بِمَعْنٰی اِنزَالٌ، ضَرَابٌ بِمَعْنٰی اِضْرَابٌ قیاسی کا مطلب یہ ہے کہ ہر فعال ثلاثی سے فعال بمعنی امر کا مشتق ماننا صحیح ہے۔ پس ایسا ہونا سیبویہ کے نزدیک عموماً ہوتا ہے، لازماً نہیں ہوتا، کیوں کہ قَعَادٌ اور قَوَامٌ فعال ثلاثی ہے پھر بھی وہ قم اور اقعہ کے معنی میں نہیں ہے پس معلوم ہوا فعال ثلاثی کا بھی امر ہونا سیبویہ کے نزدیک اکثری ہے واجب نہیں ہے۔ اور غیر ثلاثی وہ قیاسی نہیں ہوتا البتہ سماعی ہوتا ہے جیسے قرقاء اور غرغاء مبرد کہتے ہیں فعل خواہ از ثلاثی ہو یا رباعی وہ سماعی ہی ہوتا ہے جب کہ انخس کہتے کہ فعال مطلقاً قیاسی ہوتا ہے۔

وَفَعَالٍ مَصْدَرًا: اور وہ فعال جو مصدر معرفہ ہو جیسے فَجَارٌ جو الفجرة اور الفجور کے معنی میں ہے اسی طرح وہ فعال جو مؤنث کی صفت ہو جیسے فَسَاقٌ بمعنی یا فاسقة مبنی ہیں کیوں کہ یہ دونوں فعال بمعنی امر کے مشابہ ہیں وزن اور عدل میں۔ وزن میں مشابہ ہونا ظاہر ہے رہی بات عدل کی تو جس طرح فعال بمعنی امر مبالغہ کے لیے امر فعلی سے معدول ہے اسی طرح فعال مصدر یہ مصدر معرفہ سے معدول ہے اور

فعال صفت یہ اپنے فاعل سے معدول ہے۔

وفعال علما: اور وہ فعال جو کسی ذات مؤنث کا نام ہو جیسے قطام اور غلاب تو اس میں دو مذہب ہیں اہل حجاز انہیں مبنی کہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ یہ اس فعال کے وزن اور عدل میں مشابہ ہیں جو فعال بمعنی امر ہوتا ہے، جب کہ بنو تمیم کہتے ہیں کہ اگر اس فعال کے آخر میں را ہے تب تو ان کی اکثریت اہل حجاز کی طرح مبنی ہونے کی ہی قائل ہے ورنہ ان کے نزدیک وہ فعال معرب ہوگا، کیوں کہ مبنی ہونے کی علت نہیں پائی جاتی اور اس کا علم مؤنث معدول ہونا اس کے معرب ہونے اور غیر منصرف ہونے کو واجب کرتا ہے۔

جب کہ بنو تمیم کے اقلیت اس بات کے حق میں ہے کہ مطلقاً وہ فعال جو کسی مؤنث کا نام ہو خواہ ذوات الراء ہو یا نہ ہو مبنی نہیں ہے۔ جیسے حضار جو ایک ستارہ کا نام ہے اور قطام اور غلاب جو عورتوں کے نام ہیں۔

الاصواتُ كُلُّ لَفْظٍ حُكِيَ بِهِ صَوْتُ اوْصَوْتٍ بِهٖ الْبِهَائِمُ فَاْلَاوْلُ كَغَقَاقٍ وَالثَّانِي كَنْخٍ.

ترجمہ: - اصوات ہر ایسا لفظ کہلاتا کہ جن سے کسی آواز کی نقل کی جائے یا اس کے ذریعہ جانوروں کو آواز دیا جائے۔ اول کی مثال غاق ہے اور ثانی کی مثال کنخ ہے۔

توضیح: - اسمائے اصوات مبنی اس لیے ہوتے ہیں کہ وہ ترکیب سے خالی ہوتے ہیں یعنی مرکب نہیں ہوتے۔

اسمائے اصوات ایسے تمام الفاظ کہلاتے ہیں کہ جن کے ساتھ کسی آواز کی نقل کی جاتی ہے یا اس لفظ کے ذریعہ جانوروں کو آواز دی جائے خواہ ہانکنے کے لیے ہو یا بٹھانے یا اور کسی غرض سے اسی طرح سے وہ لفظ بھی اصوات میں شامل ہے جو آدمی کی ابتدائی آواز ہوتی ہے اور کسی خاص کیفیت کے طاری ہونے کے وقت اس کی زبان سے نکلتا ہے جیسے شرمندہ آدمی شرمندگی کے لاحق ہونے کے وقت وی کہتا ہے اول کی مثال غاق ہے جو کوئے کی آواز کی نقل کے وقت بولا جاتا ہے اور دوسرے کی مثال کنخ ہے جو اونٹ کو بٹھانے کے لیے کہا جاتا ہے۔

المركباتُ كُلُّ اسْمٍ مِنْ كَلِمَتَيْنِ لَيْسَ بَيْنَهُمَا نِسْبَةٌ فَاِنْ تَضَمَّنَ الثَّانِي حَرْفًا بُنِيَا كَخَمْسَةَ عَشَرَ وَحَادِي عَشَرَ وَاخْوَاتِهَا الْاِثْنِي عَشَرَ وَالْاَعْرَبَ الثَّانِي كَبَعْلَبِكَ وَبُنِي الْاَوَّلِ عَلٰى الْاَصْحَحِ.

ترجمہ: - مرکب ہر ایسا اسم کہلاتا ہے جو ایسے دو کلموں سے بنا ہو کہ ان کے درمیان کوئی نسبت نہ ہو پس اگر ثانی حرف کو متضمن ہو تو دونوں جزء مبنی ہوں گے جیسے خمسة عشر اور حادی عشر اور اس کے اخوات سوائے اثنی عشر کے ورنہ دوسرے جزء کو اعراب دیا جائے گا (یعنی وہ معرب ہوگا) جیسے بعلبك اور اول جزء مبنی ہوگا صحیح ترین قول کے مطابق۔

توضیح: - مرکب ہر ایسے اسم کو کہتے ہیں جو ایسے دو کلموں سے مرکب ہو کہ جن کے درمیان نہ اب ورنہ ہی ترکیب سے پہلے کوئی ایسی نسبت رہی ہو کہ جو دو کلموں میں سے ایک کی دوسرے کے ساتھ ترکیب کی ظاہر ہیئت سے مفہوم ہو۔

دو کلمے عام ہیں خواہ حقیقتاً وہ دو کلمے ہوں جیسے کہ مثالیں آگے آرہی ہیں یا حکماً دو کلمے ہوں جیسے سیبویہ کہ اس کا دوسرا جزء کلمہ نہیں ہے بلکہ صوت ہے پس جزء ثانی اگرچہ حقیقتاً کلمہ نہیں ہے، لیکن حکماً تو ہے اسی طرح خواہ وہ دونوں کلمے اسم ہوں یا ایک اسم اور ایک فعل ہو، یا ایک اسم اور ایک حرف ہو یا دونوں فعل ہوں یا ایک فعل اور ایک حرف ہو یا دونوں حرف ہوں۔

نسبت نہ ہونے کی قید سے عبداللہ اور تَابُطٌ شَرًّا جیسی مثالیں خارج ہو گئیں کیوں کہ ان میں سے ہر ایک کے اجزاء میں علمیت سے پہلے نسبت تھی بھلے علمیت کے بعد وہ نسبت باقی نہ رہی۔

فان تضمن الثانی حرفاً: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مرکب کا جزء ثانی حرف کو متضمن ہو تو اس کے دونوں جزء مبنی ہوں گے اول جزء اس لیے مبنی ہوگا کہ اس کا آخر وسط کلمہ میں واقع ہو گیا اور وسط کلمہ کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، لہذا وہ مبنی ہوگا اور جزء ثانی معنی حرف کو متضمن ہونے کی وجہ سے مبنی ہوگا جیسے خمسة عشر اور حادی عشر۔

مصنف نے اس قاعدہ کی وضاحت کے لیے دو مثالیں دی ہیں اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ ان مرکبات کا مبنی ہونا ثابت ہے، خواہ اس کے دونوں جزؤں میں سے کوئی ایک ایسا عدد ہو جو عشرہ کے ساتھ مرکب ہو یا ایسا اسم فاعل کا صیغہ ہو جو عدد سے مشتق ہو چنانچہ پہلی مثال عدد مع العشرہ کی ہے اور دوسری مثال مشتق من العدد کی ہے۔

حادی عشر میں یاء کافتحہ ہے صحیح ترین قول کے مطابق اس لیے کہ اعداد مرکبہ کا شروعاتی کلمہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے۔ البتہ تخفیفاً یاء بالسکون بھی درست ہے اور یہی حکم ثانی عشر کا ہے اخوات سے مراد احد عشر تا تسعة عشر اور حادی عشر تا تسع عشر سوائے اثنی عشر کے۔ سب مبنی ہیں۔

البتہ دھیان رہے کہ حادی عشر میں جزء ثانی حرف کو حکماً متضمن ہے، کیوں کہ یہ احد عشر سے مشتق ہے جو حقیقتاً حرف کو متضمن ہے، چنانچہ اس کی اصل ہے احد عشر ہے پس حرف کا متضمن ہونا عام ہے خواہ حقیقتاً ہو اور خواہ حکماً ہو اسی طرح خواہ وہ حرف متضمن حرف عطف ہو یا غیر حرف عطف۔

الا اثنی عشر: اس کا استثناء بُنیاً سے ہے اخوات سے نہیں پس مطلب یہ ہوا کہ اثنی عشر کے دونوں جزء مبنی نہیں ہوتے بلکہ اس کا پہلا جزء معرب ہوتا ہے کیوں کہ نون کے ساقط ہونے میں وہ مضاف کے مشابہ ہے کہ جس طرح نون تثنیہ اضافت کے وقت ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کا بھی نون عند

الترکیب ساقط ہو جاتا پس مشابہت کی وجہ سے اس کو اضافت کا ہی حکم دے دیا گیا البتہ جزء ثانی تفسیر حرف کی وجہ سے مبنی ہے۔

والا اعرب الثانی: اور اگر دوسرا جزء حرف کو شامل نہ ہو تو پھر جزء ثانی معرب ہو جائے گا، کیوں کہ مبنی ہونے کی علت معدوم ہوگئی جیسے بعلبک۔ البتہ جزء اول قول اصح پر مبنی ہوگا کیوں کہ اس کا آخر وسط کلمہ میں واقع ہے جس کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے۔

غیر اصح کا مد مقابل دوسری دو لغتیں ہیں کہ دونوں جزء معرب ہوں اور اول کی ثانی کی طرف اضافت ہو ثانی کے غیر منصرف ہونے کی حیثیت کے ساتھ دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں معرب ہوں اور اول ثانی کی طرف مضاف ہو لیکن ثانی منصرف ہو۔

الکنايات كم و كذا للعدد و كيت و ذيت للحديث فكم الاستفهامية مميّزها منصوب مفرد والخبرية مجرور مفرد ومجموع وتدخل من فيهما ولهما صدر الكلام وكلاهما يقع مرفوعاً ومنصوباً ومجروراً فكل ما بعده فعل غير مشتغل عنه بضمير كان منصوباً معمولاً على حسبه وكل ما قبله حرف جرّ او مضاف فمجرور والآ فمرفوع مبتداء ان لم يكن ظرفاً وخبر ان كان ظرفاً وكذلك اسماء الاستفهام والشرط وفي مثل ع كم عمّة لك يا جرير وخالة ثلاثة او جبه وقد يُحذف في مثل كم مالك وكم ضربت .

ترجمہ: - اسمائے کنایات کم اور کذا عدد کے لیے ہیں اور کیت اور ذیت حدیث کے لیے پس کم استفہامیہ اس کی تمیز منصوب مفرد ہوتی ہے۔ اور خبریہ مجرور مفرد اور جمع ہوتی ہے اور من ان دونوں میں داخل ہوتا ہے اور ان دونوں کے لیے صدر کلام ہوتا ہے اور دونوں مرفوع اور منصوب اور مجرور (ترکیب میں) واقع ہوتے ہیں پس ہر وہ (کم) جس کے بعد ایسا فعل ہو جو اس سے اس کی ضمیر (اور اس کے متعلق) کی وجہ سے اعراض نہ کر رہا ہو تو وہ منصوب ہوگا اپنے عامل کے مطابق۔ اور ہر وہ "کم" جس کا ما قبل حرف جر یا مضاف ہو تو وہ مجرور ہوگا ورنہ وہ مرفوع مبتداء ہوگا بشرطیکہ ظرف نہ ہو اور خبر ہوگا اگر ظرف ہو۔ اور اسی طرح اسمائے استفہام اور شرط ہیں۔ اور ع کم عمّة لك يا جرير و خالة جیسی ترکیب میں تین وجہیں ہیں اور کم مالك اور کم ضربت جیسے میں تمیز کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

توضیح: - کنایات کنایہ کی جمع ہے لغت اور اصطلاح میں کنایہ کہتے ہیں کہ شی معین کو ایسے لفظ سے بیان کیا جائے جو اس معین چیز پر دلالت کرنے میں صریح نہ ہو کسی مقصد کے تحت مثلاً اس بات کا

سامع پر مبہم رکھنا منظور ہے جیسے آپ جاء فلان کہہ کر جاء زید مراد لیں تو یہ کنایہ ہے۔
واضح ہو کہ یہاں کنایہ سے مراد وہ لفظ ہے کہ جس سے کنایہ کیا جاتا ہے پس کم و کذا کا الکنایات پر بحیثیت خبر کے حمل صحیح ہو گیا۔ نیز تمام کنایات مراد نہیں ہیں بلکہ بعض مراد ہیں پس یہاں قیاس یہ چاہتا تھا کہ ظروف کی طرح بعض کی قید لگا کر بعض الکنایات کہا جاتا لیکن چون کہ نحو یوں کی اصطلاح ٹھہر گئی کہ کنایات سے بعض معین کنایات ہی مراد ہوتے ہیں اس لیے بعض کے لفظ کی حاجت نہ رہی۔ اور بعض کنایات معبودہ کی تعریف دشوار تھی اس لیے خود ان الفاظ ہی کو شمار کرادیا۔ اور کہا کم و کذا۔

کم و کذا: کم کا مبنی ہونا دو وجہوں سے ہے ایک تو اس کی وضع حرف کے وضع پر ہے تو دوسرے کم استفہامیہ حرف کے معنی کو متضمن ہے اور کم خبریہ کم استفہامیہ پر محمول ہے۔ اور کذا یہ کاف تشبیہ اور اسم اشارہ سے مرکب ہے پس مجموعہ بمنزلہ کلمہ واحدہ کے ہو گیا جو کم کے معنی میں ہے پس ذاب دستور اپنی اصل بنا پر باقی رہا کیوں کہ وہ اسم اشارہ ہونے کی وجہ سے اصلاً مبنی ہے پس بعد مرکب ہونے کے بھی وہ پورے مجموعہ کے ساتھ مبنی ہی ہے۔ اور کم و کذا کا استعمال عدد سے کذا کے لیے ہوتا ہے خواہ کم استفہامیہ ہو یا خبریہ۔

وکیت و ذیت: کیت و ذیت اور بات جملہ سے کنایہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں یہ دونوں اس لیے مبنی ہوتے ہیں کہ یہ دونو جملہ کی جگہ میں واقع ہیں اور جملہ من حیث الجملہ نہ معرب ہوتا ہے اور نہ مبنی پس جب مفرد جملہ کی جگہ میں واقع ہو جو معرب اور مبنی ہونے سے خالی نہیں ہوتا تو مبنی ہونے کو معرب ہونے پر ترجیح دے دی گئی اس لیے کہ قبل ترکیب مفرد میں مبنی ہونا ہی اصل ہے۔

کنایات میں سے کاین بھی ہے اور اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کاف تشبیہ اور لفظ ای سے مرکب ہوتا ہے پس مجموعہ کلمہ واحدہ ہو گیا جو کم خبریہ کے معنی میں ہے پس اس کا معاملہ یوں ہو گیا گویا یہ سکون پر کم کی طرح اسم مبنی ہے۔ اب رہا مسئلہ یہ کہ جب کاین بھی من جملہ کنایات میں سے ہے تو اس کا تذکرہ مصنف نے کیوں نہیں کیا تو اصل معاملہ یہ ہے کہ اس کا مبنی ہونا اس کے اخوات کے مبنی ہونے کی وجہ سے کم تر ہے اس لیے اس کے ذکر سے گریز کیا۔

فکم الاستفہامیہ: کم الاستفہامیہ مبتداء ہے اور تمیز ہا مبتداء ثانی ہے اور منصوب مفرد مبتداء ثانی کی خبر ہے اور پورا جملہ مبتداء اول کی خبر ہے۔

اب سنئے کہ کم استفہامیہ کی خبر منصوب مفرد ہوگی ایسا اس لیے ہوگا کہ کم استفہامیہ مطلق عدد سے کنایہ کے لیے ہوتا ہے اور درمیانی عدد واحد عشر سے لے کر تسع و تسعین تک سب کی تمیزیں منصوب مفرد ہوتی ہیں اس لیے اس کی بھی تمیز منصوب مفرد ہوگی۔ کیوں کہ اگر طرف اول یعنی احد سے عشر تک اور طرف ثانی یعنی مائة میں سے کسی ایک کے مطابق تمیز لائی جاتی تو ترجیح بلا مرجح اور خلاف انصاف بات ہوتی اس لیے اعداد

متوسط کی تمیز کے مطابق خیر الامور اوسطها کو پیش نظر رکھتے ہوئے کم استفہامیہ کی تمیز منصوب مفرد لائی گئی۔ جیسے کم درهما عندك و کم رجلاً ضربت۔

و کم الخبریة: کم خبریہ کی تمیز مجرور مفرد اور مجرور جمع دونوں طرح ہوتی ہے جیسے کم رجل عندی و کم جیوش لدی المسلمین۔ پس کم خبریہ کی تمیز مجرور مفرد اس لیے ہوگی کہ کم خبریہ عدد کثیر سے کنایہ کے لیے آتا ہے اور عدد کثیر کی تمیز مجرور مفرد ہوتی ہے، لہذا اس کی بھی خبر مجرور مفرد ہوگی۔ اور تمیز مجرور جمع اس لیے ہوگی کہ عدد کثیر کثرت میں صریح ہے اور کم خبریہ ایسا نہیں ہے پس اس کی تمیز کا جمع لانا ضروری ہو گیا، تا کہ فوت شدہ کثرت کی تلافی کا ذریعہ ہو جائے۔

وتدخل من فیها: اور کبھی کم استفہامیہ اور کم خبریہ دونوں کی تمیز پر من بیانیہ داخل ہو جاتا ہے اس لیے کہ تمیز بیان ابہام کے لیے ہوتی ہے اور من بھی بیان کے لیے ہوتا ہے پس دونوں کے مابین مناسبت ہے لہذا من کا دخول ان دونوں کی خبر پر درست ہے۔ جیسے کم من رجل ضربت و کم من قریۃ اهلکنا۔ ولہما صدر الکلام: کم خواہ استفہامیہ ہو یا خبریہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لیے کہ استفہامیہ، استفہام کو متضمن ہوتا ہے اور کم خبریہ تکثیر میں انشاء کے معنی کو متضمن ہوتا ہے، لہذا اس پر تنبیہ شروع سے ہی مناسب ہے۔

و کلاهما یقع مرفوعاً الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ کم استفہامیہ اور کم خبریہ دونوں مرفوع اور منصوب نیز مجرور واقع ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ تمام اسمائے مبنیہ کی طرح اسماء ہیں اور وہ محل رفع اور نصب اور جر میں واقع ہوتے ہیں، لہذا ان دونوں کا بھی یہی حکم ہے۔

فکل ما بعدہ فعل غیر مشتغل عنہ: اب بتا رہے کہ کم منصوب کب ہوگا تو فرماتے ہیں کہ ہر ایسا کم (خواہ استفہامیہ ہو یا خبریہ) جس کے بعد کوئی فعل ہو جو کم کی ضمیر کی وجہ سے کم میں عمل کرنے سے اعراض نہ کر رہا ہو تو وہ کم حسب عامل منصوب ہوگا۔ مطلب یہ کہ اگر وہ فعل مفعول بہ کی وجہ سے نصب کا تقاضا کر رہا ہے تو کم محلاً مفعول بہ ہوگا اور اگر وہ ظرفیت یعنی مفعول فیہ کی بنیاد پر نصب کا تقاضا کر رہا ہے تو وہ مفعول فیہ ہوگا اور اگر وہ فعل مفعول مطلق کی بنیاد پر نصب کا خواہشمند ہے تو وہ مفعول مطلق ہوگا۔ البتہ منصوبات میں سے کسی کا بھی تعین تمیز سے ہوگا کہ اگر تمیز مفعول بہ ہے تو کم بھی مفعول بہ ہوگا اسی پر باقی کو قیاس کر لیجیے۔ کم استفہامیہ کی مثال جیسے مفعول بہ کم رجلاً ضربت اور ظرف کی مثال جیسے کم یوماً سرت اور مصدر یعنی مفعول مطلق کی مثال جیسے کم ضربۃ ضربت اور خبریہ کی مثالیں کم رجل ملک و کم یوم صمت و کم ضربۃ ضربت۔ پس اول مفعول بہ اور ثانی مفعول فیہ اور ثالث مفعول مطلق کی مثال ہے۔

وکل ما قبله حرف جرّ او مُضاف فمجرور: اب یہاں سے مجرور ہونے کے موقع کو بتا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر کم کے ماقبل حرف جریا مضاف ہو تو کم مجرور ہوگا، اس لیے کہ حرف جریا اپنے مدخول کو اور مضاف اپنے مضاف الیہ کو جردیتے ہیں۔ مثال حرف جریا کی جیسے بکم درہم اشتریت مضاف کی مثال جیسے غلام کم رجل ضربت، بکم رجلاً مردت و غلام کم رجلاً ضربت۔

والا فمرفوع: والا سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اگر کم کے بعد کوئی فعل یا شبہ فعل ایسا نہ ہو کہ جو اس میں اس کی ضمیر کی وجہ سے عمل کرنے سے اعراض نہ کر رہا ہو اور نہ ہی کوئی حرف جریا اس سے قبل ہو اسی طرح کسی مضاف کی اس کی طرف اضافت نہ ہو تو وہ مرفوع ہوگا اب وہ مرفوع بصورت مبتدا بھی ہو سکتا ہے اور خبر بھی پس اگر کم استفہامیہ اور خبریہ ظرف نہیں واقع ہیں تو ترکیب میں مبتدا ہیں اور اگر ظرف ہیں تو پھر خبر ہیں، کیوں کہ اگر اس کی تمیز ظرف ہے تو ظرف باعتبار متعلق جملہ ہوتا ہے اور جملہ مبتدا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

مبتدا ہونے کی مثال جیسے کم رجلاً اخوتک اور کم رجل قام اور خبر کی مثال کم یوما سفرک اچھا خبر کا ظرف ہونا تمیز کے ظرف ہونے سے معلوم ہوگا کہ اگر تمیز ظرف ہے تو وہ بھی ظرف ہوگا۔
و کذالك اسماء الاستفهام: یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسمائے استفہام اور اسمائے شرط محل اعراب میں کم کی طرح ہیں یعنی منصوب مجرور اور مرفوع ہونے میں مبتدا خبر ہونے کی وجہ سے لیکن یہ بات دھیان رہے کہ وجوہ مذکورہ کا مجموعہ ان اسمائے کے مجموعہ میں ہے ایسا نہیں ہے کہ وجوہ اربعہ مذکورہ ہر ہر اسم استفہام و شرط میں پائے جاتے ہوں تفصیل ملاحظہ ہو۔

آپ کو معلوم ہو کہ اسمائے استفہام اور شرط من حیث الذات تین قسموں پر ہیں ایک قسم استفہام اور شرط کے درمیان مشترک ہے اور یہ من اور ما اور ائی اور این اور انی اور متی ہیں اور ایک قسم شرط کے ساتھ خاص ہے اور وہ اذا ہے اور ایک قسم استفہام کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ کیف اور ایان ہے اور یہ اسمائے وجوہ اربعہ مذکورہ کے جاری ہونے کے اعتبار سے چار قسموں پر ہیں وجہ حصر یہ ہے کہ یہ اسماء یا تو ظرف ہوں گے یا غیر ظرف پس اگر وہ ظرف ہوں تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ استفہام کے معنی کو متضمن ہوں تو اس میں تین وجوہ جاری ہوں گے جر علی الاضافت نصب علی النظر فیہ اور رفع علی الخبریہ، رفع علی الابتداء کا احتمال نہیں ہے اس لیے وہ غیر ظرف کے ساتھ خاص ہے اور یہ قسم ظرف ہے۔ اور اگر وہ شرط کے معنی کو شامل ہوں تو اس میں دو وجوہ پائی جائیں گی جر علی الاضافت اور نصب علی النظر فیت رفع کی مطلقاً گنجائش نہیں رفع علی الابتداء تو اس لیے ناممکن ہے کہ وہ غیر ظرف کے ساتھ مختص ہوتا ہے اور یہ قسم ظرف ہے اور رفع علی الخبریہ اس لیے ناممکن ہے کہ اگر وہ خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو، تو اس کا مابعد مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا

حالاں کہ اس کا مابعد فعل ہے جو مبتداء ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اور اگر اسمائے شرط و استفہام غیر ظرف ہوں تو بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ لازم الاضافت ہوں گے یا ایسا نہیں ہوگا۔ اول جیسے ائی اور این تو اس میں وجوہ اربعہ جاری ہوں گے جر علی الاضافت، نصب علی المفعولیت اور رفع علی الابداء بشرطیکہ اس کا مابعد غیر ظرف ہو اور رفع علی الخمریۃ بشرطیکہ اس کا مابعد ظرف ہو۔

اور دوسری صورت جیسے من اور ما تو اس میں تین وجوہ کی گنجائش ہے خواہ وہ حرف شرط کے معنی کو متضمن ہوں یا استفہام کے، جر علی الاضافت نصب علی المفعولیت اور رفع علی الابداء، رفع علی الخمر اس کا امکان نہیں ہے، کیوں کہ وہ ظرف کے ساتھ مختص ہے اور یہ ظرف نہیں ہے۔

وفی مثل ع کم عمۃ لك یا جریر: کم عمۃ لك یا جریر و خالۃ جیسی ترکیب میں تین وجہیں درست ہیں لیکن تفصیل میں جانے سے پہلے پورا شعر سماعت کیجیے کم عمۃ لك یا جریر و خالۃ ÷ فدعاء قد حلبت علی عشاری. شعر کا ترجمہ ہے کتنی ہی پھوپھیاں تیری اے جریر اور خالائیں کہ ٹیڑھے ہاتھ یا ٹیڑھے پاؤں والیاں ہیں جنھوں نے میری دس ماہ کا بھن اونٹنیوں کا دودھ میرے اوپر پڑ کر دوھا ہے۔

اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جو کم استفہامیہ اور خبریہ دونوں کا احتمال رکھتی ہو اور تمیز کے ذکر و حذف کا بھی پس یہ احتمالات ثلاثہ نفس کم میں بھی اور اس کی تمیز میں بھی جاری ہو سکتے ہیں۔

خود کم میں جو تین احتمال ہیں وہ یہ ہیں۔ اول رفع علی الابداء اگر اس کی تمیز مذکور ہو یعنی عمۃ پھر کم دو حال سے خالی نہیں یا وہ کم استفہامیہ ہوگا یا کم خبریہ۔ بصورت استفہامیہ معنی ہوں گے کم عمۃ لك یا جریر و خالۃ. اور خبریہ ہونے کی صورت میں معنی ہوں گے کم عمۃ لك یا جریر و خالۃ.

دوم نصب علی النظر فیہ یعنی مفعول فیہ ہونے کی بنیاد پر منصوب ہونا۔ اگر اس کی تمیز محذوف ہو یعنی مرۃ پس استفہام کی تقدیر پر مطلب ہوگا عمۃ لك یا جریر و خالۃ فدعاء کم مرۃ قد حلبت علی عشاری. اور خبریہ ہونے کی صورت میں مطلب ہوگا عمۃ لك یا جریر و خالۃ فدعاء کم مرۃ قد حلبت علی عشاری.

سوم نصب علی المصدر یعنی مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہونا اگر اس کی تمیز محذوف ہو یعنی حلبت تو استفہامیہ ہونے کی صورت میں مطلب ہوگا عمۃ لك یا جریر و خالۃ فدعاء کم حلبۃ قد حلبت علی عشاری اور خبریہ ہونے کی صورت میں معنی ہوگا کم حلبۃ قد حلبت علی عشاری. اور انھیں مذکورہ بالا وجوہ ثلاثہ کا احتمال کم کی تمیز میں بھی ہے۔ اول رفع علی الابداء اگر تمیز کم محذوف

ہو یعنی مرۃ یا حلبة مطلب ہوگا عمۃ لك یا جریر و خالۃ فدعاء کم مرۃ قد حلبت علی عشاری استفہامیہ ہونے کی صورت میں اور خبریہ ہونے کی صورت میں مطلب ہوگا عمۃ لك یا جریر و خالۃ فدعاء کم مرۃ قد حلبت علی عشاری پس احتمال مذکور میں کم دونوں طرح ہو سکتا ہے۔

اور احتمال ثانی عمۃ کا منصوب ہونا جب کہ استفہامیہ کی تمیز ہو احتمال ثالث ہے عمۃ کو مجرور پڑھنا بشرط کہ وہ کم خبریہ کی تمیز ہو۔ بقیہ عبارت سابق کی طرح ہوگی۔

توجیہ اول ماسبق کے زیادہ مناسب ہے، اس لیے کہ اس کی بنیاد کم کے اعراب کے وجوہ پر ہے جو ماقبل میں مذکور ہیں پس گویا یہ ماقبل پر ہی تفریح ہوگی بخلاف دوسری توجیہ کے کہ اس کی بنیاد تمیز کے حذف اور ذکر پر ہے اور یہ بات ماسبق میں نہیں البتہ مابعد میں مذکور ہے پس مناسب یہ تھا کہ اس مثال کو مصنف کے قول وقد یحذف فی مثل کم مالک و کم ضربت کے بعد لایا جاتا۔

وقد یحذف: حاصل عبارت یہ ہے کہ کم خواہ استفہامیہ ہو یا خبریہ ان کی تمیز کم مالک اور کم ضربت جیسی مثال میں کبھی حذف بھی کر دی جاتی ہے۔

اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں قرینہ تمیز کے حذف پر قائم ہو۔ اور یہ بات شبہ سے بالاتر ہے کہ تمیز کے حذف پر قرینہ ان دونوں مثالوں میں موجود ہے اس لیے کہ جب مال کی مقدار کے بارے میں سوال ہوگا جیسا کہ استفہامیہ میں ہوتا ہے یا مال کے کثرت کی اطلاع دی جائے گی جیسا کہ خبریہ میں ہے تو ظاہر حال اس بات پر قرینہ ہوگا کہ مسؤل عنہ یا مخبر عنہ دارہم اور دنانیر کی مقدار ہے۔

پس تقدیر عبارت کم درہمًا مالک یا کم دینارًا مالک استفہامیہ ہونے کے وقت اور کم درہم مالی یا کم دینار مالی خبریہ ہونے میں ہو جائے گی۔

اور اسی طرح جب ضرب کی مقدار کے بارے میں سوال ہوگا یا ضرب کی کثرت کی اطلاع دی جائے گی تو ظاہر حال قرینہ اس بات پر ہوگا کہ مسؤل عنہ یا مخبر عنہ مرات یا ضربات ہیں پس تقدیر عبارت ہوگی کم مرۃ یا کم ضربۃ ضربت استفہامیہ کی صورت میں اور کم ضربۃ یا کم مرۃ ضربت خبریہ ہونے کی حالت میں۔

الظروف منها ما قطع عن الاضافة كقبل وبعد وأجرى مجراه لا غير وليس غير وحسب ومنها حيث ولا يضاف الا الى الجملة في الاكثر ومنها اذا وهي لمستقبل وفيها معنى الشرط ولذلك اختير بعدها الفعل وقد تكون للمفاجاة فيلزم المبتداء بعدها ومنها اذ للماضي ويقع بعدها الجملتان.

ترجمہ:- ظروف ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کو اضافت سے الگ کر دیا گیا ہے جیسے قبل

اور بعد اور بعد کے قائم مقام کر دیا گیا ہے لاغیر اور لیس غیر اور حسب کو۔ اور من جملہ ظروف سے حیث ہے اور وہ نہیں مضاف ہوتا ہے مگر عموماً جملہ کی طرف اور منجملہ ظروف سے اذا ہے اور وہ مستقبل کے لیے ہے اور اس میں شرط کے معنی ہیں اور اسی وجہ سے اس کے بعد فعل کو اختیار کیا گیا اور کبھی وہ مفاعلات کے لیے ہوتا ہے تو اس کے بعد مبتدأ لازم ہے۔ اور منجملہ ظروف سے اذا ہے جو ماضی کے لیے ہے اور اس کے بعد دو جملے واقع ہوتے ہیں۔

توضیح: - ظروف کی ایک قسم وہ ہے کہ جن کے مضاف الیہ کو حذف کر دیا جاتا ہے، لیکن وہ نیت میں مراد ہوتا ہے جیسے قبل اور بعد تو یہ حروف کے ساتھ احتیاج میں مشابہت کی وجہ سے بنی علی الضم ہوتے ہیں جیسے لله الامر من قبل ومن بعد ایسے ظروف کا لقب غایات ہے، اس لیے کہ غایت کہتے ہیں کہ جس پر کسی چیز کی انتہا ہو جائے تو کلام کی انتہاء ذکر کی صورت میں مضاف الیہ پر ہوتی تھی پس اب جب کہ مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا تو منتہائے کلام مضاف ہو گیا پس اس مناسبت کی وجہ سے ان کو غایات کہا جانے لگا۔

اور ان کا ضمہ پر مبنی ہونا اسی لیے ہے تاکہ ضمہ مضاف الیہ کے حذف کی تلافی ہو جائے۔ اب سنئے اگر ان ظروف کے مضاف الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے یا مضاف الیہ کا حذف نسیا منسیا کے طور پر ہوتا ہے یعنی مضاف الیہ نیت میں بھی باقی نہیں رہ جاتا ہے تو ایسی صورت میں قبل اور بعد معرب ہوں گے جیسے شاعر کا قول ع رَبِّ بَعْدِ كَان خَيْرًا مِنْ قَبْلِ.

نیز ان ظروف میں مضاف الیہ کے عوض علی سبیل القلۃ تنوین بھی درست ہے پر ایسی صورت میں یہ معرب ہو جائیں گے جیسے ۱۔ فساغ الی الشراب و كنت قبلاً ۲۔ اکاد اغصُ بالماء الفراتِ شعراً ترجمہ یہ ہے کہ باسانی مجھے شراب حلق سے نیچے اتر جاتی ہے، ورنہ اس سے پہلے تو مجھے خالص پانی کے پینے میں بھی اچھو لگتا تھا۔

واجری مجراہ: وہ ظروف جو مقطوع عن الاضافة اور بنی علی الضم ہوتے ہیں انھیں کے قائم مقام یعنی ان کے حکم میں لاغیر اور لیس غیر اور حسب بھی ہیں کہ ان کا بھی مضاف الیہ محذوف منوی ہوتا ہے اور یہ اسماء بنی علی الضم ہوتے ہیں غایات میں مشابہت کی وجہ سے۔

غیر کے لیے جو کہ اسمائے ظروف سے نہیں ہے لایا لیس کے بعد ہونا شرط ہے کیوں کہ غیر ان دونوں کے بعد کثیر الاستعمال ہے اور کثرت استعمال تخفیف کا تقاضہ کرتا ہے پس مضاف الیہ کو حذف کر کے اس کو ہلکا کر دیا۔ جیسے جاء نی زید لا غیر یا لیس غیر۔

اور حسب کا مضاف الیہ محذوف منوی اس لیے ہتا ہے کہ وہ غیر کے مشابہ ہے کثرت استعمال میں پس

جیسے غیر کا مضاف الیہ محذوف منوی ہوتا حسبُ کا بھی محذوف منوی ہوگا نیز حسبِ اضافہ کے ساتھ مشہور بھی نہیں ہے۔

ومنہا حیث: اور من جملہ ظروف کے حیث ہے جو غایات کی طرح مبنی ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ حیث عموماً مضاف الی الجملۃ ہوتا ہے اور وہ اسم جو جملہ کی طرف مضاف ہو اس کا معاملہ ایسا ہے گویا اس کی اضافت ہی نہیں ہوئی، کیوں کہ جملہ حقیقتاً مضمونِ جملہ کی طرف ہوتا ہے اور وہ مذکور نہیں ہوتا اور جو لفظ میں موجود ہے (یعنی الفاظِ جملہ) وہ مضاف الیہ نہیں ہے پس گویا حکماً یہ مقطوع عن الاضافة ہو گیا لہذا یہ ابہام میں غایات کے مشابہ ہو گیا اور غایات مبنی ہوتے ہیں لہذا حیث بھی مبنی ہوگا۔

اور اضافت الی الجملہ اکثر استعمال میں ہوتا ہے پس کبھی حیث مفرد کی طرف بھی مضاف ہو جاتا ہے جیسے شاعر کا قول اَمَّا تری حیث سہیل طالعا ÷ نجم تضى كالشهاب ساطعا شعر کا ترجمہ یہ ہے کیا نہیں دیکھتا ہے تو سہیل کی جگہ کو اس حال میں کہ سہیل طلوع کرنے والا ہے کہ وہ ایک ستارہ ہے جو آگ کے شعلہ کی طرح روشن اور بلند ہوتا ہے۔ محل استدلال حیث ہے جو مفرد کی طرف مضاف ہے۔

اب اضافت الی المفرد کے وقت بعض اس کو معرب قرار دیتے ہیں کیوں کہ علت بنا یعنی اضافت الی الجملہ معدوم ہے، لہذا مبنی ہونا بھی باقی نہ رہے گا لیکن دوسرے بعض حضرات مبنی ہی سمجھتے ہیں کیوں کہ اضافت الی المفرد شاذ ہے اور شاذ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

ومنہا اذا: اور ظروف مبنیہ میں سے اذا بھی ہے خواہ زمان کے لیے ہو یا مکان کے لیے ہو مبنی اضافت الی الجملۃ کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ تفصیل گذر چکی اور اذا زمانہ مستقبل کے لیے ہوتا ہے خواہ اذا ماضی پر داخل ہو کیوں کہ اس کا استعمال اصلاً زمانہ مستقبل کے لیے ہی ہوتا ہے اور اس فعل کا وقوع بتانے کے لیے جس کا واقع ہونا متکلم کے اعتقاد میں یقینی ہو کیوں کہ یقینی امور میں ہی اس کا استعمال بکثرت پایا جاتا ہے جیسے اذا الشمس کورت۔

البتہ کبھی خلاف اصل، زمانہ ماضی کے لیے بھی استعمال رائج ہے جیسے حتی اذا بلغ بین السدین اور اسی طرح حتی اذا ساوی بین الصدفین۔

وفیہا معنی الشرط: اور اذا میں شرط کے بھی معنی پائے جاتے ہیں یعنی ایک جملہ کا دوسرے جملہ کے مضمون پر مرتب ہونا پس یہ اذا کے مبنی ہونے کی دوسری وجہ ہوگئی۔

خیر: چوں کہ اذا میں شرط کے معنی موجود ہیں اس لیے اس کے بعد فعل کا لانا مختار ہے کیوں کہ فعل کو شرط سے مناسبت ہے البتہ چوں کہ اذا شرطیت میں اصل نہیں ہے، اس لیے اس کے بعد اسم کا آنا بھی درست ہے بھلے غیر اولیٰ ہے۔

وقد تكون للمفاجاة: کبھی کلمہ از بغیر شرط کے محض مفاجاة کے لیے ہوتا ہے مفاجاة کسی چیز کے دفعہ اور اچانک ہو جانے اور پکڑ لینے نیز اچانک پہنچ جانے کو بھی کہتے ہیں۔ تو جب از مفاجات کے لیے ہوگا تو اس کے بعد مبتدا لازم ہے تا کہ از مفاجاتیہ اور از شرطیہ میں فرق قائم رہے جیسے خرجت فاذا السبع واقف، البتہ لزوم یہاں کثرت وقوع کے معنی میں ہے یعنی اکثر از مفاجاتیہ کے بعد مبتدا آتا ہے چنانچہ کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔

ومنها اذ: ظروف مبینہ میں سے از بھی ہے اس کے مبنی ہونے کی وجہ وہی ہے جو حیث کی ہے، نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی وضع حرف کی سی ہے از چوں کہ شرط کے لیے نہیں ہوتا اس لیے اس کے بعد جملہ فعلیہ اور اسمیہ دونوں ہو سکتے ہیں، البتہ عموماً ماضی کے لیے ہی مستعمل ہوتا ہے مثال جیسے اذ زید عالم اذ قام اسامہ ہاں کبھی از کا استعمال مستقبل کے لیے ہو جاتا ہے جیسے اذ الاغلال فی اعناقہم۔

ومنها این وانی للمکان استفہاماً وشرطاً ومتی للزمان فیہا وایان للزمان استفہاماً وکیف للحال استفہاماً ومذ ومند بمعنی اول المدة فیلیہما المفرد المعرفة وبمعنی الجميع فیلیہما المقصود بالعدد وقد یقع المصدر او الفعل او انّ او انّ فیقدر زمان مضاف وهو مبتدا وخبره ما بعده خلافاً للزجاج۔

ترجمہ: - اور ظروف مبیہ میں سے این اور انی مکان کے لیے ہیں در انحالیکہ وہ استفہام اور شرط ہوں۔ اور متی زمان کے لیے ان دونوں میں ہے اور ایان زمان کے لیے حالت استفہام میں ہے اور کیف حال کے لیے استفہام کی حالت میں ہے اور مذ اور مند ابتدائے مدت کے معنی میں ہوتے ہیں پس ان دونوں سے مفرد معرفہ متصل ہوتا ہے اور جمیع مدت کے معنی میں نیز ہوتے ہیں تو ان سے مقصود بالعدد متصل ہوتا ہے اور کبھی مصدر یا فعل یا ان یا انّ واقع ہوتا ہے تو مقدر مانا جاتا ہے زمان جو مضاف ہو اور وہ مبتدا ہوتا ہے اور خبر ان کا ما بعد ہوتا ہے مخالفت کرتے ہوئے زجاج کے۔

توضیح: - ومنها این وانی: ظروف مبیہ میں سے این اور انی بھی ہیں جو مکان کے لیے مستعمل ہیں چاہے وہ حالت استفہام میں ہوں یا برائے شرط جیسے این زید استفہام کی مثال ہے این تکن اکن شرط کی اور انی زید استفہام اور انی تقعد اقعہ شرط کی مثال ہے ان دونوں اسموں کا مبنی ہونا حرف استفہام اور شرط کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔

ومتی للزمان: اور کلمہ متی استفہام اور شرط دونوں میں زمان کے لیے آتا ہے۔ جیسے متی العطلہ برائے استفہام اور متی تحفظ الدرس احفظہ برائے شرط کی مثال ہے متی شرطیہ اور از شرطیہ میں فرق یہ ہے کہ اول زمان مبہم کے لیے مستعمل ہے جب کہ از زمان معین کے لیے آتا ہے۔ اس کی علت بناء حرف

استفہام یا شرط کے معنی کا متضمن ہونا ہے۔

وایان للزمان: کلمہ ایان حالت استفہام زمان کے لیے آتا ہے جیسے ایان یوم والذین قیامت کا دن کب ہوگا۔ ایان اور متی میں فرق یہ ہے کہ ایان امور عظیم ہائیکہ اور زمانہ مستقبل کے لیے مخصوص ہے جب کہ متی دونوں میں سے کسی امر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے وجہ بناء ہمزہ استفہام کا متضمن ہونا ہے۔

کیف للحال: کلمہ کیف حالت استفہام میں حالت معلوم کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے کیف انت آپ کیسے ہیں؟ اور کلمہ ما کے ساتھ برائے شرط ضعف کے ساتھ عند البصر بین اس کا استعمال ہے جیسے کیفما تجاہد اجاہد جب کہ اہل کوفہ کے نزدیک بغیر ما کے بھی برائے شرط کیف مستعمل ہوتا ہے البتہ ضعف کے داغ کے ساتھ جیسے کیف تطالع اطالع حرف استفہام کے متضمن ہونے کی وجہ سے مبنی ہے۔

ومذومند: ظروف مبدیہ میں سے مذ اور منذ بھی ہیں جن کی وضع اس فعل کے زمانہ کی اول مدت بتانے کے لیے ہوتی ہے جو فعل ان سے پہلے واقع ہو جیسے ما رأیتہ مذ یوم الجمعة۔ لہذا مذ اور منذ کے متصل مفرد معرفہ ہوگا یعنی ان دونوں کے بعد مفرد معرفہ ہوگا۔ مفرد اس لیے ہوگا کہ فعل کی اول مدت کوئی امر واحد ہوگا دو اور دو سے زائد چیزیں نہیں ہوں گی۔ اور معرفہ اس لیے ہوگا کہ وقت مجہول کو فعل کی اول مدت قرار دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، کیوں کہ یہ تو بدہتاً معلوم ہے کہ کوئی نہ کوئی وقت اس فعل کی اول مدت ہوگا۔

البتہ مذ اور منذ کے بعد جو مفرد معرفہ ہوگا، اس میں عموم ہے بایں لحاظ کہ وہ مفرد خواہ حقیقتاً ہو جیسا کہ مثال میں گذر چکا یا حکماً ہو جیسے ما رأیتہ مذ یومان الذان صاحبنا فیہا پس یومان اس مثال میں حکماً مفرد ہے، کیوں کہ جب تک یومان کے امر واحد ہونے کا لحاظ نہ کیا جائے اس پر اول مدت کے ساتھ حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بایں اعتبار بھی عموم ہے کہ خواہ حقیقتاً معرفہ ہے جیسا کہ مثالوں میں گذر یا حکماً معرفہ ہو جیسے ما رأیتہ مذ یوم لقیتی فیہ پس یوم نکرہ حکماً معرفہ ہے اس لیے کہ یہ نکرہ مطلقہ نہیں ہے بلکہ لقیتی صفت کی وجہ سے نکرہ مخصوص ہو گیا جو معرفہ کے حکم میں ہوتا ہے۔

وبمعنی الجميع: اور کبھی مذ اور منذ، فعل کی تمام مدت کے لیے آتا ہے اس صورت میں مذ اور منذ سے وہ زمانہ متصل ہوتا ہے جس کے بیان مع العدد کا ارادہ اور قصد ہوتا ہے خواہ معرفہ ہو یا نکرہ پس اگر مقصود یہ ہو کہ وہ مدت جس میں رویت فلاں کی نہیں حاصل ہوتی ہے دو دن ہے یا تین دن ہے تو یہ کہا جائے گا ما رأیتہ منذ یومان او ثلثة ایام۔ کہ میرے نہ دیکھنے کی پوری مدت دو دن ہے یا تین دن۔ اس صورت میں مذ اور منذ کے بعد مقصود کا بالعدد بیان اس لیے ضروری ہے کہ جب پوری مدت کے بیان کا ارادہ ہے تو اس مدت کا بیان ایسے عدد کے ساتھ ضروری ہے جو اس مدت کے کل حصہ سے متعلق ہو، تا کہ مطلوبہ فائدہ حاصل ہو سکے۔

وقد يقع المصدر: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ مذ اور منذ کے بعد کبھی کبھار اور کون سی چیزیں واقع ہو سکتی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ مذ اور منذ کے بعد مصدر، اور کبھی فعل اور اَن اور ان واقع ہوتے ہیں اول کی مثال ما خرجت مذ ذهابك اور ثانی کی مثال جیسے ما خرجت مذ ذهبت تیسرے یعنی اَن مثقلہ کی مثال جیسے ما خرجت مذ انك ذاهب اور چوتھے یعنی اَن مخففہ من المثقلہ کی مثال جیسے ما خرجت مذ اَن ذهبت .

فبقدر زمان: اس کا حاصل یہ ہے کہ مذ کورہ بالا امور میں سے جب کوئی مذ اور منذ کے بعد واقع ہوں گے تو اس امر سے پہلے زمان مقدر مانا جائے گا جو اس امر کی طرف مضاف ہوگا جیسے ماخرجت منذ ذهابك کی تقدیر ہوگی ماخرجت منذ زمان ذهابك. ایسا اس لیے ہے کہ تا کہ مذ اور منذ کے مابعد کا مذ اور منذ پر حمل درست ہو جائے۔

وهو مبتداء: حاصل عبارت یہ ہے کہ مذ اور منذ مبتدا ہوں گے کیوں کہ یہ بتاویل اضافت معرفہ ہیں اس لیے کہ یہ او المدة یا جميع المدة کے معنی میں ہیں پس گو صورتاً نکرہ ہوں لیکن معنی معرفہ ہیں اور ان کا مابعد خبر ہوگا۔ زجاج کا اس میں اختلاف ہے ان کی رائے ہے کہ مذ اور منذ کو خبر مقدم اور ان کے مابعد کو مبتدا مؤخر قرار دیا جائے لیکن اس میں ضعف ہے اس لیے کہ مذ یومان جیسے میں نکرہ کا مبتدا اور خبر کا معرفہ ہونا لازم آئے گا اور یہ صحیح نہیں ہے۔

وَمِنْهَا لَدَى وَلَدُنْ وَقَدْ جَاءَ لَدُنْ وَلَدِنِ وَلَدُنْ وَلَدٌ وَلَدٌ وَمِنْهَا قَطُّ لِلْمَاضِي الْمَنفِي وَعَوْضٌ لِلْمُسْتَقْبَلِ الْمَنفِي وَالظُّرُوفُ الْمُضَافَةُ إِلَى الْجُمْلَةِ وَإِذَا يَجُوزُ بِنَاؤُهَا عَلَى الْفَتْحِ وَكَذَلِكَ مِثْلُ وَغَيْرُ مَعَ مَا وَانِ وَأَنَّ.

ترجمہ: اور ظروف مہیہ میں سے لدی اور لَدُنْ ہے اور بے شک لَدُنْ اور لَدِنِ اور لَدُنْ اور لَدٌ اور لَدٌ آیا ہے اور ظروف مہیہ میں سے قَطُّ ہے جو ماضی منفی کے لیے اور عوض مستقبل کے لیے ہے اور وہ ظرف جملہ کی طرف مضاف ہوتے ہیں اور اذ کی طرف تو جائز ہے ان کا فتح پر مبنی ہونا اور اسی طرح مثل اور غیر، ما اور اَن اور اَن کے ساتھ۔

ومنها لدی: اور ظروف مہیہ میں سے لدی ہے جو الف مقصورہ کے ساتھ ہے اور لَدُنْ ہے جو لام کے فتح اور دال کا ضمہ اور نون کے سکون کے ساتھ ہے اور لَدِنِ لام کا فتح، دال کا کسرہ اور نون کا سکون بھی ایک لغت ہے۔ نیز اس کا استعمال لَدُنِ لام کے فتح اور دال کے سکون اور نون کے کسرہ کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ ایک لغت لَدٌ لام کا فتح اور دال کا سکون ہے اور لَدٌ لام کا ضمہ اور دال کا سکون ہے اور لَدٌ لام کا فتح اور دال کا ضمہ ہے۔

ان کی وجہ بناء یہ ہے کہ ان میں بعض حرف کی وضع پر وضع کیے گئے ہیں اس مناسبت سے یہ مبنی ہیں۔ باقی کو انھیں پر محمول کر لیا گیا ہے۔ یہ سب عند کے معنی میں ہیں البتہ عند کا استعمال عام ہے کہ خواہ وہ چیز متکلم کے پاس موجود ہو یا خزانہ میں کہ جس کی نسبت اپنے پاس ہونے کی وہ خبر دے رہا ہے جیسے المال عندی تو مال کا پاس ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ملکیت کافی ہے جب کہ لدی کا استعمال پاس موجود ہونے کے وقت میں صحیح ہوگا۔

ومنها قط: قَطُّ بھی ظروف مبدیہ میں سے ہے، اس میں چند لغتیں ہیں قاف کا فتح اور طائے مشددہ کا ضمہ، قاف کا ضمہ اور طاء مشددہ کا ضمہ قُطُّ، قاف کا ضمہ اور طاء مشددہ کا کسرہ جیسے قُطِ، قاف کا ضمہ اور طاء مشددہ کا فتح جیسے قُطًا اور قاف کا ضمہ اور طاء مخففہ کا ضمہ قُطُ، قاف کا فتح اور طاء مخففہ کا ضمہ جیسے قُط۔

وجہ بناء یہ ہے کہ قط مخففہ حرف کی وضع پر موضوع ہے یعنی دو حرف اس کا وزن ہیں پس اس مناسبت سے وہ مبنی ہے اور مشددہ مخففہ پر محمول ہے۔

قَطَّ فعل ماضی کی نفی کے لیے آتا ہے جیسے مارا، قُطُّ اور مقصد ماضی کے پورے زمانہ میں نفی کا استغراق ہوتا ہے۔

ومنها عوض: ظروف مبدیہ میں سے عوض بھی ہے جو مستقبل کی نفی کے لیے آتا ہے۔ یہ ضمہ پر مبنی ہوتا ہے وجہ مقطوع عن الاضافة ہونا ہے قبل اور بعد کی طرح اور اس سے مقصد زمانہ مستقبل کے پورے زمانہ میں نفی کا استغراق ہوتا ہے جیسے لا اراہ عوض میں اسے آئندہ کبھی بھی نہیں دیکھوں گا۔

والظروف المضافة: ما حصل یہ ہے کہ ظروف جب مضاف الی الجملة ہوں یا اذ کی طرف مضاف ہوں تو ان کا فتح پر مبنی پڑھنا درست ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوم ینفع الصادقین صدقہم۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد من خزیر یومئذ پہلی مثال میں یوم جملہ کی طرف مضاف ہے اور دوسری مثال میں اذ کی طرف مضاف ہے۔ مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مضاف نے مضاف الیہ سے بناء حاصل کر لی ہے، کیوں کہ جملہ من حیث الجملة مبنی ہوتا ہے اور اذ خود ہی مقطوع عن الاضافة ہونے کی وجہ سے مبنی ہے پس مضاف الیہ کے بناء سے مضاف نے بناء حاصل کر لی۔

اور فتح پر مبنی ہونا تخفیف کے لیے ہے۔ بجز کالفظ بتا رہا ہے کہ معرب بھی پڑھا جا سکتا ہے اس لیے کہ یہ ایسے اسماء ہیں جو اعراب کے حق دار ہیں اور مضاف کا مضاف الیہ سے اکتساب بناء واجب بھی نہیں ہے۔
وکذا ک مثل غیر: حاصل یہ ہے کہ جس طرح ظروف کا بوقت اضافة الی الجملة مبنی علی انفتح ہونا درست ہے، اسی طرح مثل اور غیر جب بھی کلمہ مایا ان مثله یا ان مخففہ کے ساتھ ہوں یعنی مایا ان مثله یا

مخففہ کی طرف مضاف ہوں تو ان کا بنی علی الفتح ہونا درست ہے، اس لیے کہ مثل اور غیر صورتہ جملہ کی طرف مضاف ہیں اور ابہام کی وجہ سے نیز رفع ابہام کے لیے مضاف الیہ کے محتاج ہونے میں ظرف کے مشابہ ہیں یعنی گویا بناء کی تین وجہیں ہیں اولاً بظاہر اضافت الی الجملہ ثانیاً ابہام ہونا مثل ان تقوم زید و قیامی مثل انک تقوم اسی طرح غیر کی مثال نکال لیجیے۔

اب رہی یہ بات کہ مثل اور غیر از قبیل ظرف نہیں ہیں پھر ان کا ذکر ظرف کے ساتھ کیوں کیا اصل وجہ یہ ہے کہ ان کو ظرف سے ابہام میں مشابہت حاصل ہے۔ اسی مناسبت سے ضمناً ان کا بھی تذکرہ کر دیا۔

المعرفة والنكرة

المعرفة ما وُضِعَ لشيءٍ بعينه وهي المضمرات والاعلام والمبهمات وما وُعِرِفَ باللام او النداء والمضاف الى احدها معنى العلم ما وُضِعَ لشيءٍ بعينه غير متناول غيره بوضع واحد واعرفها المضمرة المتكلم ثم المخاطب النكرة ما وُضِعَ لشيءٍ لا بعينه .

ترجمہ: - یہ باب معرفہ اور نکرہ کے بیان میں ہے۔ معرفہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو معین شئی کے لیے وضع کیا گیا ہو اور وہ مضمرات اور اعلام اور مبهمات ہیں اور وہ اسم ہے جس کو لام یا نداء کے ذریعہ معرفہ بنایا گیا ہے اور وہ اسم جو ان مذکورہ اقسام میں سے کسی کی طرف مضاف ہو معنی علم ایسے اسم کو کہتے ہیں جو متعین چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو جو اپنے علاوہ کو وضع واحد کے ساتھ شامل نہ ہو۔ تمام معارف میں سب سے اعرف ضمیر متکلم ہے پھر ضمیر مخاطب ہے۔

نکرہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو غیر متعین چیز کے لیے موضوع ہو۔

توضیح: - معرفہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو متعین کے لیے اس طرح وضع کیا گیا ہو کہ وہ متکلم اور مخاطب کے درمیان خارج میں معلوم اور معہود ہو خواہ اس کی وضع وضع جزئی کے ساتھ ہوئی ہو جیسے اعلام، مضمرات اور مبهمات اور خواہ وضع کلی کے ساتھ ہو جیسے معرف باللام، اضافت اور نداء۔

معرفہ کی چھ قسمیں ہیں لیکن یہ استقرء کی بنیاد پر کہا جا رہا ہے چھ میں انحصار نہیں ہے۔ پہلی قسم مضمرات کی ہے دوسری قسم اعلام کی اور تیسری قسم مبهمات یعنی اشارات اور موصولات ہیں چوتھی قسم معرف باللام، پانچویں قسم نداء اور چھٹی قسم ان پانچ میں سے کسی طرف اضافت معنوی کے طور پر مضاف ہونا اس لیے کہ اضافت لفظی مفید للتعریف نہیں ہوتی ہے۔

فائدہ علم عام ہے خواہ وہ علم شخصی ہو جیسے زید یا علم جنس ہو جیسے اسامة۔ اور مبهمات سے مراد اشارات اور موصولات ہیں اور ان کو مبہم اس لیے کہتے ہیں کہ اسم اشارہ، اشارہ حسیہ کے بغیر اور موصول، صلہ

کے بغیر مبہم ہی ہوتا ہے۔ لام تعریف سے مراد لام جنس اور لام استغراق اسی طرح لام عہد خارجی سب ہیں۔ اور اضافت سے مراد اضافت معنوی ہے جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا جا چکا ہے۔

العلم ما وضع لشیء بعینہ: اب علم کی تعریف کر رہے ہیں علم ایسے اسم کو کہتے ہیں جو وضع کیا گیا ہو کسی شئی متعین کے لیے اس طرح کہ وہ اپنے غیر کو وضع واحد کے ساتھ شامل نہ ہو۔ شئی بعینہ عام ہے خواہ وہ فرد ہو جیسے زید یا جنس ہو جیسے اسامہ اسی طرح بایں حیثیت بھی عموم ہے کہ خواہ وہ ذات ہو جیسے زید یا غیر ذات ہو جیسے نجار اور خباث، نیز چاہے وہ انسان ہو جیسے مرء یا غیر انسان ہو جیسے اعوج جو بنی بلال کے گھوڑے کا نام ہے۔

غیر متناول: اسی قید سے تمام معارف نکل گئے کیوں کہ مبہمات اور مضمرات اور ذواللام ان کی وضع کسی بھی معین مراد کے لیے ہوتی ہے جب کہ علم مسلمی معین کے لیے وضع ہوا ہے۔

بوضع واحد: متعلق ہے متناول کے مطلب یہ ہے کہ وہ شئی معین اپنے غیر کو وضع واحد کے ساتھ نہ شامل ہو پس اگر لفظ کسی معنی معین کے لیے وضع کیا گیا اور لفظ اس معنی معین کے غیر کو وضع اول کے طور پر نہیں بلکہ وضع ثانی کے ساتھ شامل ہو تو ہوا کرے اس سے علم کی تعریف کی جامعیت اور مانعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا جیسے اسامہ کسی ایک آدمی کا نام رکھا پھر دوسرے آدمی کا بھی نام اسامہ رکھ دیا پس اسامہ شئی معین کے لیے موضوع ہے اور اپنے غیر کو شامل ہے لیکن وضع اول کے ساتھ نہیں بلکہ دوسری وضع کے ساتھ پس وہ وضع اول کے ساتھ صرف اول شخص کو شامل ہے دوسرے کو نہیں اور دوسرے کو شامل ہے تو وضع ثانی کی وجہ سے اول کے اعتبار سے نہیں پس اعلام مشترکہ علم کی تعریف سے خارج نہیں ہوئے۔

دھیان رہے کہ علم تین قسموں پر ہے کنیت، لقب اور علم محض۔ اس لیے کہ علم یہ تو شروع ہوگا اب یا ام یا ابن یا بنت سے یا ایسا نہیں ہوگا احتمال اول میں وہ لقب کہلائے گا اور ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں کہ یا تو اس علم سے مقصد مدح یا ذم ہوگا یا کچھ بھی نہیں، پس اول نسب ہے اور ثانی علم محض۔

اب ایک بات اور سمجھ لیں کہ مصنف نے معارف میں صرف علم کی تعریف بیان کی تو اصل معاملہ یہ ہے کہ اسمائے اشارات اور مضمرات نیز موصولات کی تعریف ماقبل میں بیان ہو چکی ہے، لہذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور مضاف الی احد ہا کا مطلب واضح ہے اور معرف باللام اور معرف بالنداء تعریف سے بے نیاز تھے بچا علم تو نہ ہی اس کی تعریف ماسبق میں ہوئی تھی اور نہ ہی ظاہر تھی اس لیے بطور خاص اس کی تعریف کی۔

واعرفها المضمرة المتکلم: معارف میں سب سے اعرف ضمیر متکلم ہے، کیوں کہ اشتباہ کا وقوع اس میں بعید تر ہے۔ پھر ضمیر مخاطب ہے، کیوں کہ تعدد مخاطب کے وقت بعض اوقات اس میں اشتباہ

مانع نہ رہی۔ جواب یہ ہے کہ اسمائے عدد کا موضوع نہ صرف اور صرف چیزوں کی اکائیوں کی مقدر ہے۔ اور یہ الفاظ مقدار پر جنسیت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں۔

اصولہا: وہ ضوابط جن سے جملہ اسمائے عدد کا حکم معلوم ہوتا ہے (اب چاہے اس کا تعلق علامت تانیث کے لاحق کرنے سے ہو یا ساقط کر دینے سے، تشنیہ لانے سے ہو یا جمع، ترکیب اضافی سے ہو یا امتزاجی یا ترکیب عطفی سے) بارہ کلمے ہیں واحد سے عشرہ تک دس کلمے ہوئے گیارہ ہوں نمبر پر ماۃ اور بارہ ہوں نمبر پر الف ہے۔

جب مفرد مذکر اور تشنیہ مذکر کے لئے عدد بتلانا مقصود ہو تو مفرد کے لئے واحد اور تشنیہ کے لئے اثنان کہا جائے گا اور واحد مؤنث کے لئے واحدة اور تشنیہ مؤنث کے لئے اثنتان اور ثنتان بولا جائے گا۔ یعنی جب ایک اور دو کا عدد بتانا ہو تو قیاس کے موافق مذکر کے لئے عدد مذکر اور مؤنث کے لئے عدد مؤنث استعمال کریں گے۔ البتہ ثلثہ سے عشرہ تک مذکر کے لئے ثاء کے ساتھ اور مؤنث کے لئے ثلث سے عشرہ تک بغیر ثاء کے خلاف قیاس استعمال کریں گے جسے ثلثہ مجاہدین اور ثلث صائمت۔

خلاف قیاس استعمال فرق کرنے کے لئے مذکر میں ثاء کے ساتھ اور مؤنث میں بغیر ثاء کے ہوگا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرق موافق قیاس کی صورت میں بھی تو تھا جواب یہ ہے کہ مذکر، مؤنث سے پہلے تھا اور جمع جماعت کی تاویل میں مؤنث ہوتا ہے پس اس کے لئے تین سے لے کر دس تک کا عدد ثاء کے ساتھ استعمال کرنا پڑا اور فرق کرنے کے لئے مؤنث بغیر ثاء کے لائے۔

احد عشر: دس سے آگے کا جب عدد بتانا ہو تو مذکر کی صورت میں گیارہ اور بارہ کے لئے مرکب امتزاجی دونوں جزؤں کی تذکیر کے ساتھ لائیں گے اور مؤنث میں دونوں جزؤں کی تانیث کے ساتھ ذکر کریں گے۔ جیسے احد عشر مسلما اثنی عشر مقاتلا۔

اور مؤنث کے لئے احدی عشرة مؤمنة واثنتا عشرة مسلمة وثلثا عشرة راکعة پس مذکر کی صورت میں دونوں جزؤں کی تذکیر اس لیے ہے کہ پہلے کا معاملہ یہ ہے کہ مرکب، مفرد کی فرع ہے اور مفرد میں مذکر کے لئے مذکر عدد ہی استعمال ہوتا ہے تو اسی طرح مرکب میں بھی موافق قیاس استعمال ہوتا ہے اور جزء ثانی کی تذکیر اس وجہ سے ہے کہ جزء ثانی تمام مرکبات میں معدود کے مذکر اور مؤنث ہونے میں موافق ہوتا ہے۔ اسی طرح اثنتا عشرة کا حکم ہے کہ جزء اول میں تانیث اس وجہ سے ہے کہ مرکب مفرد کی فرع ہوتا ہے اور مفرد میں واحد، اور تشنیہ کے لئے موافق قیاس مؤنث کے لئے عدد مؤنث کا استعمال ہوتا ہے، اس لیے یہاں بھی جزء اول کو گیارہ اور بارہ میں مؤنث لایا گیا اور جزء ثانی کی تانیث تو اس لیے ہے کہ وہ معدود کے موافق ہی ہوتا ہے۔

وثلثة عشر الى تسعة عشر: تیرہ سے انیس تک کا عدد یوں استعمال ہوگا کہ پہلا جزء خلاف قیاس اور دوسرا جزء موافق قیاس استعمال ہوگا پس مذکر کی صورت میں ثلثة عشر رجلا تا تسعة عشر رجلا بولا جائے گا اور مؤنث کے لیے ثلث عشرة امرءة تا تسع عشرة امرءة کہا جائے گا۔
اب مذکر کی صورت میں پہلا جزء تانیث کے ساتھ اس لیے استعمال ہوگا کہ مرکبات مفردات کی فرع ہیں اور مفردات میں ثلثة سے تسعة تک خلاف قیاس مذکر کے لیے مؤنث کا استعمال ہوتا ہے تو ایسا ہی مرکبات میں بھی ہوگا اور دوسرے جزء کی تذکیر اس لیے تاکہ تانیث کی دو علامتیں اس لفظ میں نہ جمع ہو جائیں جو بمنزلہ کلمہ واحدہ کے ہے۔

رہی بات مؤنث کی صورت میں تو حسب قاعدہ سابقہ جزء اول خلاف قیاس مذکر استعمال کیا جائے گا اس لیے کہ مفردات میں ایسا ہی ہوتا ہے اور مرکب مفرد کی ہی فرع ہے۔ رہی بات جزء ثانی کے مؤنث استعمال کی تو اس کی اجازت اس لیے ہے کہ کوئی رکاوٹ نہیں ہے یعنی اشتباہ کا کوئی موقع نہیں ہے، اس لیے کہ اشتباہ جزء اول کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

وتمیم تکسر الشین: بنو تمیم کہتے ہیں کہ عشرة کا استعمال جب مؤنث کے لیے ہو تو ظاہری بات ہے کہ تاء تانیث کو لے کر چار حرف ہو جاتے ہیں پس لگا تار چار فتح اکٹھا ہو جاتے ہیں مزید ترکیب میں نقل بھی ہے اس لیے شین کو کسرہ پڑھیں گے یعنی عشرة تاکہ لگا تار چار فتحوں سے بچا جاسکے البتہ اہل حجاز کا کہنا ہے کہ بجائے کسرہ پڑھنے کے شین کو ساکن کر دیں گے یعنی عشرة پڑھیں گے۔ اس لیے کہ فتحات سے سکون کے ذریعہ بھی بچا جاسکتا ہے، مزید تخفیف بھی ہے۔

وعشرون واخواتها: اخواتها تاء کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جاسکتا ہے، اس لیے کہ وہ عشرون پر معطوف ہے اور عشرون تقول کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ نیز تاء کا رفع بھی پڑھا جاسکتا ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اخواتها مبتدا ہو اور اس کی خبر مثلها محذوف ہو۔

خیر: عشرون تا تسعون کا استعمال مذکر اور مؤنث کے لیے یکساں ہوگا پس اکیس اور بائیس کے لیے مذکر کی صورت میں احد و عشرون رجلا و اثنان و عشرون رجلا استعمال ہوگا جب کہ مؤنث کے لیے احدی و عشرون امرأة اور اثنتان و عشرون امرأة کہا جائے گا اور بائیس سے آگے کا استعمال حسب سابق جزء اول میں خلاف قیاس استعمال ہوگا البتہ جزء ثانی میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی پس مذکر کے لیے ثلثة و عشرون رجلا اور مؤنث کے لیے ثلث و عشرون مؤمنة کہا جائے گا۔ اسی طرح کا استعمال ننانوے تک ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ عشرون کے بعد سے لے کر تسعون تک ہر عقد کے بعد ایک اور دو کے اضافہ

کی صورت میں جزء اول موافق قیاس اور دو سے زائد لانے کی صورت میں خلاف قیاس استعمال ہوگا، البتہ جزء ثانی میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ جزء ثانی میں تبدیلی اس لیے نہیں ہوگی کہ اگر برائے فرق علامت لائی جائے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو جزء ثانی میں قبل النون لائی جائے گی یا نون کے بعد پہلی صورت میں حکماً علامت کا وسط کلمہ میں لانا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں اور دوسری صورت میں آخر کلمہ میں علامت کا لانا لازم آئے گا اور یہ بھی درست نہیں ہے۔

ثم بالعطف بلفظ ما تقدم: اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ ایک سے لے کر دس تک آپ اکائیاں اسی سابقہ ضابطہ کے مطابق استعمال کریں کہ ایک اور دو میں موافق قیاس اور اس کے بعد خلاف قیاس پھر عقود العشرات کا اس پر عطف کریں اور آپ مثلاً کہیں احد وعشرون رجلا واحدى وعشرون امرأة، ثلث وعشرون جنديا وثلاثة وعشرون تلميذة. اسی طرح آپ تسع وتسعون تک نکالیں ماقبل میں تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

البتہ اتنا فرق ہے کہ اکائیاں، عشرات یعنی دہائیوں کے ساتھ بیس تانوں سے مرکب نہیں ہوں گی جب کہ اکائیاں دس کی دہائی کے ساتھ انیس تک مرکب ہوتی ہیں بلکہ یہاں اکائی پر دھائی کا عطف ہوگا یعنی اکائی معطوف علیہ اور دہائی معطوف قرار پائے گی اصل میں عشرون وغیرہ میں واو اور یاء معرب ہونے کی علامت ہیں جب کہ ترکیب علت بناء ہے پس دونوں میں منافات ہے۔

ومائة والـف: اور مائة اور الف کا استعمال مذکور اور مؤنث میں کسی طرح کا فرق کیے بغیر کیا جائے گا جیسے مائة مسلم اور مائة صائمة اسی طرح الف مجاہد اور الف بقرة بولا جائے گا۔ ان میں بین التذکیر والتانیث فرق اس لیے نہیں ہے کہ مائة اور الف عقود یعنی دہائیوں کے مشابہ ہیں مراتب عدد پر مشتمل ہونے میں پس جب عقود میں تذکیراً وتانیثاً فرق نہیں ہوتا ہے تو اسی طرح ان کے مشابہات میں بھی نہ ہوگا۔ یہی حکم مائتان اور الفان میں بھی ہے۔

ثم بالعطف علی ما تقدم: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب سو اور الف سے عدد آگے بڑھے تو واحد تا تسع وتسعين اعداد کا طریقہ استعمال آپ نے جو پڑھا ہے اسی طرح استعمال کرتے ہوئے زوائد کا مائة اور الف پر عطف کر دیا جائے یا مائة اور الف کا زوائد پر عطف کر دیا جائے۔ اس کی گنجائش اس لیے ہے کہ عدد کثیر من حیث المعنی ثقیل ہوتا ہے، لہذا برائے تخفیف دونوں طریقہ استعمال درست قرار پائے۔

وفي ثمانی عشرة فتح الیاء و جاز اسکانها و شد حذفها بفتح النون .

ترجمہ: - اور ثمانی عشرة میں یاء کا فتح ہے اور اس کا ساکن کر دینا بھی جائز ہے اور شاذ ہے اس کا حذف کرنا نون کے فتح کے ساتھ۔

توضیح: - ثمانی عشر کی ترکیب میں ثمانی کی یاء میں کئی لغتیں ہیں اصل یہ ہے کہ ثمانی کی یاء مفتوح ہو کیوں کہ تمام مرکبات کے جزء اول کا آخر فتح کے ساتھ ہے جیسے ثلثة عشر، اربعة عشر وغیرہ پس ان کی موافقت میں ثمانی عشر میں ثمانی کی یاء کا فتح اصل ہوگا اور یاء کو ساکن بھی پڑھا جاسکتا ہے اس لیے کہ مرکب ترکیب کی وجہ سے ثقیل ہو جاتا ہے، لہذا ازراہ تخفیف ساکن بھی کیا جاسکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ثمانی کی یاء کو حذف کر کے نون کو جو کہ یاء کے ماقبل حرف ہے فتح دے دیا جائے لیکن یہ شاذ ہے، اس لیے کہ فتح یا محذوفہ پر دلالت نہیں کرے گا البتہ اگر یاء کو حذف کرنا ہے تو نون کو کسرہ مناسب ہوگا کہ نون کے کسرہ کو باقی رکھا جائے تاکہ وہ حذف یاء پر دلالت کرے۔

وممیز الثلثة الى العشرة مخفوض مجموع لفظا او معنى الا فى ثلثمائة الى تسعمائة وكان قياسها مئات او مئين ومميز احد عشر الى تسعة وتسعين منصوب مفرد ومميز مائة والى الف وتثنيتهما وجمعه مخفوض مفرد واذا كان المعدود مؤنثا واللفظ مذکور او بالعكس فوجهان.

ترجمہ: - اور ثلثة سے عشرہ تک کی تمیز مجرور اور جمع ہوگی خواہ لفظاً ہو یا معنی مگر ثلثمائة سے تسعمائة تک اور اس کا قیاس مئات یا مئين تھا اور احد عشر سے تسع و تسعين تک منصوب مفرد ہوگی۔

اور مائة اور الف اور ان دونوں کی تمیز اور اس کے جمع کی تمیز مجرور مفرد ہوگی۔ اور جب معدود مؤنث ہو اور لفظ مذکور ہو یا عکس کے ساتھ ہو تو دو وجہیں ہیں۔

توضیح: - حاصل یہ ہے کہ ثلثة سے لے کر عشرہ تک کے اعداد کی تمیز مجرور اور جمع ہوتی ہے خواہ جمع لفظاً ہو یا معنی اول کی مثال ثلثة رجال اور دوسرے کی مثال ثلثة رهط ہے۔ تمیز کے مجرور جمع ہونے کی علت یہ ہے کہ عدد اقل کثیر الاستعمال ہوتا جو تخفیف کا تقاضہ کرتا ہے، اس لیے اضافت برائے تخفیف پسند کی گئی اور مضاف، مضاف الیہ میں جر کا عمل کرتا ہے اس لیے تمیز مجرور ہوگی اور جمع اس لیے ہوگی تاکہ عدد معدود کے مطابق ہو جائے۔

الا فى ثلثمائة الى تسعمائة: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے کہ آپ نے کہا کہ عدد اقل اس کی تمیز مجرور اور جمع ہوتی ہے تو ثلثمائة تا تسعمائة عدد اقل ہے اور تمیز بجائے جمع ہونے کے مفرد ہے تو مصنف نے عبارت مذکورہ بالا سے اس سوال کا جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ مائتہ کی دو جمعیں ایک جمع مذکورہ سالم کی صورت پر جیسے مؤن اور مئین دوسرے جمع مؤنث سالم کی صورت میں جیسے مئات پس اگر جمع مذکور کی صورت پر تمیز لائی جاتی تو لفظ میں جو بمنزلہ کلمہ واحدہ ہے تذکیر اور تانیث دونوں کی علامتوں کا اجتماع

لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے، اور ثانی کی صورت پر تمیز لائی جاتی ہے۔ تو عادت کی خلاف ورزی لازم آتی ہے کیوں کہ عربوں کی عادت واؤ اور نون کے ساتھ جملے لانے کی بن چکی ہے، لہذا اس کے بعد الف تاء کے ساتھ جمع لانا پسندیدہ معلوم ہوتا ہے اس لیے مفرد تمیز لائے مزید یہ کہ اس میں اختصار بھی ہے۔

ومميز احد عشر الى تسعة وتسعين: احد عشر سے لے کر بشمول تسعة وتسعين تک کی تمیز منصوب مفرد ہوگی عشرون تا تسعون میں تو اس سبب سے منصوب ہوتی ہے کہ عقود کی اضافت دشوار ہے، اس لیے کہ اگر اضافت کرتے ہیں تو دو حال سے خالی نہیں یا تو بر بنائے اضافت نون اضافت کی وجہ سے ساقط کریں گے یا نہیں ساقط کرنا باطل ہے اس لیے کہ یہ نون جمع مذکر سالم کا نون نہیں ہے جسے اضافت کی وجہ سے حذف کر دیا جائے اور ثانی بھی باطل ہے اس لیے کہ یہ نون، نون جمع مذکر سالم کی صورت پر ہے لہذا اس کا ساقط کرنا مناسب ہو ا پس اضافت کی کوئی گنجائش نہیں بچی۔

اور مرکبات امتزاجیہ یعنی احد عشر سے تسع عشر تک کی تمیز اس لیے منصوب ہوگی کہ کی اضافت کی وجہ سے کلمات ثلاثہ کا کلمہ واحدہ بنا دینا لازم آتا ہے، کیوں کہ اضافت دو اسموں کو اسم واحد کے مثل کر دیتی ہے پس مجرور ہونا مرتفع ہو گیا، اور مفرد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ منصوب ہے تو فضلہ ہے اور فضلہ جس قدر کم ہو بہتر ہے اور تقلیل مفرد میں بہ نسبت جمع کے موجود ہے۔ کیوں کہ جمع میں لفظ زیادہ کرنا پڑتا ہے۔

ومميز مائة والـف: ما حصل یہ ہے کہ مائۃ اور الف اور ان دونوں کے تشبیہ نیز الف کے جمع کی تمیز مجرور مفرد ہوگی اس لیے کہ مائۃ اور الف اصول میں آحاد کے مشابہ ہیں اور آحاد کی تمیز بوجہ اضافت مجرور ہوتی ہے، لہذا ان کی بھی تمیز مجرور ہوگی اور مفرد اس لیے ہوگی کہ مائۃ اور الف کثرت کی جانب میں ہیں اور آحاد قلت کی جانب میں اور آحاد کی تمیز جمع ہوتی ہے، لہذا ان کی تمیز واحد ہوگی تو وزن کے لیے تاکہ جمع، کثرت پر دلالت کرے اور مفرد قلت پر۔

مصنف نے وجمعہما میں نہیں کیا اس لیے کہ اَلْف کی تو جمع آتی ہے، لیکن مائۃ کی جمع مستعمل نہیں ہے، کیوں کہ ثلاث مائات رجل نہیں بولا جاتا البتہ الف کی طرح مائۃ کی بھی تشبیہ مستعمل ہے چنانچہ مائتا رجل کہا جاتا ہے۔ لہذا و تشبیہما کہنا تو درست ہے البتہ و جمعہما کہنا صحیح نہیں۔

واذ كان المعدود مؤنثا: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب معدود مؤنث ہو اور وہ لفظ جو اس پر دلالت کر رہا ہو مذکر ہو جیسے کسی مؤنث کو لفظ شخص سے تعبیر کیا جائے یا اس کے الٹا ہو یعنی معدود مذکر ہو اور جس لفظ سے اسے بیان کیا جائے وہ مؤنث ہو جیسے لفظ نفس۔ تو عدد میں دونوں وجہیں درست ہیں آپ عدد مذکر بھی لا سکتے ہیں جیسے ثلث اشخص یعنی تین عورتیں اور مؤنث بھی لا سکتے ہیں جیسے ثلثہ اشخص پر اول بلحاظ معنی کے ہے اور ثانی بلحاظ لفظ کے اسی طرح ثلث انفس اور ثلثہ انفس سے مراد مرد ہوں

پس معدود مذکر ہے اور اسے بیان کرنے والا لفظ مؤنث ہے پس یہاں عدد کا مذکر لانا بلحاظ لفظ کے اور مؤنث لانا بلحاظ معنی کے ہے۔

ولا يُمَيِّزُ واحد واثنان استغناءً بلفظ التمييز عنهما مثل رجل ورجلان لافادته النص المقصود بالعدد وتقول في المفرد من المتعدد باعتبار تصيره الثاني والثانية الى العاشر والعاشر لا غير وباعتبار حاله الاول والثاني والاولى والثانية الى العاشر والعاشر والحادي عشر والحادية عشرة والثاني عشر والثانية عشرة الى التاسع عشر والتاسعة عشرة.

ترجمہ:- اور تمیز نہیں لائی جاتی واحد اور اثنان کی بے پروائی حاصل کرتے ہوئے لفظ تمیز کے ساتھ ان دونوں سے جیسے رجل اور رجلان اس تصریح کا فائدہ دینے کی وجہ سے جو کہ عدد سے مقصود ہے اور تم کہو بہت میں سے ایک میں باعتبار اس کی تصیر کے (یعنی اس لحاظ سے کہ اس ایک نے تھوڑے عدد کو زیادہ کر دیا) الثانی اور الثانية، عاشر اور عاشرہ تک نہ کہ اس کے علاوہ اور باعتبار حال کے اول اور ثانی الاولی والثانية عاشر اور عاشرہ تک اور حادی عشر اور حادی عشرہ تک اور الثانی عشر اور ثانیہ عشرہ تاسع عشر اور تاسعة عشرہ تک۔

توضیح:- واحد اور اثنان کی تمیز نہیں لائی جاتی واحدة اور اثنتان کا بھی یہی حکم ہے، چنانچہ واحد رجل اور اثنان رجلین نہیں بولا جاتا بلکہ لفظ واحد اور اثنان کی بجائے اس لفظ کو ذکر کرتے ہیں جو تمیز بننے کے قابل ہوتا ہے، چنانچہ احد رجل سے واحد کو حذف کر دیا جاتا ہے، کیوں کہ رجل، واحد کے ذکر سے بے نیاز کر دیتا ہے، اس لیے کہ عدد سے مقصود اس کی مقدار پر دلالت ہوتی ہے، جو اس کی تمیز سے مع الجنسیۃ حاصل ہے۔

وتقول في المفرد من المتعدد: معلوم ہو کہ وہ اسم فاعل جو، از واحد تا عشر اسمائے عدد سے مشتق ہوتا ہے اس کے استعمال کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو بیان تصیر اور دوسرا طریقہ بیان حال۔ بیان تصیر کہتے ہیں عدد عقل کو واحد کے ساتھ مشتق منہ سے قرار دینا اور واحد کے لیے اسے مزید بنا دینا اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کی شروعات الثانی سے برائے مذکر اور الثانية سے برائے مؤنث ہوتی ہے، کیوں کہ واحد کے نیچے کوئی عدد نہیں کہ جس کے ساتھ مل کر اس کو زیادہ کرے اور اس کے اوپر اسماء عدد مرکب ہوتا ہے اور اسم فاعل کا صیغہ مرکبات سے مشتق نہیں ہوتا ہے، پس بیان تصیر از واحد تا عشر جاری ہوگا مذکر کے لیے ثانی ثالث تا عاشر اور مؤنث کے لیے ثانیہ ثالثہ تا عاشرہ۔ بیان تصیر میں عدد مساوی اور عدد فوق کی طرف اضافت نہیں ہوتی جب کہ بیان حال میں ہو سکتی ہے۔

دوسرا طریقہ بیان حال ہے۔ بیان حال عدد کے اس مرتبہ کو بیان کرنا جس کے ساتھ وہ متصف ہے یعنی مفرد کے حال کے اعتبار سے کہ یہ بہت سے عددوں میں سے کس مرتبہ میں ہے اول اور ثانی مذکر میں اور اولیٰ اور ثانیہ مؤنث میں بولتے ہیں بمعنی پہلا اور دوسرا یعنی مذکر کے لیے مذکر اور مؤنث کے لیے مؤنث عاشر اور عشرة تک بمعنی دسواں اور دسویں گیارہ سے لے کر انیس تک مرکبات میں بھی مذکر کے لیے دونوں جزء مذکر بولے جاتے ہیں اور مؤنث کے لیے مؤنث جیسے الحادی عشر تا تاسع عشر بمعنی گیارہواں تا انیسواں اور الحادية عشر تا تسعة عشرة بمعنی گیارہویں تا انیسویں اور عقود میں عطف کے ساتھ صرف پہلے جزء میں تبدیلی ہوگی کہ جزء اول مذکر کے لیے مذکر اور مؤنث کے لیے مؤنث استعمال ہوگا جیسے الحادی وعشرون تا تاسع وتسعون اور الحادية وعشرون تا تسعة وتسعون۔

ومن ثم قيل في الاول ثالث اثنين اي مصيرُهُما ثلاثة من ثلثُهُما وفي الثاني ثالث ثلاثة اي احدها وتقول حادي عشر احد عشر على الثاني خاصة وان شئت قلت حادي احد عشر الي تاسع تسعة عشر فتعرب الاول.

ترجمہ: - اور اس وجہ سے اول میں ثالث اثنين یعنی دو کو تین بنانے والا بولا جاتا ہے جو ثلثما سے مشتق ہوتا ہے یعنی میں نے ان دونوں کو تین کر دیا۔ اور دوسرے میں ثالث ثلاثة یعنی تین میں کا ایک یعنی ایک تہائی بولا جاتا ہے اور بطور خاص دوسرے کے مطابق (یعنی بیان حال کے مطابق) حادی عشر احد عشر بولتے ہیں اور اگر چاہو تو کہو حادی احد عشر تا تاسع تسعة عشر پس جزل اول معرب ہوگا۔

توضیح: - واضح ہو کہ بیان تصیر میں عدد کی اضافت عدد نقص کی طرف ہوتی ہے عدد فوق اور مساوی کی طرف نہیں ہوتی اور بیان مرتبہ میں فوق اور مساوی کی طرف اضافت ہوتی ہے نقص کی طرف نہیں ہوتی، پس یہ دونوں اعتباراً لگ لگ ہیں، لہذا اول میں یعنی اس مفرد میں جو تصیر کے اعتبار سے بولا جاتا ہے، ثالث اثنين پس اس ترکیب میں ثالث کی اپنے سے کم کی طرف اضافت ہے معنی ہو دو کا تیسرا یعنی دو کو تین کر دینے والا یہ عربوں کے قول ثلثُہما سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں میں نے ان دونوں کو تین کر دیا۔

وفي الثاني ثالث ثلاثة: اور اس مفرد میں جو مرتبہ کے اعتبار سے ہو ثالث ثلاثة ثالث اربعة بولتے ہیں یعنی تین میں کا تیسرا اور تین میں کا چوتھا پس پہلی مثال میں مساوی کی طرف اور دوسری مثال میں عدد فوق کی طرف اضافت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مضاف، مضاف الیہ کے عدد میں سے ہے۔

معلوم ہو کہ بیان حال میں اضافت ادنیٰ کی طرف اس لیے ہوتی ہے تاکہ تحصیل حاصل لازم نہ آئے اور بیان مرتبہ میں عدد مساوی اور عدد فوق کی طرف اضافت اس لیے ہوتی ہے تاکہ کذب لازم نہ آئے۔

وتقول حادی عشر احد عشر: بیان حال میں مرکب اول کو مرکب ثانی کی طرف مضاف کر سکتے ہیں حادی احد عشر یعنی مرکب اول کے جزء اول کو حذف کر دیا جائے اچھا ایک مرکب کی دوسرے مرکب کی طرف اضافت صرف بیان حال میں ہے اس لیے کہ بیان تصحیر عشر سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس کا جزء اول معرب ہوگا کیوں کہ بٹنی ہونے کی علت وسط کلمہ میں واقع ہونے کی وجہ سے معدوم ہوگئی۔

المذکر والمؤنث: المؤنث ما فيه علامة التانيث لفظاً او تقديرًا والمذکر بخلافه وعلامة التانيث التاء والالف مقصورة او ممدودة وهو حقيقي ولفظي فالحقيقي ما بازائه ذكر من الحيوان كامرأة وناقة واللفظي بخلافه كظلمة وعين.

ترجمہ: - یہ مذکر اور مؤنث کا بیان ہے: مؤنث وہ ہے جس میں تانیث کی علامت لفظاً یا تقدیراً ہو اور مذکر جو اس کے خلاف ہو۔ اور تانیث کی علامت تاء اور الف مقصورہ یا ممدودہ ہے اور مؤنث حقیقی اور لفظی ہوتا ہے۔ پس حقیقی وہ ہے کہ جس کے مقابلہ میں کوئی جاندار مذکر ہو جیسے امرأة اور ناقة اور لفظی جو اس کے خلاف ہو جیسے ظلمة اور عين.

توضیح: - مذکر کو مؤنث پر اس لیے مقدم کیا کہ مذکر اصل ہے اور موقع تعریف میں مؤنث کو مقدم کیا اس کی متعدد وجہیں ہیں (۱) تانیث کے بیان کے مختصر ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ ماسوائے تانیث سب مذکر ہے (۲) تانیث کا مفہوم وجودی ہے اور مذکر کا مفہوم عدمی ہے۔ اور وجودی اشرف اور ارجح ہے بمقابلہ عدمی کے اس لیے تانیث کو مذکر پر مقدم کیا۔

المؤنث: مؤنث وہ اسم کہلاتا ہے جس میں علامت تانیث ہو خواہ علامت تانیث لفظاً ہو یا تقدیراً تانیث لفظی کی دو قسمیں ہیں لفظی، حقیقی جیسے امرأة، ناقة اور لفظی حکمی جیسے عقرب اس میں حرف رابع تانیث کے قائم مقام ہے تانیث تقدیری نہیں ہے، کیوں کہ اس کی تصحیر میں بھی تاء نہیں آتی اور علامت تانیث تقدیراً کی مثال دار، نار، نعل جملہ مؤنث سماعی ہیں پس تاء ان میں مقدر ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ جب ان اسماء کی تصحیر لائی جاتی ہے تو تاء ان میں واپس آ جاتی ہے جیسے ارض سے اریضة.

والمذکر: اور مذکر وہ اسم ہے جس میں علامت تانیث نہ ہو نہ لفظاً اور نہ ہی تقدیراً نہ حقیقتاً اور نہ ہی حکماً۔

وعلامة التانيث: تانیث کی علامت یاء ہے، اور الف مقصورہ نیز الف ممدودہ بھی، الف مقصورہ کی مثال جیسے حبلی اور الف ممدودہ کی مثال جیسے حمراء.

رہو حقیقی: اسم مؤنث کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور لفظی پس حقیقی وہ مؤنث ہے کہ جس کے مقابلہ میں کوئی جاندار مذکر ہو جیسے امرأة اور ناقة کہ امرأة کے مقابلہ رجل اور ناقة کے مقابلہ میں جمل ہے۔

واللفظی: اور مؤنث لفظی ایسے اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے مقابلہ میں کوئی حیوان مذکر نہ ہو جیسے ظلمة اور عین۔

وإذا أُسِنِدَ الفعلُ إليه فالتاءُ وأنتُ في ظاهر غير الحقيقي بالخيار وحكم ظاهر الجمع غير المذكر السالم مُطلقاً حكمُ ظاهر غير الحقيقي وضميرُ العاقلين غير المذكر السالم فَعَلتُ وفعلُوا والنساءُ والایامُ فَعَلتُ وفعلنَ .

ترجمہ:- اور جب فعل مسند ہو مؤنث کی طرف تو تاء واجب ہے اور ضمیریں مؤنث غیر حقیقی اسم ظاہر میں اختیار ہے۔ اور اسم ظاہر جمع جو مذکر سالم نہ ہوگا مطلقاً حکم ظاہر مؤنث غیر حقیقی کا حکم ہے اور عاقل غیر مذکر سالم کی ضمیر فعلت اور فعلوا ہے اور النساء اور الایام کی ضمیر فعلت اور فعلن ہے۔

توضیح:- وإذا اسند الفعل: ما حصل عبارت کا یہ ہے کہ جب فعل کی اسناد اسم ظاہر مؤنث حقیقی کی طرف ہو تو فعل کا مؤنث لانا واجب ہے بشرطیکہ فعل اور فاعل مؤنث حقیقی میں فصل نہ ہو جیسے فَعَلت صفة یهودیاً پس اگر فعل کی اسناد غیر حقیقی کی طرف ہے یا حقیقی کی طرف فصل کے ساتھ ہے تو دونوں صورتوں میں فعل کا مؤنث لانا ضروری نہ ہوگا بلکہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح کی اجازت ہوگی اول کی مثال جیسے طلعت الشمس اور طلع الشمس اور دوسرے کی مثال جیسے ضربت الیوم ہند و ضرب الیوم ہند۔ اچھا اگر فعل کی اسناد مؤنث حقیقی کی ضمیر کی طرف ہو تو فعل کا مؤنث لانا واجب ہوگا جیسے فاطمة صامت۔

وانت في ظاهر غير الحقيقي الخ: خلاصہ یہ ہے کہ اگر فعل کی اسناد اسم ظاہر مؤنث غیر حقیقی کی طرف ہے تو فعل کے مؤنث لانے اور مذکر لانے میں اختیار ہے جیسا کہ اوپر مثالیں عرض کی جا چکی ہیں البتہ اگر مؤنث غیر حقیقی کی ضمیر کی طرف اسناد ہو تو فعل کا مؤنث لانا واجب ہوگا جیسے ناراً احترقت۔

وحكم ظاهر الجمع الخ: اسم ظاہر جمع غیر مذکر سالم خواہ وہ جمع مکسر ہو یا مؤنث سالم ہوگا مطلقاً حکم فعل کے مذکر اور مؤنث لانے میں اسم ظاہر غیر حقیقی کا سا ہے۔ یعنی اگر فعل کی اسناد ایسے اسم ظاہر جمع کی طرف ہو رہی ہے جو جمع مذکر سالم نہیں ہے چاہے اب وہ جمع مکسر ہو یا جمع مؤنث سالم نیز اس جمع کا واحد خواہ مؤنث حقیقی ہو جیسے نسوة اور خواہ مذکر حقیقی ہو جیسے رجال جمالاً مطلقاً کا یہی مطلب ہے تو اس کا فعل مؤنث غیر حقیقی کے فعل کی طرح مذکر اور مؤنث دونوں طرح لاسکتے ہیں جیسے جاء الرجال اور جاء الرجال اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد اذ جاءك المؤمنات اور قال نسوة۔

و ضمير العاقلين: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جب فعل کی اسناد ایسے ضمیر کی طرف ہو جو جمع عاقل غیر مذکر سالم کی طرف لوٹ رہی ہو تو فعل کو واحد مؤنث غائب اور جمع مذکر غائب یعنی فعلت اور فعلوا

دونوں طرح لاسکتے ہیں فعل کو واحد مؤنث غائب تو اس لیے لاسکتے ہیں کہ جمع، جماعة کی تاویل میں مؤنث ہے پس ضمیر مرجع میں مطابقت ہے اور فعل کو جمع مذکر غائب اس لیے لائیں گے کہ واؤ جمع، جمع کی اسی نوع کے لیے وضع ہوا ہے۔ جیسے الرجال قامت اور الرجال قاموا اچھا غیر مذکر سالم کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر فعل کی اسناد ایسی ضمیر کی طرف ہے جس کا مرجع جمع مذکر سالم ہے تو فعل کا جمع مذکر غائب لانا ضروری ہوگا جیسے المسلمون صلوا پس المسلمون صلت کہنا درست نہ ہوگا ورنہ ضمیر مرجع میں مطابقت نہ ہو سکے گی۔

النساء والایام فعلت الخ: ما حصل یہ ہے کہ جب فعل کی اسناد ایسی ضمیر کی طرف ہو جس کا مرجع جمع مؤنث عاقل جیسے النساء یا غیر عاقل جیسے العیون ہو یا فعل کی اسناد جمع مذکر غیر عاقل کی طرف ہو جیسے الایام تو فعل کے آخر میں تائے تانیث اور نون جمع دونوں کا لاحق کرنا درست ہے یعنی فعل کو واحد مؤنث غائب اور جمع مؤنث غائب دونوں طرح لاسکتے ہیں جیسے النساء صلت اور النساء صلین اور الایام خلت اور الایام خلون۔

تاء تانیث کا لاحق اس لیے صحیح ہے کہ جمع بتاویل جماعة مؤنث ہے۔ اور نون جمع کا لاحق کرنا اس لیے صحیح ہے کہ نون جمع، جمع کی اسی نوع کے لیے موضوع ہے۔

المثنی ما لحق آخره الف او یاء مفتوح ما قبلها ونون مكسورة ليدل على ان معه مثله من جنسه فالمقصود ان كانت الفة عن واو وهو ثلاثی قلبت واوا والا فبالياء والممدود ان كانت همزته اصلية ثبتت وان كانت للثانیث قلبت واوا والا فالوجهان.

وَيُحَدَفُ نُونُهُ لِلإِضَافَةِ وَحُذِفَتْ تَاءُ التَّانِيثِ فِي خُصِيَانِ وَاليانِ.

ترجمہ: - تثنیہ وہ اسم ہے جس کے آخر میں الف یا یاء ما قبل مفتوح اور نون مکسورہ لاحق ہوتا کہ وہ دلالت کرے اس بات پر کہ اس کے ساتھ اس کے مثل اس کی جنس سے ہے۔ پس اسم مقصور اگر اس کا الف واؤ سے ہے اور وہ ثلاثی ہے تو وہ الف واؤ سے بدل جائے گا ورنہ پس یا سے۔ اور اسم ممدودہ اگر اس کا ہمزہ اصلی ہے تو وہ ثابت رہے گا اور اگر تانیث کے لیے ہے تو وہ واؤ سے بدل جائے گا ورنہ پس دوو جہیں ہیں اور تثنیہ کا نون اضافت کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے اور خصیان اور لیان میں تائے تانیث حذف کر دی گئی۔

توضیح: - اسم کی یہ تقسیم باعتبار افراد اور تثنیہ اور جمع کے ہے سب سے پہلے تثنیہ کا تذکرہ اس لیے کیا کہ تثنیہ کا عدد جمع کے عدد پر مقدم ہے نیز مفرد سے تثنیہ کو قرب ہے اور مفرد کا لفظ اس میں سلامت بھی رہتا ہے، تثنیہ کے بعد جمع کا تذکرہ ہے، البتہ مفرد کے ذکر کے لیے کوئی عنوان نہیں قائم کیا، اس لیے کہ تثنیہ

اور جمع کے معلوم ہونے کے بعد معاملہ صاف ہو جاتا ہے کہ ان دونوں کے ماسوا جو کچھ ہے سب مفرد ہے۔
المثنیٰ: مثنیٰ وہ اسم ہے کہ جس کے مفرد کے آخر میں الف یا یاء ما قبل مفتوح اور نون مکسور لاحق ہوتا ہے تاکہ وہ اس بات پر دلالت کرے کہ اس اسم کے ساتھ اس کی جنس سے اس کے مثل ہے یاء کو ما قبل مفتوح کے ساتھ اس لیے مقید کیا تاکہ حالت نصی اور جری میں جمع مذکر سالم کے ساتھ اشتباہ پیدا نہ ہو۔

فالمقصور الخ: اسم مقصور اس اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو اور مقصورہ کا نام مقصورہ اس لیے رکھا گیا کہ یہ مد سے باز رہتا ہے۔ مصنف نے اسم صحیح اور اسم منقوص کے تشبیہ کا کوئی تذکرہ اس لیے نہیں کیا کہ ان کے تشبیہ کا حکم صاف تھا کہ عند التثنیہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

پس بوقت تشبیہ اسم مقصور کو دیکھا جائے گا کہ اس کا الف کس حرف علت واو اور یاء سے بدل کر آیا ہے پس اگر اس کا الف واو سے بدلا ہوا ہے خواہ حقیقتاً بایں طور پر کہ وہ مجھول الاصل ہو اور اس میں کوئی تعلیل نہ ہوئی ہو جیسے الی اور وہ سہ حرفی بھی ہے تو تشبیہ لاتے وقت وہ الف واو سے بدل جائے گا جیسے عَصَوَان اور الوان ایسا اصل کہ رعایت میں ہوگا۔

والا فبالياء: یعنی اگر اس اسم مقصور کا الف واو سے بدلا ہوا نہیں ہے بلکہ یاء سے بدلا ہے یا وہ تین حرف سے زائد ہے تو پھر بوقت تشبیہ وہ الف یا سے بدل جاتا ہے اصل کی رعایت میں اور زائد علی التلاشہ ہونے کی صورت میں برائے تخفیف جیسے رخی سے رحیان اور اعلیٰ سے اعلیان اور حبلی سے حبلیان۔

والممدود: اور وہ اسم جس کے آخر میں الف ممدودہ ہوتا ہے تو اگر اس کا تشبیہ لانا ہو اور اس کا ہمزہ اصلی ہے یعنی وہ زائد نہیں ہے نیز وہ کسی حرف اصلی یا زائد سے بدلا ہوا بھی نہیں ہے تو پھر ہمزہ کی اصالت کا لحاظ کرتے ہوئے بوقت تشبیہ بھی اس ہمزہ کو ثابت رکھا جائے گا جیسے قروء سے قروء ان۔ اور اگر اس کا ہمزہ تانیث کے لیے ہے تو وہ ہمزہ بوقت تشبیہ واو سے بدل جائے گا جیسے حمراء سے حمراوان اور صحراء سے صحراوان اور ہمزہ کو ثابت اس لیے نہیں رکھا جائے گا کہ وسط کلمہ میں علامت تانیث کی صورت کا وقوع ناپسندیدہ ہے اور چونکہ واو ہمزہ سے بمقابلہ یاء کے ثقالت کی وجہ سے زیادہ قریب ہے، اس لیے اس کو واو سے بدلا جائے گا۔

اور اگر ہمزہ نہ تو اصلی ہو اور نہ ہی تانیث کے لیے ہو بلکہ وہ برائے الحاق ہو جیسے علیاء یا وہ واو اصلی یا یاء اصلی سے بدلا ہوا ہو جیسے کساء اور رداء تو اس میں دو وجہیں درست ہیں ہمزہ کا ثبوت بھی اور واو سے ابدال بھی ہمزہ کا ثبوت تو اس لیے کہ وہ مکان اصلی میں ہے باعتبار الحاق کے اور انقلاب بالواو اس لیے کہ وہ ہمزہ، ہمزہ تانیث کے مشابہ ہے اصلی نہ ہونے میں۔

ويحذف نونه: تشبیہ کا نون عند الاضافت حذف ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اس کا نون تنوین کے قائم

مقام ہے جو کلمہ کی تمامیت کا باعث بنتا ہے نیز مابعد سے انقطاع کا جب کہ اضافت اتصال اور امتزاج کا سبب ہوتی ہے۔ اور ان دونوں باتوں کے درمیان منافات ہے۔

و حذف تاء التانیث: یہ سوال مقدر کا جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ نحاۃ میں یہ بات طے ہے کہ وہ اسم مفرد جو تاء تانیث کے ساتھ ہو تو بوقت تشنیہ اس کی تاء حذف نہیں ہوتی ہے۔ تو یہ قاعدہ خصیان اور الیان سے ٹوٹ جاتا ہے اس لیے کہ ان دونوں کا مفرد تاء تانیث کے ساتھ ہے یعنی خصیۃ اور الیۃ اس کے باوجود ان کی تاء تشنیہ میں حذف ہوگئی ہے۔ تو اس کا جواب مصنف نے دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ قاعدہ تو مسلم ہے باقی خصیان اور الیان میں تاء تانیث کا حذف خلاف قیاس ہے اس لیے کہ خصیتن اور الیتن میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح متصل ہونے کی وجہ سے کہ ایک سے انتفاع بغیر دوسرے کے ممکن نہیں بمنزلہ مفرد کے ہے اور تاء کا وسط مفرد میں لانا صحیح نہیں ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ خصیان خصی کی تشنیہ ہے اور الیا الی کی ہے ہر چند یہ مشہور نہیں ہے۔ پس اعتراض باطل ہے۔

المجموع ما دلّ علی احادٍ مقصودۃ بحروفٍ مفردہ بتغییر ما فنحو تمر و ر کب لیس بجمع علی الاصحّ ونحو فُلك جمعٌ وهو صحیحٌ ومُکسّرٌ فالصحیح لم ذکر ولمؤنثٌ فالمدکر ما لحق اخره واو مضمومٌ ما قبلها او یاء مسکورٌ ما قبلها ونونٌ مفتوحةٌ لیدلّ علی أنّ معہ اکثر منه فان کان اخره یاء قبلها کسرةٌ حذفت مثل قاضون وان کان اخره مقصوراً حذفت الالف وبقی ما قبلها مفتوحاً مثل مصطفون۔

ترجمہ: - جمع وہ اسم ہے جو دلالت کرتا ہے افراد مقصودہ پر اپنے مفرد کے حروف کے ساتھ کچھ تبدیلی کے ذریعہ پس تمر اور ر کب جیسے جمع نہیں ہیں صحیح ترین قول کے مطابق اور فُلك جیسے جمع ہیں اور جمع، صحیح اور مکسر ہے پس صحیح مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے ہوتا ہے۔ پس مذکورہ ہے کہ جس کے آخر میں واو ماقبل مضموم یا یاء ماقبل مکسور اور نون مفتوحہ لاحق ہو۔ تاکہ وہ اس بات پر دلالت کرے کہ اس کے ساتھ اس سے زیادہ ہے پس اگر اس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو تو وہ حذف ہو جاتی ہے جیسے قاضون اور اگر اس کا آخر مقصور ہو تو الف حذف کر دیا جائے گا اور ماقبل مفتوح باقی رہے گا جیسے مصطفون۔

توضیح: - جمع وہ اسم ہے جو ایسے افراد پر دلالت کرتا ہے کہ جو اس کے مفرد کے حروف سے کچھ تبدیلی کی وجہ سے مقصود ہوتے ہیں۔

سب سے پہلے معلوم ہو کہ مفرد میں تغیر خواہ زیادتی کے ذریعہ ہو جسے رجل سے رجال یا کمی کے ذریعہ ہو جیسے کتاب سے کتب یا حرکات و سکانات میں حقیقتاً تبدیلی ہو جیسے اُسْد سے اُسْد یا حکماً تبدیلی ہو جیسے فُلك کہ جب قُفْل کے وزن پر مانا جائے تو مفرد ہے اور جب اُسْد کے وزن پر فرض کیا جائے تو جمع ہے۔

اب سنئے مصنف کا قول مادلاً علیٰ اَحَادِ جنس ہے جو جمع اور اسم جمع اور اسم عدد اور اسم جنس سب کو شامل ہے، کیوں کہ اسم جنس اگرچہ افراد پر وضعاً دلالت نہیں کرتا لیکن استعمالاً افراد پر دلالت کرتا ہے اب یہ ہے کہ اسم جنس سے اگر ماہیت مقصود ہے تو وہ مقصودہ کی قید سے خارج ہو جائے گا اور اگر افراد ہی مقصود ہیں تو وہ بحروف مفردہ کی قید سے نکل جائے گا اس لیے کہ اسم جنس کا کوئی مفرد نہیں ہوتا نیز بحروف مفردہ کی قید سے اسم جمع اور اسم عدد بھی خارج ہو جائیں گے، کیوں کہ ان کا کوئی مفرد نہیں ہوتا، لہذا قول اصح کے مطابق تمر اور ركب جمع نہیں ہیں بلکہ تمر اسم جنس ہے اور ركب اسم جمع ہے۔ اسم جنس اور اسم جمع میں فرق یہ ہے کہ اسم جنس قلیل و کثیر پر وضعاً بولا جاتا ہے جب کہ اسم جمع واحد اور اثنین پر وضعاً نہیں واقع ہوتا ہے۔ البتہ قول غیر اصح یہ ہے کہ تمر، تمرۃ اور ركب، راکب کی جمع ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لیے اس کا اطلاق قلیل پر ہوتا ہے اور کثیر پر درست نہیں ہے۔

ونحو فلك: اس کا حاصل یہ ہے کہ فلك میں چونکہ تقدیراً تغیر ہے کیونکہ اس کا واحد قفل کے وزن پر ہے جب کہ جمع اُسد کے وزن پر ہے جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے، لہذا یہ جمع ہے۔

وهو صحيح ومكسر: یہاں سے جمع کی تقسیم فرما رہے ہیں کہ جمع کی دو قسمیں ہیں جمع صحیح یعنی سالم اور جمع مکسر۔ اس لیے کہ جمع دو حال سے خالی نہیں یا تو اس میں واحد کا وزن سلامت ہوگا یا نہیں اول صورت میں جمع صحیح کہلائے گا اور ثانی صورت میں جمع مکسر۔

فالصحيح لمذكر والمؤنث: جمع صحیح دو قسم پر ہے مذکر سالم اور مؤنث سالم۔ پس جمع مذکر سالم اس جمع کو کہتے ہیں جس کے آخر میں یعنی اس کے مفرد کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم یا یاء ماقبل مکسور اور نون مفتوح ہو، نون مفتوح اس لیے ہوگا تا کہ نون کے فتح کی خفت، واؤ اور اس کے ضمہ کی ثقالت کو دور کر دے اور توازن پیدا ہو جائے۔

مذکر سالم کو واؤ ماقبل مضموم حالت رفعی میں اور یا ماقبل مکسور حالت نصبی اور جری میں نون مفتوح کے ساتھ اس لیے لاحق ہوگا تا کہ وہ ملحق مع لاحق کے اس بات پر دلالت کرے کہ اس مفرد ملحق کے ساتھ اس مفرد سے زیادہ افراد ہیں۔

فان كان آخره ياء ماقبلها كسرة: اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسم کہ جس کی جمع، جمع مذکر سالم لانا چاہتے ہیں اگر اس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہے جیسے قاضی تو یاء کے ماقبل کی حرکت زائل کرنے کے بعد یاء کی حرکت ماقبل کو تخفیفاً نقل کر دیں گے اور یاء اتقائے ساکنین کی وجہ سے حذف ہو جائے گی پس حالت رفعی میں جاء نی قاضون ہو جائے گا جو دراصل قاضیون تھا اسی طرح حالت نصبی اور جری میں تعلیل کریں گے۔

وان كان آخره مكسوراً: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر وہ اسم جس کی جمع مذکر سالم لائی جا رہی ہے

اس کے آخر میں الف مقصور ہو جیسے مصطفیٰ تو الف گر جائے گا اور اس کے ما قبل کا فتح باقی رہے گا اس لیے کہ اس کی تبدیلی کا کوئی باعث نہیں ہے پس مصطفیٰ جمع مذکر سالم بنانے کے بعد دراصل مُصْطَفِيّون ہو گیا یا متحرک ما قبل فتح لہذا یا الف سے بدل گیا پھر الف اور واؤ میں اجتماع ساکنین ہو گیا لہذا الف گر گیا اور مُصْطَفَوْنَ ہو گیا۔

و شرطه ان كان اسماً فمذكر علم يعقل وان كان صفة فمذكر يعقل وان لا يكون افعال فعلاء مثل احمر، حمراء ولا فعلان فعلى نحو سكران سكرى ولا مستويًا فيه مع المؤنث مثل جريح وصور ولا بقاء التانيث مثل علامة وتحذف نونه بالاضافة وقد شد نحو سنين وأرضين.

ترجمہ: - اور اس کی شرط یہ ہے کہ اگر وہ اسم ہے تو مذکر علم اور عاقل ہو۔ اور اگر صفت ہے تو مذکر عاقل ہو اور یہ شرط ہے کہ نہ ہو ایسا فعل کہ جس کی مؤنث فعلاء (کے وزن پر) ہوتی ہے جیسے احمر حمراء، اور نہ فعلان ہو کہ جس کی مؤنث فعلى (کے وزن پر) ہوتی ہے جیسے سكران، سكرى اور نہ ہی وہ اسم اس وصف میں مؤنث کے ساتھ برابر ہو جیسے جريح اور صور اور نہ ہی تاء تانيث کے ساتھ ہو جیسے علامة اور اس کا نون اضافت کی وجہ سے حذف ہو جاتا ہے اور تحقیق کہ شاذ ہے سنين اور ارضين جیسی مثال۔

توضیح: - یہاں سے مصنف جمع مذکر سالم کی شرائط بیان کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اسم کہ جس کی جمع مذکر سالم منظور ہے اسم محض ہے تو واؤ، نون اور یا نون کے ساتھ جمع لانے کی شرط یہ ہے کہ وہ مذکر بغیر تاء ہو، مؤنث نہ ہو، علم ہو نہ ہو، علم ہو نہ ہو غیر عاقل ہو نہ ہو یہ شرطیں اس لیے لگائی ہیں کہ جمع مذکر سالم اشرف الجموع ہے، کیوں کہ اس میں واحد کا وزن سلامت رہتا ہے، اور علم مذکر عاقل اشرف الاسماء ہے، لہذا اشرف اسم کو اشرف جمع عطا کر دی گئی۔

وان كان صفة: اور اگر وہ اسم، اسم صفتی ہے یعنی اس اسم میں معنی وصفی ملحوظ ہیں تو پھر ایسے اسم کی جمع مذکر سالم لانے کی چند شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مذکر ہو دوسری شرط یہ ہے کہ عاقل ہو۔ یہ دو شرطیں اس لیے لگائی ہیں کہ جمع مذکر سالم اشرف الجمع اور وہ صفت جو مذکر عاقل ہو اشرف الصفات ہے پس اشرف الصفات کو اشرف جمع مناسبت باہمی کی رعایت کی وجہ سے دے دی گئی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم ایسے فعل کے وزن پر نہ ہو کہ جس کی مؤنث فعلاء آتی ہے جیسے احمر کی مؤنث حمراء کے وزن پر آتی ہے کیوں کہ وہ فعل کہ جس کی مؤنث فعلى کے وزن پر ہوتی ہے اس فعل کی جمع، جمع مذکر سالم افعلون جیسے افضل سے افضلون آتی ہے پس اگر فعل فعلاء کی بھی جمع، جمع مذکر سالم لے آئی جائے تو فعل التفضیل اور افعال الصفة کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔

اور چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ اسم ایسے فعلان کے وزن پر نہ ہو کہ جس کی مؤنث فعلی کے وزن پر آتی ہے جیسے سکران کہ اس کی مؤنث سکری آتی ہے یہ شرط اس لیے لگائی کہ وہ اسم کہ جو فعلان کے وزن پر آتا ہے لیکن اس کی مؤنث بجائے فعلی کے وزن پر ہونے کے فعلانہ کے وزن پر آتی ہے تو اس کی جمع واؤ نون کے ساتھ آتی ہے یعنی جمع مذکر سالم پس اگر فعلان فعلی کی جمع بھی جمع مذکر سالم لے آئی جائے تو فعلان فعلانہ اور فعلان فعلی کی جمع میں اشتباہ پیدا ہو جائے گا، جیسے ندمان کی اس کی مؤنث ندمتہ آتی ہے۔

اور پانچویں شرط یہ ہے کہ مذکر اس وصف میں مؤنث کے مساوی نہ ہو جیسے جرح اور صبور کہ یہ دونوں اسم، مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے برابر استعمال ہوتے ہیں، پس اگر ان کی جمع ایسی لائی جائے جو مذکر اور مؤنث میں سے کسی ایک کے ساتھ مخصوص ہے مثلاً واؤ، نون کے ساتھ جمع جو مذکر سالم کے ساتھ مخصوص ہے تو یہ غیر مناسب ہوگا بلکہ بہتر یہ ہے کہ ایسی جمع لائی جائے جس میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہوں۔

اور چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ اسم تائے تانیث کے ساتھ نہ ہو جیسے علامہ پس اگر اس کی جمع واؤ، نون کے ساتھ لائی جاتی ہے تو کلمہ واحدہ میں حکماً تذکیر و تانیث کی علامتوں کا جمع ہونا لازم آئے گا اور اگر تاء کو حذف کر دیا جاتا ہے تو اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔

وتحذف نونہ: اضافت کے وقت جمع مذکر سالم کا نون حذف ہو جاتا ہے کیوں کہ نون تنوین کے قائم مقام ہوتا ہے جو تمامیت کلمہ پر دلالت کرتا ہے نیز مابعد سے انقطاع کا جب کہ اضافت اتصال اور امتزاج کا سبب ہوتی ہے اور دونوں باتوں میں منافات ہے۔

وقد شد: یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ وہ یہ ہے کہ سنین، سنة اور ارضین، ارض کی جمع ہے باوجود اس کے کہ وہ نہ علم ہے اور نہ ہی مذکر عاقل تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ بطور شاذ کے ہے اور شاذ کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔

المؤنث ما لحق آخره الف: وتاء وشرطه ان كان صفة وله مذکر فان يكون مذکره بالواو والنون وان لم يكن مذکر فان لا يكون مجرداً كحائض والاجمع مطلقاً.

ترجمہ: - جمع مؤنث سالم وہ اسم ہے کہ اس کے آخر میں الف اور تاء لاحق ہو اور اس کی شرط اگر وہ صفت ہے درانحالیکہ اس کا مذکر ہے یہ ہے کہ اس کا مذکر واو اور نون کے ساتھ ہو اور اگر مذکر نہ ہو تو شرط یہ ہے کہ وہ مجرد عن التاء نہ جیسے حائض ورنہ مطلقاً جمع لائی جائے گی۔

توضیح: - جمع مؤنث سالم ایسے اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے آخر میں الف اور تاء لاحق ہوتی ہو۔ اب آگے شرائط بتا رہے ہیں کہ اگر وہ اسم جس کی الف و تاء کے ساتھ جمع لانا مقصود ہے صفت ہے اور اس اسم صفتی کا مذکر بھی ہے تو اس کی شرط یہ ہے کہ اس کے مذکر کی جمع واؤ و نون کے ساتھ موجود ہو یہ شرط اس

لیے لگائی تاکہ فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئے کیوں کہ جمع مذکر سالم اصل ہے اور جمع مؤنث سالم فرع ہے، پس چاہا گیا کہ جس طرح مؤنث واحد کا وزن سلامت رہتا ہے ایسے ہی مذکر سالم میں واحد کا وزن سلامت رہے تاکہ سلامتی واحد میں جمع مؤنث سالم، مذکر سالم کے موافق رہے۔

وان لا یکون مذکر: اور اگر اس اسم صفتی کا کوئی مذکر نہیں تو شرط یہ ہے کہ وہ مجرد عن التاء نہ ہو جیسے حائض، اس لیے کہ وہ اسم جوتاء کے ساتھ ہوتا ہے اس کی جمع الف اور تاء کے ساتھ آتی ہے پس اگر مجرد عن التاء اسم کی بھی جمع، جمع مؤنث سالم آنے لگے تو پھر ملتبس بالتاء اور مجرد عن التاء اسم کی جمع مؤنث سالم میں اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔

والا جمع مطلقاً: اور اگر وہ کلمہ کہ جس کی جمع الف و تاء کے ساتھ لائی جا رہی ہے اسم صفتی نہیں ہے بلکہ اسم محض ہے تو پھر الف و تاء کے ساتھ جمع لانے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے بلکہ مطلقاً اس کی جمع الف و تاء کے ساتھ آ سکتی ہے، جیسے ہندات اور وعدات، تمرات وغیرہ۔

جمع التکسیر ما تغیر بناء واحده کرجال وافر اس جمع القلة الفعل وفعال وفعلة وفعلة والصحيح وما عدا ذلك جمع کثرة .

ترجمہ: - جمع تکسیر وہ اسم ہے کہ جس کے واحد کا وزن سلامت رہے جیسے رجال اور افراس . جمع قلت افعال اور افعال اور افعلة اور فعله ہے اور صحیح ہے اور وہ جوان اوزان کے علاوہ ہیں جمع کثرت ہے۔
توضیح: - جمع تکسیر ایسی جمع کو کہتے ہیں جس میں جمعیت کی وجہ سے واحد کا وزن سلامت نہ رہے جمع کی دو قسمیں ہیں جمع قلت اور جمع کثرت جمع قلت کہتے ہیں کہ جس کا اطلاق دس سے زیادہ پر نہ ہو اور جمع کثرت کہتے ہیں کہ جس کا اطلاق دس سے زیادہ پر ہو۔

پس جمع قلت کے اوزان چار ہیں اَفْعَلُ جیسے افس اور افعال جیسے افراس اور افعلة جیسے ارغفة اور فَعْلَة جیسے غلْمَة اور جمع صحیح یعنی سالم جو بغیر الف و لام کے ہو اور ان اوزان اربعہ کے علاوہ جموع مکسرہ نیز جمع سالم جو الف و لام کے ساتھ ہو جمع کثرت ہیں۔

المصدر اسمٌ للحدثِ الجاری علی الفعلِ وَهُوَ مِنَ الثَلَاثِ الْمَجْرَدِ سِمَاعٌ وَمِنْ غَيْرِهِ قِيَاسٌ وَيَعْمَلُ عَمَلِ فَعْلِهِ مَاضِيًا وَغَيْرَهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَفْعُولًا مُطْلَقًا وَلَا يَتَقَدَّمُ مَعْمُولُهُ عَلَيْهِ وَلَا يَضْمُرُ فِيهِ وَلَا يَلْزَمُ ذَكَرَ الْفَاعِلِ وَيَجُوزُ إِضَافَتُهُ إِلَى الْفَاعِلِ وَقَدْ يُضَافُ إِلَى الْمَفْعُولِ وَأَعْمَالُهُ بِاللَّامِ قَلِيلٌ فَإِنْ كَانَ مُطْلَقًا فَالْعَمَلُ لِلْفِعْلِ وَإِنْ كَانَ بَدَلًا مِنْهُ فَوَجْهَانِ .

ترجمہ: - مصدر اس حدث کا نام ہے جو فعل پر جاری ہوتا ہے اور وہ ثلاثی مجرد سے سماعی ہے اور اس کے علاوہ سے قیاسی، اور مصدر اپنے فعل کا سائل کرتا ہے خواہ وہ بمعنی ماضی ہو یا اس کے علاوہ بشرطیکہ وہ مفعول مطلق نہ ہو اور مصدر کا معمول، مصدر پر مقدم نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مصدر میں مضمّر ہوتا ہے اور مصدر کے فاعل کا ذکر لازم نہیں ہے اور جائز ہے اس کی اضافت فاعل کی طرف اور کبھی مضاف ہوتا ہے مفعول کی طرف اور اس کا اعمال لام کے ساتھ بہت کم ہے پس اگر مصدر مفعول مطلق ہو تو عمل فعل کا ہوگا۔ اور اگر مفعول مطلق فعل سے بدل ہو تو دو جہیں ہیں۔

توضیح: - مصدر اس حدث کو کہتے ہیں جو فعل پر جاری ہوتا ہے۔ حدث سے مراد وہ معنی ہیں جو قائم بالغیر ہوں خواہ مصدر سے ان کا صدور ہو جیسے ضرب اور منشی یا صدور نہ ہو جیسے طول اور قصر۔ اور فعل پر مصدر کے جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل کے مصدر سے مشتق ہونے کے بعد مصدر فعل کی تاکید یا اس کی نوعیت یا اس کے عدد کے بیان کے لیے ہوتا ہو۔

وهو من الثلاثی سماع: مصدر، ثلاثی مجرد سے تو سماعی ہے اس کا کوئی مخصوص وزن نہیں ہے بلکہ جو اوزان مسوع ہیں تو انہیں پر مصدر آئے گا البتہ غیر ثلاثی مجرد سے (اب خواہ وہ ثلاثی مزید ملحق بر باعی ہوں یا غیر ملحق بر باعی، باہمزہ وصل ہوں یا بے ہمزہ وصل ہوں رباعی مجرد ہوں یا مزید) مصدر قیاسی ہوتا ہے یعنی بغیر سماع محض ضابطہ کے روشنی میں اس کا استخراج ممکن ہوگا۔

ويعمل عمل الفعل: اور مصدر فعل کا سائل کرتا ہے یعنی اگر وہ مصدر فعل لازم کا ہے تو وہ صرف فاعل میں رفع کا عمل کر دیا جیسے اعجبنی قیام زید اور اگر فعل متعدی کا مصدر ہے تو وہ فاعل میں رفع کا اور مفعول میں نصب کا عمل کرے گا جیسے اعجبنی ضرب زید عمرو مصدر خواہ بالمعنی الماضی ہو یا حال اور مستقبل یعنی مصدر کے عمل کے لیے کوئی مخصوص زمانہ شرط نہیں ہے اس لیے کہ مصدر کا عمل اشتقاق کی مناسبت کی وجہ سے ہے مشابہت کی وجہ سے تھوڑا ہے لہذا زمانہ مخصوص شرط نہیں ہے۔

اذا لم یکن مفعولا مطلقا: مصدر کے عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب میں مفعول مطلق نہ ہو کیوں کہ اگر وہ مفعول مطلق واقع ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں عمل فعل کا ہوگا، کیوں کہ وہ عامل قوی ہے اور مصدر عامل ضعیف ہوتا ہے اور عامل قوی کے ہوتے ہوئے معمول کا تعلق عامل ضعیف سے نہیں ہوتا اور مصدر کا معمول مصدر پر مقدم نہیں ہو سکتا، کیوں کہ مصدر بوقت عمل ان مع الفعل کی تاویل میں ہوتا ہے اور ان موصول حرنی ہے اور اس کا مابعد صلہ ہے اور صلہ کی تقدیم موصول پر ممتنع ہے پس اسی طرح اس کی تقدیم جو مصدر کے معمولات میں سے ہے بدرجہ اولیٰ منع ہوگی۔

ولا یضمّر: مصدر کا معمول یعنی اس کا فاعل مصدر میں مستتر اور پوشیدہ نہیں ہوتا، اس لیے کہ اگر مفرد

میں فاعل مستتر مانا جائے تو مفرد پر قیاس کرتے ہوئے تشنیہ مصدر اور جمع مصدر میں بھی پوشیدہ ماننا درست ہوگا جب کہ بصورت تشنیہ اجتماع التثنیں بصورت جمع اجتماع التجمعین لازم آئے گا ایک تو بلحاظ مصدر کے اور دوسرا بلحاظ فاعل کے اور یہ ناجائز ہے۔

ولا يلزم ذكر الفاعل: خلاصہ یہ ہے کہ مصدر کے لیے بوقت عمل فاعل کا ذکر ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ نسبت الی الفاعل ما مصدر کے مفہوم میں ملحوظ نہیں ہے، لہذا مصدر کے مفہوم کا تصور فاعل پر موقوف نہ ہوگا، نیز یہ کہ اگر مصدر کے فاعل کا ذکر ضروری مانا جائے تو مسند الی المضممر کی صورت میں مصدر میں اس کے عامل کا استتار یعنی پوشیدہ ماننا لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے۔

ويجوز اضافته الى الفاعل: حاصل یہ ہے کہ مصدر کی اضافت فاعل کی اور درست ہے، کیوں کہ مصدر کی فاعل کی طرف اضافت ایسے ہے جیسے فعل کا فاعل کی طرف مسند ہونا نیز مفعول کی طرف بھی اضافت درست ہے، کیوں کہ مفعول کی طرف مصدر کی اضافت ایسے ہے جیسے فعل کی مفعول کی طرف اسناد کا ہونا۔ لیکن ظاہر ہے کہ فعل کی اسناد الی الفاعل حقیقت ہے اور اسناد الی المفعول مجاز ہے اور کلام کا حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے بمقابلہ مجاز پر محمول کرنے سے لہذا مصدر کی اضافت الی الفاعل اولیٰ ہے بمقابلہ اضافت الی المفعول کے ہر چند کہ اضافت الی المفعول بھی درست ہے۔ اول کی مثال اعجبنی دق القصار الثوب دوسرے کی مثال اعجبنی ضرب اللص الجلاذ۔

واعماله باللام: مصدر معرف باللام کا عمل دلانا قلیل اور کم رائج ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ مصدر کا عمل ان مع فعل کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے اور لام کا دخول فعل پر ممتنع ہے پس چاہئے تھا مصدر معرف باللام کا عمل بھی منع ہو جائے لیکن معرف باللام مصدر کا اعمال جائز رکھا گیا اس لیے کہ مانع عارضی ہے نیز اصل فعل اور مؤول بالفعل میں فرق باقی رہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد لا يحب الله الجهر بالسوء۔

فان كان مطلقا: اس کا حاصل یہ ہے کہ مصدر مفعول مطلق ہو اور اس کا فعل وجوباً محذوف نہ ہو تو پھر برائے عمل فعل متعین ہے، کیوں کہ عامل قوی کے ہوتے ہوئے عامل ضعیف سے فعل متعلق نہیں ہوتا ہے اور یہ صحیح بھی نہیں ہے کہ عامل قوی کے ہوتے ہوئے عامل ضعیف کو عمل دلایا جائے۔

ہاں اگر فعل وجوباً محذوف ہو اور مفعول مطلق اس کا قائم مقام ہو تو دونوں صورتیں درست ہیں کہ فعل کو اصل ہونے کی وجہ سے عمل دلایا جائے اور مصدر کا بھی اعمال درست ہے، کیوں کہ وہ فعل کا قائم مقام ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلی وجہ بحیثیت مصدر کے عمل کرنا اور دوسری وجہ بحیثیت قائم مقام فعل کے عمل کرنا ہے۔

اسمُ الفاعِلِ مَا اشْتَقَ مِنْ فِعْلِ لَمَنْ قَامَ بِهِ بِمَعْنَى الْحَدُوثِ وَصِيغَتُهُ مِنَ الثَّلَاثِي الْمَجْرَدِ عَلَى فَاعِلٍ وَمِنْ غَيْرِهِ عَلَى صِيغَةِ الْمَضَارِعِ بِمِيمٍ مَضْمُومَةٍ وَكَسْرٍ مَاقِبِلِ الْآخِرِ نَحْوِ مُدْخَلٍ وَمُسْتَغْفِرٍ وَيَعْمَلُ عَمَلُ فَعْلِهِ بِشَرَطِ مَعْنَى الْحَالِ أَوْ الْاِسْتِقْبَالِ وَالْاِعْتِمَادِ عَلَى صَاحِبِهِ وَالْهَمْزَةِ أَوْ مَا فَانَ كَانَ لِلْمَاضِي وَجَبَتْ الْاِضَافَةُ مَعْنَى خِلَافًا لِلْكَسَائِي فَانَ كَانَ لَهُ مَعْمُولٌ آخَرَ فَبِفِعْلِ مَقْدَرٍ نَحْوِ زَيْدٌ مُعْطَى عَمْرٍو دَرَهْمًا اَمْسَ فَاِنْ دَخَلَتِ اللَّامُ اسْتَوَى اَنْجَمِيْعٌ .

ترجمہ:- اسم فاعل وہ اسم ہے جو مشتق ہوتا ہے ایسے فعل سے کہ فعل اس ذات کے ساتھ بمعنی الحدوث قائم ہوتا ہے اور اس کا صیغہ ثلاثی مجرد سے فاعل کے وزن پر ہوتا ہے اور اس کے علاوہ سے مضارع کے صیغہ پر ميم مضموم اور آخر کے ماقبل کسرہ کے ساتھ جیسے مُدْخَلٌ اور مُسْتَغْفِرٌ اور اسم فاعل اپنے فعل کی طرح عمل کرتا حال یا استقبال کی شرط کے ساتھ اور اپنے صاحب اور ہمزہ یا مانا فیہ پر اعتماد کے ساتھ۔ پس اگر اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو تو اضافت معنی واجب ہے مخالفت کرتے ہوئے کسائی کی پس اگر اس کے لیے کوئی دوسرا معمول ہو تو فعل مقدر کی وجہ سے جیسے زیدٌ معطى عمرو درهما امس پس اگر لام داخل ہو جائے تو تمام برابر ہو جاتے ہیں۔

توضیح:- اسم فاعل وہ اسم ہے جو ایسے مصدر سے مشتق ہوتا ہے کہ جو اس ذات کے ساتھ بمعنی الحدوث والتجدد قائم ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ فعل سے مراد مصدر اور حدث ہے۔ ماتن کا قول ما اشتق من فعل جنس ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول، صفت مشبہ اور اسم تفضیل وغیرہ سب کو شامل ہے۔ لمن قام بہ فصل اول ہے جس سے اسم مفعول اور اسم تفضیل بھی خارج ہو گئے۔ مفعول کا خارج ہونا ظاہر ہے اور اسم تفضیل بھی خارج ہے بایں طور کہ اسم تفضیل گو اس ذات کے لیے موضوع ہے کہ جس کے ساتھ مصدر قائم ہوتا ہے لیکن زیادتی کے ساتھ دوسرے کے مقابل میں جب کہ اسم فاعل میں زیادتی کا لحاظ نہیں ہوتا ہے۔ اور بمعنی الحدوث کی قید سے مبالغہ سے احتراز ہو گیا کیوں کہ مبالغہ کی وضع من قام بہ کے لیے بمعنی الثبوت ہوتی ہے۔ پس یہ اعتراض بھی لغو ہے کہ اسم فاعل کی تعریف مبالغہ کو شامل نہیں حالانکہ اس کی وضع بھی لمن قام بہ کے لیے ہوتی ہے اصل مسئلہ یہ ہے کہ مصنف مبالغہ کو اسم فاعل سے دو وجہوں سے خارج کرنا چاہتے ہیں اول تو اس لیے کہ اسم فاعل کے صیغے محصور اور محدود ہیں جو مخصوص اوزان پر ہوتے ہیں اور مبالغہ کے صیغے ان اوزان پر نہیں ہیں دوسرے یہ کہ مبالغہ کے صیغوں کے احکام مثل احکام اسم فاعل ہے اور قاعدہ سے کہ شیء کا مثل شیء کا غیر ہوتا ہے اس کا عین نہیں ہوتا۔ پس مبالغہ کا خارج ہو جانا مقصود ہے لائق تشویش نہیں ہے۔

وصیغته من الثلاثی المجرّد: اسم فاعل ثلاثی مجرد سے فاعل کے وزن پر آتا ہے البتہ غیر ثلاثی مجرد سے خواہ وہ ثلاثی مزید ہو اپنی تمام قسموں کے ساتھ یا رباعی مجرد یا مزید ہو اسم فاعل مضارع معروف کے وزن پر میم مضموم اور آخر کے ماقبل کسرہ کے ساتھ آتا ہے جیسے مُذخِل کی اس مثال میں علامت مضارع کی جگہ پر میم مضموم لے آئی گئی ہے اور آخر کے ماقبل کسرہ پہلے سے ہی موجود تھا۔ اور مُسْتَغْفِرٌ میں علامت مضارع مفتوح کی جگہ پر میم مضموم لائی گئی ہے البتہ آخر کے ماقبل کسرہ پہلے سے ہے اور متقابل میں میم مضموم علامت مضارع مفتوح کی جگہ ہے اور آخر کے ماقبل فتح کی جگہ کسرہ لایا گیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ غیر ثلاثی مجرد سے اسم فاعل بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ مضارع معروف کے حرف مضارع کی جگہ پر میم مضموم لے آئی جائے اور آخر کے ماقبل کو کسرہ کر دیا جائے اگر کسرہ نہ ہو تو۔

ويعمل عمل فعله: اسم فاعل اپنے فعل کی طرح عمل کرتا ہے یعنی اگر وہ فعل لازم کا اسم فاعل ہے تو صرف فاعل کو رفع دے گا جیسے زید قائم ابوہ اور اگر فعل متعدی کا اسم فاعل ہے تو فاعل میں رفع اور مفعول میں نصب کا عمل کرے گا جیسے زید ضارب ابوہ عمروا۔

البتہ عمل کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اسم فاعل حال یا استقبال کے معنی میں ہو اس لیے کہ اسم فاعل کا عمل مضارع سے مشابہت کی وجہ سے ہے اور ظاہری بات ہے کہ مشابہت مطلوبہ حال یا استقبال کے معنی میں ہونے کی صورت میں ہی حاصل ہو سکتی ہے پس ضروری ہے کہ اسم فاعل مضارع کے مخالف نہ ہو۔ البتہ حال اور استقبال کے معنی میں ہونا عام ہے خواہ حقیقتاً وہ اسم فاعل حال یا استقبال کے معنی میں ہو یا حکماً جیسے کلب باسط ذراعیہ بالو صید پس باسط اگرچہ ماضی ہے اور حقیقتاً حال کے معنی میں نہیں ہے لیکن حکماً ہے کیوں کہ اس سے مراد حکایت حال ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم فاعل اپنے صاحب یا ہمزہ استفہام یا حرف نفی پر اعتماد کرنے والا ہو۔ یعنی اسم فاعل سے پہلے مبتدا ہو جیسے زید قائم ابوہ یا موصوف ہو جیسے جاء نی رجل قائم ابوہ یا موصول ہو جیسے جاء نی القائم ابوہ یا اسم فاعل سے پہلے ذوالحال ہو جیسے جاء نی زید راكب غلامہ صاحب سے مراد یہی مذکورہ بالا چیزیں ہیں نیز اسم فاعل سے پہلے یا ہمزہ استفہام ہو جیسے اقام زید یا مانافہ ہو جیسے ما قائم زید پس صاحب یعنی مبتدا وغیرہ پر اعتماد کی شرط اس لیے لگائی کہ عمل میں اصل فعل ہے، کیوں کہ فعل کی وضع اسی مقصد کے لیے ہوتی ہے۔ اور اس کے ماسواء کا عمل فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے اور فعل فاعل پر اعتماد کرتا ہے یعنی اس کی طرف مسند ہوتا ہے، پس مناسب ہوا کہ جو اس سے مشابہت کا تعلق رکھتا ہے وہ اپنے صاحب پر بدرجہ اولیٰ اعتماد رکھے یعنی وہ بھی اپنے صاحب کی طرف مسند ہو، تاکہ فرع کی اصل میں زیادتی لازم نہ آئے۔

اور ہمزہ استفہام اور مائتہ پر اعتماد اس لیے کافی ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں عموماً فعل پر ہی داخل ہوتے ہیں پس جب اسم فاعل پر داخل ہوں گے تو اسم فاعل کی فعل سے مشابہت بڑھ جائے گی۔

وان كان للماضي وجب الاضافة: حاصل یہ ہے کہ جب اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو تو اضافت معنوی واجب ہے۔ مشابہت بالمضارع نہ ہونے کی وجہ سے عمل کی تو اب گنجائش نہیں البتہ اسم فاعل کی اس کے مفعول کی طرف اضافت معنوی ہو جائے گی۔ اضافت لفظی بھی منع ہے، کیوں کہ اضافت لفظی میں اضافت اپنے معمول کی طرف ہوتی ہے۔ یہ بات یہاں ناپید ہے جیسے زید معطی عمر و امس درہما۔

اس سلسلے میں امام کسائی کا اختلاف ہے ان کی رائے یہ ہے کہ اسم فاعل مطلقاً خواہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو یا ماضی کے وہ اپنے فعل کا سائل کرتا ہے، کیوں کہ اصل حال و استقبال ہے اور ماضی ایک عارضی چیز ہے جس کا ثبوت بغیر قرینہ کے نہیں ہوتا اور عارض کا اعتبار نہیں، لہذا اگر اسم فاعل ماضی کے معنی میں بھی ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا پس صورت مذکور میں اس کی اضافت مفعول کی طرف لازم نہیں اور اگر اضافت گوارہ بھی کی جائے تو اضافت لفظی ہوگی نہ کہ اضافت معنوی، کیوں کہ یہ اضافت الصفت الی معمولہا کے قبیل سے ہوگا ان کا استدلال کلب باسط ذراعیہ بالوصید سے ہے کہ باسط اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہوتے ہوئے عمل کر رہا ہے پس معلوم ہو کہ اسم فاعل عمل کرنے کے لیے حال و استقبال کے معنی میں ہونے کا محتاج نہیں۔ لیکن جمہور کی طرف سے اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ باسط حکماً حال کے معنی میں ہے لہذا ماضی کے معنی میں ہوتے ہوئے عمل نہ پایا گیا۔

فان كان له معمول آخر: یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ زید معطی عمر و درہما میں اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہے اس کے باوجود وہ اپنے مفعول میں نصب کا عمل کر رہا ہے، لہذا آپ کا یہ کہنا کہ اسم فاعل کے عمل کرنے کے لیے حال یا استقبال کے معنی میں ہونا ضروری ہے صحیح نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مثال مذکور میں مفعول کا نصب فعل مقدر کی وجہ سے ہے اسم فاعل کی وجہ سے نہیں، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ اگر اسم فاعل بمعنی ماضی کا کوئی دوسرا معمول ہو تو وہ فعل مقدر کی وجہ سے ہوگا چنانچہ مثال مذکور میں جب زید معطی عمر و امس کہا گیا تو سوال ہوا ما اعطاه تو اس کے جواب میں اعطاه درہما کہا گیا پس مثال مذکور میں درہما کا نصب فعل مقدر کی وجہ سے ہے نہ کہ اسم فاعل بمعنی ماضی کی وجہ سے لہذا ہمارا قاعدہ مسلم ہے ٹوٹا نہیں ہے۔

فان دخلت اللام: حاصل یہ ہے کہ اگر لام اسم فاعل پر داخل ہو جائے تو اس کے عمل کرنے میں تمام زمانہ برابر ہیں یعنی اگر لام اسم فاعل پر داخل ہو جاتا ہے تو اب وہ چاہے جس معنی میں ہو عمل کرے گا

کیوں کہ اسم فاعل درحقیقت فعل ہی ہوتا ہے اور چونکہ فعل پر الف لام کا دخول منع ہوتا ہے، اس لیے فعل سے اسم فاعل کی طرف عدول کر آتے ہیں جیسے مررت بالضارب ابوہ زید الآن، مررت بالضارب ابوہ زید غدا، مررت بالضارب ابوہ زید امس۔

وما وُضِعَ مِنْهُ لِلْمُبَالَغَةِ كَضْرَابٍ وَضُرُوبٍ وَمِضْرَابٍ وَعَلِيمٍ وَحَدِيرٍ مِثْلَهُ وَالْمِثْنِي وَالْجُمُوعُ مِثْلَهُ وَيَجُوزُ حَذْفُ النُّونِ مَعَ الْعَمَلِ وَالتَّعْرِيفِ تَخْفِيفًا.

ترجمہ: - اور وہ اسم فاعل میں کچھ وہ ہیں جو مبالغہ کے لیے وضع کیے گئے ہیں جیسے ضراب اور ضربت اور مضرب اور علیم اور حدیر اسم فاعل کے مثل ہیں اور تشنیہ اور جمع اسی کے مثل ہے اور جائز ہے نون کا حذف کرنا عمل کے ساتھ اور تعریف کے ساتھ تخفیفاً۔

توضیح: - وہ اسم فاعل جو مبالغہ کے لیے وضع ہوا ہے عمل اور شرائط میں اس اسم فاعل کی طرح ہے جو مبالغہ کے لیے موضوع نہیں ہے، اس لیے کہ مبالغہ میں چونکہ زیادتی ہوتی ہے اس لیے مضارع کے ساتھ مشابہت لفظی کے فوت ہونے کی تلافی اس زیادتی فی المعنی کی وجہ سے حاصل ہو جاتی ہے، لہذا مبالغہ بھی فعل کا سا عمل کرے گا۔

والمثنى والجموع: اسم فاعل کا تشنیہ اور جمع بھی آتا ہے جو عمل اور شرائط میں اسم فاعل مفرد کی طرح ہے، کیوں کہ زوائد کے لاحق ہونے سے اسم فاعل کے صیغہ واحد میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا ہے۔ جب اسم فاعل معرف باللام ہو تو عامل ہوتے ہوئے بھی نون تشنیہ اور جمع کا تخفیفاً حذف کرنا درست ہے، کیوں کہ الف لام موصول ہے اور اسم فاعل اس کا صلہ پس صلہ مفعول کے نصب کے ساتھ طویل ہو گیا، لہذا تخفیفاً حذف کرنا درست ہے۔ جیسے والمقیمى الصلوة پس مثال میں نون کو حذف کر دیا گیا۔

اسم المفعول ما اشتق من فعلٍ لمن وقع عليه، وصيغته من الثلاثي المجرد على مفعولٍ ومن غيره على صيغة الفاعل بفتح ما قبل الآخر كمستخرجٍ وامره في العمل والاشتراطِ كما مر الفاعل مثل زيد معطى غلامه درهماً.

ترجمہ: - اسم مفعول وہ اسم ہے جو ایسے مصدر سے مشتق ہوتا ہے کہ وہ مصدر اس ذات پر واقع ہوتا ہے اور اس کا صیغہ ثلاثی مجرد سے مفعول کے وزن پر ہوتا ہے اور غیر ثلاثی سے اسم فاعل کے وزن پر آخر کے ماقبل کے فتح کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اسم مفعول کا معاملہ عمل میں اور شرائط میں اسم فاعل کے معاملہ کی طرح ہے جیسے زيد معطى غلامه درهماً.

توضیح: - اسم مفعول وہ اسم ہے جو ایسے مصدر سے مشتق ہوتا ہے کہ جو اس اسم پر واقع ہوتا ہے۔ ما اشتق من فعل جنس ہے اور لمن وقع عليه بمنزلة فصل ہے، پس ما اشتق اسم مفعول اور اس کے غیر سب

کو شامل تھا اور لمن وقع علیہ کی قید سے اسم مفعول کے ما سوا سب خارج ہو گئے۔

اسم مفعول کا صیغہ ثلاثی مجرد سے مفعول کے وزن پر آتا ہے اور غیر ثلاثی مجرد سے، غیر ثلاثی مجرد کے اسم فاعل کے وزن پر ہوتا ہے صرف آخر کے ماقبل بجائے کسرہ کے فتح ہوتا ہے جیسے مستخرج کہ اسم فاعل میں آخر کے ماقبل کسرہ ہوتا لہذا اسم فاعل اور اسم مفعول میں فرق کرنے کے لیے مفعول میں آخر کے ماقبل فتح کر دیا کیوں کہ فتح خفیف ہے اور مفعول کثیر ہے پس توازن بھی پیدا ہو گیا نیز اسم مفعول، ماقبل فتح کی وجہ سے اس مضارع کے موافق بھی ہو گیا جو مفعول کی طرف مسند ہوتا ہے یعنی مضارع مجہول کے۔

وامرہ فی العمل الخ: خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اسم فاعل اپنے فعل کا ساعمل کرتا ہے اور جن شرائط کے ساتھ کرتا ہے نیز جس طرح حال و استقبال کے معنی میں ہونے کے بجائے وہ ماضی کے معنی میں ہو جانے پر واجب الاضافة المعنویہ ہوتا ہے اسی طرح اسم مفعول بھی عمل کرتا ہے اور انہیں شرائط کے ساتھ تفصیل اسم فاعل کی بحث میں ملاحظہ کر لی جائے جیسے زید معطی غلامہ درہما، زید مضروب العبد پس اول مثال جملہ شرائط کے پائے جانے کی ہے اور ثانی حال و استقبال کی شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے واجب الاضافة کی ہے۔

الصفة المشبهة ما اشتق من فعل لازم لمن قام به على معنى الثبوت وصيغتها مخالفة لصيغة الفاعل على حسب السماع كحسن وصعب وشديد وتعمل عمل فعلها مطلقاً وتقسيم مسائلها ان تكون الصفة باللام او مجردة ومعمولها مضافاً او باللام او مجرداً عنها فهذه ستة والمعمول في كل واحد منها مرفوع ومنصوب ومجرور فصارت ثمانية عشر فالرفع على الفاعلية والنصب على التشبيه بالمفعول في المعرفة وعلى التمييز في النكرة والجر على الاضافة.

ترجمہ:- صفت مشبہ وہ اسم ہے جو مشتق ہوتا ہے مصدر لازم سے کہ وہ مصدر لازم اس اسم کے ساتھ بطریق ثبوت قائم ہوتا ہے۔ اور اس کے صیغ اسم فاعل کے صیغوں کے برخلاف ہوتے ہیں در انحالیکہ وہ سماع کی مقدار پر ہوتے ہیں۔ جیسے حسن، صعب اور شديد اور صفت مشبہ اپنے فعل کا سا مطلقاً عمل کرتا ہے۔ اور اس کے مسائل کی تقسیم یہ ہے کہ صفت مشبہ معرف باللام ہو یا بغیر لام کے ہو اور اس کا معمول مضاف ہو یا لام کے ساتھ ہو یا دونوں سے مجرد ہو (یعنی اضافة اور لام دونوں کے بغیر ہو) پس یہ چھ قسمیں ہوئیں اور معمول ان میں سے ہر ایک میں مرفوع ہوگا، منصوب ہوگا اور مجرور بھی پس اٹھارہ قسمیں حاصل ہو گئیں پس رفع فاعلیت کی وجہ سے ہوگا اور نصب معرفہ میں مفعول کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اور نکرہ میں تمييز ہونے کی وجہ سے ہوگا اور جر اضافة کی وجہ سے۔

توضیح:- صفت مشبہ وہ اسم ہے جو مشتق ہوتا ہے مصدر لازم سے اس حال میں کہ وہ مصدر لازم اس اسم کے ساتھ بطریق ثبوت قائم ہوتا ہے ماشتق من فعل اسم جنس ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول اسم تفضیل وغیرہ سب کو شامل ہے اور لازم، فصل اول ہے اس کی وجہ سے اسم فاعل متعدی اور اسم مفعول خارج ہو گئے اور لمن قام به علی معنی الثبوت فصل ثانی ہے اس سے اسم فاعل لازم نکل گیا۔

دھیان رہے مصدر لازم عام ہے خواہ وہ شروع ہی سے لازم ہو یا اشتقاق کے وقت پس رحیم صفت مشبہ میں داخل رہے گا کیوں کہ یہ اگرچہ ابتداءً لازم نہیں تھا لیکن وہ لازم ہو گیا رحم بکسر العین سے رحم بضم العین کی طرف انتقال کے بعد۔

صفت مشبہ کو صفت مشبہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ صفت تشبیہ، جمع، تذکیر و تانیث میں اسم فاعل کے مشابہ ہے۔

وصیغتها مخالفة: اس کا مطلب یہ ہے کہ صفت مشبہ کا صیغہ اسم فاعل کے صیغہ کے مخالف ہوتا ہے یا مطلب ہے کہ ثلاثی مجرد سے اسم فاعل کے وزن فاعل کے مخالف ہوتا ہے۔ علی حسب السماع یا تو مخالفة کی ضمیر پوشیدہ سے حال ہے جو صیغہ کی طرف لوٹ رہی ہے یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ پہلی صورت میں مطلب ہوگا یعنی اس حال میں کہ صفت مشبہ کے صیغے ثابت ہیں مطابق سماع کے کہ جس قدر سنے گئے ہیں اس مقدار پر رہتے ہیں قیاس کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

دوسری صورت میں مطلب ہوگا کہ صفت مشبہ کے صیغوں کی مخالفت مقدار مسموع کے بقدر ہی ہوگی جیسے حسن، صعب، شدید۔

وتعمل عمل فعلها: اس کا مطلب یہ ہے کہ صفت مشبہ کا عمل زمانہ کی قید سے آزاد ہے خواہ وہ کسی زمانہ میں ہو عمل میں کوئی رکاوٹ نہیں البتہ اسم فاعل اور اسم مفعول کی طرح ماقبل میں چھ باتوں میں سے کوئی ایک اعتماد کے لیے ضرور ہونا چاہیے جب ایسا ہوگا تو پھر وہ اپنے فعل کا سائل کرے گا یعنی فاعل کو رفع دیگا۔

وتقسیم مسانلها: مسائل اقسام کے معنی میں ہے۔ اب یہاں صفت مشبہ کے اقسام کے احکام بیان کرنا چاہتے ہیں چنانچہ سب سے پہلے اقسام ملاحظہ فرمائیے۔

بنیادی تقسیم یہ ہے کہ صفت مشبہ کا صیغہ یا تو معرف باللام ہوگا یا بغیر لام کے ہوگا پھر دونوں طرح کا صیغہ صفت یا تو اس کا معمول مضاف ہوگا یا وہ الف لام کے ساتھ ہوگا یعنی معمول معرف باللام ہوگا یا وہ معمول دونوں سے مجرد ہوگا یعنی نہ وہ مضاف ہوگا اور نہ ہی معرف باللام پس یہ چھ قسمیں ہو گئیں (۱) بایں طور کہ صفت معرف باللام ہو اور معمول مضاف ہو (۲) صفت معرف باللام اور معمول بھی معرف باللام (۳) صفت معرف باللام اور معمول دونوں سے مجرد (۴) صفت غیر معرف باللام اور معمول مضاف (۵)

صفت غیر معرف باللام اور معمول معرف باللام (۶) صفت غیر معرف باللام اور معمول دونوں سے مجرد۔
اب پھر ان چھ کی چھ قسموں میں سے ہر ایک مرفوع ہوگا، منصوب ہوگا اور مجرور ہوگا پس چھ کو تین میں ضرب دینے سے اٹھارہ قسمیں حاصل ہو گئیں۔

احکام یہ ہیں کہ جملہ اقسام کا مرفوع بر بنائے فاعلیت ہوگا اور نصب دو وجہوں سے ہو سکتا ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ معمول کے معرف ہونے کی صورت میں معمول کا نصب مفعول کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہوگا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ معمول کے نکرہ ہونے کی صورت میں نصب تمیز ہونے کی وجہ سے ہوگا اور مجرور ہونا معمول کے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے ہوگا۔

وتفصيلها حسن وجهه ثلاثة وكذلك حسن الوجه وحسن وجه، الحسن وجهه
الحسن الوجه، الحسن وجهه اثنان منها ممتنعان مثل الحسن وجهه الحسن وجهه
واختلاف في حسن وجهه والبواقي ما كان فيه ضمير واحد منها احسن وما كان
فيه ضمير ان حسن وما لا ضمير فيه قبيح ومتى رفعت بها فلا ضمير فيها فهي
كالفعل والا ففيها ضمير الموصوف فتؤنث وتثنى وتجمع واسما الفاعل
والمفعول غير المتعديين مثل الصفة فيما ذكر.

ترجمہ: - اور اس کی تفصیل حسن و جہہ تین وجہوں والا ہے (یعنی رفع، نصب اور جر) اور
اسی طرح حسن الوجه اور حسن وجه اور الحسن وجه اور الحسن الوجه اور الحسن وجه
ہے دو ان میں سے ممتنع ہیں جیسے الحسن و جہہ اور الحسن و جہہ اور اختلاف ہے حسن و جہہ میں
اور بقیہ اقسام کہ جن میں ایک ضمیر ہے وہ احسن ہے اور جس میں دو ضمیریں ہیں وہ حسن ہے اور جس میں
کوئی ضمیر نہیں ہے وہ قبیح ہے اور جب تو اس کے ذریعہ رفع دے تو اس میں کوئی ضمیر نہ ہوگی پس وہ صفت فعل
کی طرح ہے ورنہ پس اس میں موصوف کی ضمیر ہوگی تو وہ صفت مؤنث لائی جائے گی اور تثنیہ اور جمع لائی
جائے گی اور اسم فاعل اور اسم مفعول غیر متعدی مذکورہ بالا صورتوں میں صفت مشبہ کی طرح ہیں۔

توضیح: - تفصیل معنی میں مفصل کے ہے مطلب یہ ہے کہ ان اقسام کی تفصیل کرنے والا
ہمارا قول حسن و جہہ ہے حسن و جہہ یہ اس صفت کی مثال ہے جو مجرد عن اللام ہے اور اس کا
معمول مضاف ہے۔ مثال تین وجہوں کی مثال بن سکتی ہے صفت کے معمول کے اعراب کے اختلاف کے
اعتبار سے رفعا اور نصبا اور جراً اور اسی سابقہ مثال کی طرح تین مثالوں کے ہونے میں حسن الوجه ہے یہ
اس صفت کی مثال ہے جو مجرد عن اللام ہے اور معمول معرف باللام ہے پس اس میں بھی معمول کے اعراب
کے رفعا اور نصبا اور جراً اختلاف کے لحاظ سے تینوں مثالوں کی گنجائش ہے۔ حسن و جہہ یہ اس صفت کی

مثال ہے جو خود بھی مجرد عن اللام ہے اور اس کا معمول بھی مجرد عن اللام والا ضافۃ دونوں ہے پس اس میں بھی باعتبار اختلاف اعراب معمول تینوں مثالوں کی گنجائش ہے۔ الحسن و جہہ یہ اس صفت کی مثال ہے جو معرف باللام ہے اور معمول مضاف ہے اور الحسن الوجهہ یہ اس صفت کی مثال ہے جو خود معرف باللام ہے اور معمول بھی معرف باللام ہے اور الحسن وجہہ یہ اس صفت کی مثال ہے جو خود معرف باللام ہے اور معمول لام اور اضافت دونوں سے خالی ہے ان سب مثالوں میں معمول کے مرفوع اور منصوب اور مجرد ہونے کے اعتبار سے تین تین قسموں کی گنجائش موجود ہے کہ رفع معمول کے فاعل ہونے کی وجہ سے ہوگا جب کہ نصب دو وجہوں سے ہوگا یا صفت کے معمول کے مفعول کے ساتھ مشابہت یا تمیز ہونے کی وجہ سے ہوگا مفعول کے ساتھ مشابہت معمول کے معرفہ ہونے کی صورت میں جب کہ تمیز ہونا معمول کے نکرہ ہونے کی صورت میں ہوا ہے۔

اثان منها ممتنعان الخ: الحسن و جہہ اور الحسن وجہہ یہ دونوں ترکیبیں ناجائز ہیں اس لیے کہ اضافت لفظیہ کا فائدہ تخفیف ہے جو مضاف اور مضاف الیہ کی جانب میں حاصل ہوتا ہے۔ مضاف کی جانب میں تو تنوین اور نون ثنیہ اور نون جمع کا حذف تخفیف کہلاتا ہے اور مضاف الیہ کی جانب میں ضمیر کا حذف اور اس کا استتار صیغہ صفت میں ہوتا ہے اور ان مذکورہ باتوں میں سے کوئی بات ترکیب اول میں نہیں پائی جاتی ہے۔

اور الحسن وجہہ کی ترکیب اس لیے ممتنع ہے کہ اس مثال میں اگرچہ تخفیف کا فائدہ حاصل ہے کہ صیغہ صفت میں ضمیر مستتر ہے اور مضاف الیہ وجہ سے محذوف ہے لیکن معرفہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہوگئی، حالاں کہ نکرہ کی اضافت معرفہ کی طرف ہوتی ہے۔

واختلف فی حسن و جمعه: نحو یوں کے نزدیک یہ ترکیب قبیح کے ساتھ جائز ہے وجہ یہ ہے کہ تخفیف مضاف کی جانب میں تو حاصل ہے اس لیے کہ تنوین محذوف ہے لیکن مضاف الیہ کی جانب میں چونکہ ضمیر موجود ہے لہذا مضاف الیہ کی جانب میں تخفیف حاصل نہ ہوئی پس گویا کامل طور پر تخفیف حاصل نہ ہوئی، لہذا قباحت کے ساتھ گنجائش ہے جب کہ کوئیوں کے یہاں بلا قباحت ترکیب مذکور درست ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک مطلقاً تخفیف مطلوب ہوتی ہے جو حاصل ہے گو وہ صرف مضاف میں ہی پائی جاتی ہے۔

والبواقی ما کان فیہ ضمیر واحد الخ: اٹھارہ قسموں میں سے نو ایسی قسمیں ہیں جن میں صرف ایک ضمیر پائی جاتی ہے اور وہ اقسام کہ جن میں ایک ضمیر پائی جاتی ہو وہ تمام اقسام میں احسن یعنی سب سے خوب ہیں اور احسن اس لیے ہیں کہ بقدر ضرورت ضمیر موجود ہے نہ کم اور نہ ضرورت سے زیادہ۔

وہ نواقسام یہ ہیں الحسن الوجه معمول کے نصب اور جر کے ساتھ اور حسن الوجه معمول کے نصب اور جر کے ساتھ اور الحسن وجہاً اور حسن وجہاً معمول کے نصب کے ساتھ اور حسن وجہ معمول کے جر کے ساتھ اور الحسن وجہہ اور حسن وجہہ معمول کے رفع کے ساتھ۔ پس ان اقسام میں صرف ایک ضمیر ہے جو موصوف کی طرف رجوع ہونے کی ضرورت کے لیے کافی ہے۔

وما كان ضميران الخ: ایسی اقسام جن میں دو ضمیریں ہوں وہ حسن ہیں اس لیے کہ وہ ضرورت سے زیادہ ضمیریں ہیں کیونکہ موصوف اور صفت کے درمیان ربط کے لیے ایک ضمیر کافی ہے اور ایسی دو قسمیں ہیں۔

حَسَنٌ وَجْهَةٌ أَوْ الْحَسَنُ وَجْهَةٌ معمول کے نصب کے ساتھ ایک ضمیر تو صیغہ صفت میں ہے اور دوسری مضاف الیہ میں۔

وما لا ضمير فيه الخ: اور وہ اقسام جن میں کوئی ضمیر نہیں ہے وہ قبیح ہیں اس لیے کہ جب کوئی ضمیر صفت کی جانب نہ ہوگی تو پھر موصوف اور صفت کے درمیان ربط معدوم ہوگا اور ایسی چار قسمیں ہیں الحسن الوجه اور حسن الوجه اور حسن وجه، الحسن وجه معمول کے رفع کے ساتھ پس ان ترکیبوں میں نہ تو صیغہ صفت میں کوئی ضمیر ہے اس لیے کہ وہ اسم ظاہر کی طرف مسند ہے اور معمول میں بھی کوئی ضمیر نہیں ہے کیوں کہ وہ مضاف الی الضمیر نہیں ہے۔

ومتى رفعت بها الخ: خلاصہ یہ ہے کہ جب صفت کے معمول کو رفع دیا جائے گا تو پھر صفت میں کوئی ضمیر نہیں ہوگی اس لیے اسم ظاہر اس کا فاعل ہو گیا اب اگر ضمیر صفت میں مانی جاتی ہے تو تعدد فاعل لازم آئے گا اور یہ باطل ہے ایسی صورت میں جب کہ صیغہ صفت اسم ظاہر کی طرف مسند ہو تو وہ فعل کی طرح واحد ہوگا یعنی جس طرح فعل مسند الی لظاہر کی صورت میں ہمیشہ واحد ہوتا ہے اسی طرح صیغہ صفت بھی واحد لایا جائے گا، تشنیہ اور جمع نہیں مستعمل ہوگا۔

والا ففيها ضمير الموصوف: یعنی جب صیغہ صفت کا معمول مرفوع نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اسم ظاہر کی طرف مسند نہیں ہے اور جب اسم ظاہر کی طرف نہیں ہے تو اب وہ اسم ضمیر کی طرف مسند ہوگا، لہذا صیغہ صفت میں ضمیر فاعل کی ہوگی جو موصوف کی طرف لوٹے گی اور صیغہ صفت کو مؤنث اور تشنیہ اور جمع جیسا موصوف ہوگا لایا جائے گا جیسا کہ فعل میں مسند الی الضمیر کی صورت میں حسب فاعل فعل کو مؤنث تشنیہ اور جمع لایا جاتا ہے، ایسا اس لیے ہوگا کیونکہ صیغہ صفت کا حال فعل کے حال کی طرح ہے پس جیسا اسم ضمیر فاعل ہوگا ویسی صفت بھی ہوگی تذکیراً تاہم تشنیہ اور جمع ہونے میں۔

واسم الفاعل والمفعول: اس ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ اسم فاعل اور اسم معمول جب غیر متعدی

ہوں تو جس طرح صفت مشبہ کی اٹھارہ قسمیں نکلتی ہیں جن میں بعض ممتنع اور بعض احسن و حسن اور بعض قبیح ہیں نیز جو تفصیل اسم ظاہر اور اسم ضمیر کی طرف مسند ہونے میں ہے وہی ساری جملہ اقسام انہیں مذکورہ بالا تفصیلات کیساتھ اسم فاعل اور اسم مفعول غیر متعدی میں بھی موجود ہیں جنہیں ادنیٰ توجہ سے نکالا جاسکتا ہے۔ معلوم ہو کہ اسم مفعول غیر متعدی سے مراد وہ مفعول ہو جو ایسے فعل سے مشتق ہو جو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ اب سنیے اسم فاعل اور اسم مفعول کو غیر متعدی کے ساتھ اس لیے مقید کیا ہے کہ اگر وہ متعدی ہوں گے تو نہ ان کی اضافت درست ہوگی اور نہ ہی نصب تاکہ مفعول کے ساتھ اشتباہ نہ پیدا ہو، کیوں کہ جب آپ نے مثال کے طور پر رید ضارب اباہ اور زید معطی اباہ کہا تو مثال اول میں یہ نہ معلوم ہوگا کہ اباہ الضارب کا مفعول ہے یا اس کا فاعل ہے جو مفعول کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مثال میں اباہ معطی کا مفعول ثانی ہے یا مفعول اول جو فاعل کے قائم مقام ہے اور مفعول کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا مفعول ثانی محذوف ہے۔

اسم التفضیل مَا اشْتَقَّ مِنْ فِعْلِ لِمَوْصُوفٍ بِزِيَادَةِ عَلِيٍّ غَيْرِهِ وَهُوَ افْعَلٌ وَشَرْطُهُ انْ يُبْنَى مِنْ ثَلَاثِيٍّ مَجْرَدٍ لِيُمْكِنَ مِنْهُ وَاِلَيْسَ بِلَوْنٍ وَلَا عَيْبٍ لِأَنَّ مِنْهُمَا افْعَلٌ لغيره مثلُ زَيْدٍ اَفْضَلُ النَّاسِ فَإِنْ قُصِدَ غَيْرُهُ تُوَصَّلُ إِلَيْهِ بِأَشَدِّ مِثْلِ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ اسْتِخْرَاجًا وَبَيَاضًا وَعَمَى وَقِيَّاسُهُ لِلْفَاعِلِ وَقَدْ جَاءَ لِلْمَفْعُولِ نَحْوَ اعْذَرُ وَالْيَوْمُ وَأَشْغَلُ وَأَشْهَرُ.

ترجمہ: اسم تفضیل وہ اسم ہے جو مشتق ہو ایسے مصدر سے کہ جو کسی موصوف کے لیے وضع کیا گیا ہو اس کے غیر پر زیادتی کے ساتھ اور وہ فعل ہے۔ اور اس کی شرط یہ ہے کہ اس کو ثلاثی مجرد سے بنایا جائے، تاکہ فعل کا بنانا اس سے ممکن ہو۔ اور وہ نہ لون ہو اور نہ عیب کیوں کہ لون اور عیب سے فعل غیر تفضیل کے لیے ہے۔ جیسے زید افضل الناس پس اگر اس کے علاوہ کا قصد کیا جائے تو واسطہ بنایا جائے گا اشد کو جیسے ہو اشد منه استخر اجا و بیاضا و عمی اور اس کا قیاس فاعل کے لیے ہے اور بلاشبہ مفعول کے لیے ہے اعذر اور الوم اور اشغل اور اشهر۔

توضیح: اسم تفضیل وہ اسم ہے جو مشتق ہو ایسے مصدر سے کہ جو کسی موصوف کے لیے اس کے غیر پر زیادتی کے ساتھ وضع کیا گیا ہو۔ موصوف کے لیے اس کے غیر پر زیادتی کے ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ وہ فعل یعنی مصدر بمقابلہ غیر کے موصوف میں زیادہ ہو۔

مصنف کا قول ما شتق من فعل جنس ہے جو محدود اور اسم فاعل و مفعول صفت مشبہ، ظرف و آلہ سب کو شامل تھا اور لموصوف فصل ہے جس کی وجہ سے ظرف اور آلہ سے احتراز ہو گیا اس لیے کہ موصوف سے مراد ذات مبہمہ ہے اور ظرف و آلہ میں ابہام نہیں ہوتا ہے۔ اور بزیاۃ علی غیرہ کے ذریعہ احتراز ہو گیا اسم فاعل

اور مفعول اور صفت مشبہ سے کیوں کہ ان میں غیر پر زیادتی نہیں ہوتی۔

اور اسم تفضیل کا صیغہ مذکر کے لیے اَفْعَلُ ہے اور مؤنث کے لیے فُعَلٰی ہے اب یہ وزن خواہ فی الحال ہو یا فی الاصل ہو پس خیر اور شر اسم تفضیل میں داخل رہیں گے کیوں کہ ان کا صیغہ اگرچہ فی الحال اَفْعَلُ نہیں ہے لیکن فی الاصل اخیر اور اثر ہے جو تخفیفاً خیر اور شر ہو گیا۔

و شرطه ان یبنی من ثلاثی مجرد: اسم تفضیل کی شرط یہ ہے کہ اس کو ثلاثی مجرد سے بنایا جائے تاکہ افعلی اور فعلی کا وزن بنانا اس سے ممکن ہو پس غیر ثلاثی مجرد خواہ وہ ثلاثی مزید ہو یا رباعی مجرد و مزید ہو اس سے اسم تفضیل نہ بنے گا، اس لیے کہ غیر ثلاثی مجرد سے اسم تفضیل فعل کا وزن تمام حروف کی محافظت کے ساتھ ممکن نہیں ہے اور اگر کچھ حروف ساقط کر کے بنایا جائے تو پھر غیر ثلاثی مجرد کا ثلاثی مجرد کے ساتھ خلط و ملت لازم آئے گا۔

ولیس بلون لا عیب: دوسری شرط یہ ہے کہ وہ فعل لون اور عیب کے معنی میں نہ ہو پس اگر کوئی فعل ثلاثی مجرد بھی ہو لیکن لون اور عیب کے معنی میں ہو تو اس سے صیغہ اسم تفضیل برائے تفضیل نہیں ہوگا جیسے احمر کہ یہ سرخ رنگ کے معنی میں ہے پس اگر اس سے اسم تفضیل کو بھی مشتق مانا جائے تو افعال التفضیل اور افعال الصفة کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جائے گا کہ یہ طے نہ ہو سکے گا کہ یہ فعل برائے تفضیل ہے یا برائے صفت۔ جیسے زید افضل الناس پس افضل ثلاثی مجرد ہے اور لون و عیب کے معنی میں نہیں ہے۔

فان قصد غیره: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر غیر ثلاثی مجرد یا لون و عیب سے اسم تفضیل کے معنی کی ادائیگی منظور ہو تو لفظ اشد کو اس کا ذریعہ بنایا جائے گا بایں طور کہ جس فعل سے اسم تفضیل کے معنی کی ادائیگی کرنی ہے اس کے مصدر کو لفظ اشد یا اس کے ہم معنی کے بعد تمیز کی حیثیت سے ذکر کریں گے پس کہا جائے گا هو اشد منه استخر اجا او بیاضا و عمی اول مثال غیر ثلاثی مجرد کی اور دوسری مثال ثلاثی مجرد بمعنی لون کی ہے اور تیسری مثال ثلاثی مجرد بمعنی عیب کی ہے۔

وقیاسه: اسم تفضیل کا قیاس یہ ہے کہ وہ فاعل کے معنی کی زیادتی بیان کرے مفعول کے معنی کی زیادتی کو بیان کرنے کے لیے اسم تفضیل نہیں آتا اس لیے کہ اگر دونوں کے معنی کی زیادتی کو بیان کرنے کے لیے اسم تفضیل مستعمل ہو تو بکثرت اشتباہ پیدا ہوگا لہذا فاعل پر اکتفاء کر دیا گیا، کیوں کہ یہی اشرف ہے البتہ چند جگہوں میں یہ مفعول کے معنی کی زیادتی کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے وہ ہیں اعذر زیادہ معذور کے لیے اسی طرح الوم زیادہ ملامت کیے ہوئے کے لیے اشغل زیادہ مشغول اور اشہر زیادہ مشہور کے معنی کے لیے۔

ویستعمل علی احد ثلثة اوجہ مضافاً بمن او معرفاً باللام فلا يجوز زید ن الا فضل من عمر ولا زید افضل الا ان یعلم فاذا اُضیف فله معنیان احدہما وهو الا کثر ان

مضاف الیہ الناس کے مقابلہ میں اور زید موصوف الناس مضاف الیہ کا بعض ہے اس وجہ سے یوسف احسن اخوتہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس میں یوسف کے لیے بھائیوں کے مقابلہ میں زیادتی حسن کا ارادہ کیا گیا ہے لیکن یوسف اخوتہ کا بعض نہیں ہیں کیوں کہ اخوتہ کو ہضمیر جو یوسف کی طرف لوٹی ہے کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور مضاف مضاف الیہ کے مغائر ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ یوسف اخوتہ کا بعض نہیں ہیں پس شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے یہ ترکیب صحیح نہیں ہے، اچھا موصوف کا تفصیل کے مضاف الیہ میں بحسب المفہوم داخل ہونا اس لیے شرط ہے کہ اسم تفصیل سے صورت مذکورہ میں مقصد موصوف کی ان لوگوں پر فوقیت ظاہر کرنا ہے جو موصوف کے ساتھ اس کے مفہوم عام میں شریک ہیں البتہ بحسب الارادہ موصوف تفصیل کے مضاف الیہ سے خارج ہوتا کہ تفصیل الشیء علی نفسہ لازم نہ آئے۔

والثانی ان تقصد زیادة مطلقاً ویضاف للتوضیح فیجوز یوسف احسن اخوتہ ویجوز فی الاول الافراد والمطابقة لمن هو له .

ترجمہ: - دوسرا معنی یہ ہے کہ تفصیل سے زیادة مطلقہ مقصود ہو اور اسم تفصیل کی اضافت تو صحیح کے لیے کی جائے لہذا یوسف احسن اخوتہ درست ہے اور جائز ہے اول میں افراد اور مطابقت اس ذات کے کہ جس کے لیے وہ اسم تفصیل ہے۔

توضیح: - اس تفصیل عند الاضافة کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسم تفصیل سے مطلق زیادتی کو چاہا جائے مضاف الیہ کے مقابلہ میں موصوف کے لیے زیادتی مد نظر نہ ہو بلکہ اضافت تو صحیح اور تخصیص کے لیے ہو پس اسم تفصیل عند الاضافة کے بایں معنی استعمال میں یہ بات شرط نہیں ہے کہ موصوف مضاف الیہ میں بحسب المفہوم داخل ہو اور بحسب الارادہ خارج ہو، بلکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ موصوف مضاف الیہ میں داخل ہو جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل القریش اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسم تفصیل ایسی جماعت کی طرف مضاف ہو کہ موصوف اس جماعت میں داخل نہیں ہے جیسے یوسف احسن اخوتہ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ غیر جماعت کی طرف مضاف ہو جیسے فلان اعلم بغداد۔

لہذا جب زیادة مطلقہ مقصد ہو اور اسم تفصیل عند الاضافة سے مضاف الیہ کی تفصیل مقصود نہ ہو تو یوسف احسن اخوتہ کی ترکیب درست ہوگی کیوں کہ مضاف الیہ میں موصوف کے داخل نہ ہونے کی وجہ سے اجتماع تقيمين لازم نہیں آئے گا۔

ویجوز فی الاول: اسم تفصیل عند الاضافة کے پہلے معنی مراد لیتے وقت اسم تفصیل کو مفرد اور موصوف کے مطابق دونوں طرح لایا جاسکتا ہے۔ یعنی موصوف چاہے مفرد ہو تثنیہ ہو یا جمع جیسے زید افضل القوم والزيدان افضل القوم اور الزيدون افضل القوم ایسا اس لیے ہے کہ یہ اسم تفصیل بمن یعنی

من کے ساتھ مستعمل ہونے والے اسم تفضیل کے مشابہ ہو گیا اس بات میں کہ مفضل علیہ مذکور ہے۔ اور اسم تفضیل مستعمل بمن ہر حال میں چونکہ مفرد لایا جاتا ہے کیوں کہ علامت تشنیہ اور جمع کا اس کے آخر میں لحوق من کی وجہ سے کو یا وسط کلمہ میں ہوگا جو صحیح نہیں ہے۔ پس اسی طرح یہاں بھی۔

اور مطابق لانا اس لیے ہے کہ تشنیہ اور جمع کی علامت کے آخر میں لحوق کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، کیوں کہ یہ اسم تفضیل مستعمل باللام کے مشابہ ہے اور اس میں موصوف اور صفت میں مطابقت کے لیے تشنیہ اور جمع کی علامت کو لاحق کر دیا جاتا ہے پس اسی طرح یہاں بھی جیسے زید افضل القوم۔ الزیدان افضل القوم الزیدون افضل القوم۔

واما الثانی والمُعَرَّفُ باللام فلا بدَّ مِنَ الْمُطَابَقَةِ وَالذی بِمِن مَّفْرَدٍ مَذْکُرٍ لَا غَیْرَ وَلَا یَعْمَلُ فِی مَظْهَرٍ إِلَّا إِذَا كَانَ صِفَةً لِشَیْءٍ وَهُوَ فِی الْمَعْنَى لِمُسَبَّبٍ مُفْضَلٍ بِاعْتِبَارِ الْأَوَّلِ عَلَى نَفْسِهِ بِاعْتِبَارِ غَیْرِهِ مَنفِیًّا مِثْلَ مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحْسَنَ فِی عَیْنِهِ الْکَحْلُ مِنْهُ فِی عَیْنِ زَیْدٍ لِأَنَّهُ بِمَعْنَى حَسَنٍ مَعَ أَنَّ هُمْ لَوْ رَفَعُوا لَفَصَّلُوا بَیْنَهُ وَبَیْنَ مَعْمُولِهِ بِاجْتِنَابِ وَهُوَ الْکَحْلُ وَلِکَ أَنْ تَقُولَ أَحْسَنَ فِی عَیْنِهِ الْکَحْلُ مِنْ عَیْنِ زَیْدٍ.

ترجمہ: - اور بہر حال دوسری قسم اور معرف باللام تو مطابقت ضروری ہے اور وہ اسم تفضیل جو مستعمل بمن ہوتا ہے مفرد اور مذکر ہوگا اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اور اسم تفضیل اسم ظاہر میں عمل نہیں کرتا مگر جب کہ وہ ایک شے کے (لفظ میں) صفت ہو اور معنی میں ایسے مسبب کے لیے ہو جو باعتبار اول کے اپنی ہی ذات پر مفضل ہو (فضیلت دیا ہوا) بمقابلہ اپنے غیر کے اور منفی ہو۔ جیسے ما رأیت رجلاً احسن فی عینہ الکحل منہ فی عین زید اس لیے کہ وہ حسن کے معنی میں ہے اس کے باوجود اگر لوگ اسم تفضیل کو رفع دیں تو اس کے اور اس کے معمول کے درمیان اجنبی سے فصل کرنا ہونا ہوگا اور وہ الکحل ہے۔

توضیح: - اسم تفضیل عند الاضافت جو زیادتی مطلقہ کے لیے ہو اور وہ اسم تفضیل جو معرف باللام ہو کے لیے مطابقت ضروری ہے یعنی موصوف کے مطابق ہونا تذکیر و تانیث اور افراد و تشنیہ اور جمع میں ضروری ہے، اس لیے کہ مانع کے معدوم ہونے کے وقت موصوف اور صفت میں مطابقت اصل ہے۔ اور یہاں مانع نہیں ہے، کیوں کہ مانع اسم تفضیل مستعمل بمن کے ساتھ مشابہت بن سکتی تھی جو مفضل علیہ کے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔

والذی بمن: وہ اسم تفضیل جو من کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے وہ مفرد اور مذکر ہی ہوگا کیوں کہ تانیث اور تشنیہ اور جمع کی علامتیں دو حال سے خالی نہیں یا تو من سے پہلے لائیں گے یا من کے بعد اور دونوں طرح کا لحوق منع ہے اس لیے کہ من اسم تفضیل کے لیے بمنزلہ جزء کے ہے پس صورت اول میں وسط کلمہ

میں حقیقتاً لائق ہو رہا ہے جو باطل ہے۔ پس اسم تفضیل مستعمل بمن بہر صورت مفرد اور مذکر ہوگا موصوف خواہ کچھ بھی ہو۔

ولا يعمل فی مظهر: حاصل یہ ہے کہ اسم تفضیل کا نکل دو طرح کا ہے ایک نصب کا عمل اور دوسرے رفع کا عمل۔ پھر نصب کا عمل بھی بنیادی طور پر دو قسموں پر ہے ایک بر بنائے مفعول بہ دوسرے بر بنائے حال اور ظرف اور تمیز پس صورت اول میں تو بلا واسطہ حرف جر قطعی عمل نہیں کرے گا خواہ اسم مفعول بہ اسم ضمیر ہو یا اسم ظاہر کیوں کہ مفضل علیہ ہی اسم تفضیل کا مفعول ہو سکتا ہے جو مذکور ہونے کی صورت میں مجرور ہوتا ہے، پس نصب علی المفعولیہ کی گنجائش نہیں ہے۔

البتہ نصب بر بنائے ظرف و حال تو یہ بلا کسی شرط کے درست ہے، کیوں کہ ان کے عمل کے لیے صرف فعل کی بوقافی ہو جاتی ہے اور اسم تفضیل میں فعل کے معنی مصدری موجود ہیں جیسے رید احسن منك الیوم را کبا پس معنی مصدری کا پایا جانا نصب علی الظرفیہ والیہ کے لیے کافی ہے۔

اب جہاں تک نصب علی التمزیز کی بات ہے تو وہ بھی بلا کسی شرط کے صحیح ہے، کیوں کہ تمیز تو فعل کے معنی سے خالی ہونے کے باوجود منصوب ہوتی ہے اور اسم تفضیل میں تو بھلا فعل کے معنی موجود ہیں لہذا بدرجہ اولیٰ اسم تفضیل سے کوئی اسم بر بنائے تمیز منصوب ہو سکتا ہے۔ رفع کا عمل بھی دو قسموں پر ہے ایک رفع فی الضمیر دوسرے رفع فی الاسم لظاہر پس رفع فی الضمیر بلا کسی شرط کے واقع ہے، کیوں کہ ضمیر میں عمل ضعیف ہے جس کا اثر لفظوں میں کچھ ظاہر نہیں ہوتا لہذا عامل کی قوت کی ضرورت نہیں اور عمل فی لظاہر تو یہ تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، کیوں کہ اصل برائے عمل وہ صرف فعل ہے، کیوں کہ فعل کی وضع عمل ہی کے لیے ہوئی ہے جب کہ فعل کے ماسوا جتنی چیزیں عمل کرتی ہیں وہ فعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور اسم تفضیل فعل کے مشابہ نہیں ہے، کیوں کہ اس میں زیادتی کے معنی ہوتے ہیں جب کہ کوئی فعل زیادتی کے معنی پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں عمل سے مراد اسم ظاہر میں رفع کا عمل ہے۔ جو تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے پہلی شرط یہ ہے کہ اسم تفضیل لفظ میں ایک شئی کی نعت یا حال ہو یا خبر ہو اور باعتبار معنی کے اس کے مسبب کی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مسبب مشترک ہو من وجہ مفضل ہو اور من وجہ مفضل علیہ ہو تیسری شرط یہ ہے کہ اسم تفضیل منفی ہو۔

پہلی شرط کہ وجہ یہ ہے کہ تا کہ اسم تفضیل کا ایک صاحب جس پر وہ اعتماد کر سکے حاصل ہو جائے اور اس کے حاصل ہونے سے ایک اسم ظاہر حاصل ہو سکے کہ جس کا اس صاحب سے تعلق ہو کیوں کہ اسم تفضیل کسی اسم مظہر میں اس وقت تک عمل نہیں کر سکتا جب تک اس اسم مظہر کا تعلق کسی ایسی شئی سے نہ ہو جس پر اسم تفضیل کا اعتماد ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم تفضیل کا مرتبہ اسم فاعل سے گھٹا ہوا ہے۔

دوسری شرط کی وجہ یہ ہے کہ اس شرط کے لگانے سے اسم تفضیل اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہتا، کیوں کہ اس کی اصلی حالت یہ ہے کہ مفضل کا فضل علیہ سے ذاتی تغایر ہو اور جب اسم تفضیل اپنی اصلی حالت پر باقی نہ رہے گا تو اپنا ذاتی تقاضا بھی چھوڑ دے گا اور ذاتی تقاضا اسم ظاہر میں عمل سے گریز ہے۔ تیسری شرط کی وجہ یہ ہے کہ بر تقدیر منفی اسم تفضیل فعل کے ہم معنی ہو جائے گا لہذا اس کا سا عمل بھی کر سکے گا۔

خلاصہ: ما حصل یہ ہے کہ اسم تفضیل اسم ظاہر میں تبھی عمل کرتا ہے جب وہ لفظ میں صفت کسی چیز کی اور معنی کے اعتبار سے دوسری چیز یعنی اس شئی کے متعلق کی صفت ہو جو مفضل ہو باعتبار اول شئی کے اور مفضل علیہ ہو باعتبار اول کے غیر کے اس حال میں کہ اسم تفضیل منفی ہو جیسے ما رأیت رجلا احسن فی عینہ الکحل منہ فی عین زید۔ ترجمہ: میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جس کی آنکھ میں سرمہ زید کی آنکھ کے سرمہ سے بڑھیا ہو۔

پس احسن اسم تفضیل باعتبار لفظ کے رجلا کی صفت ہے اور باعتبار معنی کے الکحل متعلق رجلا کی صفت ہے جو باعتبار رجل کے مفضل اور باعتبار غیر رجل یعنی عین زید کے مفضل علیہ ہے اس حال میں کہ اسم تفضیل منفی بھی ہے پس شرائط ثلاثہ پائی گئیں، لہذا احسن، الکحل میں فاعل کا عمل کرے گا اور وہ اس کا فاعل اسم ظاہر ہوگا۔

لانه بمعنى حسن: یہ اسم تفضیل کے اسم ظاہر میں عمل کرنے کی علت بیان کر رہے ہیں کہ شرائط مذکورہ کے پائے جانے کے وقت اسم تفضیل احسن حُسن فعل کے معنی میں ہو جاتا ہے کیوں کہ زیادہ تفضیلہ حرف نفی کی وجہ سے ختم ہوگئی پس مساوات اور ذنوت باقی رہی پھر مساوات بھی بحسب قرینہ عرف ختم ہوگئی کیوں کہ مساوات مقام مدح کے خلاف ہے پس ذنوة بچا لہذا وہ حُسن ہو گیا۔ یا یہ کہا جائے کہ زیادتی اور مساوات دونوں بیک وقت حرف نفی کی وجہ سے ختم ہو گئے اور عرف دونوں مرتبوں کی نفی کی طرف، حرف نفی کے متوجہ ہونے کا قرینہ ہے پس قرب بچا لہذا وہ حُسن کے معنی میں ہو گیا۔

مع انهم رفعو: یہ احسن کے بمعنی حُسن میں ہونے کی تائید ہے جو ایک سوال کے انداز میں ہے اور وہ ہے کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ احسن بر بنائے خبر مرفوع ہو اور الکحل کا رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے ہو اور جب ایسا ہو جائے گا تو اسم تفضیل کا عمل رفع اسم ظاہر میں فاعلیت کی بنیاد لازم نہ آئے گا۔ تو اس کا جواب دیا گیا کہ اگر آپ کی تجویز کو مان لیا جائے تو اسم تفضیل اور اس کے معمول منہ فی عین زید کے درمیان اجنبی چیز یعنی الکحل کے ذریعہ فصل لازم آئے گا جو کہ درست نہیں ہے۔

ولك ان تقول: یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسئلہ کحل کی تعبیر مقصود کے مطابق جس

طرح مثال مشہور مذکور سے ہو سکتی ہے اسی طرح دو اور طریقے ہیں جن میں سے ایک بمقابلہ تعبیر اول قصیر اور دوسرا اقصر ہے یعنی ایک مختصر اور دوسرا زیادہ مختصر ہے۔ جیسے ما رأیت رجلاً احسن فی عینہ الکحل من عین زید پس یہ مثال مثال مشہور سے مختصر ہے ضمیر اور کلمہ فی کے حذف کی وجہ سے اور اگر لفظ عین کو حذف کر دیا جائے اور صرف زید پر اکتفاء کیا جائے تو اور زیادہ مختصر عبارت ہو جائے گی جیسے ما رأیت رجلاً احسن فی عینہ الکحل من زید۔

فان قدمت ذکر العین قلت ما رأیت کعین زید فیہا الکحل مثل ولا أری فی قطعة
 مررت علی وادی السباع ولا أری ❖ کوادی السباع حین یظلم وادیا اقل
 به ركب اتوه تايه ❖ واخوف الا ما وقى الله ساريا .

ترجمہ: - پس اگر تو عین کے ذکر کے مقدم کرے اور یوں کہے ما رأیت کعین زید احسن فیہا الکحل مانند ولا اری کے قطعہ میں کہ گذرا میں وادی سباع پر۔ اور میں نہیں دیکھتا ہوں وادی سباع کے مانند کوئی ایسی وادی جب کہ تاریکی اس پر چھا جاتی ہے کہ سواروں کا وہاں ٹھہرنا وادی السباع میں ٹھہرنے سے زیادہ کم ہو اور سواروں کا خوف زدہ ہونا وہاں سے زیادہ ہو مگر اس وقت کہ کسی رات چلنے والا کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے (آفتاب و بلیات سے)۔

توضیح: - اس عبارت کا ما حاصل یہ ہے کہ اس عین کو کہ جس میں کحل مفضل علیہ ہے اسم تفضیل پر مقدم کیا جاسکتا ہے پھر یوں کہا جاسکتا ہے ما رأیت کعین زید احسن فیہا الکحل اصل عبارت یوں تھی ما رأیت عیناً احسن فیہا الکحل منہ فی عین زید، لیکن جب عین زید کہ جس میں کحل مفضل علیہ ہے اسم تفضیل پر مقدم کر دیا تو دوبارہ عین کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ رہی پس تقدیر ما رأیت کعین زید احسن فیہا الکحل ہو گئی۔

معلوم ہو کہ اعتبارات ثلاثہ جس طرح مثال مشہور میں پائے جاتے ہیں اسی طرح ولا اری کوادی السباع الخ میں تینوں احتمالات درست ہیں۔

پس عبارت طویلہ ہوگی مررت علی وادی السباع ولا ادری ÷ وادیا اقل به ركب
 منهم فی وادی السباع اتوه تايه ÷ واخوف الا ما وقى الله ساريا .

عبارت قصیرہ مررت علی وادی السباع ولا اری وادیا اقل به ركب من وادی السباع
 اتوه تايه واخوف الا ما وقى الله ساريا .

عبارت اقصر ولا اری کوادی السباع حین یظلم وادیا اقل به ركب اتوه تايه

واخوف الا ما وقى الله ساريا.

الفعل ما دلّ على معنى في نفسه مُقْتَرَنٌ باحد الازمنة الثلاثة ومن خواصه دخولُ قَدْ
والسین وسَوْفَ والجَوَازِمِ ولحوقُ تاءِ التانیثِ ساکنَةً ونحو تاءِ فَعَلْتُ .

ترجمہ: - فعل وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کی ذات میں ہوں جو تینوں
زمانوں میں سے کسی کو شامل نہ ہو۔ اور فعل کے خواص میں سے قَدْ کا داخل ہونا ہے اور سین اور سوف اور جوازم
کا اور تائے تانیث ساکنہ کا لاحق ہونا ہے اور فَعَلْتُ جیسی تاء کا لاحق ہونا۔

توضیح: - اسم کی بحث ختم ہو جانے کے بعد اب مصنف فعل کی بحث شروع کر رہے ہیں، چنانچہ
فعل کی تعریف بیان کر رہے ہیں فعل ایسے کلمہ کو کہتے ہیں جو مستقل معنی رکھتا ہو اور تینوں زمانوں میں سے کسی
ایک زمانہ کو وضع اول کے اعتبار سے شامل ہو۔

وضع اول کی قید سے افعال مقار بہ فعل کی تعریف سے خارج نہ ہو سکیں گے کیوں کہ فی الحال اگرچہ یہ
زمانہ سے خالی ہیں، لیکن اصل میں یہ مقترن بالزمان ہیں، لہذا فعل کی تعریف ان پر صادق ہے۔ باقی لفظی
بحثیں وہی ہیں جو بحث اسم میں گذر چکی ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ومن خواصه: اور فعل کے خواص میں قَدْ ہے اس لیے کہ قَدْ وضع کیا گیا ہے ماضی کو حال سے
قریب کرنے اور فعل کی تحقیق کے لیے نیز فعل کی تقلیل کے لیے اور یہ سب باتیں فعل کے ساتھ مخصوص ہیں
لہذا جو لفظ ان معانی پر دلالت کرے گا وہ بھی فعل کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ اور سین اور سوف بھی فعل کے
خواص میں سے ہیں، کیوں کہ سین استقبال قریب پر اور سوف استقبال بعید پر دلالت کرتا ہے اور یہ دونوں
باتیں فعل کے ساتھ مخصوص ہیں لہذا جو الفاظ ان پر دلالت کرتے ہیں وہ بھی فعل کے ساتھ مخصوص ہوں گے۔
جوازم: جوازم میں کچھ کی وضع فعل کی نفی کے لیے ہوتی ہے جیسے لم اور لَمَّا اور بعض کی وضع طلب فعل
کے لیے ہوتی ہے جیسے لام امر اور کچھ فعل سے ممانعت کے لیے وضع ہوتے ہیں جیسے لائے نفی جب کہ
دوسرے کچھ تعلق الشیء بالفعل کے لیے موضوع ہیں جیسے ادوات شرط اور سارے معنی فعل میں ہی پائے جاتے
ہیں، لہذا یہ کلمات بھی فعل کے ساتھ مخصوص ہوئے۔

لحوق تاء التانیث: لحوق کا عطف دخول پر ہے قَدْ پر نہیں ہے تاء ساکنہ کہنے کی وجہ سے احتراز
ہو گیا تاء متحرکہ سے اس لیے کہ تائے متحرکہ اسم کے خواص میں سے ہے۔ پس تائے ساکنہ جیسے صلت فعل کا
خاصہ اس لیے ہے کہ یہ فاعل کی تانیث پر دلالت کرتی ہے، لہذا یہ اس کو لاحق ہوگی جس کے لیے فاعل ہو اور
فاعل، فعل کا ہوتا ہے، لہذا یہ فعل کے ساتھ ہی پائے جائے گی۔

تاء فعلت: اس سے مراد ضمائر متصلہ بارزہ متصلہ متحرک کہ مرفوعہ ہیں یہ فعل کا خاصہ اس لیے ہے کہ یہ تاء فاعل کی ہے لہذا فاعل جس کے لیے ہوگا اسی کو یہ لاحق ہوگی اور فاعل فعل کے لیے ہوتا ہے، لہذا یہ فعل کے لیے ہوں گی۔

الماضی ما دلّ علی زمانٍ قبل زمانکِ مبنی علی الفتح مع غیر الضمیر المرفوع المتحرک وانراو .

ترجمہ:- ماضی وہ فعل ہے جو ایسے زمانہ پر دلالت کرے جو آپ کے زمانہ سے پہلے ہو ضمیر مرفوع متحرک اور واؤ کے علاوہ کے ساتھ مبنی برفتح ہوتا ہے۔

توضیح:- ماضی ایسا فعل ہے جو بحسب الوضع ایسے زمانہ پر دلالت کرے جو آپ کے زمانہ سے پہلے ہو قبل زمانک سے مراد زمانہ حال ہے پس ماتن کا قول مادّل علی زمان تمام افعال کو شامل ہے اور ان کا قول قبل زمانک اس قید سے ماضی کے ما سوا تمام افعال خارج ہو گئے۔

اور دلالت بحسب الوضع کی قید سے وہ ماضی کی جس پر ادات شرط داخل ہو فعل ماضی ہونے سے خارج نہیں ہوگا گو دخول ادات شرط کی وجہ سے اس کو استقبال عارض ہو گیا ہے اسی طرح لم یضرب فعل ماضی نہ ہو سکے گا کیوں کہ بحسب الوضع اس کی دلالت ایسے زمانہ پر نہیں ہے جو زمانہ حال سے قبل ہے گو عارضاً اس کی دلالت زمانہ حال سے قبل کے زمانہ پر ہے۔

مبنی علی الفتح: اگر فعل ماضی ضمیر مرفوع متحرک اور واو جمع کے ساتھ نہ ہو تو مبنی علی الفتح ہوگا مبنی ہونا تو اس لیے ہے کہ معرب ہونے کی علت معدوم ہے اور حرکت پر مبنی ہونا جب کہ بناء علی السکون اصل ہے اس وجہ سے ہے کہ یہ موقع اسم میں واقع ہے اور فتح پر مبنی ہونا اس لیے ہے کہ فتح اخف الحركات ہے۔

مع غیر الضمیر: جب فعل ماضی ضمیر مرفوع متحرک کے ساتھ ہو تو وہ سکون پر مبنی ہوگا کیوں کہ فعل ضمیر مرفوع متحرک کے ساتھ شدت اتصال کی وجہ سے بمنزلہ کلمہ واحدہ کے ہے اور کلمہ واحدہ میں مسلسل چار حرکتوں کا اجتماع پسندیدہ نہیں ہے، جب کہ واو جمع کے ساتھ فعل ماضی ضمیر پر مبنی ہوگا خواہ لفظاً ہو جیسے صلوا یا تقدیراً ہو جیسے رموا ایسا مجانبت کی وجہ سے ہے کیوں کہ ضمیر واؤ کے مناسب اور مجانس ہے۔

المضارع ما أشبه الاسم باحد حروف نایت لوقوعه مشترکاً وتخصیصه بالسین او سوف فالهمزة للمتکلم مفرداً والنون له مع غیره والتاء للمخاطب مطلقاً وللمؤنث والمؤنثین غيبةً والياء للغائب غیرهما وحروف المضارعة مضمومة فی الرباعی ومفتوحةً فما سواہ .

ترجمہ:- مضارع وہ فعل ہے جو حروف نایت کے کسی بھی ایک حرف کی وجہ سے اسم کے مشابہ ہو اس کے مشترک واقع ہونے اور اس کے خاص ہو جانے کی وجہ سے سین اور سوف کے ذریعہ پس ہمزہ واحد متکلم کے لیے ہے اور نون متکلم کے لیے ہے اس حال میں کہ وہ مفرد اپنے غیر کے ساتھ ہو اور تاء مطلقاً مخاطب کے لیے ہے اور واحد مؤنث اور تثنیہ مؤنث کے لیے اس حال میں کہ وہ غائب ہو اور یا غائب کے لیے ہے واحد مؤنث اور تثنیہ مؤنث کے علاوہ اور حروف مضارع رباعی میں مضموم ہوتے ہیں اور رباعی کے ماسوا میں مفتوح ہوتے ہیں۔

توضیح:- مضارع وہ فعل ہے جو حروف نایت میں سے کسی حرف کی شروع میں زیادتی کے سبب اسم کے مشابہ ہو مشترک واقع ہونے کی وجہ سے متعدد معانی میں کہ جس طرح اسم متعدد معنوں کے لیے موضوع ہوتا ہے مثلاً عین کہ کئی معنوں کے لیے وضع کیا گیا ہے اسی طرح مضارع کئی معنی یعنی حال اور استقبال کے لیے موضوع ہے نیز جس طرح اسم مشترک بوقت قرینہ کسی ایک معنی کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے اسی طرح مضارع سین اور سوف کے شروع میں لاحق ہونے کے وقت استقبال کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے۔ پس اس توضیح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مضارع کو مضارع تشبیہ بالاسم کی مناسبت سے کہا جاتا ہے۔

فَالهَمْزَة: ہمزہ واحد متکلم کے معنی بتانے کے لیے ہوتا ہے جیسے اصلی اور نون جمع متکلم کے لیے۔ اسی کو مصنف نے والنون له مع غیرہ سے بیان کیا ہے کہ نون ایسے مفرد کے لیے جو اپنے علاوہ کے ساتھ ہو استعمال ہوتا ہے اب چاہے وہ مذکر ہو یا مؤنث تثنیہ ہو یا جمع پس نون تثنیہ اور جمع مذکر و مؤنث متکلم کے لیے آتا ہے۔ **نصوم**

التاء: اور تاء مطلق حاضر یعنی مخاطب کے لیے استعمال ہوتی ہے خواہ وہ واحد ہو یا تثنیہ یا جمع مذکر ہو یا مؤنث نیز واحد مؤنث غائب اور تثنیہ مؤنث غائب کے لیے بھی تاء کا استعمال ہوتا ہے۔

اور یاء کا استعمال غائب کے صیغوں کے لیے ہوتا ہے سوائے واحد مؤنث اور تثنیہ مؤنث غائب کے کیوں کہ ان کے لیے تاء کا استعمال رائج ہے۔

و حروف المضارعة: وہ مضارع جس کا ماضی چہار حرفی ہو خواہ اصلی ہوں یا زائد تو اس کا حرف مضارع مضموم ہو گا تا کہ ثلاثی اور رباعی کے مضارع میں باعتبار حرکت کے فرق ہو جائے۔ جیسے یکریم، یبغی اور رباعی کے ماسواہ اب چاہے وہ ثلاثی ہو یا اس کے ماضی میں پنج حرفی یا اور زائد حروف ہوں تو اول کثرت استعمال اور دوسرا کثرت حروف کی وجہ سے محتاج تخفیف ہے اس لیے فتحہ جو کہ اخف الحركات ہے کا انتخاب اس کے علامت مضارع کے لیے کیا جیسے ینصر اور یتدحرج، یرنشق، یشمنز

ولا يُعربُ من الفعل غيرُه اذا لم يتصل به نونٌ تأكيدٍ ولا نونٌ جمعٍ مؤنثٍ وَاعرابُه رفعٌ ونصبٌ وجزمٌ فالصحيح المجردُ عن ضمير بارزٍ مرفوعٌ للتثنية والجمع والمخاطب المؤنث بالضمّة والفتحة والسُّكُونِ مِثْلُ يَضْرِبُ لَنْ يَضْرِبَ وَلَمْ يَضْرِبْ والمتصل به ذلك بالنون وحذُّها مِثْلُ يَضْرِبَانِ وَيَضْرِبُونَ وتضربين والمعتل بالواو والياء بالضمّة تقديراً والفتحة لفظاً والحذف والمعتل بالالف بالضمّة والفتحة تقديراً والحذف ويرتفعُ اذا تجرّد عن الناصب والجازم نحو يقومُ زيدٌ.

ترجمہ: - اور کوئی فعل معرب نہیں ہوتا ہے مضارع کے علاوہ بشرطیکہ نہ متصل ہو اس سے نون تاکید اور نہ ہی جمع مؤنث کا نون اور مضارع کا اعراب رفع اور نصب اور جزم ہے پس فعل صحیح جو ضمیر بارز مرفوع سے مجرد ہو تثنیہ اور جمع اور واحد مؤنث حاضر کی تو ضمہ کے ساتھ اور فتح کے ساتھ اور سکون کے ساتھ ہوگا جیسے یضرب اور لن یضرب اور لم یضرب اور جو مضارع کہ اس سے ضمیر بارز متصل ہو تو نون اور اس کے حذف کے ساتھ ہوگا جیسے یضربان اور یضربون اور تضربین اور وہ مضارع جو معتل بالواو ہو تو ضمہ تقدیری کے ساتھ اور فتح لفظی اور حذف کے ساتھ ہوگا اور معتل بالالف ضمہ اور فتح تقدیری کے ساتھ ہوگا اور حذف کے ساتھ ہوگا۔ اور مضارع مرفوع ہوتا ہے جب وہ ناصب اور جازم سے خالی ہو جیسے يقومُ زيدٌ۔

توضیح: - یہاں سے بتا رہے ہیں کہ افعال میں سوائے مضارع کے کوئی اور فعل معرب نہیں ہوتا، اس لیے کہ معرب ہونے کی علت ان میں نہیں پائی جاتی ہے، ہاں مضارع جب نون تاکید اور نون جمع مؤنث سے خالی ہو تو وہ اسم کے مشابہ ہونے کی وجہ سے معرب ہوگا البتہ جب نون تاکید اور نون جمع مؤنث مضارع کو لاحق ہو جائیں تو وہ مبنی ہوگا۔ پہلی صورت میں تو اس لیے کہ نون تاکید شدت اتصال کی وجہ سے بمنزلہ جزء کلمہ کے ہو گیا پس اگر اعراب نون سے قبل داخل کرتے ہیں تو وسط کلمہ میں اعراب کا لانا لازم آتا ہے جب کہ اعراب آخر کلمہ میں آیا کرتا ہے اور اگر آخر کلمہ میں لاتے ہیں تو فی الواقع دوسرے کلمہ میں اعراب کا لانا لازم آتا ہے اور دوسری صورت میں تو اس لیے اعراب منع ہے کہ نون جمع مؤنث فی المضارع، نون جمع مؤنث فی الماضي کے مشابہ ہے، لہذا جس طرح ماضی میں نون جمع مؤنث کا ما قبل ساکن رہتا ہے، اسی طرح نون جمع مؤنث کا ما قبل مضارع میں بھی ساکن رہے گا۔

واعرابہ: اب مضارع کا اعراب بیان فرما رہے ہیں تو مضارع کا اعراب رفع اور نصب اور جزم ہے۔ پس فعل مضارع صحیح جو تثنیہ مذکر اور مؤنث اور جمع خواہ جمع مذکر ہو یا مؤنث غائب ہو یا حاضر اور واحد

مؤنث حاضر کی ضمیر بارز مرفوع سے خالی ہو تو اس کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ لفظی اور حالت نصہی میں فتح لفظی اور حالت جزم میں سکون کے ساتھ ہوگا جیسے یضربُ اور لن یضربَ اور لم یضرب۔

واضح ہو کہ مضارع صحیح سے مراد ہر ایسا مضارع ہے کہ جس کے آخر میں واؤ، الف اور یاء نہ ہو۔ نیز ضمیر بارز کو مرفوع کے ساتھ مقید کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ ضمیر بارز منصوب کو اگر مضارع متصل ہے جیسے یضربک تو اس کا بھی مذکورہ بالا اعراب ہوگا۔

والم متصل بہ ذالک: اور وہ مضارع جو تشنیہ اور جمع نیز واحد مؤنث حاضر میں سے کسی کی بھی ضمیر بارز مرفوع کو متصل ہوتا ہے تو اس کا اعراب حالت رفعی میں نون کے ساتھ اور حالت نصہی اور جزمی میں نون کا حذف ہے۔ جیسے یضربان، یضربون اور تضربین، لن یضربا، لن یضربوا اور لن یضربی اور لم یضربا، لم یضربوا اور لم یضرب مضارع کی اس قسم کو اعراب بالحروف اسمائے تشنیہ اور جمع سے صورتہ مشابہت کی وجہ سے دیا گیا۔ نصہی حالت کو حالت جزم کے تابع کر دیا گیا ہے جیسے اسماء میں حالت نصہی کو حالت جزمی کے تابع کر دیتے ہیں۔

والمعتل بالواو: وہ مضارع جو معتل بالواو ہو یعنی اس کے آخر میں حرف علت واؤ ہو تو اس کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ تقدیری اور حالت نصہی میں فتح لفظی اور حالت جزم میں واؤ کے حذف کے ساتھ ہوگا جیسے هو يدعو، ولن يدعو اور لم يدعُ یہی حکم معتل بالیاء کا بھی ہے جیسے هو یرمی، ولن یرمی اور لم یرم حالت رفعی میں ضمہ تقدیری اس لیے ہوگا کہ واؤ اور یاء پر ضمہ دشوار ہوتا ہے اور حالت نصہی میں فتح لفظی اس لیے ہوگا کہ فتح اخف الحركات ہے اور حالت جزم میں حرف کا حذف اس لیے ہوگا، کیوں کہ اجتماع ساکنین ہو جاتا ہے۔ جو کہ محال ہے۔

والمعتل بالالف: اور وہ مضارع جس کے آخر میں حرف علت ہو تو اس کا اعراب حالت رفعی میں اور نصہی میں تقدیری ہوگا اس لیے کہ الف وصفا ساکن ہوتا ہے جو حرکت کو خواہ ثقیل ہو یا خفیف بالکل قبول نہیں کرتا ہے۔ جیسے هو یرضی اور لن یرضی اور حالت جزم میں الف کے حذف کے ساتھ جیسے لم یرض اس لیے کہ جازم فعل کے آخر سے حرف علت کو ساقط کر دیتا ہے۔

ویرتفع اذا تجرد: جب مضارع ناصب اور جازم سے خالی ہو تو مرفوع ہوگا جیسے یقوم زید یصوم مرفوع اس لیے ہوگا کہ جب وہ اسم کی جگہ میں واقع ہوتا ہے تو بمنزلہ اسم کے ہو جاتا ہے، لہذا صورتہ مذکورہ میں اسم کا قوی ترین اعراب یعنی رفع اس کو دے دیا جاتا ہے۔ اسم سے مراد اسم فاعل ہے۔

وینتصب بان ولن واذن وکی وبان مقدرة بعد حتی ولام کی ولام الجحود والفاء والواو واو، فان مثل اريد ان تحسن الي وان تصوموا خيرا لكم والتي تقع بعد

العلم هي المُنخَفَّةُ مِنَ الْمُثَقَّلَةِ وَلَيْسَتْ هَذِهِ نَحْوُ عَلِمْتُ أَنْ سَيَقُومُ وَالْأَيُّ يَقُومُ
وَالَّتِي تَقَعُ بَعْدَ الظَّنِّ فِيهَا الرَّجْهَانُ .

ترجمہ:- اور مضارع منصوب ہوتا ہے اُن اور لَنْ اور اذن اور گئی سے اور اُن مقدرہ کی وجہ سے حتی اور لام کی اور لام تجو اور فاء اور واو اور او کے بعد پس ان جیسے اُرید ان تُحسِن الی اور ان تصووا خیر لکم اور وہ اُن جو علم کے بعد واقع ہوتا ہے وہ مخففہ من المثقلہ ہے وہ اُن ناصبہ نہیں ہے جیسے علمت ان سيقوم اور ان لا يقوم اور ان جو ظن کے بعد واقع ہوتا ہے تو اس میں دو وجہیں ہیں۔

توضیح:- اب فعل کے منصوب ہونے کے مواقع کو بیان کر رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ مضارع اُن اور لَنْ اور کی اور اذن کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے نیز اس اُن سے بھی منصوب ہوتا ہے جو حتی یا لام کی اور لام تجو کے بعد ہوتا ہے۔ حتی اور لام کی اور لام تجو کے بعد اُن ناصبہ اس لیے مقدر ہوتا ہے کہ یہ تینوں حروف جارہ ہیں جو صرف اسماء پر داخل ہوتے ہیں لہذا ان کے بعد اُن کا مقدر ماننا ضروری ہو گیا تاکہ فعل مصدر کی تاویل میں ہو جائے اور مصدر چوں کہ اسم ہوتا ہے اس لیے ان کا داخلہ اسم پر ہونا ثابت ہو جائے گا۔

اسی طرح اُن فاء اور واو کے بعد بھی مقدر ہوتا ہے جیسے ذرنی فا کر مک فاء کی مثل اور واو کی مثال جیسے لا تا کل السمک ولا تشرب اللبن اس لیے کہ فاء اور واو حروف عطف میں جو انشاء کے بعد واقع ہوتے ہیں اور خبر کا عطف انشاء پر ناممکن ہے، لہذا ان کی تقدیر ضروری ہے، تاکہ فاء اور واو کے بعد کا فعل مفرد کی تاویل میں ہو جائے۔

اور او کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے جیسے لا لزمناک او تعطينی حقہ پس او الی اُن یا الا کے معنی میں ہے اول حروف جارہ ہے اور ثانی حرف استثناء اور دونوں کے دونوں اسم کے ساتھ مخصوص ہیں، لہذا ان مصدر یہ کی تقدیر ضروری ہے، تاکہ فعل مصدر کی تاویل میں ہو جائے اور اس پر حرف جر اور استثناء کا داخلہ صحیح ہو جائے۔

قولہ فان: پس اُن جس کے ذریعہ مضارع منصوب ہوتا ہے جیسے اُرید ان تُحسِن الی اور اُن تصووا خیر لکم پہلی مثال نصب بالفتح کی ہے اور دوسری مثال نصب بحذف النون کی ہے۔

وَالَّتِي تَقَعُ بَعْدَ الْعِلْمِ: یہ عبارت سوال مقدر کا جواب ہے کہ آپ کا یہ قاعدہ کہ مضارع اُن کے بعد منصوب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد عَلِمَ اَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضًى سے ٹوٹ جاتا ہے کیوں کہ ان کے بعد سیکون مضارع واقع ہے اس کے باوجود مرفوع ہے۔ تو اس کا مصنف نے جواب دیا کہ ہمارا قاعدہ اپنی جگہ مسلم ہے، البتہ وہ اُن جو علم کے بعد واقع ہو تو وہ مذکورہ بالا قاعدہ سے مستثنیٰ ہے، چنانچہ علم کے

بعد واقع ہونے والا اَنْ، اَنْ ناصبہ نہیں ہے بلکہ وہ اَنْ مخففہ من المشقلہ ہے جو تحقیق پر دلالت کرتا ہے جس کے علم کا استعمال شایان شان ہے جب کہ اَنْ مصدریہ طمع اور رجاء کے لیے ہے جس کے مناسب علم نہیں ہے۔ پس اَنْ مخففہ کا فصل سین کے ذریعہ فعل سے ضروری ہے جیسے علمت اَنْ سيقوم۔

والتي تقع بعد الظن: اور وہ اَنْ جو ظن کے بعد واقع ہوتا ہے تو اس میں دونوں وجہیں درست ہیں اَنْ مخففہ من المشقلہ بھی اور اَنْ مصدریہ بھی اول اس لیے کہ ظن غلبہ وقوع پر دلالت کرتا ہے لہذا اَنْ مخففہ من المشقلہ اس کے حسب حال ہوگا کیوں کہ وہ تحقیق پر دلالت کرتا ہے اور ثانی اس لیے کہ چونکہ وقوع کا یقین نہیں ہوتا ہے، لہذا اس اعتبار سے اَنْ مصدریہ ظن کے بعد مقدر ماننا مناسب ہوگا۔

ولن مثل لن ابرح ومعناها نفى المستقبل واذن اذا لم يعتمد ما بعدها على ما قبلها
وكان الفعل مستقبلاً مثل اذن تدخل الجنة واذا وقعت بعد الواو والفاء فالوجهان.

ترجمہ:- ولن جیسے لن ابرح اور لن کے معنی مستقبل کی نفی اور اذن (نصب کا عمل کرتا ہے) جب اس کا مابعد اس کے ماقبل پر اعتماد نہ کرے اور فعل مستقبل ہو جیسے اذن تدخل الجنة اور جب اذن فاء اور واو کے بعد واقع ہو تو دو وجہیں ہیں۔

توضیح:- لن بھی فعل مضارع کو نصب کرتا ہے جیسے لن ابرح پس لن مستقبل کی نفی کے لیے تاکید ہوتا ہے البتہ تابید کے لیے نہیں ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد لن ابرح الارض حتی ياذن لی ابی میں تناقض پیدا ہو جائے گا کہ لن تو برائے تابید اور دوام ہو اور حتی ياذن لی برائے انتہاء ہو ظاہر سی بات ہے کہ دونوں میں تعارض ہے۔

لن سیبویہ کے نزدیک مستقل حرف ہے جو اپنی اصل سے بدلا ہوا نہیں ہے جب کہ فراء کے نزدیک لن کی اصل لا ہے پس الف کو نون سے بدل دیا لن ہو گیا اور خلیل کے نزدیک لان ہے پس کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا۔

واذن: اذن دو شرطوں کے ساتھ نصب کا عمل کرتا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اذن کا مابعد اذن کے ماقبل کا معمول نہ ہو ورنہ دو عاملوں کا معمول واحد پر آنا لازم آئے گا ایک تو خود اذن اور دوسرے اس کا ماقبل اور دوسری شرط یہ ہے کہ فعل مستقبل ہو کیوں کہ اذن کا مابعد جواب اور جزء ہوتا ہے اور یہ دونوں باتیں استقبال میں ہی پائی جاسکتی ہیں جیسے آپ کا قول اس آدمی سے کہ جس نے کہا اسلمت، اذن تدخل الجنة پس اگر کوئی ایک شرط فوت ہو جائے جیسے انا اذن احسن اليك اور جیسے تیرا قول اس آدمی سے جو تم سے گفتگو کر رہا ہو اذن اظنك کا ذبا پس اول میں مابعد اذن ماقبل کا معمول ہے اور ثانی میں بجائے مستقبل کے معنی میں ہونے کے حال کے معنی میں ہے یا دونوں شرطیں بیک وقت فوت ہوں جیسے آپ اس آدمی سے

جو آپ سے گفتگو کر رہا ہے کہیں انا اذن اظنک کا ذبا تو رفع واجب ہوگا اور مضارع منصوب نہ ہوگا۔
 وَاذَا وَقَعَتْ بَعْدَ الْوَاوِ: جب اذن واو یا فاء کے بعد واقع ہو تو دو جہیں ہیں مضارع کا رفع بھی اور نصب بھی وقوع بعد الفاء کی مثال جیسے تمہارا فاذن اکر مک کہنا اس آدمی سے جو جواب کے طور پر کہہ رہا ہو انا آتیک۔ اور وقوع بعد الواو کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد واذن لا یلبثون خلافک تو اب رفع اس لیے جائز ہے کہ شرط فوت ہے، کیوں کہ اذن کا مابعد ماقبل پر اعتماد کیے ہوئے ہے گو ضعیف سہی اور نصب اس لیے روا ہے کہ عاطف کے ذریعہ اعتماد کمزور ہے۔ پس جب نفس اعتماد کا لحاظ کیا جائے گا تو رفع پڑھا جائے گا اور جب اعتماد کی کمزوری کی طرف دھیان جائے گا تو نصب کی گنجائش نکل آئے گی۔

وکی مثل اسلمت کی ادخل الجنة وَمَعْنَاهَا السَّبِيَّةُ وَحَتَّىٰ إِذَا كَانَ مُسْتَقْبَلًا
 بِالنَّظَرِ إِلَىٰ مَا قَبْلَهَا بِمَعْنَىٰ كِي أَوْ إِلَىٰ مِثْلِ اسْلَمْتُ حَتَّىٰ ادْخُلَ الْجَنَّةَ وَكُنْتُ سِرْتُ
 حَتَّىٰ ادْخُلَ الْبَلَدَ وَاسِيرٌ حَتَّىٰ تَغِيْبَ الشَّمْسُ فَإِنْ ارْتَدَّتْ الْحَالُ تَحْقِيقًا أَوْ حِكَايَةً
 كَانَتْ حَرْفُ ابْتِدَاءٍ فَتَرْفَعُ وَتَجِبُ السَّبِيَّةُ مِثْلَ مَرِيضٍ حَتَّىٰ لَا يَرْجُوْنَهُ وَمِنْ ثَمَّ امْتِنَعَ
 الرَّفْعُ فِي كَانَ سِيرِي حَتَّىٰ ادْخُلَهَا فِي النَّاْقِصَةِ وَسِرْتُ حَتَّىٰ تَدْخُلَهَا وَجَازَ فِي
 التَّامَّةِ كَانَ سِيرِي حَتَّىٰ ادْخُلَهَا وَأَيْهِمْ سَارَ حَتَّىٰ يَدْخُلَهَا.

ترجمہ: - اور کی جیسے اسلمت کی ادخل الجنة اور اس کے معنی سبیت کے ہیں اور
 حتی جب کہ (اس کے بعد فعل) مستقبل ہو تو کی یا الی کے معنی میں ہوتا ہے جیسے اسلمت حتی
 ادخل الجنة اور کنت سرت حتی ادخل الجنة اور اسیر حتی تغیب الشمس پس اگر تو حال کا
 ارادہ کرے واقعہ یا حکائیہ تو حتی حرف ابتداء ہوگا تو حتی (کا مابعد) مرفوع ہوگا اور سبیت واجب ہوگی جیسے
 مرض حتی لا یرجونہ اور اسی وجہ سے رفع ممتنع ہے کان سیری حتی ادخلها میں ناقصہ کی صورت
 میں اور سرت حتی تدخلها میں اور رفع جائز ہے تامہ کان سیری حتی ادخلها اور ایہم سار
 حتی یدخلها میں۔

توضیح: - حروف نواصب میں سے کی بھی ہے جیسے اسلمت کی ادخل الجنة کی کا معنی
 ہے کہ کی کا ماقبل کی کے مابعد کے لیے سبب ہوگا جیسے مثال مذکور میں اسلام دخول الجنة کا سبب ہے کی
 کا ناصب ہونا کو فیوں کا مسلک ہے یہی مصنف کا مختار ہے باقی بصریوں کے نزدیک کی کے بعد ان مقدر
 ہوتا ہے جو مضارع کے نصب کا باعث ہوتا ہے، کیوں کہ لام کا دخول کی پر درست ہے، جیسے لکیلا یكون
 علی المؤمنین حرج.

حتی: حتی الی ان یا کنی کے معنی میں ہوتا ہے اور اس کے مابعد مضارع منصوب ہوتا ہے، لیکن جب حتی کے بعد واقع ہونے والا مضمون باعتبار حتی کے ماقبل بیان ہونے والے مضمون کے مستقبل ہو گو عند التکلم حتی کا دخول فعل مستقبل پر ہو یا نہ ہو جیسے کنت سرت حتی ادخل البلد پس دخول بلد باعتبار سیر کے مستقبل ہے پس نصب درست ہے اور یہ شرط اس لیے لگائی کہ ان ناصبہ طمع اور رجاء کے لیے ہوتا ہے اور یہ فعل مستقبل میں ہی متصور ہو سکتا ہے۔

حتی اپنی شرط کے پائے جانے کے وقت الی ان یا کنی کے معنی میں ہو گا تا کہ حتی جارہ کے معنی میں ہونے کی صراحت ہو جائے اور اور ان ناصبہ کی تقدیر کا باعث ہو جائے۔

حتی بمعنی کنی اور فعل مستقبل حقیقتاً کی مثال اسلمت حتی ادخل الجنة اور حتی بمعنی کنی اور فعل مستقبل غیر حقیقی کی مثال جیسے کنت سرت حتی ادخل الجنة یہ مثال حتی بمعنی الی ان ہونے کی بھی احتمال رکھتی ہے۔ حتی بمعنی الی ان اور مابعد مستقبل حقیقی کی مثال جیسے اسیر حتی تغیب الشمس۔

فان اردت الحال: مطلب یہ ہے کہ جب حتی کا مابعد برائے مستقبل نہ ہو اب چاہے حتی کے مابعد سے حقیقتاً حال مراد لینے کی وجہ سے ایسا ہو جیسے سرت حتی ادخل کہ مثال مذکور میں دخول کی حالت میں سیر کی خبر دی جا رہی ہے یا تقدیر حال کا ارادہ کیا جائے جیسے سرت الیوم حتی ادخل البلد امس کہ حتی کے مابعد سے تقدیر یعنی حکایہ حال کا ارادہ کیا گیا ہے تو حتی جارہ نہ ہو کر حتی حرف ابتداء ہوگا، لہذا اس کا مابعد مرفوع ہوگا منصوب نہیں ہوگا، کیوں کہ اب وہ حرف جارہ نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے فعل کو مصدر کی تاویل میں کرنے کی ضرورت پڑے اچھا جارہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ ایسے حتی کے بعد ان کی تقدیر ممتنع ہے، کیوں کہ ان ناصبہ برائے طمع و رجاء ہوتا ہے جو استقبال پر دلالت کرتا ہے جب کہ مضارع یہاں برائے حال ہے پس حال و استقبال میں منافات ہے۔

البتہ جب حتی حرف ابتداء ہو تو اس کے ماقبل کا مابعد کے لیے سبب ہونا ضروری ہے اس لیے کہ ماقبل اور مابعد میں اتصال لفظی ختم ہو گیا تو اب اتصال معنوی ضروری ہو گیا، تا کہ وہ مقصد حاصل ہو سکے جو حتی کا مدلول ہے۔ جیسے مَرَضَ فلان حتی لایرجو نہ پس مثال مذکور میں مابعد حتی برائے حال ہے اور خود حتی حرف ابتداء ہے اور مابعد کے لیے ماقبل سبب ہے تا کہ حتی کے مدلول کا تحقق ہو سکے۔

ومن ثم امتنع الرفع: اس وجہ سے کہ ارادہ حال کے وقت حتی ابتداء کے لیے ہو جاتا ہے جارہ نہیں رہ جاتا کان سیری حتی ادخلها میں کان کے ناقصہ ہونے کے وقت رفع ممتنع ہے۔ اس لیے کہ جب رفع پڑھا جائے گا تو حتی کے مابعد کا جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے ماقبل سے کوئی تعلق نہیں رہ جائے گا پس

کان ناقصہ بلا خبر کے رہ جائے گا جو فساد معنی کی وجہ سے درست نہیں ہے نیز اسرت حتی تدخلها رفع کے ساتھ درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس وقت حتی کا مابعد خبر مستانف ہوگا جس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہ ہوگا حالاں کہ حتی کا ماقبل مابعد کے لیے سبب ہے اور جو ہمزہ استفہام کی وجہ سے مشکوک ہے پس مسبب کے وقوع کا حکم لگانا مسبب کے وقوع میں شک کے ساتھ لازم آیا جو کہ محال ہے، کیوں کہ جب وقوع سبب کا یقین ہوتا ہے تب وقوع مسبب کا حکم لگایا جاتا ہے۔

وجاز فی التامة: البتہ کان سیری حتی ادخلها میں کان تامہ کے تحقق کے وقت رفع درست ہے اس لیے کہ حتی حرف ابتداء ہو جائے گا اور ہر چند حتی کا مابعد جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے ماقبل سے لا تعلق ہوگا، لیکن کان کے تامہ ہونے کی وجہ سے کان کا بغیر خبر کے ہونا لازم نہیں آئے گا کیوں کہ کان تامہ میں خبر کی ضرورت نہیں پس گویا مانع نہیں ہے، اسی طرح ایہم سار حتی یدخلها میں بھی رفع فعل کا درست ہے اس لیے کہ سوال کا تعلق تعین فاعل سے ہے، لہذا سبب میں شک کے ہوتے ہوئے مسبب کے وقوع کا حکم لگانا لازم نہیں آیا پس جواز رفع کی راہ کار وڑا معدوم ہے کیوں کہ دخول کا سبب سیر ہے جس میں شک نہیں ہے سائر نہیں ہے کہ جس میں شک ہے۔

ولام گئی مثل اسلمت لادخل الجنة ولام الجحود لام تاکید بعد النفی لکان مثل وما کان اللہ ليعذبهم والفاء بشرطین احدثهما السببية والثانی ان ینكون قبلها مثل ذالك وَاو بشرط معنى الى ان او الا ان والعاطفة اذا كان المعطوف عليه اسما ويجوز اظهار ان مع لام گئی والعاطفة ويجب مع لا فی اللام علیها۔

ترجمہ:- اور لام گئی جیسے اسلمت لادخل الجنة، اور لام جحود لام تاکید ہوتا ہے کان منفی کے بعد جیسے وما کان اللہ ليعذبهم اور فاء (کے بعد ان مقدم ہوتا ہے) دو شرطوں کے ساتھ ان میں سے ایک سبب ہونا دوسرے فاء سے پہلے امر ونہی یا استفہام یا نفی یا تمنی یا عرض کا ہونا۔ اور واؤ (کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے) دو شرطوں کے ساتھ جمعیت کا ہونا اور واؤ سے پہلے اسی جیسا ہونا (امور ستہ مذکورہ میں سے کسی ایک کا ہونا) اور او (کے بعد ان مقدر ہوتا ہے) الی ان یا الا ان کے معنی کی شرط کے ساتھ اور حروف عاطفہ کے بعد جب کہ معطوف علیہ اسم ہو۔ اور ان کا اظہار لام گئی اور حروف عاطفہ کے ساتھ جائز ہے اور واجب ہے ان کا اظہار لا کے ساتھ اس لام میں جو لا پر ہو۔

توضیح:- حروف نواصب میں سے لام گئی ہے اس کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے جیسے اسلمت لادخل الجنة لام گئی کے بعد ان اس لیے ہوتا ہے کیوں کہ یہ لام جارہ ہے جو اسم پر داخل ہوتا ہے، لہذا جب یہ فعل پر داخل ہوگا تو اس کے بعد ان مقدر مانا جائے گا تاکہ فعل مصدر کی تاویل میں

ہو جائے پس لام جارہ کا دخول اس پر صحیح ہو جائے۔ لام کئی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لام کئی کے معنی میں ہوتا ہے۔

ولام الجحود: لام جحود کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے یہ لام زائدہ ہوتا ہے جو نفی کی تاکید کے لیے ہوتا ہے اور کان منفی کے بعد آتا ہے جیسے وما كان الله ليعذبهم لام کئی اور لام جحد میں فرق یہ ہے کہ لام کئی تعلیل یعنی بیان علت کے لیے ہوتا ہے جب کہ لام جحد بیان علت کے بجائے نفی کی تاکید کے لیے ہی ہوتا ہے دوسرا فرق یہ ہے کہ لام کئی کے حذف سے معنی میں خلل واقع ہو جاتا ہے جب کہ لام جحد کے حذف سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ یہ لام زائدہ ہے۔

والفاء: اور فاء کے بعد ان دو شرطوں کے ساتھ مقدر ہوتا ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ فاء کا ماقبل فاء کے مابعد کے لیے سبب ہو سبب کو شرط اس لیے قرار دیا کہ رفع سے نصب کی طرف عدول سببیت پر صراحت کے لیے ہے بایں طور کہ لفظ کا تغیر معنی کے تغیر پر دلالت کرتا ہے۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ فاء سے ماقبل امر ونہی استفہام اور نفی تمنی اور عرض میں سے کوئی ایک فاء سے پہلے ہوتا کہ یہ وہم دور ہو جائے کہ فاء کے مابعد کا فاء کے ماقبل پر عطف ہے، کیوں کہ مابعد خبر ہے جس کا ماقبل پر انشاء ہونے کی وجہ سے عطف نہیں ہو سکتا جیسے زرنی فاكرمك، لا تشتمني فاضربك، هل عندكم ماء فاشربه، ما تأتينا فتحدثنا، لیت لی ما لا فانفقہ الا تنزل فتصیب خیراً۔

واضح ہو کہ دعاء امر اور نہی میں داخل ہے جیسے اللہم اغفر لی فافوز اور لا تؤاخذنی فاهلك اور تخصیص نفی میں داخل ہے لولا أنزل علیہ ملک فیکون معہ نذیراً اور ترجی، تمنی میں داخل ہے جیسے لعلی ابلغ الاسباب اسباب السموات فاطلع الی الہ موسیٰ پس ان سب کے بعد بھی ان مقدر ہوگا۔

الواو: اور واؤ کے بعد بھی ان دو شرطوں کے ساتھ مقدر ہوتا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ واؤ جمع کے لیے ہو اس لیے کہ جب لوگ واؤ میں جمع کے معنی کا ارادہ کریں گے تو واؤ کے بعد مضارع کو نصب دیں گے کیوں کہ لفظ کی تبدیلی معنی کی تبدیلی پر دلالت کرتی ہے۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ واؤ سے پہلے مذکورہ بالا چھ چیزوں یعنی امر ونہی وغیرہ میں سے کوئی ایک ہو تاکہ واؤ کے مابعد کا ماقبل پر معطوف ہونے کا وہم دور ہو سکے کیوں کہ خبر کا انشاء پر عطف نہیں ہوتا ہے۔ واؤ کی مثلہ بعینہ فاء کی مثلہ ہیں صرف فاء کی جگہ واؤ بڑھا دیا جاتا۔

واو بشرط معنی الی ان: اور او کے بعد ان مقدر ہوتا ہے بشرطیکہ وہ او الی یا الا کے معنی میں ہو باقی مصنف کی عبارت میں تسامح ہے، کیوں کہ اس سے ذہن اس بات کی طرف جاتا ہے کہ او کے

مجزوم ہوتا ہے پس لَمْ مضارع کو ماضی سے بدلنے اور اس کے نفی کے لیے ہوتا ہے اور لَمَّا اسی کے مثل ہے اور لَمَّا استغراق کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور فعل کے حذف کے جواز کے ساتھ۔ اور لام امر اس سے فعل مطلوب ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اور لائے نہیں اس سے فعل کا ترک مطلوب ہوتا ہے اور کلمات شرط و جزاء دو فعلوں پر داخل ہوتے ہیں اول کی سببیت اور تانی کی مسببیت کے لیے اور ان دونوں کا شرط و جزا نام رکھا جاتا ہے۔

توضیح: - مضارع لَمْ اور لَمَّا کی وجہ سے اس لیے مجزوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں مضارع کے ساتھ مخصوص ہیں اور جو چیز کسی شئی کے ساتھ مخصوص ہو تو گو وہ اس کی حقیقت سے خارج ہو لیکن اس میں یعنی مخصوص میں وہ مؤثر ہوتی ہے اور مضارع کا جزم لام امر اور لائے نہیں سے اس لیے ہے کہ لام امر اور لائے نہیں ان شرطیہ کے مشابہ ہیں کہ جس طرح ان شرطیہ مضارع کو حال سے استقبال کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ اور ان شرطیہ سے مضارع اس لیے مجزوم ہوتا ہے کہ وہ مضارع کے ساتھ خاص ہے کہ وہ مضارع کے سوا کسی اور فعل پر داخل نہیں ہوتا اور دیگر کلمات شرط کی وجہ سے مضارع اس لیے مجزوم ہوتا ہے کہ ان شرطیہ کو متضمن ہیں۔ کلم مجازاة ان اور مہما اور اذاما اور اذما اور حیثما اور این اور متی اور ما اور من اور ای اور انی ہیں۔

وَأَمَّا مَعَ كَيْفَمَا: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ مضارع جس طرح کلمات مذکورہ بالا سے مجزوم ہوتا ہے اسی طرح کیفما اور اذما سے بھی مجزوم ہوتا ہے تو اس کا جواب مصنف نے دیا کہ مضارع کا ان سے مجزوم ہونا شاذ ہے، کیوں کہ کیفما میں تو عموم احوال کے لیے آتا ہے جیسے کیفما تقرأ اقرأ اور دو قاریوں کا جمیع احوال و کیفیات میں مساوی ہونا ممکن نہیں اور اذما میں شاذ اس لیے ہے کہ دیگر کلمات ان کے معنی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مضارع کو جزم دیتے ہیں جب کہ اذما ان کے معنی کو شامل نہیں ہے، کیوں کہ ان ابہام کے لیے ہوتا ہے، جب کہ اذیقین کے لیے اور ان دونوں میں منافات ہے۔

بِأَنَّ مَقْدَرَةَ: اور مضارع ان مقدر کی وجہ سے بھی مجزوم ہوتا ہے، اب رہی بات کی ان کب مقدر ہوگا تو آگے اس کی بحث آئے گی۔

فَلَمْ لِقَبِ الْمَضَارِعِ: لَمْ مضارع میں دو طرح کی معنوی تبدیل پیدا کرتا ہے، ایک تو یہ ہے کہ وہ مضارع کو ماضی اور دوسرے منفی کے معنی میں کر دیتا ہے یعنی جب لَمْ مضارع پر داخل ہوتا ہے تو وہ اسے ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے جیسے لَمْ يَضْرِبُ اور لَمَّا بَعَثَ لَمْ کی طرح مضارع کو فعل ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے البتہ دونوں میں فرق یوں ہے کہ لَمَّا کے ذریعہ ایسے فعل کی نفی کی جاتی جس کی توقع اور امید کی جاتی ہے دوسرے لَمَّا میں نفی کا استغراق ہوتا ہے یعنی پورے زمانہ ماضی میں نفی کیے جانے کے وقت سے

ماضی ہو تو بھی جزم شرط میں واجب ہے، کیوں کہ وہ معرب ہے اور جازم پایا جا رہا ہے۔

وان كان الثاني: اور اگر شرط تو ماضی ہو اور جزا مضارع ہو جیسے ان خرجت لم اخرج تو دو وجہیں درست ہیں رفع اور جزم دونوں صحیح ہیں رفع تو اس لیے کہ جب حرف شرط میں عامل نہیں ہے جو کہ اس سے قریب ہے تو جزاء میں بدرجہ اولیٰ عمل نہ کر سکے گا، کیوں کہ وہ اس سے بمقابلہ شرط کے بعید ہے۔ اور جزم کی اجازت تو اس لیے ہوگی کہ وہ معرب ہے اور جازم پایا جاتا ہے۔

واذا كان الجزاء: اگر جزا ماضی بغیر قد کے ہو خواہ وہ ماضی لفظاً ہو جیسے ان ضربت ضربتاً یا معنی ہو بایں طور کہ لم مضارع پر داخل ہو جیسے ان تلعب لم تفر تو جزا پر فاء کا لانا درست نہ ہوگا، کیوں کہ جزا کے معنی میں حرف شرط کی تاثیر پائی جا رہی ہے کہ ماضی بمعنی مستقبل ہو گیا، لہذا ربط بالفاء کی کوئی ضرورت نہیں۔

وان كان مضارعاً مثبتاً: اگر جزا مضارع مثبت ہو جیسے ان صليت فيصل يا منفي بلا ہو جیسے ان تضرب لا يقرء تو دو وجہیں درست ہیں فاء کا لانا بھی اور ترک فاء بھی، فاء جزائیہ کے لانے کی اجازت اس لیے ہے کہ حرف شرط نے معنی میں ویسا اثر نہیں کیا جیسا ماضی میں اثر کرتا ہے اور ترک فاء اس لیے درست ہے کہ حرف شرط معنی میں مؤثر ہے بایں حیثیت کہ وہ مضارع حرف شرط کی وجہ سے استقبال کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے، لہذا من وجہ تاثیر پائی گئی پس فاء جزائیہ کا ترک درست ہے۔ فاء کی مثال جیسے ومن عاد فينتقم الله اور ترک فاء کی مثال جیسے ان يكن منكم الف يغلبوا الفین اور جب مضارع منفي بلا ہو تو اس میں دو وجہیں اس لیے درست ہیں کہ اگر لاکوئی استقبال کے لیے مانا جاتا ہے تو حرف شرط بلا تاثیر کے ہو جاتا ہے، کیوں کہ معمول واحد پر دو علتوں کا اجتماع ناپسندیدہ ہے، لہذا فاء کا لانا ربط کے واسطے مناسب ہے اور اگر لاء کا محض نفی کے لیے مانا جائے تو حرف شرط کے لیے اس میں تاثیر پیدا ہو جائے گی، کیوں کہ وہ مضارع کو برائے استقبال کر دیتا ہے لہذا ترک فاء جائز ہے اول کی مثال جیسے فمن يومن بربہ فلا يخاف بخسًا ولا رهقًا اور دوسرے کی مثال جیسے ان تجلس لا تصل الى المنزل۔

والا فالفاء: اگر جزا ماضی بغیر قد کے لفظاً یا معنی نہ ہو اور نہ ہی وہ مضارع مثبت بغیر سین اور سوف ہو نیز وہ مضارع منفي بلا بھی نہ ہو تو اس کی متعدد صورتیں ہیں (۱) جزا ماضی ہو اور قد لفظی کے ساتھ ہو جیسے ان تسرق فقد سرق اخ له من قبل يا قد معنی کے ساتھ ہو جیسے ان كان قميصه قد من قبل فصدقت وهو من الكاذبين پس تقدیر عبارت ہے فقد صدقت۔ (۲) یا جزا مضارع ہو جو سین اور سوف کے ساتھ ہو، (۳) یا مضارع منفي بلن ہو (۴) یا جزا جملہ اسمیہ ہو (۵) یا امر ونہی یا دعا ہو، تو ان تمام صورتوں میں فاء جزائیہ لانا واجب ہے، اس لیے کہ حرف شرط جزا میں نہ تو معنی مؤثر ہے کہ اس کو مستقبل

کے معنی میں کر دے اور نہ ہی لفظ مؤثر ہے کہ جزا کو مجزوم کر دے لہذا ربط کے لیے فاء کا لانا ضروری ہے، بقیہ کی مثالیں آپ خود اخذ کر سکتے ہیں۔

ویجی اذا مع الجملة الاسمية موضع الفاء .

ترجمہ: - اذا جملہ اسمیہ کے ساتھ فاء کی جگہ آتا ہے۔

توضیح: - مطلب یہ ہے کہ جب جزا جملہ اسمیہ ہو تو فاء جزا سے کی جگہ جملہ اسمیہ کے ساتھ اذا آسکتا ہے جیسے وان تصبهم بما قدہ ، ایدیہم اذا ہم یقنطون ، البتہ فاء کا استعمال ہی کثیر ہے ایسا اس لیے کہ اذا مفاجاتیہ بھی فاء کی طرح تعقیب پر دلالت کرتی ہے، اس لیے اس کو فاء کے قائم مقام بنایا جاسکتا ہے۔

وان مقدرة بعد الامر والنهی والاستفہام والتّمنی والعرض اذا قصد السببیۃ نحو
اسلم تدخل الجنة ولا تکفر تدخل الجنة وامتنع لا تکفر تدخل النار خلافاً
للکسانی لان التقدير ان لا تکفر .

ترجمہ: - اور ان امر اور نہی استفہام اور تمنی اور عرض کے بعد مقدر ہوتا ہے جب سببیت کا ارادہ کیا جائے جیسے اسلم تدخل الجنة اور لا تکفر تدخل الجنة اور نا جائز ہے لا تکفر تدخل النار مخالفت کرتے ہوئے کسائی کی اس لیے کہ تقدیر ان لا تکفر النار ہے۔

توضیح: - ان امر اور نہی اور استفہام اور تمنی اور عرض کے بعد مقدر ہوتا ہے جب اس بات کا قصد کیا جائے کہ ما قبل ما بعد کے لیے سبب ہے پس ان اشیاء کے بعد ان مقدر ہوگا اور وہ اس لیے کہ یہ اشیاء طلب پر داخل ہوتی ہیں اور طلب عموماً ایسے مطلوب سے متعلق ہوتا ہے کہ جس پر کوئی ایسا فائدہ مرتب ہو سکے کہ وہ مطلوب اسی فائدہ کے لیے سبب اور وہ فائدہ اس مطلوب کے لیے مسبب بن جائے۔ اور سببیت اور مسببیت پر دال حرف شرط ہوتا ہے اور حرف شرط لفظوں میں مذکور نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ مقدر ہے۔ جیسے اسلم تدخل الجنة کہ اسلم کے بعد ان مقدر ہے، کیوں کہ اسلام دخول الجنة کا سبب ہے، اور لا تکفر تدخل الجنة صحیح ہے، کیوں کہ عدم کفر دخول الجنة کا سبب ہے لہذا اس نہی کے بعد ان مقدر ہے البتہ لا تکفر تدخل النار صحیح نہیں ہے، کیوں کہ عدم کفر دخول نار کا سبب نہیں ہے، بلکہ کفر دخول نار کا سبب ہے پس یہ ترکیب صحیح نہ ہوگی البتہ کسائی کے یہاں یہ ترکیب درست ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک بحسب العرف اس کا مطلب ہے ان تکفر تدخل النار اور یہ صحیح ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کسائی کے نزدیک اس جگہ عرف شرط مثبت کا قرینہ ہے پس مطلب یہ ہوگا کہ کفر دخول نار کا باعث ہے اور یہ بات صحیح ہے۔ جب کہ جمہور کے نزدیک تقدیر ان لا تکفر ہے جو صحیح نہیں ہے۔

اب ایک سوال اور اس کا جواب سمجھ لو۔ سوال یہ ہے کہ بہت سے مقامات پر مضارع امر کے بعد واقع ہے، لیکن وہ ان مقدرہ کی وجہ سے مجزوم نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يٰرَبُّنِيْ پس یٰرَبُّنِيْ امر کے بعد واقع ہے اور ثُمَّ ذَرَهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ پس يَلْعَبُوْنَ امر کے بعد واقع ہے اور شاعر کا قول شعر وقال رائدھم اَرْسُوا نَزَاوُلَهَا فكلُّ حتف امریٰ یجری بمقدار پس اَرْسُوا امر کے بعد مضارع نَزَاوُلَهَا واقع ہے۔ شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ: ان کے رہنمائے کہا کہ ٹھہرو، ہم مقابلہ کریں گے کیوں کہ ہر آدمی کی موت وقت مقررہ پر ہی آتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امر وغیرہ کے بعد مضارع ان مقدرہ کی وجہ سے تب مجزوم ہوتا ہے جب سمیت کا ارادہ کیا جائے اور مذکورہ مثالوں میں ایسا نہیں ہے بلکہ پہلی مثال میں مضارع وَلِيًّا کی صفت ہے جب کہ دوسری مثال میں يَلْعَبُوْنَ برائے حال ہے اور تیسری مثال میں برائے استیناف ہے پس جب سمیت کے معنی مفقود ہیں تو مضارع کا ان مقدرہ کی وجہ سے مجزوم ہونا بھی ندراد ہے، پس کوئی اعتراض کی بات نہیں۔

الامر يُطلب بها الفعل من الفاعلِ المخاطبِ بحذفِ حرفِ المضارعةِ وحكمِ آخرِهِ حكمِ المجزومِ فان كان بعده ساكنٌ وليس برُباعيٍّ زدتْ همزةً وصلٍ مضمومةً ان كان بعده ضمةً ومكسورةً فيما سواه مثل اُقتل واضرب واعلم وان كان رُباعيًّا لمفتوحةً مقطوعةً .

ترجمہ: - امر ایسا صیغہ ہے کہ جس کے ذریعہ فعل، فاعل مخاطب سے طلب کیا جاتا ہے حرف مضارع کے حذف کے ساتھ اور امر کے آخر کا حکم مجزوم کا حکم ہے پس اگر حرف مضارع کے حذف کے بعد ساکن ہو اور وہ رباعی نہ ہو تو ہمزة وصل مضموم زیادہ کر دو اگر اس کے بعد ضمہ ہو اور مکسور زیادہ کر دو اس کے علاوہ میں جیسے اُقتل اور اضرب اور اعلم اور اگر فعل رباعی ہو تو ہمزة اصلی مفتوح ہوگا۔

توضیح: اب امر حاضر معروف کی تعریف کر رہے ہیں کہ امر حاضر معروف ایسے صیغہ کو کہتے ہیں کہ جس کے واسطے سے فاعل مخاطب سے فعل کو علامت مضارع کے حذف کے ساتھ طلب کیا جائے پس صیغہ یطلب بها الفعل بمنزلة جنس کے ہے جو ہر طرح کے امر کو خواہ غائب ہو یا مخاطب اور متکلم، معروف ہو یا مجہول شامل ہے اور من الفاعل کی قید فصل اول ہے جس کے ذریعہ احترام ہو گیا مجہول سے خواہ حاضر مجہول ہو یا متکلم اور غائب مجہول اور مخاطب کی قید سے غائب سے احترام ہو گیا اور بحذف حرف المضارعة کی قید سے فلتفرحوا جیسے سے۔

وحکم آخرہ: اور امر حاضر معروف کے آخر کا حکم وہ بصریوں کے نزدیک وقف ہے اور سکون پر مبنی ہونا ہے، البتہ کوئیوں کے نزدیک معرب ہے جو حقیقتاً مجزوم ہے، بہر حال صورتاً امر کے آخر کا حکم مجزوم

کے حکم کی طرح ہے کہ جس طرح مجزوم کا آخر صحیح ہونے کی صورت میں ساکن ہوتا ہے اور نون اعرابی نیز حرف علت ساقط ہو جاتا ہے اسی طرح امر کے آخر میں بھی ہوگا، اس لیے کہ وہ امر کہ جس کے شروع میں لام امر ہوتا ہے جب وہ مجزوم سے مشابہ ہے تو مجزوم کا حکم مطلق امر کو دے دے دیا گیا۔

فان كان بعده ساکن: خلاصہ یہ ہے کہ علامت مضارع حذف کرنے کے بعد دیکھا جائے گا کہ فاء کلمہ ساکن ہے یا متحرک بصورت ثانی ہمزہ وصل کی کوئی ضرورت نہیں جیسے تعدُّ سے عذ اور بصورت اول بشرطیکہ وہ چہار حرفی فعل نہ ہو اگر عین کلمہ مضموم ہے تو ہمزہ وصل مضموم کا شروع میں اضافہ کر دیں گے، تاکہ ابتداء بالسکون لازم نہ آئے، ہمزہ وصل مضموم نے کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ عین کلمہ کی موافقت ہو جاتی ہے دوسرے ہمزہ وصل مفتوح لانے کی صورت میں واحد متکلم فعل مضارع کے ساتھ وقفاً اشتباہ بھی ہو جاتا جیسے اقتل اور ہمزہ وصل مکسور کی صورت میں کسرہ سے ضمہ کی طرف نکلنا لازم آتا ہے جیسے اقتل۔

اور اگر عین کلمہ مکسور ہو یا مفتوح تو ہمزہ وصل مکسور شروع میں سے آئیں گے ایسا اس لیے تاکہ ہمزہ وصل مکسور عین کلمہ کے کسرہ کے موافق ہو جائے اور عین کلمہ کے مفتوح ہونے کی صورت مکسور پر محمول ہے۔ نیز مکسور العین کی صورت میں اگر ہمزہ وصل مفتوح لایا جاتا تو باب افعال کے امر سے اشتباہ ہوتا، کیوں کہ اس کا ہمزہ مفتوح ہوتا ہے اور مفتوح العین کی صورت میں فتح کی تقدیر پر باب افعال کے فعل ماضی مجہول کے ساتھ اشتباہ پیدا ہو جاتا جیسے اقتل اور اضرب اور اعلم۔

وان كان رباعياً: اور اگر وہ فعل کہ جس سے علامت مضارع کو حذف کیا گیا ہے رباعی ہو تو ہمزہ مفتوح قطعی یعنی اصلی شروع میں ہوگا، اس لیے کہ ہمزہ وصل نہیں ہے، بلکہ قطعی ہے جو مانع کے دور ہو جانے کی وجہ سے لوٹ آیا، کیوں کہ مضارع کے واحد متکلم میں اجتماع ہمزتین کی وجہ سے ایک ہمزہ حذف کر دیا گیا تھا، لیکن جب امر بنایا گیا تو وہ مانع دور ہو گیا جیسے اکرم۔

فعل ما لم یسم فاعله هو ما حذف فاعله فان كان ماضياً ضمَّ اوله وكسر ما قبل آخره ويضمُّ الثالث مع همزة الوصل والثانی مع التاء خوف اللبس ومعتل العین الا فصح قيل وبيع وجاء الاشمام والواو ومثله باب اُختير وانقيد دون اُستخير وأقیم وان كان مضارعاً ضمَّ اوله وفتح ما قبل آخره ومعتل العین ينقلب فيه العین الفاء۔

ترجمہ:- فعل ما لم یسم فاعله وہ فعل ہے جس کا فاعل حذف کر دیا گیا ہو پس اگر وہ فعل ماضی ہو تو اس کا شروع حرف مضموم ہوگا اور آخر کا ما قبل مکسور ہوگا اور تیسرا حرف مضموم ہوگا، ہمزہ وصل کے ساتھ اور دوسرا حرف مضموم ہوگا تاء کے ساتھ اشتباہ کے خوف سے اور معتل العین فصیح ترین لغت کے مطابق قيل اور بيع ہے اور اشمام اور واو بھی آیا ہے اور اسی کے مثل باب اُختير اور انقيد ہے نہ کہ اُستخير اور اقیم۔ اور

اگر فعل مضارع ہو تو اس کا شروع حرف مضموم ہوگا اور آخر کا ماقبل مفتوح۔ اور معتل عین اسمیں عین کلمہ الف سے بدل جائے گا۔

توضیح: فعل مالم یسم فاعلہ وہ فعل ہے جس کا فاعل محذوف ہو اور مفعول اس کا قائم مقام ہو۔ اس سلسلے کی تفصیل مرفوعات میں گذر چکی ہے ایسا اس وقت ہوتا ہے جب فعل مجہول ہو، چنانچہ اس کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

فان کان ماضیا: اگر فعل ماضی ہو تو اس کے مجہول بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے شروع حرف کو مضموم کر دیا جائے اور آخر کے ماقبل کو کسرہ دے دیا جائے جیسے نُصِرَ اُکْرِمَ ایسا اس لیے کیا، تاکہ ماضی مجہول کا ماضی معروف کے ساتھ خلط ملط نہ ہو، اور اگر وہ فعل ماضی ہمزہ وصل کے ساتھ ہے یعنی اس کے شروع میں ہمزہ وصل ہے تو ہمزہ وصل سمیت تیسرا حرف مضموم ہوگا آخر کے ماقبل کے کسرہ کے ساتھ جیسے اُجْتُنِبَ اُسْتَنْصِرَ ایسا اس لیے کیا تاکہ اسی باب کے امر کے ساتھ درج یعنی درمیان کلام اور وقف میں اشتباہ نہ پیدا ہو۔

والثانی مع طلتاء: اگر اس فعل ماضی کے شروع میں تاء زائدہ ہے تو دوسرے حرف کو مع تاء ضمہ دیا جائے گا جیسے تُجوبِلَ اور تقوبِلَ ایسا اس لیے کریں گے تاکہ باب تفعّل میں باب تفعیل کے مضارع معروف کے ساتھ اور باب تفاعل میں باب مفعلة کے مضارع معروف کے ساتھ اور باب تفعّل کی صورت میں باب مفعلة کے مضارع معروف کے ساتھ اشتباہ نہ پیدا ہو۔

اب یہ بات اور سمجھ لو کہ تغیر برائے مجہول کے لیے اول کا مضموم ہونا اور آخر کے ماقبل کا مکسور ہونا کیوں اختیار کیا تو دراصل بات یہ ہے کہ فعل مالم یسم فاعلہ کے معنی غریب اور انوکھے ہیں، کیوں کہ اس میں فعل کی نسبت بجائے فاعل کے مفعول کی طرف ہوتی ہے، حالاں کہ فاعل کی طرف ہونا چاہیے، لہذا اس کے لیے انوکھے وزن کا انتخاب ہوا جو دیگر اوزان میں موجود نہیں ہے ضمہ سے کسرہ کی طرف جاتے ہوئے، تاکہ وزن کی غرابت معنی کی غرابت اور ندرت پر دلالت کرے۔

ومعتل العین: اور جب ماضی معتل العین ہو یعنی اس کے عین کلمہ میں حرف علت ہو یہاں معتل عین سے مراد وہ کلمہ ہے جس کے صرف عین کلمہ میں حرف علت ہو پس اگر عین کلمہ کے ساتھ لام کلمہ میں بھی حرف علت ہو تو مذکورہ تعلیل نہ ہوگی جیسے طویٰ تاکہ اجتماع اعلا لیں سے بچا جاسکے۔ پس اگر اس کے عین کلمہ میں حرف علت ہے تو حسب قاعدہ فاء کلمہ مضموم اور عین کلمہ مکسور ہوگا تو بر بنائے ثقل فاء کلمہ کی حرکت ختم کرنے کے بعد عین کلمہ کا کسرہ ماقبل کو نقل کر دیں گے پس کسرہ کی مناسبت سے عین کلمہ کا واویاء سے بدل جائے گا جیسے قیل البتہ بیع میں صرف یاء کا کسرہ باء کی طرف نقل ہوا، کیوں کہ وہ پہلے سے یاء ہے پس قیل اور بیع

کی اصل قول اور بیع تھی بعد التعلیل قیل اور بیع ہو گیا یہی لغت افتح ہے۔

جاء الاشمام: اشمام کا مطلب یہ ہے کہ فاء کلمہ کے کسرہ کو ضمہ کی طرف مائل کر دیا جائے پس مثال مذکور میں یاء کو ہلکا سا واؤ کی طرف مائل کرنا اشمام کہلائے گا ایسا اس لیے کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ فاء کلمہ مضموم ہے۔ اور واؤ کے ساتھ بھی استعمال ہے پس قول و بُوع بولا جاتا ہے عین کلمہ کو ساکن کر دیا گیا پس معتل عین یائی میں یا ساکنہ کو ماقبل کے ضمہ کی وجہ سے واؤ سے بدل دیا۔

ومثله باب اختیر: خلاصہ عبارت یہ ہے کہ جس طرح ثلاثی مجرد کے معتل عین ماضی مجہول میں تینوں لغتیں درست ہیں، اسی طرح باب افتعال اور انفعال کے معتل عین ماضی مجہول میں بھی سابقہ وجوہ درست ہیں، لہذا اختیر اور انقید میں بھی عین کلمہ کی حرکت ماقبل کو نقل کی جاسکتی ہے پس واوی کی صورت میں یائی سے واو بدل جائے گا جیسے کہ انقید دراصل انقود تھا پس قاف کی حرکت کے زائل کرنے کے بعد واؤ کی حرکت ماقبل نقل کر دی اور واؤ کسرہ کی مناسبت سے یا سے بدل گیا انقید ہو گیا اختیر میں چوں کہ عین کلمہ یائی ہے، لہذا صرف نقل حرکت ہوگی اسی طرح اشمام بھی درست ہے، نیز بلا نقل عین کا اسکان بھی درست ہے، پس اس صورت میں معتل عین یائی واؤ سے بدل جائے گا جیسے اختور اور انقود پس پہلی مثال میں واؤ یا سے بدل کر استعمال ہے جب کہ مثال ثانی میں قلب کی ضرورت نہیں پڑی ان وجوہ ثلاثہ کی اجازت اس لیے ہے کہ دونوں جگہ علت میں مشارکت پائی جاتی ہے۔

البتہ استخر اور اقم میں یہ وجوہ ثلاثہ درست نہیں ہے، حالاں کہ یہ بھی معتل عین ہے اس لیے کہ معتل عین سے باب استفعال اور افعال میں حرف علت کا ماقبل ساکن ہوتا ہے، جب کہ سابقہ مثالوں میں متحرک تھا لہذا امثال نہیں پائی گئی پس صرف ایک وجہ درست ہوگی وہ ہے حرف علت کا ماقبل کسرہ کے ماقبل حرف صحیح ساکن تھا جسے حرف علت کا کسرہ نقل کر کے دے دیا گیا، پس واوی کی صورت میں وہ یاء سے بدل گیا۔

المتعدی وغير المتعدی فالمتعدی ما يتوقف فهمه على متعلق كضرب وغير المتعدی بخلافه كقعد والمتعدی یكون الى واحد كضرب والی اثنين كاعطی وعلم والی ثلثة كاعلم واری وانباء ونباء وخبیر وخبیر وهذه مفعولها الاول كمفعول اعطیت والثانی والثالث كمفعولی علمت.

ترجمہ:- فعل متعدی اور غیر متعدی۔ پس متعدی وہ ہے جس کا سمجھنا کسی متعلق پر موقوف ہو جیسے ضرب اور غیر متعدی وہ فعل ہے جو اس کے برخلاف ہو یسے قعد اور فعل کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے ضرب اور کبھی دو مفعولوں کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے جیسے اعطی اور علم اور تین مفعولوں کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے جیسے اعلم اور اری اور انباء اور نباء اور اخبیر اور خبر وحدث اور یہ

افعال ان کا مفعول اول اعطیت کے مفعول کی طرح ہے اور ان کا مفعول ثانی اور ثالث علمت کے دونوں مفعولوں کی طرح ہیں۔

توضیح: - معلوم ہونا چاہیے کہ فعل دو قسموں پر ہے یا تو فعل متعدی ہوگا یا غیر متعدی کیوں کہ اس کا سمجھنا یا تو فاعل کے ماسواء کسی متعلق پر موقوف ہوگا یا نہیں اول متعدی ہے جیسے ضرب کیوں کہ اس کا سمجھنا ایک ایسی چیز پر موقوف ہے کہ جس سے ضارب کا ضرب متعلق ہوتا ہے اور دوسرا غیر متعدی ہے جیسے قعد کیوں کہ اس کا سمجھنا کسی ایسی چیز پر موقوف نہیں ہے جس سے قاعد کا قعود متعلق ہوتا ہے۔

دھیان رہے کہ غیر متعدی تین چیزوں کے ذریعہ متعدی ہو جاتا ہے اول ہمزہ کہ اس کے اضافہ سے بھی غیر متعدی متعدی بن جاتا ہے جیسے اذہبت زیداً دوسرے عین کلمہ کا مضاعف کر دینا جیسے فرحت زیداً تیسرے حرف جر جیسے ذہبت بزید۔

والمتعدی: وہ فعل جو متعدی ہوتا ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں، متعدی بیک مفعول جیسے ضرب زید عمراً ہے ضرب ایک مفعول کو چاہتا ہے۔ دوسری قسم متعدی بدو مفعول کی کہ فعل کا سمجھنا دو پر موقوف ہوتا ہے جیسے اعطی اور علم بولا جاتا ہے اعطیت زیداً درہما اور علمت زیداً قائماً پہلی مثال میں مفعول ثانی اول کا غیر ہے اور دوسری مثال میں مفعول ثانی باعتبار مصداق کے اول ہی ہے اور تیسری قسم متعدی بسے مفعول جیسے اعلم اور اری سے حدت تک بولا جاتا ہے اعلمت زیداً عمرو افاضلاً اخبرت ہاشما قاسماً کاتبا اسی طرح باقی کی مثالیں نکال لیجیے۔

معلوم ہو کہ متعدی بسے مفعول میں اصل اعلم اور اری ہیں جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں، اس لیے کہ اعلم اور اری درحقیقت دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے تھے لیکن جب ان پر ہمزہ زیادہ کر دیا تو ایک مفعول کا اور اضافہ ہو گیا۔ بقیہ انباء اور نباء اخبر و خبر و حدث وغیر بالواسطہ متعدی بسے مفعول ہیں یعنی یہ افعال خمسہ اعلم و اری کے معنی پر مشتمل ہیں اس لیے یہ بھی متعدی بسے مفعول ہونے لگے۔

وهذه ومفعولها الاول: اس کا حاصل یہ ہے کہ ان افعال متعدیہ بسے مفعول کا مفعول اول اعطیت کے مفعول کی طرح ہے کہ جس طرح اعطیت کے دونوں مفعولوں کا حذف درست ہے، اسی طرح ان کے مفعول اول کو بھی حذف کیا جاسکتا ہے۔ اور ان کا دوسرا اور تیسرا مفعول علمت کے دونوں مفعولوں کی طرح ہے کہ یا تو دونوں کو ذکر کیا جائے یا دونوں کو حذف کر دیا جائے ایک کو حذف اور دوسرے کو ذکر کرنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ ان کا مفعول ثانی اور ثالث درحقیقت علمت کے دونوں مفعول ہیں اور علمت کے دونوں میں سے ایک کا حذف اور دوسرے پر اکتفاء درست نہیں ہے، لہذا ان میں بھی اکتفاء علی الواحد صحیح نہ ہوگا، ایسا اس لیے ہے کہ علمت کے دونوں مفعول بمنزلہ شیء واحد کے ہیں لہذا ایک کا ذکر

اور دوسرے کا حذف جزئی کلمہ کے ذکر کی طرح ہوگا جو غیر مناسب ہے۔ لہذا اعلمت عمروا خیرا الناس بغیر اول کے ذکر کیے کہا کہا جاسکتا ہے، لیکن اعلمت زید عمروا بغیر مفعول ثالث کے یا اعلمت زیدا خیر الناس بغیر ثانی کے کہنا درست نہ ہوگا۔

افعال القلوب ظننتُ وحسبتُ وخلصتُ وزعمتُ وعلمتُ ورأيتُ ووجدتُ تدخلُ على الجملة الاسمية لبيان ما هي عنه فتصبُ الجزئين، ومن خصائصها انه اذا ذكر احدهما ذكر الآخر بخلافِ بابِ اعطيتُ ومنها جوازُ الالغاءِ اذا توسطتْ أو تأخرت لاستقلالِ الجزئين كلاماً ومنها انها تعلقُ قبل الاستفهامِ والنفي واللام مثل علمتُ ازيدُ عندك ام عمروٌ ومنها انها يجوز ان يكون فاعلها ومفعولها ضميرين لشيءٍ واحدٍ مثل علمتني منطلقاً، ولبعضها معنى آخر يتعدى به الى واحدٍ فظننتُ بمعنى اتهمتُ وعلمتُ بمعنى عرفتُ ورأيتُ بمعنى ابصرتُ ووجدتُ بمعنى أصبتُ.

ترجمہ:- افعال قلوب ظننتُ اور حسبتُ اور خلتُ اور زعمتُ اور علمتُ اور رأيتُ اور وجدتُ ہیں جو جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اس چیز کے بیان کے لیے کہ جملہ جس سے صادر ہونے والا ہے۔ پس یہ دونوں جزؤں کو نصب کرتا ہے۔ اور افعال قلوب کے خصائص سے ہے کہ جب اس کے دو مفعولوں میں سے کوئی ایک ذکر کیا جائے گا تو دوسرا بھی ذکر کیا جائے گا بخلاف باب اعطيتُ کے۔ اور من جملہ خصائص سے ہے الغاء کا جائز ہونا جب افعال قلوب دونوں مفعولوں کے بیچ میں واقع ہوں یا دونوں سے مؤخر ہوں دونوں جزؤں کے مستقل کلام ہونے کی وجہ سے۔ اور من جملہ خصائص یہ ہے کہ افعال قلوب کو معلق کر دیا جاتا ہے استفہام اور نفي اور لام سے پہلے جیسے علمت ازيد عندك او عمروا۔ اور من جملہ خصائص سے یہ ہے کہ ان کا فاعل اور مفعول شی واحد کی ضمیریں ہوں۔ جیسے علمتني منطلقاً۔ اور بعض افعال قلوب کے لیے ایک دوسرے معنی ہیں جس کی وجہ سے ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں پس ظننت اتهمت کے معنی میں ہے اور علمت، عرفت کے معنی میں ہے اور رأيت، ابصرت کے معنی میں اور وجدت اصبت کے معنی میں ہے۔

توضیح:- افعال قلوب میں سے ظننتُ اور حسبتُ اور خلتُ برائے شک ہیں اور علمتُ اور رأيتُ اور وجدتُ یہ تینوں یقین کے لیے مستعمل ہوتے ہیں اور زعمتُ یقین اور شک میں مشترک ہے یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اس چیز کو بیان کرنے کے لیے کہ وہ جملہ جس سے

عبارت ہے یعنی علم وطن وغیرہ۔

یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں کہ جو افعال جملہ پر داخل ہوتے ہیں تو ان سے مقصود جملہ کے اجزا میں عمل ہوتا ہے اور فعل کا عمل جملہ فعلیہ میں متعذر رہے اور بہر حال جملہ فعلیہ کے پہلے جزء میں تو اس لیے کہ فعل کا عمل دوسرے فعل میں ناممکن ہے اور دوسرے جزء میں تو اس لیے کہ وہ جزء اول کا معمول ہے تو اگر وہ فعل کا معمول ہو جائے تو معمول واحد پر دو عالموں کا آنا لازم آئے گا جو محال ہے۔ لہذا یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوگا اور دونوں جزوں کا اپنا مفعول بہ بنا کر نصب دے گا۔ جیسے علمت زیدا فاضلاً۔

ومن خصائصها: افعال قلوب کے خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب اس کا ایک مفعول ذکر کیا جائے گا تو دوسرے کا بھی ذکر ضروری ہوگا کسی ایک پر اکتفاء درست نہیں بشرطیکہ کوئی قرینہ نہ ہو، اس لیے کہ افعال قلوب کا مفعول درحقیقت مضمون جملہ ہوتا ہے، لہذا اگر ایک کو ذکر کیا جائے اور دوسرے کو حذف کر دیا جائے تو جزء کلمہ کا حذف لازم آئے گا جو درست نہیں۔

البتہ اگر حذف پر کوئی قرینہ ہو تو ایک کا حذف درست ہے جیسے قرآن میں ہے وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ پس بخلہم مفعول اول محذوف ہے بخلاف باب: اعطيت: باب اعطيت کے دونوں مفعولوں میں سے ہر ایک کا حذف درست ہے، کیوں کہ اس کے مفاعیل مستقل مفعول ہیں اور مفعول فضلہ ہوتا ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے یا یوں کہا جائے کہ یہاں حذف کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، لہذا اعطيت زیدا کہنا درست ہے بغیر دی ہوئی چیز کے تذکرہ کیے ہوئے اسی طرح اعطيت درہما کہنا درست ہے بغیر اس شخص کا تذکرہ کیے ہوئے جس کو دیا گیا ہے۔

دوسری خصوصیت: ومنها جواز الالغاء: اگر افعال قلوب دونوں مفعولوں کے وسط میں واقع ہو جائیں جیسے زید ظننت قائم یا دونوں سے مؤخر ہوں جیسے زید قائم ظننت تو اس میں دونوں وجہ جائز ہیں یعنی عمل کا ابطال اور اعمال، عمل باطل قرار دینا اور عمل دلانا، اول اس لیے صحیح ہے کہ دونوں مفعول کلام تام ہیں بایں طور کہ وہ مبتدا اور خبر ہیں، لہذا عامل کے ضعف کے ساتھ ان دونوں کا معمول ہونا منع ہو جائے گا، کیوں کہ فعل دونوں سے یا کسی ایک سے مؤخر ہو جاتا ہے دوسری طرف حمل کے صحیح ہونے کی وجہ سے کلام تام ہونے میں کوئی زحمت نہیں ہے۔ اور اعمال بھی درست ہے، اس لیے کہ عامل فعل ہے جو ذالی طور پر سب سے قوی عامل ہوتا ہے، لہذا عمل کرنا ممکن بھی ہے۔ البتہ جب افعال قلوب فعل اور اس کے مرفوع کے درمیان یا اسم فاعل اور اس کے مفعول کے درمیان اور ان کے دونوں معمولوں کے درمیان اسی طرح معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان واقع ہو تو الغاء عمل واجب ہوتا ہے۔

تیسری خصوصیت: ومنها انها تعلق: خلاصہ یہ ہے کہ جب افعال قلوب استفہام اور نفی اور لام

میں سے کسی سے پہلے واقع ہوں تو ان کا عمل معلق ہو جاتا ہے یعنی لفظاً عمل کا ابطال واجب ہو جاتا ہے، البتہ معنی عمل باقی رہتا ہے، ایسا اس لیے ہے کہ یہ تینوں کے تینوں صدارت کلام کو چاہتے ہیں پس اگر عمل دلا دیا جاتا ہے تو ان کی صدارت باطل ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف دونوں جز موقع نصب میں واقع ہیں، کیوں کہ مثلاً علمت ازید عندک ام عمرو میں علم ان دونوں پر حقیقتاً واقع ہے اس لیے تینوں حروف کی من حیث اللفظ اور افعال کی من حیث المعنی رعایت کر دی گئی نفی کی مثال علمت ما زید فی الدار اور لام کی مثال علمت لزید منطلق۔

ومنها ما يجوز ان يكون فاعلها: اس کا حاصل یہ ہے کہ افعال قلوب کی یہ خصوصیت ہے کہ ان افعال کے فاعل اور مفعول کی ضمیریں شیء واحد کے لیے ہو سکتی ہیں یعنی دونوں کا مصداق ایک ہو سکتا ہے جیسے علمتی منطلقاً پس اس مثال میں فاعل کی ضمیر انا اور مفعول کی ضمیر یائے متکلم دونوں کا مصداق شیء واحد ہے، جبکہ یہ بات دیگر افعال میں درست نہیں ہے، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس باب کا مفعول فی الحقیقۃ مفعول ثانی ہوتا ہے اور مفعول اول تو ثانی کی تمہید کے طور پر ہوتا ہے، کیوں کہ افعال قلوب کی اصلاً تاثیر ثانی میں ہوتی ہے، لہذا افعال قلوب میں فاعل اور مفعول کی ضمیروں کے شیء واحد کے لیے ہو جانے سے فاعل اور مفعول میں اتحاد لازم نہیں آتا ہے برخلاف دیگر افعال کے کہ وہاں ایسا نہیں ہوتا لہذا ضربتنی نہیں کہا جائے گا کیوں کہ فاعل مؤثر ہوتا ہے اور مفعول متأثر، اور مؤثر متأثر کے مغائر ہوتا ہے لفظاً بھی اور معنی بھی درانحالیکہ ضربتنی میں دونوں معنی متحد ہیں، لہذا فاعل اور مفعول میں مغایرت کے حصول کے لیے بقدر امکان ان کا لفظاً متغائر ہونا ضروری ہے، چنانچہ ضربت نفسی بولا جائے گا۔

ولبعضها: بعض افعال قلوب کے کچھ ایسے معنی بھی ہوتے ہیں کہ جب وہ اس معنی خاص میں ہوں تو متعدی بیک مفعول ہوتے ہیں جیسے ظننت اتهمت کے معنی میں ہے، اسی طرح علمت عرفت کے معنی میں اور رأیت، ابصرت کے معنی میں اور وجدت أصبت کے معنی میں ہو کر متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔

الافعال الناقصة ما وُضِعَ لتقرير الفاعل على صفة وهي كان وصار واصبح وامسى واضحى وظل وبات واض وعاد وغدا وراح وما زال وما انفك وما فتى وما برح ومادام وليس وقد جاء ما جاء ت حاجتك وقعدت كأنها حربة تدخل على الجملة الاسمية لا عطاء الخبر حكم معناها فترفع الاول وتنصب الثاني مثل كان زيد قائماً فكان تكون ناقصة لثبوت خبرها ماضياً دائماً منقطعاً وبمعنى صار ويكون فيها ضمير الشأن وتكون تامة بمعنى ثبت وزائدة وصار للانتقال.

ترجمہ: - افعال ناقصہ وہ افعال ہیں جو کسی صفت پر فاعل کو مقرر کرنے کے لیے وضع کیے گئے

ہیں اور وہ کان اور صار، اصبح، امسى، اور اضحى، ظل، بات اور آض و عاذ اور غذا و راح اور زال اور ما انفك اور مافتی اور ما برح اور مادام و ر لیس ہیں اور کبھی ما جاء ت حاجتك (ما بمعنی صارت) آیا ہے، اور کبھی قعدت کانها حربة (قعدت بمعنی صارت) آیا ہے، یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں خبر کو اپنے معنی کا حکم دینے کے لیے پس وہ جزء اول کو رفع اور ثانی کو نصب دیتے ہیں جیسے کان زید قائماً، پس کلمہ کان ناقصہ ہوتا ہے جو اپنے خبر کے ثبوت کے لیے ہوتا زمانہ ماضی میں خواہ دائماً ہو یا انقطاعاً اور بمعنی صار ہوتا ہے اور کان میں ضمیر شان ہوتی ہے اور (کبھی) کلمہ کان تامہ ہوتا ہے ثبوت کے معنی میں اور زائدہ بھی ہوتا ہے، اور صار انتقال کے لیے ہوتا ہے۔

توضیح: - سب سے پہلے افعال ناقصہ کی تعریف بیان کر رہے ہیں کہ افعال ناقصہ وہ افعال

ہیں جو فاعل کو کسی صفت پر مقرر کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ اس پر ایک سوال ہوتا ہے کہ افعال ناقصہ تقریر الفاعل علی الصفة کے علاوہ ایسے معنی پر بھی مشتمل ہیں جو تقریر مذکور سے زائد ہے جیسے تقریر الفاعل علی الصفة کے سواء ہر فعل میں زمانہ پایا جاتا ہے اور بعض میں انتقال یا دوام اور استمرار کے معنی ہیں، لہذا یہ کہنا کہ افعال ناقصہ صرف تقریر الفاعل علی الصفة کے لیے ہوتے ہیں صحیح نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ افعال ناقصہ جن چیزوں کے لیے وضع کیے گئے ہیں ان میں تقریر الفاعل علی الصفة عمدہ اور قابل اعتماد ہے ایسا نہیں ہے کہ صرف اسی کے لیے موضوع ہوں پس عمدہ کا لحاظ کیا گیا۔ ایک سوال اور ہے کہ یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں، کیوں کہ افعال تامہ کی بھی وضع تقریر الفاعل علی الصفة کے لیے ہوتی ہے، لہذا وہ سب افعال ناقصہ میں داخل ہو جائیں گے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ افعال ناقصہ کی وضع فاعل کو ایسے صفت پر جمانے کے لیے ہوتی ہے جو صفت مصدر کا غیر ہوتی ہے جب کہ افعال تامہ جس صفت پر فاعل کو مقرر کرتے ہیں وہ عین مصدر ہوتی ہے، لہذا تعریف دخول سے مانع رہے گی۔

وہی کاذا: افعال ناقصہ کی مشہور تعداد سترہ ہے باقی حتمی کوئی تعداد نہیں ہے، چنانچہ کبھی جاءت بمعنی صارت مستعمل ہوتا ہے جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب حضرت علی کی طرف سے نمائندہ بن کر خوارج کے پاس ان کو راہ راست پر لانے کے لیے تشریف لے گئے تو خوارج نے آپ سے کہا تھا ما جاء ت حاجتك۔ کہ ہماری سادگی آپ کی ضرورت کے بقدر نہیں ہے پس اس مقولہ میں جاءت صارت کے معنی میں ہے، اس میں جاءت کی ضمیر کے مرجع کے سلسلے میں دو احتمال ہیں، ایک یہ ہے کہ ما استفہامیہ مبتدا ہو اور جاءت کی ضمیر جو اس کا اسم ہے ما کی طرف راجع ہو اور حاجتك اس کی خبر ہو اور ضمیر کا مؤنث ہونا باعتبار خبر کے ہو، کیوں کہ مشہور قاعدہ ہے اذا دار الضمیر بین المرجع والخبر

فرعاية الخبر اولی. دوسرے یہ ہے کہ جاءت کی ضمیر مؤنث کا مرجع ما استفہامیہ باعتبار معنی کے ہو، کیوں کہ ما، حاجة کے معنی میں ہے یعنی ای حاجة، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جاءت کی ضمیر کا مرجع عزات ہو جو خوارج کے قول میں اس مقولہ سے پہلے مذکور ہے۔

اور کبھی قعدت بھی صارت کے معنی میں ہوتا ہے جیسے شاعر کے اس قول میں ہے انی ارهف شفرته حتی قعدت کانما حربة کہ میں اپنی چھری تیز کرتا ہوتا یہاں تک وہ ایسی ہوگئی جیسے وہ نیزہ ہو، پس قعدت صارت کے معنی میں ہے۔

پس یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ افعال ناقصہ کی تعداد سترہ ہے، چنانچہ وہ افعال جن کا سماع افعال ناقصہ کے طور پر عربوں سے ہے وہ سب افعال ناقص مانے جائیں گے بھلے وہ مشہور افعال کے ماسواء ہوں البتہ بعض حضرات کے نزدیک وہ افعال بھی ناقصہ شمار کیے جائیں جو ان کے معنی میں ہیں جیسے فراء اسی کے قائل ہیں اگرچہ عربوں سے ان کا سماع ثابت نہ ہو۔

تدخل علی الجملة الاسمية: یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں خبر کو اپنے معنی کا حکم دینے کے لیے حکم سے مراد وہ اثر ہے جو ان معانی پر مرتب ہوتا ہے مثال کے طور پر صار بمعنی انتقل ہے تو جب یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوگا جیسے صار زید غنیا تو صار نے غنی کو انتقال کا اثر دیدیا، چنانچہ دولت مندی زید کی طرف منتقل ہوگئی اور غربت سے دولت کی دنیا میں پہنچ گیا۔

خیر: یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہونے کے بعد جزء اول کو فاعل ہونے کی وجہ سے رفع اور جزء ثانی کو مفعول سے مشابہت کی وجہ سے نصب دیتے ہیں مشابہت بایں معنی ہے کہ جس طرح فعل متعدی کا سمجھنا مفعول پر موقوف ہوتا ہے اسی طرح افعال ناقصہ کا سمجھنا ان کی اخبار پر موقوف ہوتا ہے، جیسے کان زید عالمًا۔

فکان تکون ناقصة: کان دو قسموں پر ہے ایک کان ناقصہ جو زمانہ ماضی میں اپنے جز کے ثبوت کے لیے مفید ہوتا ہے خواہ ثبوت خبر دوا ما ہو جیسے و کان اللہ غفوراً رحیمًا پس غفاریت اور رحیمیت اللہ تعالیٰ کے لیے دوا ما ہے یا انقطاعاً ہو جیسے کان زید غنیاً پس غنی کا ثبوت زید کے لیے دوا ما نہیں ہے، کیوں کہ دولت ڈھلتی چھاؤں ہے۔

و بمعنی صار: کان ناقصہ بمعنی صار بھی ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد و کان من الکافرین کہ ابلیس نے تکبر کیا اور کافروں سے ہو گیا، پس کان اس آیت میں صار کے معنی میں ہے۔ اور کان ناقصہ میں ضمیر شان بھی ہوتی ہے جیسے شاعر کا قول اذا مٹ کان الناس صنفان شامت ÷ والاخر مٹن بالذی کنت اصنع کہ جب میں مر جاؤں گا تو لوگ دو طرح کے ہوں گے، کچھ برا بھلا کہنے والے اور

دوسرے کچھ مدح سرائی کر نیوالے ان چیزوں کی بابت جو میں کرتا رہا، پس محل استدلال کان الناس صنفان ہے کہ کان میں ضمیر ہو شأن کی ہے اور الناس صنفان الخ اس کا مفسر ہے۔

وتكون تامّة: کان کی دوسری قسم تامہ ہے جس میں خبر کی ضرورت نہیں ہوتی جو مثبت کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ پس آیت میں كَانَ وَجَدَ اور ثَبَّتَ کے معنی میں ہے۔ اور جیسے كُنْ فَيَكُونُ۔

کان زائدہ بھی ہوتا ہے یعنی اس کے ہونے اور نہ ہونے سے معنی اصل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد كَيْفَ نَكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا پس کان زائدہ ہے۔

وصار للانتقال: صار ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف انتقال کے لیے مستعمل ہوتا ہے اول کی مثال صار زید عالما اور دوسرے کی مثال صار الطين خذفا ہے کہ مٹی، ٹھیکری ہوگئی اور صار تامہ بھی ہوتا ہے جسے قلیل الوجود ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کیا، صار تامہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف یا ایک ذات سے دوسری ذات کی طرف انتقال کے لیے آتا ہے تامہ کی علامت متعدی بَا إِلَى ہونا ہے۔ اور آل، رجع، ارتد، استحال، تحول، صار کے معنی میں ہیں، جو صار کے ساتھ ملحق ہیں جیسے آل زید غنيا، رجع زید مقيما، فارتد بصيرا، ان العداوة لتحيل مؤدة، ع فيالك من نعمي تحولن أبوسا۔ جو سب صار کے معنی میں ہیں۔

واصبح وأمسى واضحى لاقتران مضمون الجملة بأوقاتها وبمعنى صار وتكون تامّة وظلّ وبات لاقتران مضمون الجملة بوقتيها وبمعنى صار وما زال وما برح وما فتى وما انفك لاستمرار خبرها لفاعلها مذ قبله ويلزمها النفي وما دام لتوقيت امر بمدّة ثبوت خبرها لفاعلها ومن ثمّ احتاج الى كلام لانه ظرف وليس لنفي مضمون الجملة حالا وقيل مطلقا ويجوز تقديم اخبارها كلها على اسمائها وهي في تقديمها عليها على ثلاثة اقسام. قسم يجوز وهو من كان الى راح وقسم لا يجوز وهو ما في اوله ما خلافا لابن كيسان في غير مادام وقسم مختلف فيه وهو ليس.

ترجمہ: - اصبح اور امسى اور اضحى اپنے اوقات کے ساتھ جملہ کے مضمون کے اقران کے لیے آتے ہیں اور صار کے معنی میں ہوتے ہیں۔ اور یہ افعال تامہ بھی ہوتے ہیں اور ظلّ اور بات اپنے وقتوں کے ساتھ جملہ کے مضمون کے اقران کے لیے آتے ہیں اور صار کے معنی میں ہوتے

ہیں اور مازال اور ما برح اور ما فتی اور ما انفک اپنی خبروں کے استمرار کے لیے اپنے فاعل کے واسطے ہوتے ہیں جب سے فاعل نے خبر کو قبول کیا ہے اور ان کو نفی لازم ہوتی ہے اور مادام امر خبر کی توقیت کے لیے آتا ہے اپنے خبر کے ثبوت کی مدت کے ساتھ اپنے فاعل کے واسطے اسی وجہ سے وہ ایک کلام کا محتاج ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ ظرف ہے اور لیس زمانہ حال میں جملہ کے مضمون کی نفی کے لیے آتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ مطلقاً اور جائز ہے تمام افعال کی اخبار کا ان کے اسماء پر مقدم کرنا اور افعال ناقصہ اخبار کی خود ان پر ہی تقدیم کے سلسلے میں تین قسموں پر ہے ایک قسم جائز ہے اور وہ کان سے لے کر راح تک کے افعال ہیں اور ایک قسم وہ ہے (کہ جن کی تقدیم افعال پر) درست نہیں ہے اور وہ وہ افعال ہیں کہ جن کے شروع میں ما ہوتا ہے مخالفت کرتے ہوئے ابن کیسان کی مادام کے علاوہ میں اور ایک قسم مختلف فیہ ہے اور وہ لیس ہے۔

توضیح: - اصبح اور امسئ اور اضحیٰ اپنے اپنے ان اوقات کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتران کے لیے آتے ہیں کہ جن اوقات پر وہ اپنے مواد کے ساتھ دلالت کرتے ہیں مثلاً اصبح زید کاتب کا مطلب ہوا کہ زید کو کتابت صبح کے وقت حاصل ہوئی۔ اسی طرح امسئ شام کے وقت کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتران پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے امسئ زید عارفا اور اضحیٰ زید امیراً۔

وبمعنی صار: اور یہ افعال صار کے معنی میں بھی ہوتے ہیں جیسے اصبح زید غنیاً یعنی زید مالدار ہو گیا پس جس وقت یہ تینوں افعال صار کے معنی میں ہوں گے اس وقت ان اوقات کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتران کا لحاظ نہ ہوگا کہ جس پر وہ اپنے مواد کے ساتھ دلالت کرتے ہیں۔

وتكون تامة: یہ افعال تامہ بھی ہوتے ہیں یعنی خبر سے بے نیاز ہوتے ہیں اور فاعل کے اوقات مدلولہ میں داخل ہونے کے معنی ہو جاتے ہیں جیسے اصبح زید کا مطلب ہوا کہ زید صبح کے وقت میں داخل ہوا۔
وظلّ و بات: ظلّ اور بات اپنے اوقات کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتران پر دلالت کے لیے ہوتے ہیں ظلّ دن اور بات رات کے وقت کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتران کو بتلاتا ہے، جیسے ظلّ زید سافراً یعنی زید کا سفر تمام دن میں حاصل ہوا اور جیسے بات زید نائماً یعنی زید نے ساری رات سو کر گزار دی۔

وبمعنی صار: اور یہ افعال صار کے معنی میں بھی ہوتے ہیں جیسے ظلّ زید بالغاً اور بات الشباب شیخاً یعنی بچہ بالغ اور جوان بوڑھا ہو گیا۔ پس ظلّ اور بات کے اوقات مدلولہ کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتران کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے ظلّ وجہه مسوداً۔

ایک بات دھیان رہے کہ آض اور عاد اور عذا کو مقام اجمال میں ذکر کیا ہے اور تفصیل میں نظر انداز کر دیا ہے، اس لیے کہ یہ من وجہ ناقص ہیں اور من وجہ تامہ ہیں، اس لیے اجمال میں تو ذکر کر دیا البتہ تفصیل میں چھوڑ دیا۔

وما زال وما برح: ما زال اور ما برح اور ما فتی اور ما انفک چاروں افعال اس وقت سے اپنے فاعل کے لیے اپنی خبروں کے استمرار کو بتانے کے لیے آتے ہیں کہ جب سے ان کے افعال نے ان خبروں کو قبول کیا ہے یعنی جب سے وہ فاعل ان خبروں کے لائق ہوئے ہیں تب سے وہ خبریں مسلسل ان فاعلوں کے لیے ثابت ہیں اور ان افعال پر نفی کا دخول لازم ہے، تاکہ فاعلوں کے لیے خبروں کے استمرار پر دلالت ہو، کیوں کہ جب تک حرف نفی ان افعال پر داخل نہیں ہوتا تب تک نفی کی نفی نہیں ہوتی، جو کہ استمرار مقصود کو مستلزم ہے، اب حرف نفی خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً جیسے تَاللّٰهِ تَفْتُوْا تَذْكُرُ يُوْسُفُ پس تقدیر عبارت ہے لا تفتؤ جیسے ما زال زید امیرا۔

مادام: مادام خبر کے معاملہ کی فاعل کے لیے خبر کے ثبوت کی مدت کے ساتھ توقيت کے لیے آتا ہے یعنی مادام کے فاعل کے لیے اس کی خبر کے ثبوت کا جو وقت ہے وہی خبر کے معاملہ کے بھی مدت ہے یعنی امر خبر تعین کا تعلق اس مدت سے ہے اس لیے کہ مادام میں ما مصدر یہ ہے، لہذا اس کا ما بعد مصدر کی تاویل میں ہوگا اور اوقات کی تقدیر مصادر سے پہلے راجح ہے پس وقت اس سے پہلے مقدر مانا جائے گا اور وقت ظرف ہے اور ظرف فضلہ اور غیر مستقل بالا فادہ ہوتا ہے، لہذا اس سے پہلے ایک کلام کا ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ فائدہ تامہ دے، اسی کی طرف مصنف نے ومن ثم احتاج سے اشارہ کیا ہے، حاصل بحث یہ ہے کہ مادام اپنے اسم و خبر سے مل کر ظرف ہوگا اور ظرف فضلہ ہونے کی وجہ سے غیر مستقل بالا فادہ ہے، لہذا اس سے پہلے کلام تام کا ہونا ضروری ہے جس کا یہ معمول بن جائے جیسے جلست ما دام زید جالساً جو تقدیر میں ہے جلست ما دام جلوسہ کے۔

ولیس لنفی الجملة: اور لیس زمانہ حال میں جملہ کے مضمون کی نفی کے لیے آتا ہے جیسے لیس زید قائم یعنی زید زمانہ موجودہ میں کھڑا نہیں ہے، یہ مسلک جمہور کا ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ لیس مطلقاً یعنی کسی زمانہ کی قید کا لحاظ کیے بغیر بر زمانہ میں مضمون جملہ کی نفی کے لیے ہوتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ کبھی لیس زمانہ الحال کی قید کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے جیسے لیس زید قائمًا الآن اور کبھی زمانہ الماضي کی قید کے ساتھ مقید ہوتا جیسے لیس خلق اللہ مثله کہ خلق فعل ماضی ہے اور کبھی زمانہ استقبال کی قید کے ساتھ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد الا یوم یاتیہم لیس مصروفاً عنہم پس مثال اول میں زمانہ حال کی نفی مقصود تھی تو الآن لائے اور دوسری مثال میں زمانہ ماضی کی نفی مقصود تھی تو فعل ماضی خلق لائے اور تیسری مثال میں زمانہ استقبال کی نفی مقصود تھی تو فعل مستقبل یاتیہم لائے، پس معلوم ہوا کہ لیس مطلقاً ہر زمانہ میں مضمون جملہ کی نفی کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ہماری گفتگو وضع میں ہے اور آپ نے مثالیں استعمال کی بیان کی ہیں یعنی ہمارے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ لیس کی وضع حال

کی نفی کے لیے ہے اب اس کا استعمال چاہے جس کی نفی کے لیے ہو۔

ویجوز تقدیم اخبارها: خلاصہ یہ ہے کہ افعال ناقصہ کے اخبار کی تقدیم ان کے اسماء پر درست ہے، کیوں کہ یہ منصوب کی مرفوع پر تقدیم ہے اور عامل قوی کی صورت میں معمول منصوب کی معمول مرفوع پر تقدیم جائز ہوتی ہے، لہذا یہاں بھی اس کی گنجائش ہے، چاہے خبر معارفہ ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ اعراب لفظی ہو ورنہ کم از کم قرینہ موجود ہو منصوبات میں تفصیل گذر چکی ہے جیسے کان عالماً زید۔

وہی فی تقدیمها: اس کا حاصل یہ ہے کہ افعال ناقصہ کی اخبار کا خود ان افعال پر مقدم ہونا درست ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں افعال ناقصہ کی تین قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ نفس افعال پر ان کی اخبار کی تقدیم درست ہے، اس لیے کہ عامل فعل ہے جو اقوی ہوتا ہے اور تقدیم سے کوئی مانع بھی نہیں ہے، لہذا معمول مقدم میں بھی وہ عمل کرے گا۔ ایسے افعال کان سے لے کر راح تک کے ہیں، اور دوسری قسم وہ ہے کہ نفس افعال پر اخبار کی تقدیم منع ہے اور یہ ایسے افعال ہیں کہ جن کے شروع میں ما مصدریہ یا مانافیہ ہے پس اگر ما مصدریہ ہے تو مصدر ضعیف العمل ہونے کی وجہ سے معمول مقدم میں عمل سے عاجز ہوگا اور اگر مانافیہ ہے تو وہ صدارت کلام کا خواہشمند ہوتا ہے جب کہ اخبار کی تقدیم کی صورت میں صدارت باطل ہو جاتی ہے۔

البتہ اس سلسلے میں ابن کیسان کا اختلاف ہے جو مادام کے ماسواء میں ہے۔ ابن کیسان کی دلیل یہ ہے کہ جب مادام کے ماسوا ان افعال پر حرف نفی داخل ہوتا ہے تو نفی کی نفی ہوگی، کیوں کہ یہ افعال خود نفی کے معنی پر دلالت کرتے ہیں، لہذا نفی نفی مل کر اثبات ہو گئے پس یہ افعال بھی کان کے معنی میں ہوں گے یعنی ما زال زید عالماً کان زید عالماً دائماً کے معنی میں ہو اور کان پر اس کی خبر مقدم ہو سکتی ہے لہذا ان افعال پر بھی خبر مقدم ہو سکتی ہے کہ جن کے شروع میں مانافیہ ہوتا ہے۔

وقسم مختلف فیہ: لیس کے سلسلے میں سیبویہ اور اکثر بصریین کا اختلاف ہے سیبویہ کے نزدیک اس کا بھی حکم خبر کی تقدیم کے منع ہونے میں ان افعال کا سا ہے کہ جن کے شروع میں حرف نفی ہوتی ہے، کیوں کہ لیس بھی نفی کے معنی میں ہے اور نفی کے معمول کی تقدیم اس پر منع ہوتی ہے، لہذا لیس پر بھی اس کے خبر کی تقدیم منع ہوگی، لیکن بصریین کا کہنا یہ ہے کہ صورتاً ما موجود نہیں ہے، لہذا لیس کا حکم کان کا سا ہوگا، یعنی کان کی طرح لیس کی بھی خبر اس پر مقدم ہو سکتی ہے۔

افعال المقاربة ما وضع لدنوا الخبر رجاءاً و حصولاً او اخذاً فیہ فالاول عسی وهو غیر متصرف تقول عسی زید ان یخرج وعسی ان یخرج زید وقد یحذف ان والثانی کاد تقول کاد زید یجئ وقد تدخل ان واذا دخل النفی علی کاد فهو

كأفعال على الأصح وقيل يكون للثبات وقيل يكون في الماضي للثبات وفي المستقبل كأفعال تمسكاً بقوله تعالى وما كادوا يفعلون وبقول ذي الرمة شعر إذا غير الهجر المحبين لم يكذب رسيس الهوى من حب مية يبرح والثالث طفق وكرب وجعل واخذ وهي مثل كادوا وشك مثل عسى وكاد في الاستعمال.

ترجمہ: - افعال مقاربہ وہ فعل ہیں جنہیں خبر کے قرب کے لیے وضع کیا گیا ہے خواہ بطور امید یا بطور حصول کے یا خبر میں شروع ہو جانے کے اعتبار سے ہو۔ پس اول عسی ہے اور وہ غیر متصرف ہوتا ہے (اس کی ماضی اور مضارع گردان نہیں ہوتی) تم کہو عسی زید ان یخرج اور عسی ان یخرج زید اور کبھی ان کو حذف کر دیا جاتا ہے اور دوسرے کاد ہے تم کہتے ہو کاد زید یجی اور کبھی ان داخل ہوتا ہے اور جب نفی کاد پر داخل ہو جائے تو وہ (عام) افعال کی طرح ہو جاتا ہے صحیح ترین قول کے مطابق اور کہا گیا ہے کہ وہ اثبات کے لیے ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ ماضی میں اثبات کے لیے ہوتا ہے اور مستقبل میں (عام) افعال کی طرح ہوتا ہے استدلال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وما کادوا يفعلون سے اور ذی الرمة کے قول شعر إذا غیر الهجر المحبين لم یگذ، رسیس الهوى من حب مية یبرح سے اور تیسرے طفق اور کرَب اور جعل اور اخذ ہے اور یہ کاد کی طرح ہیں اور اوشک عسی اور کاد کی طرح استعمال میں ہے۔

توضیح: - افعال مقاربہ ایسے فعل کو کہتے ہیں جو خبر کے قرب پر دلالت کرے خواہ بطور امید یا بطور حصول یا بطور خبر میں فاعل کے شروع ہو جانے کے۔ معلوم ہوا کہ افعال مقاربہ کی تین قسمیں ہیں اول دنو رجائی اس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم کو فاعل کے لیے خبر کے حصول کے قرب کی امید ہے جیسے عسی زید ان یخرج دوسری قسم دنو حصولی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ فاعل کے لیے خبر کا حصول قریب ہے اس میں اور پہلی قسم میں فرق یہ ہے کہ پہلی قسم میں حصول کی توقع ہوتی ہے یقین نہیں ہوتا جب کہ قسم ثانی میں حصول اخیر للفاعل کا یقین ہوتا ہے جیسے کاد زید ان یخرج۔

تیسری قسم ہے دنو اخذی اس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ خبر کا حصول فاعل کے لیے قریب ہے خبر کے حصول کے اسباب اختیار یہ برتنے لگنے کی وجہ سے جیسے طفق زید یخرج۔

خیر: پہلی قسم عسی ہے جس کی ماضی اور مضارع نیز امر و نہی نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ انشاء کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے لعل پر محمول ہے اور لعل غیر متصرف ہے یعنی اس سے ماضی و مضارع وغیرہ کی گردان نہیں آتی۔

عسنى کا استعمال موقع امید اور خوف دونوں جگہ ہوتا ہے، عسنى زیدان یخرج اور عسنى خالد ان يموت، عسنى ناقصہ اور تامہ دونوں طرح ہوتا ہے پس ناقصہ ہونے کی صورت میں یہ افعال ناقصہ سے ہوگا چنانچہ عسنى کے بعد کوئی اسم مذکور ہوگا اور اس کے بعد فعل مضارع ان مصدر یہ کے ساتھ ہوگا جو محلا خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ اب رہی یہ بات کہ اس کی خبر فعل مضارع ان مصدر یہ کے ساتھ کیوں ہوگی تو مضارع تو خبر اس لیے ہوگی کہ عسنى اس کے معنی ہیں کہ کسی آدمی کو زمانہ مستقبل میں کسی فعل سے قریب کرنا اور یہ بات بغیر مضارع کے حاصل نہیں ہو سکتی اور ان مصدر یہ کے ساتھ اس لیے کہ ان رجاء اور طمع کے لیے آتا ہے پس ان مصدر یہ کے ذریعہ تراخی کے معنی کو قوت مل جاتی ہے جو کہ عسنى میں مقصود ہوتے ہیں۔

وقد يحذف ان: کبھی عسنى کی خبر سے ان مصدر یہ کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے اس لیے کہ عسنى کاد کے مشابہ ہے اور کاد کی خبر مضارع بغیر ان مصدر یہ کے ہوتی ہے۔ پس عسنى کی بھی خبر اسی طرح بغیر ان مصدر یہ کے ہوگی۔ جیسے شاعر کا قول شعر: عسنى الهم الذى امسيث فيهِ يـ يكون وراه فرج قريب پس يكون عسنى کی خبر سے بغیر ان کے ہے۔ ترجمہ: امید کہ وہ غم کہ جس میں میں نے شام کی اس کے بعد کوئی قریبی کشادگی ہو۔

والثانى كاد: اور افعال مقاربه کی دوسری قسم کہ جس کی وضع قرب خبر بطور حصول کے لیے ہوتی ہے کاد ہے اور کاد کی خبر بغیر ان مصدر یہ کے ہوتی ہے، اس لیے کہ کاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خبر، اسم کے لیے فی الحال ثابت ہے، جب کہ ان مضارع کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے پس ان کی کوئی ضرورت نہیں جیسے کاد زيد يجى۔

وقد تدخل ان: کاد کی خبر ان مصدر یہ کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے، اس لیے کہ وہ عسنى کے مشابہ ہے اور عسنى کی خبر مضارع ان مصدر یہ کے ساتھ مستعمل ہوتی ہے، لہذا کاد کی بھی خبر مع ان کے مستعمل ہو سکتی ہے، جیسے شاعر کا قول ع قد كاد من طول البلى ان يمصحا، پس كاد کی خبر مضارع مع ان ہے۔ ترجمہ ہے کہ محبوب کا مکان زیادہ پرانا ہونے کی وجہ سے قریب ہے کہ ختم ہی ہو جائے۔

واذا ادخل النفى: مطلب یہ ہے کہ اگر کاد پر حرف نفی داخل ہو جائے تو جس طرح دیگر افعال حرف نفی کے داخل ہونے کے بعد مضمون کی نفی کا فائدہ دیتے ہیں، اسی طرح کاد بھی مضمون کی نفی کا فائدہ دے گا۔

وقيل يكون للاثبات: بعض حضرات نے کہا کہ جب کاد پر حرف نفی داخل ہو تو وہ مطلقاً مضمون یعنی خبر کے اثبات کا فائدہ دیتا ہے خواہ کاد ماضی ہو یا مستقبل۔ اور دوسرے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ صورت مذکورہ میں ماضی ہونے کی صورت میں کاد اثبات کے لیے ہوگا اور مستقبل ہونے کی صورت میں عام افعال کی

طرح برائے نفی ہوگا اول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد وما کادوا يفعلون ہے، پس وما کادوا سے مراد فعل کا اثبات ہے ذبح کی نفی نہیں ہے، پس منظر یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے ایک مقتول کے قتال کا پتہ لگانے کے سلسلے میں گائے ذبح کرنے کو کہا گیا تھا تو انہوں نے ہار سے جی قیل وقال کے بعد ذبح کیا ان کی اس کیفیت کی ترجمانی قرآن کی آیت وما کادوا يفعلون نے کی ہے پس وما کادوا يفعلون برائے اثبات ہے نفی کے لیے نہیں ہے ورنہ اگلے جملے فذبحوها سے تعارض پیدا ہو جائے گا اور یہ محال ہے۔

اور دوسرے جزء کی دلیل ذوالرزة شاعر کا قول ہے۔ شعر: اذا غیر الہجر المحبین لم یکد، رسیس الہوی من حب مية یبرح. ترجمہ: جب کہ فراق نے عشاق میں تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ پر (میرا) رشتہ محبت نہیں قریب ہے کہ میہ (محبوبہ) سے ختم ہو جائے۔

پس اس شعر میں لم یکد عام افعال کی طرح نفی پر باقی ہے۔ لیکن اس کا جواب جمہور کی طرف سے یہ دیا گیا ہے۔ وما کادوا يفعلون میں وما کادوا برائے اثبات نہیں ہے بلکہ نفی کے معنی پر ہی دلالت کرتا ہے، رہی بات فذبحوها سے تعارض تو اس کا جواب یہ ہے کہ وما کادوا يفعلون ایک زمانہ میں فعل کی نفی پر دلالت کرتا ہے اور فذبحوها دوسرے زمانہ میں فعل کے اثبات پر دلالت کرتا ہے، پس ایک وقت میں فعل کی نفی دوسرے وقت میں فعل کے اثبات کے منافی نہیں ہے۔

اور ذی الرمة کے شعر کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ اس شعر میں لم یکد نفی کے لیے ہی ہے، لیکن فی الماضي للاثبات اور اور فی المستقبل کالافعال کے قائل کا پورا نظریہ تب ثابت ہوگا، جب وما کادوا يفعلون کا برائے اثبات ہونا ثابت ہو، لیکن وہ منقہی ہے، لہذا یہ نظریہ بھی صحیح نہیں ہے۔

اور دوسرے مسلک کی بھی یہی آیت اور شعر مذکور دلیل ہے، شعر مذکور سے ان کا استدلال یوں ہے کہ لم یکد نفی کی صورت میں رشتہ محبت کے زوال پر دلالت کرتا ہے جو خلاف مقصود ہے، اس لیے دوسرے شعراء نے ذوالرمة پر تنقید کیا اور ذوالرمة نے اس تنقید کو قبول کرتے ہوئے شعر میں لم یکد کی جگہ الم اجد بدل دیا پس یہ دلیل ہے کہ کاد منفی برائے اثبات ہوتا ہے، لیکن جمہور کی جانب سے اس کا جواب یہ ہے کہ فصحاء شعراء نے اس تنقید کو غلط بتایا ہے، لہذا کاد منفی بجائے برائے اثبات کے، نفی کے لیے ہے۔

والثالث: اور تیسری قسم طفق اور کرب اور جعل اور اخذ ہے، طفق کے معنی اخذ فی العمل کے ہیں اور کرب بمعنی قرب ہے اور جعل بمعنی طفق اور اخذ بمعنی شرع ہے، یہ چاروں افعال کاد کی طرح مستعمل ہوتے ہیں، یعنی ان کی خبر فعل مضارع مع ان کے ہوتی ہے۔ جیسے طفق زید يفعل، اخذ زید یا کل الطعام، کرب زید یقرء، اور جعل زید یصلی ہے اور او شک بھی تیسری قسم سے ہے جس کا استعمال عسنی اور کاد کی طرح ہوتا ہے یعنی خبر کبھی مضارع مع ان کے ہوگی جیسا کہ

عسلی میں ہوتا ہے اور کبھی بغیر ان کے ہوگی جیسا کہ کاد میں ہوتا ہے۔

فِعْلُ التَّعْجُبِ مَا وُضِعَ لِانْشَاءِ التَّعْجُبِ وَلَهُ صِيغَتَانِ مَا أَفْعَلَهُ بِهِ وَهُمَا غَيْرُ مُتَصَرِّفَيْنِ
مِثْلُ مَا أَحْسَنَ زَيْدًا وَأَحْسِنُ بَزِيدٍ وَلَا يُبْنِيَانِ إِلَّا مِمَّا يُبْنَى مِنْهُ أَلْفَعْلُ التَّفْضِيلِ
وَيَتَوَصَّلُ فِي الْمَمْتَنَعِ بِمِثْلِ مَا أَشَدُّ اسْتِخْرَاجَهُ وَأَشَدُّ اسْتِخْرَاجِهِ وَلَا يَتَصَرَّفُ
فِيهِمَا بِتَقْدِيمٍ وَتَاخِيرٍ وَلَا فَصْلٍ وَاجازِ الْمَازِنِيِّ الْفَصْلُ بِالظُرُوفِ وَمَا ابْتِدَاءً نَكْرَةً
عِنْدَ سَبْوِيهِ وَمَا بَعْدَهَا الْخَبْرُ وَمَوْصُولَةٌ عِنْدَ الْإِخْفَشِ وَالْخَبْرُ مَحذُوفٌ وَبِهِ فَاعِلٌ
عِنْدَ سَبْوِيهِ فَلَا ضَمِيرَ فِي أَفْعَلٍ وَ مَفْعُولٌ عِنْدَ الْإِخْفَشِ وَالْبَاءُ لِلتَّعْدِيَةِ أَوْ زَائِدَةٌ فِيهِ
ضَمِيرٌ .

ترجمہ: - فعل تعجب وہ فعل ہے جو تعجب ظاہر کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اس کے دو صیغے ہیں ما افعله اور افعل به اور وہ دونوں غیر متصرفہ ہیں جیسے ما احسن زيدا واحسن بزيدا اور وہ دونوں نہیں بنائے جاتے مگر اسی سے کہ جس سے افعال التفضيل بنایا جاتا ہے اور ممتنع میں ما اشد استخراجه اور اشد استخراجه جیسے سے وسیلہ پکڑا جاتا ہے اور نہیں تصرف ہوتا ہے ان دونوں میں تقدیم اور تاخیر اور نہ فصل کے ذریعہ اور مازنی نے ظروف کے ذریعہ فصل کو جائز قرار دیا ہے اور ما ابتداء نکرہ ہے سبویہ کے نزدیک اور اس کا ما بعد خبر ہے اور موصولہ ہے اخفش کے نزدیک اور خبر محذوف ہے اور بہ فاعل ہے سبویہ کے نزدیک پس افعال میں کوئی ضمیر نہ ہوگی اور مفعول ہے اخفش کے نزدیک اور باء تعدیہ کے لیے ہے یا زائدہ ہے پس اس میں ایک ضمیر ہے۔

توضیح: - فعل تعجب وہ فعل ہے جو تعجب ظاہر کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہو پس الانشاء کی قید سے تعجب اور عجب خارج ہو گئے، کیوں کہ یہ دونوں انشاء تعجب کے لیے نہیں ہیں، بلکہ اخبار من التعجب کے لیے ہیں۔ معلوم ہو کہ تعجب اس تاثر قلبی کو کہتے ہیں جو کسی ایسی چیز کے دیکھنے کے وقت پیدا ہوتی جس کے اسباب پوشیدہ ہوں بعض نسخوں میں افعال التعجب اور بعض میں فعلا التعجب ہے، پس جن نسخوں میں فعل التعجب ہے تو وہ باعتبار تعریف کے ہے اور تعریف جنس کی ہوتی ہے۔ اور افعال التعجب باعتبار کثرت افراد کے ہے اور تثنیہ صیغہ تعجب کی دونوں نوعوں کے اعتبار سے ہے۔

وله صیغتان: تعجب کے دو صیغے ہیں اول ما افعله اور دوسرے افعل به دونوں صیغہ تعجب کے غیر متصرفہ ہیں یعنی ان سے مضارع امر ونہی اور تثنیہ جمع کچھ نہیں آتا، کیوں کہ یہ دونوں حرف کے انشاء کے لیے ہونے میں مشابہ ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ان دونوں صیغوں کو معنی تعجب کی طرف نقل کیا گیا تو یہ

بمزلہ کہاوت و امثال کے ہو گئے اور امثال میں تصرف نہیں ہوتا، لہذا ان میں بھی نہیں ہوگا جیسے ما احسن زیداً اور احسن بہ

ولا یبیان الا ما یبسی منه: جس طرح فعل التفضیل ثلاثی مجرد سے بنایا جاتا ہے، بشرطیکہ وہ لون اور عیب کے معنی میں نہ ہو، اسی طرح ثلاثی مجرد سے صیغہ تعجب بھی بنائے جاتے ہیں، کیوں کہ فعل التفضیل اور تعجب دونوں مبالغہ اور تاکید کے لیے ہوتے ہیں تفضیل تو اس لیے کہ وہ فعل میں زیادتی پر دلالت ہی کرتا ہے اور صیغہ تعجب اس لیے کہ جب کسی چیز کی زیادتی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ حد اشکال سے قریب ہو جاتی ہے تبھی وہ باعث تعجب ہوتی ہے۔

و یتوصل فی الممتنع: اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ فعل جس سے فعل تعجب کا بنایا جانا ممکن نہ ہو۔ خواہ ثلاثی مزید یا رباعی مجرد مزید ہونے یا لون و عیب پر دل ہونے کی وجہ سے تو اس سے صیغہ تعجب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ صیغہ تعجب ایسے فعل سے بنائیں گے جو شدت اور قوت پر دلالت کرے اور فعل ممتنع کے مصدر کو بطور مفعول کے پہلے صیغہ میں اور بطور جار و مجرور کے دوسرے صیغہ میں ذکر کریں گے۔ جیسے ما اشد استخراجه اور اشد باستخراجه ما اکثر حمرة اور ما اقبح عوره اور اکثر بحمرته اور اقبح بعوره۔

ولا یتصرف فیہما: دونوں صیغہ تعجب میں تقدیم و تاخیر درست نہیں ہے بایں طور کہ مفعول اور مجرور کو فعل سے مقدم کر دیا جائے اور فعل کو ان دونوں سے مؤخر کر دیا جائے، جیسے ما زید احسن اور بزید احسن نیز فعل اور اس کے معمول اور ما اور فعل کے درمیان فصل کرنا بھی درست نہیں ہے، لہذا ما احسن الیوم زیداً اور احسن امس بزید کہنا درست نہیں ہے، یہ دونوں باتیں یعنی تقدیم و تاخیر اور فصل اس لیے منع ہیں کہ صیغہ تعجب، بعد النقل الی التجب امثال کے درجہ میں ہو گئے اور امثال میں تغیر نہیں ہوتا ہے، لہذا ان میں بھی تغیر نہیں ہوگا، البتہ مازنی کا اختلاف ہے ان کے نزدیک ظرف سے فصل جائز ہے، بشرطیکہ وہ ظرف فعل تعجب سے متعلق ہو، لہذا لقیته فما احسن امس زیداً کہنا صحیح نہ ہوگا، اس لیے کہ امس کا تعلق لقیته سے ہے، نہ کہ احسن سے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ظرف میں اس چیز کی گنجائش ہوتی ہے جس کی غیر ظرف میں نہیں ہوتی، جیسے ما یوم الجمعة احسن زیداً اور احسن الیوم بزید۔

ما ابتداء: اب یہاں ما افعله کے اعراب کو بتانا چاہتے ہیں پس سیبویہ کے نزدیک ما افعله کا ما ابتداء نکرہ ہے اور ما کا ما بعد خبر ہے پس ما شیء کے معنی میں ہوگا اور تقدیر عبارت شیء افعله ہوگی۔ اور انحرش کے نزدیک موصولہ ہے اور اس کا ما بعد صلہ ہے اور موصول وصلہ سے مل کر مبتدا اور خبر محذوف ہوگی، تقدیر عبارت ہوگی الذی افعله شیء۔ اور کچھ لوگ ہیں جن کے نزدیک ما استفہامیہ مبتداء ہے اور ما بعد

خبر ہے، تقدیر عبارت ہوگی ای شی احسن زیداً۔

اور افعال بہ میں سیبویہ کے نزدیک بہ فاعل ہوگا، لہذا افعال میں فاعل کے ضمیر کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن انفس کے نزدیک افعال میں فاعل کی ضمیر ہوگی اور بہ مفعول ہے، البتہ باء یا تو تعدیہ کے لیے ہے یا زائدہ ہے۔ تعدیہ کی صورت میں احسن کا ہمزہ صیرورة کے لیے ہوگا۔

افعال المدح والذم ما وُضِعَ لانشاءِ مدحٍ او ذمٍّ فَمِنْهَا نَعْمٌ وَبئسٌ وَشَرْطُهُمَا انْ يَكُونَ الْفَاعِلُ مُعْرَفًا بِاللَّامِ او مُضَافًا اِلَى الْمَعْرِفِ بِهَا او مُضْمَرًا مُمَيِّزًا بِنَكْرَةِ مَنْصُوبَةٍ او بِمَا مِثْلُ فَنِعْمًا هِيَ وَبَعْدَ ذَلِكَ الْمَخْصُوصُ وَهُوَ مُبْتَدَأٌ مَا قَبْلَهُ خَبْرُهُ او خَبْرٌ مُبْتَدَأٌ مَحذُوفٌ مِثْلُ نَعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ وَشَرْطُهُ مُطَابَقَةُ الْفَاعِلِ وَبئسٌ مِثْلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا وَشَبَّهَ مَتَأَوَّلٌ وَقَدْ يُحذفُ الْمَخْصُوصُ اِذَا عَلِمَ مِثْلُ نَعْمَ الْعَبْدُ وَفَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ وَسَاءٌ مِثْلُ بئسٌ وَمِنْهَا حَبْدًا وَفَاعِلُهُ ذَا وَلَا يَتَغَيَّرُ وَبَعْدَهُ الْمَخْصُوصُ وَاَعْرَابُهُ كَاَعْرَابِ مَخْصُوصٍ نَعْمٌ وَيَجُوزُ انْ يَقَعَ قَبْلَ الْمَخْصُوصِ وَبَعْدَهُ تَمْيِيزٌ او حَالٌ عَلَيَّ وَفَقِ مَخْصُوصِهِ

ترجمہ:- افعال مدح و ذم وہ فعل ہے جو مدح پیدا کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں پس مدح و ذم سے نعم اور بئس ہے اور ان دونوں کی شرط یہ ہے کہ فاعل معرف باللام ہو یا فاعل معرف باللام کی طرف مضاف ہو یا فاعل مضمّر ہو جو تمیز ہو نکرہ منصوبہ کے ساتھ اور ما کے ساتھ جیسے فنعما ہی اور فاعل کے بعد مخصوص ہوگا اور وہ مبتدا ہوگا اور ما قبل اس کا خبر یا مخصوص مبتدا محذوف کی خبر ہوگا جیسے نعم الرجل زيد اور مخصوص کی شرط فاعل کے مطابق ہونا ہے اور بئس مثل القوم الذين كذبوا اور اس کے جیسے تاویل شدہ ہیں اور کبھی مخصوص کو حذف کر دیا جاتا ہے جب قرینہ سے معلوم ہو جائے جیسے نعم العبد اور فنعم الماهدون اور ساء، بئس کی طرح ہے اور افعال مدح سے حبدا ہے اور اس کا فاعل ذا ہے اور فاعل بدلتا ہے نہیں اور اس کے بعد مخصوص ہے اور اس کا اعراب نعم کے مخصوص کے اعراب کی طرح ہوگا اور جائز ہے مخصوص سے پہلے اور اس کے بعد تمیز یا حال مخصوص کے موافق واقع ہونا۔

توضیح:- افعال مدح و ذم وہ فعل ہے جو وضع کیا گیا ہو مدح یا ذم پیدا کرنے کے لیے پس وہ افعال جو انشاء اور ذم کے لیے وضع نہیں کیے گئے ہیں وہ افعال مدح یا ذم نہیں کہلائیں گے جیسے مدحتہ یا ذممتہ شرف و کرم عورج کیوں کہ ان کی وضع اس مقصد کے تحت نہیں ہوئی ہے۔

اب ایک اعتراض اور اس کا جواب بھی سماعت فرمائیں افعال مدح یا ذم کا از قبیل افعال شمار کرنا صحیح

نہیں ہے، اس لیے کہ فعل کا وزن ان افعال کا وزن نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ افعال مدح و ذم
در عمل فِعْلٌ بفتح الفاء و کسر العین کے وزن پر ہیں پھر تخفیفاً عین کے کسرہ کو کلمۃ فاء کی طرف منتقل کر دیا اور یہی
لغۃ مشہور ہے باقی اور بھی دوسری لغات ہیں۔

افعال مدح سے نِعَم اور افعال ذم سے بئس ہے۔

و شرطها ان یکون الفعال معرفا باللام: افعال مدح و ذم کی شرط یہ ہے کہ ان کا فاعل تین
امور میں سے کوئی ایک امر ضرور ہو یا تو فاعل معرف باللام ہو یا وہ معرف باللام العہد الذہنی کی طرف مضاف
ہو یا فاعل اسم ضمیر ہو جس کی تمیز نکرہ منصوبہ یا ما واقع ہو۔ معرف باللام العہد الذہنی کا فاعل ہونا اس لیے شرط
قرار دیا کہ افعال مدح و ذم سے مقصود ایسی مدح و ذم ہوتی ہے جو ذہنا معلوم ہو، لہذا لام ذہنی ہی مناسب
معلوم ہوا، تاکہ ملفوظ، مقصود کے مطابق ہو جائے اول کی مثال جیسے نعم الرجل زید اور دوسرے کی مثال
نعم صاحب الرجل زید اور تیسرے کی مثال نعم رجلا زید اور فنعماً ہی میں ما شیء کے معنی
میں ہے تقدیر عبارت ہوگی نعم الشیء شیاً ہی۔

وبعد ذلك: افعال مدح و ذم کے فاعل کے بعد مخصوص بالمدح اور مخصوص بالذم ہوگا۔ ایسا اس
لیے کہ کسی شیء کا اولاً مبہم ذکر کرنا پھر اس کی تفسیر کرنا واقع فی النفس ہوتا ہے، پس فاعل کو مبہم ذکر کرنے کے
بعد مخصوص کے ذریعہ اس کی تفسیر ذکر دی گئی۔ اور یہ مخصوص مبتداء مؤخر ہوگا اور اس کا ما قبل خبر مقدم ہوگا۔ اور
عائد کا کام الف لام کرے گا، لہذا ضمیر کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ مخصوص خبر ہو مبتداء
محذوف کی پس ایسی صورت میں سوال مقدر ہوگا اور وہ یہ ہے کہ جب کہا گیا نعم الرجل تو سوال ہوا من
هو یعنی وہ کون ہے؟ تو کہا گیا زید یعنی هو زید۔ پس ترکیب اول کی صورت میں نعم الرجل زید جملہ
واحدہ ہوگا اور ترکیب ثانی کی صورت میں دو جملے ہوں گے۔

و شرطه: مخصوص بالمدح اور بالذم کی شرط یہ ہے کہ وہ فاعل کے مطابق ہو جنس، مفرد اور تشبیہ اور
جمع تذکیر و تانیث ہونے میں پس بولا جائے گا، نعم الرجل زید، نعم الرجلان الزیدان اور نعم
الرجال الزیدون اور نعمت المرأة هند و علی هذا القیاس۔ یہ مطابقت اس لیے ضروری ہے کہ
مخصوص حکماً فاعل ہی ہوتا ہے۔ اور دھیان رہے کہ جنس میں مطابقت عام ہے، خواہ حقیقتاً ہو جیسے نعم الرجل
زید یا تاویلاً ہو جیسے نعم الرجل اسد یعنی نعم الشجاع زید۔

وبئس مثل القوم: یہ سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آپ کا یہ قاعدہ کہ مخصوص فاعل کے
مطابق ہوتا ہے ٹوٹ گیا، اللہ تعالیٰ کے ارشاد بئس مثل القوم الذین کذبو سے اس لیے کہ بئس کا
فاعل مثل القوم مفرد ہے، جب کہ اس کا مخصوص بالذم الذین کذبوا جمع ہے۔ تو اس کا جواب مصنف

نے دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں اور اس جیسے کلام میں مخصوص محذوف ہے، اصل عبارت ہے بنس مثل القوم مثل الذین کذبوا پس مثل محذوف مخصوص ہے اور الذین، القوم کی صفت ہے تقدیر ہوگی بنس مثل القوم المکذوبین مثلهم۔

وقد یحذف المخصوص: حاصل عبارت یہ ہے کہ مخصوص خواہ بالمدح ہو یا بالذم جب قرینہ اس پر موجود ہو تو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے نعم العبد ای ایوب پس ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص بالمدح ہونے پر آیت سابقہ قرینہ ہے اور فنعم المجاہدون میں نحن مخصوص بالمدح ہے جس پر قرینہ والارض فرشہ ۱۰۱ ہے۔

وساء: اور ساء، بنس کی طرح ہے ذم کا فائدہ دینے نیز شرائط اور احکام میں۔ اور افعال مدح میں سے جبذا ہے اور جبذا کا فاعل اس میں موجود ذآ ہے، جبذا میں تثنیہ اور جمع نیز تانیث کے اعتبار سے تبدیلی نہیں ہوتی، لہذا جبذا الزیدان اور جبذا الزیدون نہیں بولا جائے گا، کیوں کہ یہ بمنزلہ امثال ہے اور امثال میں تغیر نہیں ہوتا، اور ذآ کے بعد اس کا مخصوص ہوگا۔

واعرابہ: اس کا حاصل یہ ہے کہ جبذا کے مخصوص میں بھی نعم کے مخصوص کی طرح دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں، اول یہ ہے کہ مخصوص مبتداء مؤخر ہو اور جبذا اس کا خبر مقدم ہو اس صورت میں جبذا زید پورا ایک جملہ ہوگا، دوسرے یہ کہ مخصوص مبتداء محذوف کی خبر ہو اس صورت میں دو جملے ہو جائیں گے۔

ویجوز: خلاصہ یہ ہے کہ جبذا کے مخصوص سے پہلے بھی اور بعد میں بھی تمیز یا حال جو مخصوص کے مطابق ہو واقع ہو سکتا ہے حال یا تمیز کی مخصوص سے مطابقت افراد تثنیہ اور جمع تذکیر و تانیث میں ہوگی اور حال اور تمیز میں عامل جبذا کا حب ہوگا۔

الحرف ما دل علی معنی فی غیرہ ومن ثم احتاج فی جزئیته الی اسم وفعل
حُرُوفُ الْجَرِّ مَا وُضِعَ لِلْإِفْضَاءِ بِفِعْلِ أَوْ مَعْنَاهُ إِلَى مَا يَلِيهِ وَهِيَ مِنْ وَالِي وَحَتَّى وَفِي
وَالْبَاءُ وَاللَّامُ وَرَبُّ وَوَاوُهَا وَوَاوِ الْقَسَمِ وَبَاءُ هُ وَتَاءُ هُ وَعَنْ وَعَلَى وَالْكَافُ وَمُذَو
مُنْذَو وَخَلَا وَعَدَا وَحَاشَا.

ترجمہ: - حرف وہ کلمہ ہے جو اپنے غیر کے معنی پر دلالت کرے اس وجہ سے وہ اپنی جزئیت میں اسم و فعل کا محتاج ہوتا ہے۔ حروف جر وہ حرف ہے جو وضع کیا گیا ہو فعل یا معنی فعل کو پہنچانے کے لیے اس کی طرف جس سے وہ متصل ہوتا ہے۔ اور وہ من اور الی اور حتی اور فی اور باء اور لام اور رب اور واو رب اور واو قسم اور بائے قسم اور تائے قسم اور عن اور علی اور کاف اور مذ اور منذ، خلا، عد اور حاشا ہیں۔

توضیح: - حرف وہ کلمہ ہے جو اپنے غیر کے معنی پر دلالت کرتا ہو یعنی معنی مستقل نہ رکھتا ہو،

چنانچہ حرف مند الیہ اور مند کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے، البتہ ربط بین الایمین جیسے زید فی المسجد یارب
بین الفعل، الاسم جیسے کتبت بالقلم اسی طرح ربط بین الفعلین جیسے اریدان اصلی اور ربط بین
الجملتین جیسے ان تصل علی الدولة المسلمة فانا اقاتلك وغیرہ کے لیے آتا ہے۔

حروف الجر: حروف الجر ایسے حروف کہتے ہیں جو فعل یا معنی فعل کو اس اسم تک پہنچانے کے
لیے وضع کیے گئے ہیں کہ جن سے حروف جر متصل بمعنی جن پر داخل ہوتے ہیں۔

اور یہ اٹھارہ حروف ہیں من، الی، حتی، فی، باء، لام، اور رب اور واؤ رب، واو قسم، با قسمیہ اور تاء قسمیہ،
عن، علی اور کاف، مذ اور منذ، خلا اور عدا اور حاشا۔

فمن للابتداء والتبين والتبعيض وزائدة في غير الموجب خلافاً للكوفيين
والاخفش وقد كان من مطر وشبهه متاؤلاً والی للانتهاء وبمعنی مع قليلاً وحتى
كذلك وبمعنی مع كثيراً ويختص بالظاهر خلافاً للمبرد وفي للظرفية وبمعنی
علی قليلاً والباء للالصاق والاستعانة والمصاحبة والمقابلة والتعدية والظرفية
وزائدة في الخبر في الاستفهام والنفي قياساً وفي غيرہ سماعاً نحو بحسبك زيد
والقی بیده .

ترجمہ: - پس من ابتداء اور بیان اور تبعيض کے لیے نیز من زائدہ ہوتی ہے غیر موجب میں
اختلاف ہے کوفیین اور اخفش کا اور قد کان من مطر اور اس جیسی مثالیں تاویل شدہ ہیں اور الی انتهاء
کے لیے ہے اور مع کے معنی میں بہت کم ہوتا ہے۔ اور حتی اسی طرح، اور مع کے معنی میں اکثر ہوتا ہے
اور مخصوص ہوتا ہے اسم ظاہر کے ساتھ مخالفت کرتے ہوئے مبرد کی، اور فی ظرفیت کے لیے ہوتی ہے اور
علی کے معنی میں کم ہوتی ہے۔ اور باء الصاق اور استعانة اور مصاحبة اور مقابله اور تعدیہ اور ظرفیت کے
لیے نیز باء استفهام اور نفي کی خبر میں قیاساً اور اس کے علاوہ میں سماعاً زائدہ ہوتی ہے جیسے بحسبك زيد اور
القی بیده .

توضیح: - اب حروف جارہ کے معنی بیان کر رہے ہیں پس من چار معانی کے لیے آتی ہے،
اول ابتداء غایت کے لیے اور ابتداء غایت کو اس چیز سے پہچانا جاتا ہے کہ جس کے مقابلہ میں انتهاء صحیح ہو
جیسے سرت من البصرة الی الكوفة اور دوسرے بیان ہے اس کی علامت الذی کے استعمال کا من
بیانیہ کی جگہ صحیح ہونا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فاجتنبوا الرجس من الاوثان تیسرے من کا برائے
تبعيض ہونا، من تبعيضہ کی پہچان یہ ہے کہ اس کی جگہ بعض کا استعمال کرنا صحیح ہو، جیسے اخذت من الدارهم
اور چوتھے من زائدہ کا ہونا اس کی علامت یہ ہے کہ اگر من کو عبارت سے ساقط کر دیا جائے تو معنی میں کوئی

خلل واقع نہ ہو۔ البتہ من کلام غیر موجب میں زائد ہوگی جیسے ما جاءني من احد اور هل جاءني من احد۔ البتہ کوفین اور انخفش کے نزدیک کلام موجب میں بھی من زائد ہو سکتی ہے، اس لیے عربوں کے قول و قد كان من مطر میں کلام موجب ہونے کے باوجود من زائد ہے پس معلوم ہوا کہ من زائدہ غیر موجب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لیکن جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ قد كان من مطر اور اس جیسی مثالیں مؤول ہیں یعنی اس طرح کے کلاموں میں من یا تو برائے تبعیض ہے یا برائے بیان ہے زائدہ نہیں ہے۔ پس تقدیر عبارت ہوگی قد كان بعض مطر یا قد كان شيء من مطر۔

والی للانتهاء: معلوم ہو کہ الی کے دو معنی ہیں ایک تو انتہاء غایت جو من ابتداء غایت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اس کی پہچان الی کا اس چیز میں استعمال ہونا جس کے لیے انتہاء ہو جیسے سرت من مكة الی المدينة دوسرے معنی ہیں کہ الی مع کے معنی میں ہو البتہ ایسا کم ہوتا ہے جیسے من انصاری الی اللہ جو مع اللہ کے معنی میں ہے اور جیسے وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ الی اموالکم پس معنی میں مع اموالکم کے ہے۔

وحتى كذلك: اور حتی بھی الی کی طرح انتہائے غایت کے لیے آتا ہے، البتہ مع کے معنی میں عموماً ہوتا ہے جیسے اكلت السمك حتى رأسها معنی ہیں مع رأسها۔ حتی اور الی میں ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ حتی اسم ظاہر پر ہی داخل ہوتا ہے، اسم ضمیر پر الی کی طرح داخل نہیں ہوتا، اس لیے کہ اگر اسم ضمیر پر حتی داخل ہو تو چوں کہ حتی کے بعد ضمیر مجرور کی طرح ضمیر منصوب اور مرفوع بھی آ سکتی ہیں پس ضمائر میں آپس میں خلط ملط ہو جائے گا۔ البتہ مبرد کے نزدیک اسم ضمیر پر بھی حتی کا دخول صحیح ہے وہ عرب شاعر کے اس قول مع فتى حتاك یا ابن ابی زیاد سے استدلال کرتے ہیں کہ حتاك میں حتی اسم ضمیر پر شاعر عرب نے داخل کیا ہے پس معلوم ہوا ضمیر پر بھی حتی کا دخول صحیح ہے، لیکن مبرد کا یہ استدلال بچند وجوہ ضعیف ہے سب سے پہلی بات ہے کہ مبرد نے غیر شعر یعنی نثر کو نظم پر قیاس کیا ہے، جب کہ شعر و سخن میں اس چیز کی بھی گنجائش ہوتی ہے جو عمومی حالات میں منع ہوتی ہے، دوسرے دخول علی الضمیر قلیل الاستعمال ہے جو بمنزلہ عدم کے ہے۔

وفى للظرفية: اور فی اپنے مدخول کی ظرفیہ کے لیے ہوتی ہے خواہ حقیقتاً ظرف ہو جیسے الماء فى الكوز یا مجازاً ہو، جیسے النجاة فى الصدق اور کبھی فى علی کے معنی میں بھی ہوتی ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے جیسے وَلَا صَلْبِنُكُمْ فى جذوع النخل پس فی علی کے معنی میں ہے۔

والباء للالصاق: باء معنی الصاق کے لیے مستعمل ہے۔ الصاق کی دو قسمیں ہیں الصاق حقیقی جیسے وبه داء اور الصاق مجازی جیسے مودت بزید، باء استعانة کے لیے بھی آتی ہے یعنی اس بات پر دلالت

کرنے کے لیے کہ باء کا مدخول فعل کا آلہ اور ذریعہ ہے جیسے ضربتُ الکفار بالسيفِ اور باء مصاحبت کے لیے بھی مستعمل ہے جیسے دخلت علیٰ بثياب السفر اور مقابلہ کے لیے جیسے اخذت هذا الثوب بدرهم اور تعدیہ یعنی فعل لازم کو متعدی بنانے کے لیے بھی باء کا استعمال ہوتا ہے جیسے ذهبت بزید۔ اور ظرفیت کے لیے باء کا استعمال راجح ہے جیسے اطلبوا العلم ولو بالصين پس یہ فی الصين کے معنی میں ہے، باء استفہام اور نفی کی خبر میں حسب ضابطہ زیادہ ہوتی ہے جیسے هل زید بقائم اور ليس زید بقائم۔ البتہ استفہام اور نفی کے ماسواء میں سماعاً با کی زیادتی ہوتی ہے جیسے بحسبک زید کہ باء زائدہ ہے اور حسبک مبتداء ہے خبر نہیں ہے اور وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ پس باید کیم کی باء زائدہ ہے اور حسبک سرے سے خبر نہیں ہے، اس لیے کہ وہ حسبک زید کے معنی میں ہے اور زید بحسبک میں بحسبک گو خبر ہے لیکن مثبت ہے منفی نہیں ہے۔

واللام لِلِاِخْتِصَاصِ وَالتَّعْلِيلِ وَبِمَعْنَى عَنِ مَعَ الْقَوْلِ وَزَائِدَةٌ وَبِمَعْنَى الْوَاوِ فِي الْقِسْمِ لِلتَّعَجُّبِ وَرُبُّ لِلتَّقْلِيلِ وَلَهَا صَدْرُ الْكَلَامِ مَخْتَصَّةٌ بِنَكْرَةِ مَوْصُوفَةٍ عَلَى الْأَصَحِّ وَفَعْلُهَا مَاضٍ مَحذُوفٌ غَالِبًا، وَقَدْ تَدَخَّلَ عَلَى مَضْمَرٍ مَبْهُمٍ مُمِيزٍ بِنَكْرَةِ مَنْصُوبَةٍ وَالضَّمِيرُ مَفْرُودٌ مَدْنَرٌ خِلَافًا لِلْكَوْفِيِّنَ فِي مُطَابَقَةِ التَّمْيِيزِ وَتَلَحُّقِهَا مَا فَتَدَخَّلَ عَلَى الْجُمْلِ وَوَاوَهَا تَدَخَّلَ عَلَى نَكْرَةِ مَوْصُوفَةٍ.

ترجمہ: - اور لام اختصاص اور تعلیل کے لیے ہوتا ہے اور قول کے ساتھ عن کے معنی میں ہوتا ہے اور لام زائدہ ہوتا ہے اور تعجب کے لیے قسم میں واؤ کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور رُبُّ لتقلیل کے لیے ہوتا ہے اور اس کے لیے صدر کلام ہے جو صحیح ترین قول کے مطابق نکرہ موصوفہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور اس کا فعل ماضی محذوف ہوتا ہے عموماً اور کبھی رب ضمیر مبہم پر داخل ہوتا ہے جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہوتی ہے اور اس کو ما لاحق ہوتا ہے پس وہ جملہ پر داخل ہوتا ہے اور واؤ رب نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے۔

توضیح: - لام اختصاص کے لیے آتا ہے، اختصاص کی تین صورتیں ہیں، ایک اختصاص ملک ہوتا ہے جیسے المال لزید دوسرے اختصاص استحقاق ہوتا ہے جیسے الجل للفرس تیسرے اختصاص نسبت ہوتا ہے جیسے حامد ابن لزید۔

والتعلیل: اور لام تعلیل یعنی بیان علت کے لیے آتا ہے۔ علت دو قسموں پر ہے اول علت، سبب غائی کہلاتی ہے کہ جس کی وجہ سے فعل کا ارادہ کیا جاتا ہے جیسے ضربتہ للتادیب پس بلاشبہ تادیب ضرب کے لیے علت غائی ہے دوسری قسم علت سبب باعث ہو، یعنی وہ ایسی علت نہ ہو کہ جس کی وجہ سے فعل کا ارادہ کیا جاتا ہے جیسے خرجت لمخافتك پس مخافت خروج کی علت غائی نہیں ہے البتہ سبب باعث ہے۔

وبمعنی عن: اور لام جب قول کے ساتھ ہو تو عن کے معنی میں ہوتا ہے جیسے قلت له انه لم یقتل پس قلت له معنی میں قلت عنه کے ہے۔

اور لام زائدہ بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد رَدِفَ لَكُمْ جو معنی میں رَدَفْكُمْ کے ہے، اس لیے کہ رَدِفْ براہ راست مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔

اور لام برائے تعجب و اوقسمیہ کے معنی میں بھی ہوتا ہے جیسے لِلّٰہِ لَا یُؤَخِّرُ الْاَجَلَ جو معنی میں وَاللّٰہِ لَا یُؤَخِّرُ الْاَجَلَ کے ہے، البتہ لام برائے تعجب و اوقسمیہ کے معنی میں اہم امور میں ہی مستعمل ہوگا معمولی چیزوں کے لیے استعمال نہ ہوگا۔

وَرَبُّ للتقلیل: اور رب تقلیل کے آتا ہے اور اس کے لیے صدارت کلام ہوگی، کیونکہ رب کم خبریہ کی نقیض ہے، اس لیے کہ کم خبریہ تکثیر کا فائدہ دیتی ہے اور ایک نقیض کو دوسری نقیض پر محمول کرتے ہوئے ایک کا حکم دوسرے پر لگایا جاسکتا ہے پس چونکہ کم خبریہ صدارت کلام کا تقاضا کرتی ہے، لہذا رب جو تقلیل معنی پر دال ہونے کی وجہ سے اس کی نقیض ہے وہ بھی صدارت کلام چاہتا ہے۔ البتہ رب نکرہ موصوفہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے صحیح ترین قول کے مطابق تاکہ تقلیل کے معنی جو کہ رب کا مدلول ہے ثابت ہو سکے اس لیے کہ نکرہ مجہول ہوتا ہے جس میں تقلیل اور تکثیر دونوں کا احتمال ہوتا ہے، جب کہ معرفہ مفرد اور تشبیہ ہونے کی صورت میں اس کی قلت متعین ہے اور جمع ہونے کی صورت میں اس کی کثرت متعین ہے اور موصوفہ کی قید بھی تقلیل معنی کے ہی تحقیق کے لیے ہے، اس لیے موصوفہ بمقابلہ غیر موصوفہ کے انحصار ہوتا ہے اور انحصار بمقابلہ اعم اقل ہوتا ہے۔

جب کہ بعض حضرات رُبُّ کے لیے نکرہ موصوفہ کو ضروری نہیں مانتے۔

وَفَعَلَهَا ماض: اگر رب، ماکفوفہ کے ساتھ نہ ہو تو اس کا فعل عامل ماضی ہوگا، اس لیے کہ رب تقلیل محقق کے لیے آتا ہے اور یہ فعل ماضی میں ہی متصور ہوتا ہے جیسے رب رجل کریم لقیثہ اور عموماً فعل ماضی قرینہ کے ہونے کی وجہ سے محذوف ہوتا ہے جیسے رب رجل کریم اس شخص کے جواب میں جس نے کہا بمن لقیثہ۔

وَقَدْ تَدَخَّلَ: کبھی رُبُّ ایسی ضمیر مبہم پر داخل ہوتا ہے جس کا کوئی مرجع متعین نہیں ہوتا ہے اور جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہوتی ہے، تاکہ ضمیر کا ابہام ختم ہو جائے۔

اور یہ جو ضمیر ہوگی تو مفرد مذکر ہوگی، اس لیے کہ اس ضمیر سے مقصود ابہام ہے اور مفرد مذکر کو ابہام میں زیادہ دخل ہوتا ہے، لہذا ضمیر مذکور مفرد اپنے غیر سے اس مقصد کے لیے زیادہ حق دار ہے، پس حاصل یہ ہے کہ یہ ضمیر نعم رجلا زید کی ضمیر کی طرح مفرد ہوگی، تمیز کے مطابق ہونا ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا مرجع

ایسی چیز ہے جو ذہن میں پہلے سے ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہو کہ جس کے مطابق ہونا سروری ہو۔

خلافاً للكوفيين: کوفیوں کا کہنا یہ ہے کہ رب جس ضمیر پر داخل ہوگی اس کا تمیز کے مطابق ہونا مفرد ہونے اور تشنیہ، جمع نیز مذکر اور مؤنث ہونے میں ضروری ہے، کیوں کہ اصل یہی ہے کہ تمیز اور تمیز میں مطابقت پائی جائے، لہذا وہ بولتے ہیں ربہ رجلا اور ربہما رجلین اور ربہما رجلاً ربہا امرأة اور ربہن نسوة۔

اور رب کو ما کافہ بھی لاحق ہوتا ہے پس یہ جملہ پر داخل ہوتا ہے، چونکہ ملاحق ہو کر رب کو عمل سے روک دیتا ہے، لہذا ضروری نہیں رہ جاتا ہے کہ رب کا مدخول اس کے عمل کی صلاحیت رکھتا ہو، جیسے رَبَّمَا يُوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا پس رب کا مدخول یہاں مضارع ہے، حالاں کہ ماضی ہوتا رہا ہے ایسا ما کافہ کی وجہ سے ہو گیا، کیوں کہ اس نے رب کا عمل روک دیا پس مدخول کا ماضی ہونا ضروری نہیں رہ گیا۔

واو وها: اور واورب یعنی وہ و او جو رب کے معنی میں ہوتا ہے نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ واورب کے معنی میں ہے اور رب نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے، لہذا جو رَبِّ کے معنی میں ہوگا وہ بھی نکرہ موصوفہ پر داخل ہوگا۔ جیسے وبلدة لیس لہا اینس معنی میں ہے رَبِّ بِلْدَةٍ یعنی بہت سے ایسے شہر ہیں جن کا کوئی مونس نہیں۔

وواو القسم انما تكون عند حذف الفعل لغير السؤال مختصة بالظاهر والتاء مثلها مختصة بسم الله تعالى والباء اعم منهما في الجميع ويتلقى القسم باللام وان وحرف النفي وقد يحذف جوابه اذا اعترض او تقدمه ما يدل عليه وعن للمجاوزه وعلى للاستعلاء وقد يكونان اسمين بدخول من والكاف للتشبيه وزائدة وقد تكون اسماً وتختص بالظاهر ومذ ومند للزمان للابتداء في الماضي والظرفية في الحاضر نحو ما رايته مذ شهرنا ومنذ يومنا وحاشا وعدا وخلا للاستثناء.

ترجمہ:- اور واوربم بلاشبہ سوال کے علاوہ کے لیے فعل کے حذف کے وقت ہوتا ہے (در آنحالیکہ مخصوص ہو) اسم ظاہر کے ساتھ اور تاء اسی کے مثل ہے جو اللہ کے اسم کے ساتھ مخصوص ہے اور باء ان دونوں سے اعم ہے تمام باتوں میں۔ اور قسم کا جواب دیا جاتا ہے لام اور ان اور حرف نفی سے اور جواب محذوف ہو جاتا ہے جب قسم اجزائے جملہ کے درمیان واقع ہو یا فی المعنی مقدم ہو جائے اس چیز پر جو اس کے

جواب پر دلالت کرتا ہے۔ اور عن مجاوزة کے لیے ہے اور علی استعلاء کے لیے اور کبھی عن اور علی اسم ہوتے ہیں من کے داخل ہونے کے وقت اور کاف تشبیہ کے لیے ہے اور زائدہ ہوتا ہے۔ اور کبھی اسم ہوتا ہے اور کاف اسم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور مذ اور منذ ماضی میں ابتداء زمان کے لیے ہوتے ہیں اور زمانہ حال میں ظرفیت کے لیے جیسے ما رایتہ مذ شہرنا و منذ یومنا اور حاشا اور عدا اور خلا استثناء کے لیے ہیں۔

واو القسم: واو کا قسم کے لیے ہونا تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ فعل محذوف ہو، لہذا واللہ اجلس نہیں بولا جائے گا، دوسری شرط یہ ہے کہ سوال کے لیے نہ ہو، لہذا واللہ اخبرنی نہیں بولیں گے، تیسری شرط یہ ہے کہ اسم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہو پس وَكَ لَا فَعَلْنَ كَذَا نہیں بولا جائے گا جب کہ باء کا استعمال کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے، درحقیقت واو برائے قسم باء برائے قسم سے درجہ میں کم ہے پس اصل اور فرع میں فرق ضروری تھا۔

والتا مثلها: اور تا قسمیہ واو قسمیہ کی طرح ہی ہے یعنی تا قسمیہ فعل کے ساتھ نیز سوال کے موقع کے لیے مستعمل نہیں ہوتا اور اسم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہے۔ البتہ واو قسم اور تا قسم میں فرق یہ ہے کہ تا قسم اسم اللہ کیساتھ مخصوص ہے، چنانچہ غیر اللہ پر تا قسم داخل نہیں ہوتی جیسے تَاللّٰہِ لَا کِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ اور وجہ فرق یہ ہے کہ تا قسم سے کم تر ہے اور واو باء سے کم تر ہے اسی وجہ سے سب میں اشتراک کے ساتھ کچھ نہ کچھ فرق بھی ہے۔ پس باء ان دونوں کو عام ہے چنانچہ باء کا استعمال فعل کے ساتھ جیسے قسمت باللہ اور موقع سوال میں جیسے باللہ اخبرنی صحیح ہے، اسی طرح فعل کے حذف اور موقع سوال کے علاوہ کے لیے بھی باء مستعمل ہو سکتی ہے، نیز اسم ظاہر اور اسم الہی پر بھی باء کا دخول ہوتا ہے۔

ویتلقى القسم: اور قسم کا جواب لام اور ان کے ساتھ دیا جاتا ہے، جیسے تَاللّٰہِ لَا کِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ اور ان کی مثال اِنَّ سَعِیْکُمْ لَشَتٰی، وَاللّٰیْلِ اِذَا یَغْشٰی کے جواب میں اور حرف نفی کے ساتھ بھی قسم کا جواب دیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی حَاصِل یہ ہے کہ جواب قسم میں لام اور ان اور حرف نفی میں سے کسی کا ہونا ضروری ہے۔

وقد یحذف: جب قسم اجزاء جملہ کے درمیان واقع ہو جائے جیسے زید واللہ قائم یا قسم اس جملہ پر مقدم ہو جو جواب پر دلالت کرتا ہے زید عالم واللہ تو قسم کے جواب کو حذف کر دیتے ہیں اس لیے کہ دونوں صورتوں میں اعادہ جواب کی ضرورت نہیں بلکہ وہی جملہ جواب کا قائم مقام ہو جائے گا۔

عن: مجاوزت کے لیے آتا ہے جیسے رمیت السهم عن القوس.

علی: اور علی استعلاء کے لیے آتا ہے خواہ استعلاء حقیقتاً ہو جیسے زید علی السطح یا حکمنا ہو جیسے علیہ دین.

وقد يكون اسمين: جب من، عن اور علی پر داخل ہو تو وہ عن اور علی بجائے حرف ہونے کے اسم ہوتے ہیں، البتہ یہ ہے کہ وہ علی من کے داخل ہونے پر اسم ہوتا ہے جو فوق کے معنی میں ہے جیسے عدت من علیہ معنی عدت من فوقہ اسی طرح جب من، عن پر داخل ہو تو وہ عن جانب کے معنی میں ہوتا ہے جیسے جلست من عن یمنہ معنی ہیں من جانب یمنہ۔

والکاف: اور کاف تشبیہ کے لیے آتا ہے جیسے الذی عندی کزید اور کاف زائدہ بھی ہوتا ہے جیسے لیس کمثلہ شیء اصل معنی میں لیس مثلہ شیء۔

اور کاف کبھی اسم ہوتا ہے جو مجرور ہوتا ہے، جیسے یضحکن عن کالبرد المنہم۔ وہ ہنستی ہے پگھلے ہوئے اولوں کے مثل دانتوں سے۔ اور کاف اسم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے، لہذا لہ نہیں بولا جاتا، اس لیے لفظ مثل کی وجہ سے کاف تشبیہ کے ضمیر پر داخل ہونے کی ضرورت رفع ہو جاتی ہے پس کاف کے ضمیر پر داخلہ کی کوئی ضرورت نہیں اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر کاف ضمیر پر داخل ہو تو دو کافوں کا اجتماع بھی ہو سکتا، اس لیے کہ وہ کاف مخاطب کے مشابہ ہوتا ہے، پس عموم کے لیے مطلق منع کر دیا البتہ عرب جو مالنا کانت واما انت کانا بولتے ہیں تو چوں کہ یہ ضمیر منفصل ہے جو ان کے یہاں اسم ظاہر کے حکم میں ہے، لہذا اس مثال میں کاف اسم ظاہر پر ہی داخل سمجھا جائے گا۔

ومذ و مند: اور مذ اور مند کی وضع زمانہ بتانے کے لیے ہے خواہ زمانہ ماضی کا ہو یا حال کا البتہ اتنا فرق ہے کہ ماضی میں ابتداء فعل کا زمانہ بتانے کے لیے ہے اور حال میں ظرفیت کے لیے جیسے مارایتہ مذ شہرنا اور مارایتہ مند یومنا۔

حاشا و عدا: حاشا اور عدا اور خلا استثناء کے لیے وضع کیے گئے ہیں اگر اسم ان کے بعد مجرور ہو تو یہ حروف جارہ ہونگے اور اگر منصوب ہو تو یہ افعال ہوں گے اور فاعل ان میں ضمیر مستتر ہوگی، ان تینوں افعال کو استثناء کے ساتھ اس لیے مقید کیا ہے کہ جب یہ استثناء کے لیے نہ ہوں گے تو حروف بھی نہ ہوں گے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ جب یہ استثناء کے لیے ہوں تو حروف جزی بھی ہوں۔

الحروف المشبہة بالفعل رہی ان وَاَنَّ وَاَنَّ وَلِکِنَّ وَلِکِنَّ وَلَعَلَّ وَلَعَلَّ وَلَهَا صدر الکلام سوی ان فہی بعکسہا وتلحقہا ما فتلغی علی الافصح وتدخل حینئذ علی الافعال فان لا تغیر معنی الجملة وان مع جملتها فی حکم المفرد ومن ثم وجب الکسر فی موضع الجملة والفتح فی موضع المفرد فکسرت ابتداء وبعد القول والموصولی وفتحت فاعلة ومفعولة ومبتداً ومضافاً اليها وقالوا لولا انک لانه

مبتداً ولو أنك لأنه فاعلٌ وإن جاز التقديران جاز الأمران نحو من يكرمني فاني
أكرمه و ع اذا انه عبد القفا و اللهازم ÷ وشبهه ولذلك جاز العطف على اسم
المكسورة نغظاً وحكما بالرفع دون المفتوحة ويشترط مضي الخبر لفظاً او
تقديراً خلافاً للكوفيين ولا اثر لكونه مبنياً خلافاً للمبرد والكسائي في مثل أنك
وزيد ذاهبان .

ترجمہ:- حروف مشبہ بالفعل اور وہ اِن، اَنْ، كَان، لَكِنَّ، لیت اور لَعْلٌ ہے اور ان کے
لیے صدر کلام ہوتا ہے سوائے اَنْ کے پس وہ ان حروف کے برعکس ہے اور ان حروف کو ملاحق ہوتا ہے پس
عمل لغو ہو جاتا ہے صحیح ترین قول کے مطابق اور یہ حروف اس وقت افعال پر داخل ہوتے ہیں پس اِن جملہ
کے معنی میں تبدیلی نہیں کرتا ہے اور اَنْ مع اپنے جملہ کے مفرد کے حکم میں ہوتا ہے اسی وجہ سے جملہ کی جگہ
میں اِن مکسورہ کا لانا واجب ہوتا ہے اور ان مفتوحہ کا مفرد کی جگہ میں پس ان مکسورہ شروع کلام میں اور قول اور
موصول کے بعد لایا جاتا ہے اور اِن مفتوحہ لایا جاتا ہے درانحالیکہ وہ فاعل ہو اور مفعول ہو اور مبتدا ہو اور
مضاف الیہ ہو اور لوگوں نے لولا أنك کہا اس لیے کہ وہ مبتدا ہے اور لو أنك کہا اس لیے کہ وہ فاعل ہے،
اور اگر دو تقدیریں جائز ہوں تو دونوں امر درست ہیں، من یکرمني فانی اکرمه اور ع اذا انه
عبد القفا و اللهازم اور اس جیسے میں اور اسی وجہ سے عطف جائز ہے ان مکسورہ کے اسم پر لفظاً اور حکماً رفع
کے ساتھ نہ کہ ان مفتوحہ کے اسم پر اور شرط لگائی گئی خبر کے لفظاً یا تقدیراً گذر جانے کی مخالفت کرتے ہوئے
کوفیوں کی اور کوئی اثر نہیں ہے اس کے مبنی ہونے کا مخالفت کرتے ہوئے مبرد اور کسائی کی انت وزید
ذاهبان جیسے میں۔

توضیح:- حروف مشبہ بالفعل اِن، اَنْ، كَان، لَكِنَّ، لیت اور لَعْلٌ ہے، ماسوائے ان
مفتوحہ باقی تمام حروف مشبہ بالفعل صدارت کلام کا تقاضا کرتے ہیں، کیوں کہ ان میں کا ہر کوئی کلام کی قسم
خاص پر دلالت کرتا ہے جیسے ترجی، تمنی، استدلاک وغیرہ پس صدارت کی صورت میں شروع امر سے ہی اس
نوعیت خاص پر دلالت ہوگی البتہ اِن مفتوحہ صدارت کلام کو نہیں چاہتا اس لیے کہ وہ اپنے اسم و خبر کے ساتھ
مفرد کی تاویل میں ہوتا ہے جس کے لیے کسی دوسری چیز سے متعلق ہونا تمامیت کلام کے واسطے ضروری ہے۔
وتلحقها ما: حروف مشبہ بالفعل کو ملاحق ہوتا ہے پس حروف مشبہ بالفعل کا عمل بائس ہو جاتا
ہے، اس لیے کہ ما ان حروف کو عمل سے روک دیتا ہے، ایک تو اس لیے کہ ما کے لحوق کی وجہ سے ان حروف کی
فعل کے ساتھ مشابہت کمزور پڑ جاتی ہے، دوسرے ما کی وجہ سے ان میں اور جملہ میں تھوڑا سا فاصلہ ہو جاتا

ہے پس یہ عمل سے بے بس ہو جاتے ہیں۔

وتدخل حينئذ: جب ما کافہ ان حروف کو لاحق ہوگا تو چونکہ ان کا عمل ما کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے، لہذا اب یہ حروف اسم پر دخول کے بھی پابند نہیں رہیں گے، چنانچہ بجائے اسم کے افعال پر داخل ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد انما حرم علیکم المیتة۔

فإن: ان مکسورہ جملہ کے معنی میں بجائے تبدیلی کے مزید استحکام اور تاکید پیدا کرتا ہے، چنانچہ جب ان زید قائم بولا گیا تو اس نے اسی چیز کا یعنی ثبوت القیام لزید کا فائدہ تاکید اور مبالغہ کی زیادتی کے ساتھ دیا جس کا زید قائم فائدہ دیتا ہے۔ جب کہ ان مفتوحہ معنی میں تبدیلی کر دیتا ہے، کیوں کہ وہ اس جملہ کے ساتھ جو اس کے مابعد ہوتا ہے مفرد کے حکم میں ہو جاتا ہے۔

ومن ثم وجب الكسر: جب ان مکسورہ معنی جملہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا اور ان مفتوحہ اپنے مابعد کے جملہ میں تبدیلی کر دیتا ہے تو پھر دونوں کے مواقع استعمال علیحدہ علیحدہ ہو گئے، لہذا ان مکسورہ ہر ایسی جگہ مستعمل ہوگا جہاں جملہ علی حالہ باقی رہتا ہے اور ان مفتوحہ ایسی جگہ میں استعمال ہوگا جہاں اس کا مابعد مفرد کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ لہذا ان مکسورہ ابتداء کلام میں استعمال ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان اللہ غفور رحیم اور قول کے بعد ان مکسورہ استعمال ہوگا نیز موصول کے بعد قول کی مثال جیسے یقول انہا بقرة اور موصول کی مثال جیسے الذی انک ضربتہ فی الدار۔ پس ابتداء کلام میں ان مکسورہ اس لیے واجب ہے، کیوں کہ وہ موقع جملہ ہوتا ہے، اس لیے کہ تکلم بالمفرد فائدہ تامہ نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور قول کے بعد اس لیے کہ قول کا مقولہ جملہ کا ہی ہوتا ہے نیز صلہ بھی جملہ ہی ہوتا ہے اور ان مفتوحہ کا موقع استعمال ان مکسورہ بھی جملہ ہی ہے حاصل یہ ہے کہ یہ تینوں مواقع وقوع جملہ کے ہیں اور ان مفتوحہ کا موقع استعمال یہ ہے کہ وہ ترکیب میں فاعل ہو جیسے بلغنی انک قلت یهودیا یا مفعول ہو جیسے عرفت انک تلمیذ رشید یا مبتدا ہو جیسے عندی انک قائم یا مضاف الیہ ہو قدمت عندک یوم انک اخذت امریکیا ان مفتوحہ کے یہ مواقع اس لیے ہیں کہ فاعل اور مفعول اور مبتدا نیز مضاف الیہ سب مفرد ہی ہوتے ہیں اور ان مفتوحہ بھی مع اسم و خبر مفرد کے حکم میں ہوتا ہے۔

وقالوا لولا انک: لولا دو طرح کا ہے ایک اتناعیہ ابتدائیہ دوسرے لولا تفضیضہ ہے تو لولا ابتدائیہ کے بعد ان مفتوحہ اس لیے واجب ہے کہ لولا کا مابعد مبتدا محذوف الخبر ہوتا ہے اور مبتدا مفرد ہوتا ہے۔ اور ان مفتوحہ کا موقع استعمال کا بھی مفرد ہی ہے۔ اور اگر لولا تفضیضہ ہے تو اس کے بعد بھی ان مفتوحہ ہوگا، اس لیے کہ لولا برائے تفضیض کے بعد فاعل کا آنا لفظاً یا تقدیراً واجب ہے، اس لیے بعد لولا یا تو فاعل ہوگا یا مفعول اور دونوں مفرد ہی ہوتے ہیں پس اول کی مثال جیسے لولا انک منطلق انطلقت

اور دوسرے کی مثال لولا ان زید قائم اور جیسے لولا ان زید ضربتہ۔

ولو انک: لو شرطیہ کے بعد بھی ان مفتوح ہوتا، کیوں کہ اس کے بعد فعل مقدر ہوتا ہے پس ان مفتوحہ فاعل ہوگا اور فاعل مفرد ہوتا ہے پس گویا یہ سب مواقع ان مفتوحہ ہیں۔

وان جاز التقدير ان: اگر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں ان مکسورہ اور ان مفتوحہ دونوں کی تقدیر درست ہو تو دونوں کو مقدر مانا جائے گا یعنی وہاں ان مکسورہ اور ان مفتوحہ دونوں پڑھنا درست ہوگا، من یکر منی فانی اکرمہ جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جہاں ان اپنے اسم و خبر سے مل کر شرط کی جزاء واقع ہو تو ایسی ترکیب میں ان مکسورہ اور ان مفتوحہ دونوں جائز ہیں ان مکسورہ تو اس لیے کہ وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ ہے جو جزاء واقع ہے اور ان مفتوحہ اس لیے کہ وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر مفرد کے حکم میں ہے جو مبتدا محذوف الخمر اور خبر محذوف المبتدا دونوں ہو سکتا ہے، پہلی صورت میں تقدیر من یکر منی فا کر امی ثابت لہ ہوگی اور دوسری صورت من یکر منی فجزاء ہ اکرامی ہوگی۔

اذا انه عبد القفا واللہازم سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں ان اپنے اسم و خبر سے مل کر اذا مفا جائیہ کے بعد واقع ہو تو ایسی ترکیب میں بھی ان مکسورہ اور ان کی مفتوحہ دونوں پڑھنا درست ہے۔ مکسورہ تو اس لیے ان اپنے اسم و خبر سے مل کر برائے مفاجات اذا کے بعد واقع ہے اور مفتوحہ اس لیے کہ ان اپنے اسم و خبر سے مل کر مفرد کے حکم میں ہے جو مبتدا محذوف الخمر ہے اصل عبارت یہ ہے کہ اذا عبودیتہ للقاء واللہازم ثابت، پورا شعر یوں ہے کنت اری زیدا کما قیل لسید ÷ اذا انه عبد القفا واللہازم۔ ترجمہ: میں زید کو جیسا کہ کہا جاتا ہے شیر سمجھتا تھا، حالاں کہ وہ گدی اور جبروں کا غلام ہے یعنی مکینہ ہے۔

وشبہہ: ما قبل جیسی ترکیبوں میں بھی ان مکسورہ اور مفتوحہ کی گنجائش ہے جیسے عربوں کا قول اول ما اقول انی احمد اللہ پس اگر ما کو موصوفہ قرار دیا جائے تو مطلب ہوگا اول مقولاتی اور مقولہ جملہ ہوتا ہے لہذا ان مکسورہ ہوگا اور اگر ما مصدریہ مانا جائے تو مطلب ہوگا اول الاقوال جو معنی مصدری ہے اور مفرد ہے لہذا ان مفتوحہ ہوگا۔

ولذالك جاز العطف: اس وجہ سے کہ ان مکسورہ جملہ کے معنی میں تبدیلی نہیں کرتا جب کہ ان مفتوحہ کلمہ کو مفرد کے حکم میں کر دیتا ہے، لہذا جملہ کے معنی میں ان مکسورہ کا اسم منصوب محل رفع میں ہوگا، کیوں کہ ان مکسورہ اپنا تاکید کا فائدہ دے کر متغیر نہ ہونے کی وجہ سے معدوم کے حکم میں ہوگا، لہذا اس کے اسم کے عمل پر عطف بالرفع درست ہے، لیکن ان مفتوحہ کے اسم کے محل پر عطف بالرفع درست نہیں، کیوں کہ وہ تغیر فی الجملہ کی وجہ سے معدوم کے حکم میں نہیں ہوگا۔

ويعترض مضي الخبر: البتة ان مكسوره کے اسم کے محل پر عطف بالرفع کے جواز کے لیے قبل
 العطف اس میں مکسورہ کی خبر کا لفظاً یا تقدیراً بیان ہو جانا ضروری ہے، تاکہ شئی واحد کا دو مختلف عاملوں کا معمول
 ہونا لازم نہ آئے مضي الخبر لفظاً کی مثال ان زیدا قائم و عمر اور تقدیراً کی مثال ان زیداً
 و عمرو قائم ہے پس اصل ان زیدا قائم و عمرو قائم ہے۔ پس ان مکسورہ کے اسم کے محل پر عطف
 بالرفع بغیر مضي الخبر لفظاً و تقدیراً کے درست نہ ہوگا جیسے ان زیدا و عمرو ذاہبان۔ البتہ کوفیوں کا
 اختلاف ہے ان کے نزدیک ان مکسورہ کے اسم پر عطف بالرفع کے لیے مضي الخبر شرط نہیں ہے، وہ
 لوگ والا فاعلموا انا و انتم بغاة ما بقینا فی شقاق سے استدلال کرتے ہیں لکہ اس میں انتم کا
 عطف انا مکسورہ کے اسم پر رفع کے ساتھ ہے یعنی اس کے محل پر ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ شرط ضروری نہیں
 ہے، اس لیے کہ اسم میں ان عامل ہوتا ہے لہذا خبر کے گزرے بغیر اسم ان مکسورہ پر عطف بالرفع کی وجہ سے
 اجتماع العالین علی معمول واحد لازم نہیں آئے گا۔ عبارت کا ترجمہ ہے ورنہ پس تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ
 میں اور تم سب مجرم قرار پاؤ گے جب تک ہم آپس میں لڑتے رہیں گے۔

ولا اثر لكونه مبنياً: مبردا اور کسائی کا کہنا یہ ہے کہ جب ان مکسورہ کا اسم ضمیر ہونے کی وجہ سے مبنی
 ہو جیسے انک و زید ذاہبان تو بغیر ان مکسورہ کی خبر کے لفظاً یا تقدیراً گزرے اس کے اسم کے محل پر عطف بالرفع
 درست ہے، کیوں کہ ان مکسورہ کا اثر اسم میں مبنی ہونے کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتا ہے، پس صورت مذکورہ میں
 عطف کی صورت میں اجتماع العالین علی معمول واحد لازم نہیں آئے گا، لیکن جمہور کی طرف سے اس کو رد کر دیا
 گیا کہ ان مکسورہ کے اسم کے مبنی ہونے کو اس کے اسم کے محل پر عطف بالرفع کے جواز میں کوئی دخل نہیں ہے
 یعنی باوجود ان مکسورہ کے اسم کے مبنی ہونے کے مضمی خبر کے بغیر اس کے اسم کے محل پر عطف بالرفع درست
 نہیں ہے اور اس کا مبنی ہونا شرط مضمی الخبر میں رکاوٹ نہیں ہے، کیوں کہ مانع پر بدستور موجود ہے۔

ولكن كذالك ولذالك دخلت اللام مع المكسورة دونها على الخبر او الاسم اذا
 فصل بينه وبينها او على ما بينهما وفي لكن ضعيف وتخفف المكسورة فيلزمها
 اللام ويجوز الغاءها ويجوز دخولها على فعل من افعال المبتدا خلافاً للكوفيين
 في التعميم وتخفف المفتوحة فتعمل في ضمير شان مقدر فتدخل على الجمل
 مطلقاً وشد أعمالها في غيره ويلزمها مع الفعل السين او سوف او قد او حرف
 النفي وكان للتشبيه وتخفف فتلفى على الافصح ولكن للاستدراك تتوسط بين
 كلا مبن متغايرين معنی وتخفف فتلفى او يجوز معها الواو وليت للتمنى واجاز

الفراء لیت زیداً قائماً ولعل للترجی وشذ الجربہا.

ترجمہ: - اور لکن اسی طرح ہے، اور اسی وجہ سے لام ان مکسورہ کے ساتھ نہ کہ اس کے علاوہ کے ساتھ خبر پر داخل ہوتا ہے یا اسم پر داخل ہوتا ہے جب اسم اور ان مکسورہ کے درمیان یا اسم و خبر دونوں کے درمیان فعل ہو، اور لکن میں ضعیف ہے اور ان مکسورہ مخففہ ہو جاتا ہے، تو اس کو لام لازم ہو جاتا ہے اور درست ہے اس کے عمل کا باطل کرنا، اور جائز ہے ان مکسورہ کا مبتدا کے افعال میں سے کسی فعل پر داخل ہونا مخالفت کرتے ہوئے کو فیوں کی تعمیم میں اور ان مفتوحہ مخففہ ہو جاتا ہے پس وہ ضمیر شان مقدر میں عمل کرتا ہے، چنانچہ وہ مطلق جملوں پر داخل ہوتا ہے اور ان مفتوحہ کا عمل دلانا اس کے علاوہ میں شاذ ہے، اور لازم ہوتی ہے ان مفتوحہ مخففہ کو فعل کے ساتھ سین یا سوف یا قد یا حروف نفی۔ اور کائن تشبیہ کے لیے ہے اور کان مخففہ ہو جاتا ہے پس وہ ملغی ہو جاتا ہے قول الفصح کے مطابق اور لکن استدراک کے لیے ہوتا ہے جو دو ایسے کلاموں کے وسط میں آتا ہے جو معنی متغایر ہوتے ہیں اور لکن مخففہ ہو جاتا ہے پس وہ ملغی ہو جاتا ہے اور جائز ہے اس کے ساتھ واو اور لیت تمنی کے لیے اور فراء نے لیت زیداً قائماً کو جائز قرار دیا ہے، اور لعل ترجی کے لیے ہے اور لعل کی وجہ سے جر شاذ ہے۔

ولکن کذالک: جس طرح ان مکسورہ جملہ کے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کرتا ہے اور اس کے اسم کے محل پر خبر کے لفظ یا تقدیراً گذر جانے کے بعد عطف بالرفع درست ہے، اسی طرح لکن بھی معنی جملہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا اور اس کے اسم کے محل پر عطف بالرفع بعد مضمون الخمر درست ہے، جیسے ما خرج زید لکن بکرا خارج وعمرو اس لیے کہ لکن استدراک کے لیے ہے اور استدراک معنی ابتداء کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ معنی ابتداء استدراک کے منافی نہیں ہے۔

ولذالک دخلت اللام: اور اسی وجہ سے کہ ان مکسورہ معنی جملہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا ہے لام کا ان مکسورہ کے ساتھ، ان مفتوحہ کے ساتھ نہیں خبر پر داخل ہونا صحیح ہے۔ جیسے ان زید القائم اور اسم پر جب اسم اور ان مکسورہ کے درمیان فصل ہوگا تو اس پر لام تاکید داخل ہوگا جیسے ان فی الدار لزید اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد وان من شعبتہ لابراہیم۔ اور ان مکسورہ کے اسم و خبر کے درمیان فصل ہوگا تو لام اس کلمہ پر ہوگا جو اسم و خبر کے درمیان ہے جیسے ان زید الثوبک لابس۔ ایسا اس لیے کہ لام ابتداء جملہ کی تاکید کے لیے داخل ہوتا ہے اور ان مکسورہ اپنے اسم و خبر کے ساتھ جملہ ہوتا ہے پس اس کا تقاضا یہ تھا کہ لام صدر کلام میں آتا لیکن عربوں کو دو حرف تاکید یعنی لام اور ان کا اجتماع پسند نہیں ہے اس لیے لام کو ان سے مؤخر کر دیا کیوں کہ ان عامل ہے جب کہ لام عامل نہیں ہے یوں دونوں حرف ابتداء ہیں جب کہ ان مفتوحہ اپنے اسم و خبر کے

ساتھ مفرد کے حکم میں ہوتا ہے لہذا لام تاکید اس کی خبر پر نہیں آئے گا۔ لہذا بلغنی ان زیذا لمنطلق نہیں کہا جائے گا۔

وفی لکن ضعیف: لکن کے اسم اور لکن میں اسی طرح اس کے اسم و خبر میں جب فصل ہو جائے تو لام تاکید کا دخول ضعیف سمجھا جاتا ہے ہر چند لکن فصل کے باوجود حرف ابتدا ہی رہتا ہے اس لیے کہ دخول لام انفصال پر دلالت کرتا ہے اور لکن اتصال کی خبر دیتا ہے کیوں کہ وہ حرف استدراک ہے۔

وتخفف المكسورة: ان مکسورہ مخففہ ہو جاتا ہے تو اس پر لام کا داخل ہونا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ ان مخففہ من المثقلہ کے ساتھ الغاء عمل کی صورت میں ان نافیہ کا اشتباہ نہ پیدا ہو لیکن باب کی موافقت میں مطلقاً مخففہ ہونے کی صورت میں مخففہ کا لام کے ساتھ ہونا ضروری قرار دے دیا، حالاں کہ بصورت عمل اشتباہ نہیں پیدا ہوتا جیسے ان زید اقام اور نافیہ جیسے ان زید قائم جو معنی میں ما زید قائم کے ہے پس عمل کی صورت میں ان مخففہ من المثقلہ کا اسم منصوب ہوگا، جب کہ ان نافیہ کے بعد کا اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔ البتہ بعض حضرات کے نزدیک ان مخففہ کے عامل ہونے کی صورت میں لام کی ضرورت نہیں ہے۔ یوں مخففہ ہونے کی صورت میں عمل کا الغاء یعنی عمل کا باطل قرار دینا اور اعمال دونوں باتیں صحیح ہیں الغاء عمل تو اس لیے کہ مخففہ ہونے کی وجہ سے فعل سے لفظاً مشابہت ختم ہوگئی اور عمل بر بنائے مشابہت بالفعل کی وجہ سے تھا۔ اور جواز اس لیے کہ جب افعال سے کچھ حذف ہو جاتا ہے تو باوجود حذف کے وہ عمل کرتے ہیں جیسے لم یک زید قائمًا تو اسی طرح حروف بھی کچھ ان سے حذف ہو جانے کے باوجود وہ عمل کی صلاحیت سے محروم نہیں ہوتے۔

ویجوز دخولها: ان مکسورہ مخففہ من المثقلہ کا باب کان اور باب علمت پر داخل ہونا درست ہے، اس لیے کہ ان مکسورہ مخففہ من المثقلہ کا اصل دخول تو مبتداء اور خبر پر تھا پس جب مبتدا اور خبر پر داخل نہ ہو سکا تو کم از کم اصل کی رعایت پر ان کلمات یعنی باب کان اور باب علمت پر ہی اس کا دخول ہو جائے جو کہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں تاکہ بقدر امکان اصل کی رعایت ہو جائے جیسے وان کانت لکبیرة اور وان وجدنا اکثرهم لفاسقین اور وان نظنک لمن الکاذبین البتہ جب فعل دعاء ہو تو لام کا دخول لازم نہیں رہتا، اس لیے کہ لام ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے تھا اور دعاء اس پر ان نافیہ داخل ہی نہیں ہوتا، لہذا اشتباہ کا موقع نہیں رہا۔

خلافًا للكوفین: البتہ کوفیوں کا تعیم میں اختلاف ہے یعنی ان کے نزدیک ان مخففہ من المثقلہ تمام افعال پر داخل ہو سکتا ہے خواہ وہ افعال مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہوں جیسے باب کان اور باب علمت یا داخل نہ ہوتے وہ اس شعر سے استدلال کرتے ہیں شعر: باللہ ربک ان قتلت نفسا ÷ وجبت علیک

عقوبة المتعمد. پس محل استدلال ان قتلت نفسا ہے کہ باوجود قتلت کے مبتدا اور خبر پر داخل نہ ہونے کے اس پر ان مخففہ داخل ہے پس معلوم ہوا کہ ہر طرح کے افعال پر داخل ہو سکتا ہے، لیکن چون کہ اس شعر میں ان مخففہ کا قتلت پر دخول خلاف قیاس اور استعمال فصحاء کے خلاف ہے، لہذا اس کا اعتبار نہیں ہے۔ شعر کا ترجمہ ہے کہ بخدا اگر آپ نے کسی کو قتل کیا تو آپ پر عہد اُقتل کرنے والے کی سزا لازم ہو جائیگی۔

وتخفف المفتوحة: ان مفتوحہ بھی مخففہ ہوتا ہے پس وہ ایسی ضمیر شان میں عمل کرتا ہے جو مقدر ہوتی ہے، اس لیے کہ ان مفتوحہ، ان مکسورہ کے مقابلہ میں فعل کے زیادہ مشابہ ہے اور مکسورہ مخففہ من المثلہ عمل کرتا ہے جیسے وان کلاً لما یوفینہم، اور مفتوحہ مخففہ اسم ظاہر میں عمل نہیں کرتا، پس اس کے عمل کو ضمیر شان میں مقدر مانا گیا، تاکہ اقویٰ یعنی مفتوحہ مخففہ کا ادنیٰ یعنی مکسورہ مخففہ سے کمتر ہونا لازم نہ آئے جیسے و آخر دعوانہم ان الحمد لله رب العالمین.

فتدخل علی الجمل مطلقاً: یہ ایک سوال کا جواب وہ یہ ہے کہ فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئے، اس لیے آپ نے ان مفتوحہ مخففہ کے لیے ضمیر شان مقدر میں عمل فرض کر لیا تھا، لیکن اس کے باوجود فرع کی اصل پر زیادتی ہے، اس لیے کہ ان مکسورہ مخففہ اسم ظاہر میں عمل کرتا ہے جب کہ ان مفتوحہ مخففہ ضمیر میں عمل کرتا ہے۔ تو اس کا مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ضمیر شان مقدر میں عمل کا دوام اسم ظاہر میں احیاناً کبھی کبھار مکسورہ مخففہ کے عمل سے اقویٰ ہے، چنانچہ ان مفتوحہ مخففہ مطلقاً ہر طرح کے جملوں پر داخل ہوتا ہے۔ خواہ اسمیہ ہوں یا فعلیہ۔ خواہ ان کا فعل مبتدا خبر پر داخل ہوتا ہو یا نہ ہوتا کہ وہ جملہ ضمیر شان مقدر کی تفسیر بن جائے۔

وشذا: ان مفتوحہ مخففہ کا غیر ضمیر شان میں عمل کرنا شاذ ہے جیسے شاعر کا قول شعر فلو انک فی یوم الرخاء سالتنی ÷ فراقک لم ابخل وانت صدیقی. ترجمہ: اگر تم مجھ سے وصال کے دن فراق کی درخواست کرتی ہو تو میں اس کے قبول کرنے میں بخل نہیں کر سکتا، بشرطیکہ تم میرے دوست بنے رہو۔

ویلزمها مع الفعل: ان مفتوحہ مخففہ جب فعل کے ساتھ ہو تو فعل پر سین یا سوف یا قد یا حرف نفی لازم ہے، تاکہ ان مفتوحہ مخففہ کا ان مصدریہ کے ساتھ اشتباہ نہ لازم آئے، کیوں کہ جس فعل پر یہ حروف ہوتے ہیں اس پر ان ناصبہ مصدریہ داخل نہیں ہوتا۔

سین کی مثال جیسے ان سیکون منکم مرضی اور سوف کی مثال جیسے واعلم فعلم المرء ینفعہ ان سوف یاتی کل ما قدر اور قد کی مثال جیسے لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربہم اور حرف نفی کی مثال افلا یرون ان لا یرجع الیہم.

کان: کان تشبیہ کے لیے ہے جیسے کان زید الاسد اور کان مخففہ نون کے سکون کے ساتھ

کَانَ بھی ہوتا ہے پس عمل باطل ہو جاتا ہے اس لیے کہ فعل کے ساتھ مشابہت کے بعض وجوہ مثلاً لام کلمہ کا فتح فوت ہو جاتا ہے اور یہ قول اصح ہے جیسے شاعر کا قول ع ونحر مشرق اللون ÷ کَانَ ثدیاہ حقان۔ ترجمہ یہ ہے کہ بہت سے سینے چمک دار رنگ والے ہیں گویا اس کے دونوں چھاتیاں دوڑ بیہ ہیں۔

لکن: لکن استدراک کے لیے آتا ہے، جو ایسے دو کلاموں کے وسط میں واقع ہوتا ہے جو باہم معنی مغایر ایک دوسرے کے ہوتے ہیں، البتہ لفظاً کبھی تو تغایر ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ کلام تغایر کے وسط میں لکن اس لیے واقع ہوتا ہے کہ استدراک بغیر تغایر کے متصور ہی نہیں۔ استدراک کی مثال ولو اراکھم کثیرا الفشتلم ولتنازعتم فی الامر ولکن اللہ مسلم، لکن مخففہ بھی ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں مشابہت بالفعل کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ ملغی یعنی بے عمل ہو جاتا ہے، البتہ انخس اور یونس نحوی مخففہ ہونے کے باوجود اعمال کے قائل ہیں اور لکن مشددہ اور مخففہ کے ساتھ واؤ بھی ہوتا ہے جو بقول بعض عاطفہ ہے اور رضی اعتراضیہ مانتے ہیں اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے ورنہ مخففہ ہونے کی صورت میں لکن پرواؤ کا داخل ہونا صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں حرف عاطف کا حرف عاطف پر داخل ہونا لازم آئے گا۔

ولیت: تمنی کے لیے ہے، تمنی کسی شئی کے علی سبیل الحبحہ حصول کے طلب کو کہتے ہیں خواہ وہ ممکن الوجود ہو جیسے لیت زیداً قائم یا ممتنع الوجود ہو جیسے لیت الشباب یعود۔

واجاز الفراء: فراء نے لیت زیداً قائماً یعنی دونوں اسموں کے نصب کو جائز قرار دیا ہے اس بنا پر کہ وہ تمنی کے معنی میں ہے جو افعال قلوب سے ہے اور افعال قلوب دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے وہ اس مصرع سے استدلال کرتے ہیں ع یا لیت ایام الصبی رواجعا، پس یہاں ایام الصبی اور رواجعا دونوں منصوب ہیں پس معلوم ہوا کہ لیت تمنی کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے، لیکن جمہور کی طرف سے اس کا جواب ہے کہ خبر محذوف کائنة کی ضمیر سے رواجعا حال ہے پس بر بنائے مفعول منصوب نہیں ہے۔ مصرع کا ترجمہ ہے اے کاش بچپن کا گذرا زمانہ واپس آجاتا۔

ولعل: لعل ترجی کے لیے ہے ترجی کہتے ہیں کسی امر کے وجود کی امید کرنا اس شرط کے ساتھ کہ وہ ممکن الوجود ہو خواہ محبوب ہو جیسے لعلکم تفلحون یا مکروہ ہو جیسے لعل الساعة قریب۔ تمنی اور ترجی میں فرق یہ ہے کہ تمنی امر ممکن اور مستبعد دونوں کے لیے آتا ہے جب کہ ترجی ممکن انو بود کے لیے ہی مستعمل ہے۔ جیسے لعل اللہ یرزقنی صلاحاً۔

و شد العجر بہا: بعض حضرات نے لعل کو بجائے حروف مشبہ بالفعل سے ماننے کے حروف بارہ مانا ہے اور شاعر کے اس شعر سے استدلال کیا ہے ع لعل ابی المغوار منک قریب۔ ترجمہ: امید کہ ابی المغوار تم سے قریب ہوں۔ پس ابی مجرور ہے لعل کی وجہ سے۔ معلوم ہوا کہ لعل حرف جار

ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لعل کا جر کرنا شاذ ہے جو معتبر نہیں ہے، یا یہ کہا جائے کہ ابسی کا جر علی سبیل الحکایة ہے۔

الحروف العاطفة وهي الواو والفاء وثم وحتى واو واما وام ولا وبل ولكن فالاربعة الاول للجمع فالواو للجمع مطلقا لا ترتيب فيها والفاء للترتيب وثم مثلها بمهلة وحتى مثلها ومعطوفها جزء من متبوعه ليفيد قوة وضعفا واو واما وام لاحد الامرین مبهما وام المتصلة لازمة لهزمة الاستفهام يليها احد المستويين والآخر الهزمة بعد ثبوت احدهما لطلب التعيين ومن ثم لم يجز ارايت زيدا ام عمرا ومن ثم كان جوابها بالتعيين دون نعم او، لا والمنقطعة كبل والهزمة مثل انها لابل ام شاة واما قبل المعطوف عليه لازمة مع اما جائزة مع او ولا وبل ولكن لاحدهما معينا ولكن لازمة للنفي.

ترجمہ:- حروف عاطفہ وہ واو، فاء، ثم، حتی اور او، و اما و ام اور لا، بل اور لكن ہیں پس شروع کے چار جمع کے لیے ہیں پس واو مطلقاً جمع کے لیے ہوتا اس میں ترتیب نہیں ہوتی۔ اور فاء ترتیب کے لیے ہے ثم اسی کے مثل مہلت کے ساتھ ہے اور حتی ثم کے مثل ہے در انحالیکہ حتی کا معطوف اس کے متبوع کا جزء ہوتا کہ وہ قوت یا ضعف کا فائدہ دے اور او، اما اور ام مبہم طور سے دو امروں میں سے ایک کے لیے ہوتا ہے۔ اور ام متصلہ ہمزہ استفہام کو لازم ہوتا ہے کہ جس کو دو برابر درجہ کے امروں میں سے کوئی ایک متصل ہوتا ہے اور دوسرا ہمزہ سے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ثبوت کے بعد طلب تعین کے لیے اور اسی وجہ سے جائز نہیں ہے ارايت زيدا ام عمرا اور اسی وجہ سے اس کا جواب تعین کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ نعم یا لا کے ساتھ، اور ام منقطعة بل اور ہمزہ کی طرح ہے جیسے انها لابل ام شاة اور اما معطوف علیہ سے پہلے اما کے ساتھ لازم ہے اور او کے ساتھ جائز ہے اور بل اور لكن دو امروں میں سے ایک کے لیے متعین طور پر ہوتا ہے اور لكن لازم ہے نفی کو۔

توضیح:- عطف کے لغت میں معنی آتے ہیں مائل کرنا اور چوں کہ یہ حروف معطوف علیہ کی جانب مائل کرتے ہیں اس لیے عاطفہ نام رکھ دیا گیا۔ حروف عاطفہ دس ہیں واو، فاء، ثم، حتی، او، اما، م لا، بل اور لكن۔ واو، فاء، ثم، حتی جمع کے لیے آتے ہیں یعنی اس بات کے لیے کہ معطوف اور معطوف علیہ اس فعل میں مشترک ہیں جو ان دونوں سے متعلق ہے خواہ وہ ترتیب کے ساتھ ہوں یا بغیر ترتیب کے۔

فالواو: واو مطلق جمع کے لیے آتا ہے یعنی اس میں ترتیب یا تراخی وغیرہ کا لحاظ نہیں ہوتا۔ اور یہ معنی واو عطف سے مفہوم نہیں ہوتے، جمع کا مطلب یہ ہے کہ حکم دو یا چند چیزوں میں سے کسی ایک کے لیے نہ ہو جیسا کہ ام اور اما میں ہوتا ہے۔ جیسے جاءنی زید و عمرو۔

اور فاء ترتیب مع الوصل کے لیے ہوتی ہے، یعنی اس بات کے لیے کہ حکم معطوف سے متعلق ہو معطوف علیہ کے ساتھ متعلق ہونے کے بعد بغیر وقفہ کے جیسے صلیت الظهر فاكلت الطعام۔

ثم، فاء کے مثل ترتیب کے ہے، لیکن کچھ وقفہ کے ساتھ یعنی ثم اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ حکم معطوف علیہ سے متعلق ہونے کے کچھ وقفہ بعد معطوف سے متعلق ہو جیسے حفظت الدرس ثم نمت۔

حتی بھی ثم کی طرح ترتیب مع الہملة کے لیے ہے لیکن حتی میں مہلت اور وقفہ ثم کے وقفہ سے کم ہوتا ہے پس کہا جاسکتا ہے کہ حتی، فاء اور ثم کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ یعنی حتی میں فاء سے زیادہ اور ثم سے کم مدت فصل ہوتی ہے۔ حتی میں شرط ہے کہ معطوف، معطوف علیہ کا جزء ہوتا کہ وہ معطوف میں قوۃ کا جیسے قدم الجیش حتی الامیر یا ضعف کا جیسے قدم الحاج حتی الشاة کا فائدہ دے۔

واو واما: او اور اما دوامروں میں سے کسی ایک کے لیے لاعلیٰ التعمین ہونا یعنی دوامروں میں سے کسی ایک پر لاعلیٰ التعمین دلالت کرنے کے لیے ہوتا ہے، رہی بات یہ کہ وَلَا تُطْع مِنْهُمْ آثِمًا اَوْ كَفُورًا میں دلالت بجائے کسی ایک کے لیے لاعلیٰ التعمین ہونے کے دونوں کو عام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصل کے لحاظ سے دوامروں سے کسی ایک کے لیے مہمنا ہی ہے، لیکن عموم، احد المہم کے تحت انفی واقع ہونے کی وجہ سے حاصل ہو رہا ہے۔

ام المتصلة: ام دو قسموں پر ہے متصلہ اور منقطعہ، ام متصلہ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ہمزہ کو لازم ہوتا ہے اور دو برابر درجہ کی چیزوں میں سے کوئی ایک ام کے بعد بلا فاصلہ ہوتا ہے اور دوسرا احد المتساویین ہمزہ سے متصل ہوتا ہے بشرطیکہ متکلم کے نزدیک احد الامرین کے حصول کے علم کا ثبوت ہو چکا ہو۔

ومن ثم لم يعجز: چوں کہ احد المتساویین کا ام متصلہ سے سے اور آخر المتساویین کا ہمزہ سے اتصال ضروری ہے، لہذا ارایت زیداً ام عمراً کی ترکیب درست نہیں ہے، کیوں کہ اس ترکیب میں ہمزہ سے احد المتساویین زید اور عمرو میں سے کسی کا اتصال نہیں ہے، بلکہ ارایت کا ہے جو احد المتساویین نہیں ہے، البتہ سیبویہ کے نزدیک یہ ترکیب جائز اور حسن ہے اور ازیداً ارایت ام عمرو احسن ہے ہو سکتا ہے سیبویہ نے معنی کا اعتبار کیا ہو اور معنی تو ارایت زیداً ام عمرو احسن ہے ہی ہوتے ہیں۔

ومن ثم كان جوابها: اس وجہ سے کہ ام متکلم کے نزدیک احد المتساویین کے ثبوت کے علم کے بعد طلب تعین کے لیے ہوتا ہے، اس کا جواب احد الجنس کی تعین کے ساتھ ہوگا مثلاً ارجل فی الدار ام امراة

کے جواب میں یا تو رجل کہا جائے گا یا امراة. نعم یا لا سے جواب نہیں دیا جائے گا۔

والمقطعة: ام منقطعة ہمزہ کی طرح اول سے اعراض کے لیے ثانی میں شک کے ساتھ کا معنی بتاتا

ہے جیسے انہا لابل ام شاة پس ابل کے ہونے سے اعراض ہے اور شاة کے ہونے میں شک ہے۔

واما قبل المعطوف علی: اما کے معطوف علیہ سے پہلے ایک اور اما ہونا ضروری ہوتا ہے،

تا کہ ابتدائے کلام سے ہی شک پر تنبیہ ہو جائے جیسے جاء نی اما زید و اما عمرو اور او کے معطوف

علیہ سے پہلے اما کا ہونا جائز ہے واجب نہیں ہے، کیوں کہ او، او کد فی الشک ہوتا ہے، لہذا اس کو کسی

مؤکد کے سہارے کی ضرورت نہیں۔

ولا وبل ولكن: یہ تینوں حرف دوامروں میں سے کسی ایک کو متعین کرنے کے لیے ہوتے ہیں

کلمہ لا صرف معطوف سے حکم کی نفی کے لیے آتا ہے معطوف علیہ سے حکم کی نفی نہیں کرتا ہے جیسے جاء نی

زید لا عمرو. اور کلمہ بل دو حال سے خالی نہیں یا تو بعد الاثبات ہو گا یا بعد النفی اول صورت میں حکم کو معطوف

علیہ سے معطوف کی طرف پھیرتا ہے اور معطوف علیہ کو مسکوت عنہ کے حکم میں کر دیتا ہے جیسے جاء نی زید

بل عمرو اور اگر دوسری صورت ہو تو اس میں اختلاف ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ بل حکم منفی کو

معطوف علیہ سے پھیر کر معطوف کی طرف کر دیتا ہے اور معطوف علیہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتا ہے اور بعض

حضرات کا مسلک یہ ہے کہ معطوف علیہ سے نفی کیے گئے حکم کو معطوف کے لیے ثابت کرتا ہے اور معطوف علیہ

مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتا ہے جیسے ما جاء نی زید بل عمرو اور لکن کے معطوف علیہ سے پہلے نفی

ضروری ہے جیسے ما جاء نی زید لکن عمرو مطلب یہ ہے کہ لکن بغیر نفی کے استعمال نہیں ہوتا، پس

عطف المفرد علی المفرد کی صورت میں لکن لا کی نقیض ہوتا ہے، اور عطف الجملة علی الجملة کی صورت میں بل

کے معنی میں ہوتا ہے خواہ بعد الاثبات ہو یا نفی اور دونوں صورت میں لکن نفی کو لازم ہے، کیوں کہ بغیر حرف

نفی کے یہ معنی حاصل نہیں ہو سکتے۔

حروف التنبیہ الا و اما وها.

حروف تنبیہ تین ہیں چوں کہ یہ حروف جملہ کے شروع میں مضمون جملہ پر غافلین کو متنبہ کرنے کے

لیے استعمال ہوتے ہیں، اس لیے ان کو حرف تنبیہ کہتے ہیں، واضح ہو کہ صرف الا اور اما مضمون جملہ کی

تاکید کے لیے آتے ہیں، تا کہ جملہ سامع کے ذہن میں راسخ ہو جائے یا امر ونہی یا استفہام یا تمنی یا اس کے

علاوہ دیگر معنی کے طلب لیے آتے ہیں جب کہ ہاء مفردات پر داخل ہوتا ہے اور بکثرت اسم اشارہ میں

استعمال ہے۔

حروف النداء يا اعمها و ايا وهيا للبعيد و اى و الهمزة للقريب .

ترجمہ: - حروف نداء میں یا سب سے اعم ہے اور ایا اور ہیا منادی بعید کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور ائی اور ہمزہ منادی قریب کے لیے۔ **توضیح:** یا حرف ندا منادی قریب اور بعید دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے، لہذا وہ سب سے زیادہ عام ہوا۔ ایا اور ہیا بعید کے لیے اس لیے ہیں کہ ان میں زیادہ حروف ہیں اور حروف کی کثرت مسافت کی کثرت پر دلالت کرتی ہے، جب کہ ائی اور ہمزہ منادی قریب کے لیے ہیں، کیوں کہ ان میں حروف قلیل ہیں اور قلت حروف قلت مسافت پر دلالت ہے۔

حُرُوفُ الْاِیْجَابِ نَعْمَ وَبَلَىٰ وَ اِیْ وَ اَجَلَ وَ جَیْرٍ وَ اِنَّ فَ نَعْمٌ مَّقْرَرَةٌ لِمَا سَبَقَهَا وَبَلَىٰ مَخْتَصَّةٌ بِاِیْجَابِ النَّفَىٰ وَ اِیْ لِلْاِثْبَاتِ بَعْدَ الْاِسْتِفْهَامِ وَ یَلْزَمُهَا الْقَسْمُ وَ اَجَلَ وَ جَیْرٍ وَ اِنَّ تَصْدِیْقٌ لِلْمُخْبِرِ .

ترجمہ: - حروف ایجاب نعم اور بلی اور ائی اور اجل و جیر اور ان ہیں پس نعم اپنے سابق کو ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہے اور بلی نفی کے ایجاب کے ساتھ مخصوص ہے اور ائی اثبات بعد الاستفہام کے لیے ہے اور اس کو نفی لازم ہوتی ہے اور اجل و جیر اور ان مخبر کی تصدیق کے لیے ہیں۔ **توضیح:** - حروف ایجاب چھ حروف ہیں۔ جن میں نعم اپنے ما قبل بیان کردہ بات کو قرار دینے اور اس کو ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہے چاہے وہ بات ایجاباً ہو یا سلباً۔ استفہاماً ہو یا خبراً اسی وجہ سے لوگوں نے کہا کہ اگر الستُ برکم کے جواب میں نعم کہہ دیا جائے تو کفر ثابت ہو جائے۔

مصنف نے یہاں مقدرہ لما سبقها کہا مُصدق لما سبقها کہنے سے گریز کیا، اس لیے کہ تصدیق صرف خبر کے لیے ہوتی ہے جب کہ نعم خبر اور استفہام دونوں کو عام ہے۔

بلی: بلی مخصوص ہے نفی کے ایجاب کے ساتھ یعنی بلی نفی سابق کو باطل کر کے اس کو موجب بنا دیتا ہے جیسے الستُ برکم کے جواب میں قالوا بلی پوچھا گیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو بلی سے جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں ہے کہ آپ ہمارے رب نہیں ہیں، بلکہ آپ ہی ہمارے رب ہیں۔

ای: ای استفہام کے بعد اثبات کے لیے آتا ہے اور ای کو قسم لازم ہے یعنی ای کے بعد قسم ضرور ہوگی البتہ فعل قسم صراحاً موجود نہ ہوگا جیسے ای و ابی اور ای واللہ چوں کہ فعل قسم کی صراحت جائز نہیں ہے لہذا ای اقسامت بربی نہیں کہا جائے گا۔

ای کبھی تصدیق کے لیے اور کبھی نعم کے معنی میں بھی آتا ہے، لیکن شاذ ہونے کی وجہ سے مصنف نے تعرض نہیں کیا۔

اجل و جیر: اجل اور جیر اور ان مخبر کی تصدیق کے لیے ہوتے ہیں خواہ خبر موجباً یا منفیاً ہو یہ

تینوں حروف استفہام اور ان تمام چیزوں کے بعد کہ جس میں طلب کے معنی ہوتے ہیں نہیں واقع ہوتے۔
پس اقام زید کے جواب میں اجل یا جیر نہیں بولا جائے گا۔ اُن کبھی دعاء کی تصدیق کے لیے
بھی مستعمل ہو جاتا ہے جیسے کسی نے حضرت ابن زبیر سے کہا تھا لعن اللہ ناقۃ حملتني اليك کہ اللہ اس
اوٹنی پر لعنت کرے جو مجھے لاد کر تمہارے پاس لائی تو حضرت نے فرمایا ان، ورا کبھا کہ ہاں اور اس کے
سوار پر بھی لعنت ہو۔ اور کبھی استفہام کے بعد بھی آتا ہے جیسے شاعر کا قول

ليت شعري هل للمحب شفاء من جوى حُبهنَّ ان اللقاء

ترجمہ: اے کاش مجھ کو معلوم ہوتا کہ عاشق کو ان کی محبت کی سوزش سے وصل ہی شفاء ہے۔

حروف الزيادة انْ وَاَنْ وَمَا وَاَ مَا وَاَ وَمِنْ وَاَلْبَاءِ وَاللَّامُ فَانْ مَعَ مَا النَّافِيَةِ وَقَلَّتْ مَعَ مَا
المصدرية وَلَمَّا وَاَنْ مَعَ لَمَّا وَبَيْنَ لَوْ وَالْقِسْمِ وَقَلَّتْ مَعَ الْكَافِ وَمَا مَعَ إِذَا وَمتى
وَأَيَّ وَاَيْنَ وَاِنْ شَرْطًا وَبَعْضُ حُرُوفِ الْجَرِّ وَقَلَّتْ مَعَ الْمُضَافِ وَلَا مَعَ الْوَاوِ بَعْدَ
النَّفْيِ وَاَنْ الْمصدرية وَقَلَّتْ قَبْلَ أَقْسِمُ وَشَدَّتْ مَعَ الْمُضَافِ وَمِنْ وَاَلْبَاءِ وَاللَّامِ
تقدم ذکرھا۔

ترجمہ: - حروف زیادة ان اور آن اور ما اور لا اور من اور باء اور لام ہیں پس ان مانافیہ
کے ساتھ زائد ہوتا ہے اور ان کی زیادتی ما مصدریہ اور لَمَّا کے ساتھ کم ہوتی ہے۔ اور ان لَمَّا کے ساتھ
زائد ہوتا ہے اور واو قسم کے درمیان بھی۔ اور ان کی زیادتی کاف کے ساتھ کم ہوتی ہے اور ما اذا اور متى
اور ای اور این اور ان کے ساتھ زائد ہوتا ہے اس حال میں کہ یہ کلمات شرط ہوں۔ اور بعض حروف جر کے
ساتھ بھی ما زائد ہوتا ہے اور ما کی زیادتی مضاف کے ساتھ کم ہوتی ہے۔ اور لا کی زیادتی نفی کے بعد واو
کے ساتھ اور ان مصدریہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور اقسیم سے پہلے کم لا کی زیادتی ہوتی ہے۔ اور لا کی
زیادتی مضاف کے ساتھ شاذ ہے، اور من اور باء اور لام کا ذکر گذر چکا۔

حروف الزيادة: حروف زیادة سات ہیں ان اور آن اور ما اور لا اور من، باء، لام۔ حروف
زیادة کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساقط ہو جانے سے اصل معنی میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ ان کے زیادہ ہونے
کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کلام عرب میں ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ بہت سے فوائد ہیں، چنانچہ لفظی فائدہ
کلام میں حسن پیدا کرنا ہے اور معنوی فائدہ تاکید ہے اگر حروف زیادة بے فائدہ ہو جائیں تو ان کا ذکر عبث
ہو جائے حالاں کہ یہ قرآن میں بھی موجود ہیں اور کلام الہی عبث سے محفوظ ہے۔

ان کی زیادتی تین مواقع سے ہوتی ہے ان مانافیہ کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے جیسے ما ان رایت زیداً
دوسرا موقع ہے ما مصدریہ کے ساتھ لیکن ما مصدریہ کے ساتھ تو ان کی زیادتی کم ہوتی ہے جیسے انتظر ما ان

جلس القاضی جو مدۃ جلوس القاضی کے معنی میں ہے اور تیسرا موقع ہے لَمَّا کہ لَمَّا کے بعد ان کی زیادتی ہے جیسے لَمَّا ان قام زید اور اَنَّ لَمَّا کے بعد اکثر زیادہ ہوتا ہے جیسے فَلَمَّا اَنَّ جَاءَ ه البشیر اور واو قسم کے بعد اَنَّ مفتوحہ زیادہ ہوتے ہیں جیسے واللہ اَنَّ لو قام زید قمتُ اور کاف کے بعد اَنَّ مفتوحہ زیادہ ہوتا ہے، لیکن کاف کے بعد کم استعمال ہے۔ جیسے كَانَ ظبیۃ تعطو الی ناصر السلم پورا شعر یوں ہے یومسا تو افینا بوجه مقسم ÷ كَانَ ظبیۃ تعطو الی ناصر السلم۔ ترجمہ ہے: جس دن محبوب ہمارے پاس حسین چہرہ کے ساتھ آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہرنی ہے جو سلم درخت کی ہری بھری شاخ کی طرف گردن لمبی کیے ہوئے ہے۔ پس گویا مواقع اَنَّ مفتوحہ بھی تین ہوئے۔ لَمَّا، واو قسم اور کاف۔

مَا: ما کی زیادتی اذا کے بعد جیسے اذا ما تخرج اخرج اور متی کے بعد جیسے متی تذهب اذهب اور ائی کے بعد جیسے ائِمَّا تدعوا فله الاسماء الحسنیٰ اور این کے بعد جیسے اینما اجلس اور اِن کے بعد جیسے وَاَمَّا تَرِینَ مِنَ الْبَشْرِ اَحَدًا ہوتی ہے، ان کلمات خمسہ کے بعد ان کی زیادتی ان کلمات کے شرط کے معنی کے لیے ہونے کے ساتھ مشروط ہیں پس جب ان کلمات کا استعمال غیر شرط کے طور پر ہوگا تو ما کی زیادتی ان کے بعد نہ ہو سکے گی۔

وبعض حروف الجر: کچھ حروف جر کے بعد بھی ما کی زیادتی ہو جاتی ہے جیسے فَمَا رَحْمَةٌ مِنَ اللّٰهِ لَنْتَ لَهُمْ پَسِ بَاءِ اس کے بعد ما زائد ہے اسی طرح مِمَّا خَطِیْئَاتِهِمْ اُغْرَقُوا۔ پس من کے بعد ما کی زیادتی ہے۔

وقلت مع المضاف: مضاف کے بعد ما کی زیادتی بہت کم ہوتی ہے، جیسے غضبت من غیر ما جرم۔

ولا مع الواو: لا کی زیادتی واو عاطفہ کے ساتھ نفی کے بعد ہوتی ہے جیسے ما جاء نی زید ولا عمر اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد غیر المغضوب علیہم ولا الضالین غیر آیت میں لا نافیہ کے معنی میں ہے۔ اسی طرح نہی کے بعد بھی لا کا واو عاطفہ کے ساتھ زیادہ کرنا ہوتا ہے جیسے لا تضرب زیدًا ولا عمرو۔

وان المصدرية: ان مصدریہ کے بعد بھی لا کی زیادتی ہوتی ہے جیسے ما منعك الا تسجد اذا مرتك۔

وقلت قبل اقسام: اقسام سے پہلے لا کی زیادتی تو ہوتی ہے، لیکن کم ہوتی ہے جیسے لا اقسام بیوم القيامة۔

و شدت: لا کی زیادتی مضاف کے ساتھ شاذ ہے جیسے فی بیر لا حور سری وما شعر. حور پر لازماً ہے۔ ترجمہ ہے کہ وہ ہلاکت کے کنویں میں چلا اور نہیں جانا۔ من، با، لام کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

و حرفا التفسیر ائی و اَنْ فَاَنْ مَخْتَصَةً بِمَا فِي مَعْنَى الْقَوْلِ.

ترجمہ: - تفسیر کے دو حروف ہیں اکی اور ان پس اَنْ مخصوص ہے اس کے ساتھ جو قول کے معنی میں ہو۔

توضیح: - یہ دونوں حرف ہر مبہم کی تفسیر کے لیے آتے ہیں خواہ وہ مفرد ہو یا جملہ جیسے جاء نی رجل ای زید اور قطع رزقہ ای مات. البتہ ان سے تفسیر اسی چیز کی ہوتی ہے جو قول کے معنی میں ہو یعنی اَنْ کے ذریعہ ایسے فعل مقدر کے مفعول کی تفسیر ہوتی ہے جو قول کے معنی میں ہو جیسے و نادیناہ اَنْ یا ابراہیم.

مذکورہ بالا اختصاص اکثر حالت کے اعتبار سے ہے ورنہ اَنْ کے ذریعہ فعل ظاہر یعنی لفظی کے مفعول کی بھی تفسیر کی جاتی ہے جیسے مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِي بِهِ اَنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ.

حروف مصدر ما و اِنْ و اَنَّ فَاَوْ لَانِ لِلْفَعْلِيَّةِ و اَنَّ لِلِاسْمِيَّةِ.

ترجمہ: - حروف المصدر ما و اَنْ و اَنَّ ہیں پس شروع کے دو فعلیت کے لیے ہیں اور اَنْ اسمیت کے لیے ہے۔

توضیح: - ما اور اَنْ جملہ فعلیہ کو مصدر کی تاویل میں کرتے ہیں اور اَنْ جملہ اسمیہ کو مصدر کی تاویل میں کر دیتا ہے۔ اول کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ مَعْنَى فِيهَا بَرُّ حَبْهَا ہے دوسرے کی مثال جیسے اَعْجَبْنِي اِنَّكَ قَائِمٌ مَعْنَى فِي مَعْنَى قِيَامِكَ کے ہے۔

حروف التَحْضِيضِ هَلَا وَاِلَّا وَاَوْ لَوْلَا وَاَوْ لَوْ مَا لَهَا صَدْرُ الْكَلَامِ وَيَلْزَمُهَا الْفِعْلُ لَفْظًا اَوْ تَقْدِيرًا.

ترجمہ: - حروف تحضیض ہلا اور الا اور لولا اور لوما ہیں، جو صدارت کلام کو چاہتے ہیں اور ان کو فعل لازم ہوتا ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً۔

توضیح: - حروف تحضیض ہلا اور الا اور لوما ہیں صدارت کلام کو اس لیے چاہتے ہیں، تاکہ ابتدائے کلام سے ہی تحضیض پر دلالت کریں اور یہ حروف فعل پر ہی اس لیے داخل ہوتے ہیں کیوں کہ تحضیض بغیر افعال کے ممکن تصور نہیں ہے، البتہ اتنا ہے کہ مضارع میں برائے تحضیض اور ماضی میں برائے

ملا مت ہوتے ہیں۔

حروف التوقع قد وهی فی المضارع للتقليل .

ترجمہ: - حروف توقع قد ہے اور وہ مضارع میں تقلیل کے لیے آتا ہے۔

توضیح: - معلوم ہونا چاہیے کہ قد جب ماضی اور مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اس میں تحقیق کے

معنی لازماً پائے جاتے ہیں پھر معنی تحقیقی کے ساتھ تقریب اور توقع کے متنی کی بھی ملاوٹ ہو جاتی ہے، پس جب قد ماضی پر داخل ہو تو وہ تین معنوں کے لیے ہوتا ہے تحقیق، تقریب اور توقع، قد قامت الصلوة جو معنی میں ہے قد حصل عن قریب ما توقعه کے اور کبھی تحقیق تقریب بلا توقع ہوتی ہے جیسے قد ركب الامير ایسے آدمی سے کہنا جسے رکوب امیر کی توقع نہ ہو۔

اور مضارع میں بھی تحقیق کے ساتھ تقلیل کے معنی مل جاتے ہیں جیسے ان الكذوب قد يصدق اور کبھی تحقیق محض کے لیے تقلیل سے قطع نظر کرتے ہوئے قد مضارع پر داخل ہوتا ہے جیسے قد نرى تقلب وجهك في السماء .

حرف الاستفهام الهمزة وهل لهما صدر الكلام تقول ازيد قام واقام زيد
وكذلك هل والهمزة اعم تصرفاً تقول ازيذا ضربت واتضرب زيذا وهو اخوك
وازيد عندك ام عمرو وواثم اذا ما وقع و افمن كان و او من كان .

ترجمہ: - استفہام کے دو حرف، ہمزہ اور هل ہیں ان دونوں کے لیے صدارت کلام ہوتی ہے تم

کہتے ہو ازيد قام اور اقام زيد اور اسی طرح بل اور ہمزہ تصرف کے اعتبار سے زیادہ عام ہے تم بولتے ہو ازيد اضربت اور اتضرب زيذا وهو اخوك اور ازيد عندك ام عمرو و اثم ما وقع اور افمن كان اور او من كان .

توضیح: - استفہام کے دو حرف ہیں ایک ہمزہ اور دوسرے هل، دونوں صدارت کلام کو

چاہتے ہیں، تاکہ شروع سے ہی شک پر تنبیہ کا فائدہ دیں، ہمزہ استفہام جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں کے شروع میں آسکتا ہے، چنانچہ اول کی مثال ازيد قائم اور دوسرے کی مثال اقام زيد ہے، اسی طرح هل بھی جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں کے شروع میں آسکتا ہے جیسے بل زيد قائم اور هل قام زيد .

والهمزة اعم تصرفاً: چونکہ ہمزہ استفہام میں اصل ہے، اس لیے اس کا موقع استعمال زیادہ

ہے بمقابلہ هل کے پس کلام میں فعل کے ہوتے ہوئے بھی ہمزہ اسم پر داخل ہو سکتا ہے، جیسے ازيد اضربت جب کہ بل فعل کے ہوتے ہوئے اسم پر داخل نہیں ہو سکتا ہے، چنانچہ هل زيذا ضربت کہنا صحیح

نہیں ہے، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہل قد کے معنی میں ہوتا ہے اور قد مختص بالفعل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنْ قَدِّ اتَىٰ كَيْسَ، لہذا جن ترکیبوں میں فعل موجود ہوگا، تو ہل کو عہد سابق یاد آ جائے گا۔

اور وہ قد کے معنی میں ہونا جو مختص بالفعل ہوتا ہے پس ہل فعل کے لیے بے تاب اور اس کا مشتاق ہو جائے گا، لہذا جب کلام میں فعل موجود ہے تو فعل پر ہی داخل ہوگا اسم پر داخل نہیں ہوگا، چنانچہ ہل زید خرج کہنا صحیح نہیں ہے، بلکہ ہل خرج زید کہا جائے گا اور اسی طرح ہل زید ا ضربت کے بجائے ہل ضربت زید کہا جائے گا۔

اچھا جب کلام میں فعل نہ ہوگا تو ہل کو عہد سابق یاد نہیں آئے گا اور فعل سے اس کا ذہول ہو جائے گا پس بغیر فعل کے وجود کے اسم پر داخل ہونا صحیح ہوگا جیسے ہل انتم مصلون .

اور ہمزہ موقع انکار میں استعمال ہوتا ہے جب کہ ہل انکار کے لیے نہیں آتا، لہذا ا تضرب زید ا وهو اخوك کہنا صحیح ہے جب کہ ہل تضرب زید ا وهو اخوك کہنا درست نہیں ہے، ہمزہ برائے انکار اس لیے درست ہے کہ یہ اس چیز کے اثبات کے لیے ہے جس پر برائے انکار داخل ہوتا ہے، کیوں کہ مستفہم عنہ ا تضرب زید وهو اخوك جیسی ترکیب میں محذوف ہے اور وہ ہے ا رضی بضربك زید وهو اخوك پس حسب حال وہ حرف ہے جو استفہام میں طاقتور ہو اور یہ ہمزہ ہے۔

نیز ہمزہ ام متصلہ کے مقابلہ میں آسکتا ہے، جب کہ ہل نہیں آسکتا جیسے ازید عندك ام عمرو ایسا اس لیے ہے کہ اس ترکیب میں استفہم عنہ متعدد ہے پس اس کا شایان شان وہ ہوگا جو باب استفہام میں اصل ہے۔ البتہ ہل ام منقطعہ کے مقابلہ میں آسکتا ہے کیوں کہ ام منقطعہ کی ترکیب میں استفہم عنہ متعدد نہیں ہوتا، اسی طرح ہمزہ ثم اور فاء اور واو پر داخل ہو سکتا ہے جب کہ ہل داخل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ ہل ہمزہ کی فرع ہے، لہذا اس جیسا اس کا تصرف نہیں ہو سکتا، اول کی مثال اثم اذا وقع اور ثانی کی مثال ا فمن كان اور ثالث کی مثال او من كان میتا۔

حُرُوفُ الشَّرْطِ إِنْ وَلَوْ وَأَمَّا لَهَا صَدْرُ الْكَلَامِ فَإِنَّ لِالاسْتِقْبَالِ وَإِنْ دَخَلَ عَلَى الْمَاضِي رَنُو عَكْسُهُ وَتَلْزَمَانِ الْفِعْلِ لَفِظًا أَوْ تَقْدِيرًا وَمِنْ ثَمَّ قِيلَ لَوْ أَنَّكَ بِالْفَتْحِ لِأَنَّهُ فَاعِلٌ وَأَنْطَلَقْتَ بِالْفِعْلِ مَوْضِعَ مُنْطَلِقٍ لِيَكُونَ كَالْعَوَضِ فَإِنْ كَانَ جَامِدًا جَازَ لَتَعَذَّرَهُ وَإِذَا تَقَدَّمَ الْقِسْمُ أَوَّلَ الْكَلَامِ عَلَى الشَّرْطِ لَزِمَهُ الْمَاضِي لَفِظًا أَوْ مَعْنَى فَيُطَابِقُ وَكَانَ الْجَوَابَ لِلْقِسْمِ لَفِظًا مِثْلَ وَاللَّهِ إِنْ أَتَيْتَنِي أَوْ لَمْ تَأْتِنِي لَا كَرَمَتِكَ.

ترجمہ: - حرف شرط ان اور لو اور اما ہیں ان کے لیے صدر کلام ہے پس ان استقبال کے لیے ہے، اگرچہ ماضی پر داخل ہو اور لو اس کے برعکس ہے اور دونوں کو فعل لازم ہوتا ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے لو انک فتحہ کے ساتھ اس لیے کہ وہ فاعل ہے اور انطلقت منطلق کی جگہ میں ہے، تاکہ وہ عوض کی طرح ہو جائے پس اگر خبر جامد ہو تو جائز ہے فعل کے متعدد ہونے کی وجہ سے اور جب قسم شروع کلام میں شرط پر مقدم ہو جائے تو اس کو ماضی لازم ہوگا خواہ لفظاً ہو یا معنی پس وہ مطابق ہوگا اور جواب قسم کا لفظاً ہوگا جیسے واللہ ان اتیتنی یا لم تاتنی لا کرمتک۔

توضیح: - حروف شرط تین ہیں ان اور لو اور اما۔ یہ تینوں صدارت کلام کو چاہتے ہیں، تاکہ اول امر سے ہی اس بات پر دلالت کریں کہ اول ثانی کے لیے سبب ہے۔ پس ان برائے استقبال آتا ہے، اگرچہ وہ ماضی پر داخل ہو جیسے ان خرجت خرجت اور لو اس کے برعکس ہے یعنی وہ ماضی کے لیے آتا ہے چاہے فعل مضارع یعنی مستقبل پر داخل ہو۔ جیسے لو یطبعکم فی کثیر من الامر لعنتم۔

وتلزمان: ان اور لو دونوں کو فعل لازم ہے خواہ فعل لفظاً ہو جیسے ان تکرمنی فا کرمتک اور لو طلعت الشمس فالنهار موجوداً یا تقدیراً ہو جیسے وان احد من المشکرین استجارک پس ان کے بعد استجارک فعل محذوف ہے جس کی تفسیر استجارک ثانی کر رہا ہے۔ اور قل لو انتم تملکون پس اصل عبارت ہے قل لو تملکون تملکون پس جب تملکون اول حذف کر دیا تو ضمیر متصل، ضمیر منفصل سے بدل گئی۔

ومن ثم قيل: چونکہ ان اور لو کو فعل لازم ہے کہا جاتا ہے کہ لو انک فتحہ کے ساتھ ہے، کیوں کہ لو انک فعل محذوف کا فاعل ہے۔ اور وہ مثبت ہے، کیوں کہ لو کے بعد فعل لازم ہے۔ اچھا لو انک کے فاعل ہونے پر اس کا بفتح ہونا یوں دال ہے کہ فاعل اسم مفرد ہوتا ہے اور دال علی المفرد وہ ان مفتوحہ ہی ہوتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر مفرد کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بولا جاتا ہے لو ما نطلقت پس اگرچہ اصل یہ ہے کہ ان کی خبر مفرد ہو جس کے مناسب اسم فاعل منطلق تھا، لیکن بجائے اسم فاعل منطلق خبر لانے کے انطلقت کو لایا گیا حالاں کہ یہ جملہ ہے اس لیے کہ یہ فعل محذوف من حیث اللفظ عوض بن جائے گا پس عبارت ہوگی لو ثبت انک منطلق انطلقت۔ پس فعل محذوف کا عوض دو طرح کا ہے من حیث المعنی اور من حیث اللفظ۔ من حیث المعنی تو ان ثبت فعل مقدر کے معنی پر دلالت کرتا ہے، لہذا فعل محذوف کا من حیث المعنی عوض تو خود ان ہو اور وہ فعل جو خبر کی جگہ واقع ہے وہ من حیث اللفظ اس کا عوض ہوا

پس اَنّ اور انطلقت جو موقع خبر میں واقع ہے دونوں کا عوض ہوئے عین کوئی نہیں ہے۔

دھیان رہے یہ سب کچھ تب ہے جب خبر کی جگہ واقع ہونے والا فعل اس خبر کے مصدر سے بنا ہو یا یوں کہا جائے کہ فعل کا خبر کی جگہ واقع ہونا اس وقت صحیح ہے جب خبر مشتق ہو جیسے منطلق مشتق ہے ورنہ اگر خبر جامد ہو جیسے ولو ان ما فی الارض من شجرة اقلام کہ اقلام خبر جامد ہے تو چوں کہ اس خبر سے جامد ہونے کی وجہ سے فعل کا مشتق کرنا ممکن نہیں ہے، لہذا اس خبر کی جگہ فعل لانا جو فعل محذوف کا عوض ہو جائے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ خبر کا ذکر کرنا ضروری ہوگا چنانچہ مثال مذکور میں اقلام کو اسی وجہ سے ذکر کر دیا گیا۔

و اذا تقدم القسم: جب قسم شروع کلام میں ہی شرط پر مقدم ہو جائے تو قسم کو یہ بات لازم ہے کہ اس کے بعد واقع ہونے والا شرط ماضی ہو خواہ لفظاً ماضی ہو یا معنی اور یہ شرط اس لیے ہے کہ تاکہ وہ حرف شرط کا معمول نہ ہو سکے، یعنی جس طرح اس کا عمل جواب میں منقطع ہو گیا ہے تو شرط کے ماضی ہونے کی وجہ سے اس میں بھی حرف شرط کا عمل نہ ہو سکے گا۔

فیطابق: پس شرط جواب کے مطابق ہو جائے گی کہ جس طرح حرف شرط جواب میں عامل نہیں ہے، اسی طرح شرط میں بھی عمل سے محروم ہے۔ اور جواب لفظاً صرف قسم کا جواب ہوگا شرط اور قسم دونوں کا نہیں، تاکہ ایک ہی شئی کا مجزوم اور غیر مجزوم ہونا لازم نہ آئے معنی بھلے وہ دونوں کا جواب ہو۔ جیسے واللہ ان اتیتی لا کرمتک ماضی لفظاً کی مثال اور واللہ لم تاتنی لا کرمتک ماضی معنی کی مثال۔

وان توسط بتقديم الشرط او غيره جاز ان يعتبر وان يلغى كقولك انا واللہ ان تاتنی اتک وان اتیتی واللہ لاتینک وتقدير القسم كاللفظ مثل لئن اخرجوا لا يخرجون وان اطعموهم واما للتفصيل والتزم حذف فعلها وعوض بينها وبين فانها جزء مما فی حيزها مطلقا وقيل هو معمول المحذوف مطلقا مثل اما يوم الجمعة فزید منطلق وقيل ان كان جائز التقديم فمن الاول والا فمن الثاني.

ترجمہ: - اور اگر قسم شرط کی تقدیم کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کی وجہ سے وسط کلام میں ہو جائے تو جائز ہے کہ قسم کا اعتبار کیا جائے اور شرط کو لغو قرار دے دیا جائے (یا اس کے الٹا) جیسے تمہارا قول انا واللہ ان تاتنی اتک وان اتیتی واللہ لاتینک۔ اور قسم کی تقدیر لفظ کی طرح ہے جیسے لئن اخرجوا لا يخرجون وان اطعموهم۔ اور اما تفصیل کے لیے ہے اور لازم کر لیا گیا ہے، اس کے فعل کا حذف اور عوض میں کر دیا گیا اما اور اس کے فاء کے درمیان ایسے جزء کو جو اس کے جواب کے حیز میں ہو مطلقاً اور کہا گیا ہے کہ وہ محذوف کا معمول ہے مطلقاً جیسے اما يوم الجمعة فزید منطلق اور کہا گیا کہ اگر وہ جائز

التقديم ہو تو اول سے ہے ورنہ پس ثانی سے۔

وان توسط: اگر قسم شرط یا غیر شرط کی تقدیم کی وجہ سے وسط کلام میں واقع ہو جائے تو قسم یا شرط کا اعتبار کیا جانا اور قسم یا شرط کا لغو قرار دیا جانا دونوں امر جائز ہیں۔ اس لیے کہ قسم واجب الرعايت صدر کلام میں ہوتی ہے اور صدارت فوت ہو چکی ہے، لہذا قسم اور شرط دونوں کا معاملہ برابر ہو گیا۔ پس کسی کو کسی پر ترجیح نہیں لہذا قسم اور شرط دونوں میں سے کسی کا بھی اعتبار اور دوسرے کو مغلغی اور بطلان العمل قرار دیا جاسکتا ہے، جیسے انا واللہ ان تاتیننی اتيك جزم کے ساتھ اس میں شرط کا اعتبار کیا گیا ہے اور قسم کا مغلغی ہوا ہے اور ان ایتینی واللہ لاتینک اس میں قسم کا اعتبار ہے اور شرط کا الغاء ہے۔

وتقدير القسم: قسم مقدر بمنزلہ قسم ملفوظ کے ہوتی ہے جیسے لئن اخرجوا لا يخرجون پس یہاں قسم واللہ محذوف ہو، لہذا اعتبار قسم کا ہے شرط کا نہیں ہے ورنہ جزاء لا يخرجون میں جزم واجب ہوتا ہے ان شرطیہ کی وجہ سے اور اللہ کا ارشاد وان اطعمتموهم انکم لمشرکون۔ یہاں بھی قسم واللہ محذوف ہے چنانچہ قسم کا ہی اعتبار ہے شرط کا نہیں دلیل یہ ہے کہ جزاء کے جملہ اسمیہ ہونے کی صورت میں فاء ضروری ہوتی ہے اور وہ یہاں نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر شرط سے پہلے قسم چاہے ملفوظ ہو یا مقدر قسم کا ہی اعتبار ہوگا بشرطیکہ وہ صدر کلام میں ہو۔

واما: اما دو طرح کا ہوتا ہے ایک تفصیلیہ جو متکلم کے اجمال کی تفصیل کرتا ہے جیسے کہا جائے جاءك اخوتك اما زيد فاكرمته واما بكر فاهنته، واما خالد فقد اعرضت عنه۔ دوسرا برائے استیناف ہے جس سے پہلے کوئی بات مجملاً مذکور نہیں ہوتی۔

خیر: وہ اما جو برائے تفصیل ہوتا ہے تو اس کے بعد مذکور ہونے والا فعل لزوماً محذوف ہوتا ہے، اور فعل محذوف کے عوض اما اور اس کی فاء کے درمیان اس کلام کا جزء لے آیا جاتا ہے جو اس کے جواب کے خیر میں ہوتا ہے چاہے اس جزء کا فاء پر مقدم کرنا درست ہو۔ یا مقدم کرنا درست نہیں مطلقاً کا یہی حاصل ہے۔ ممتنع ہو جیسے اما زيد فاني ضارب يانه ہو جیسے اما زيد منطلق یہ ابوالعباس اور مبرد کا مذہب ہے جو مصنف کے نزدیک مختار ہے، ایسا اس لیے ہے تاکہ شرط و جزاء کا لگاتار ہونا لازم نہ آئے اس طرح فصل ہو جاتا ہے۔ اب وہ جزء جو فعل محذوف کی جگہ آئے گا خواہ مبتدا ہو جیسے اما زيد فمنطلق یا وہ فاء کے مابعد کا معمول ہو جیسے اما يوم الجمعة فزيد منطلق پس يوم الجمعة منطلق کا معمول ہے۔

وقيل هو معمول: اس کے قائل مبرد ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ اما کا مابعد فعل محذوف کا مطلقاً معمول ہے خواہ اس لفظ کی فاء پر تقدیم درست ہو یا نہ ہو جیسے اما يوم الجمعة فزيد منطلق پس مذہب اول یعنی سیبویہ کے۔ لکن پر تقدیر عبارت مہما یکن من شی فزيد منطلق يوم الجمعة ہے، اور

مذہب ثانی یعنی مبرد کے مذہب پر مہما یکن من شیء یوم الجمعة فزید منطلق ہے۔
پس مذہب اول پر مہما یکن من شیء فعل شرط کو حذف کر کے اما کو اس کا قائم مقام بنا دیا اور یوم
الجمعة لا کر اما اور فاء میں فصل کر دیا تا کہ شرط و جزا کے حرفوں کا لگا تار ہونا لازم نہ آئے۔
اور مذہب ثانی پر یوم الجمعة فعل شرط کا معمول ہے، لہذا شرط کے حذف ہونے اور اما کے قائم
مقام ہونے کے بعد اما یوم الجمعة فزید منطلق ہی بچا۔

وقیل: اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر اما اور فاء کے درمیان واقع ہونے والا جزء یعنی لفظ فاء پر مقدم
ہو سکتا ہو تو وہ جزء جزاء ہوگا جیسا کہ قسم اول میں ہے اور اگر اس لفظ کی فاء پر تقدیم کسی بھی وجہ سے منع ہو تو وہ
فعل محذوف کا جزء ہوگا کیوں کہ تقدیم علی الفاء کے ناجائز ہونے کی وجہ سے اب وہ لفظ جزء جزاء نہیں ہو سکتا
پس اس کا تعلق قسم ثانی سے ہوگا۔

قسم اول کا مصداق اس لفظ کا جو کہ اما اور فاء کے درمیان ہے جزء جزاء ہونا اور ثانی کا مصداق اس
لفظ کا فعل محذوف کا معمول ہونا ہے۔

حرف الردع کلا وقد جاء بمعنی حقاً.

ترجمہ: - حرف ردع کلا ہے اور کبھی کلا بمعنی حقاً بھی آتا ہے۔

توضیح: - ردع کے معنی جھڑکنا، منجر کو جھڑکنے کے لیے کلا کا استعمال ہوتا ہے جیسے رب
ارجعون لعلی اعمل صالحاً فیما ترک کلا. اور کبھی حقاً کے معنی میں بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا
ارشاد کلا ان الانسان لیطغی.

تاء التانیث الساکنۃ تلحق الماضی لتانیث المسند الیہ فان کان ظاهراً غیر
حقیقی مخیر واما الحاق علامۃ التثنیۃ والجمعین فضعیف.

ترجمہ: - تائے تانیث ساکنہ ماضی کو لاحق ہوتی ہے مسند الیہ کی تانیث کے لیے پس اگر ظاہر
غیر حقیقی ہو تو اختیار ہے اور بہر حال تانیث اور دونوں جمع کی علامتوں کا لاحق کرنا ضعیف ہے۔

توضیح: - تائے تانیث ساکن فعل ماضی کو مسند الیہ کے مؤنث ہونے کی وجہ سے لاحق ہوتی
ہے جیسے ضربت واکرمت ہند. تائے تانیث کو ساکنہ کے ساتھ مقید کیا اس لیے کہ تائے تانیث متحرک
اسم کو مسند الیہ ہونے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے، تائے تانیث ساکنہ، فعل ماضی کو اس لیے لاحق ہوتی ہے کہ
ساکنہ خفیف ہے اور فعل ثقیل ہے، لہذا خفیف، ثقیل کو عطا کر دیا گیا تو وزن کی رعایت میں البتہ تائے تانیث
ساکنہ فعل مضارع کو لاحق نہیں ہوتی، اس لیے ماضی کی قید لگائی ہے۔

یہ حکم تب ہے جب مسند الیہ مؤنث ظاہر حقیقی ہو یا مسند الیہ مؤنث اسم ضمیر ہو اور اگر مسند الیہ مؤنث اسم

ظاہر غیر حقیقی ہو، تو تائے تانیث ساکنہ کے لحوق میں اختیار ہے لاحق کرنا اور نہ لاحق کرنا دونوں طرح صحیح ہے جیسے طلع الشمس اور طلعت الشمس۔ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ تثنیہ اور جمع مذکر اور جمع مؤنث کی علامت فعل کے ساتھ لاحق کرنا ضعیف اور غیر پسندیدہ ہے، اس لیے کہ ثنی اور جمع کی علامت مسند الیہ میں خوب ظاہر ہوتی ہے پس فعل میں ثنی اور جمع کی علامت کے لحوق کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہذا اگر فعل کے ساتھ ثنی اور جمع کی علامتیں لاحق کی جاتی ہیں تو تعدد فاعل کی صورت لازم آتی ہے، البتہ اسم فعل میں اس کی اجازت ہے جیسے ہاتیا اور ہاتوا اور تعالیا اور تعالوا، کیوں کہ یہ علامتیں ضمیر نہیں ہیں بلکہ ایسے حروف ہیں جو شروع امر سے ہی فاعل کے تثنیہ اور جمع مذکر اور مؤنث پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ تائے تانیث ساکنہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسند الیہ مؤنث ہے۔

التنوين نونٌ ساكنةٌ تتبع حركة الآخر لا لتأكيد الفعل وهو للتمكن والتكبير والعوض والمقابلة والترنم ويحذف من العلم موصوفاً بابن مضافاً الى علم آخر.

ترجمہ:- تنوین ایسا نون ساکن ہے جو آخر کی حرکت کے تابع ہوتا ہے مذکر فعل کی تاکید کے لیے اور تنوین تمکن کے لیے اور تنکیر اور عوض اور مقابلہ اور ترنم کے لیے ہوتی ہے اور تنوین کو حذف کر دیا جاتا ہے علم سے در انحالیکہ وہ موصوف ہوا لیے ابن کے ساتھ کہ جو دوسرے علم کی طرف مضاف ہو۔

توضیح:- تنوین در اصل مصدر ہے جس کے معنی نون کو داخل کرنا، پھر نون ساکن کا ہی نفس تنوین نام رکھ دیا گیا۔ پس تنوین نون ساکن ہوتا ہے اصل کے اعتبار سے پس اگر اس پر کوئی حرکت آتی ہے تو وہ کسی عارض کی وجہ سے ہوگی، لہذا وہ حد تنوین سے خارج نہ ہوگی۔ اور وہ کلمہ کے آخر کی حرکت کے تابع ہوگی جو فعل کی تاکید کے واسطے نہیں ہوگی، اس قید کی وجہ سے نون خفیفہ سے احتراز ہو گیا جو فعل کے آخر میں فعل کی تاکید کے واسطے لاحق ہوا کرتی ہے۔

تنوین کی پانچ قسمیں ہیں: پہلی قسم تنوین تمکن ہے جیسے زید۔ اسم متمکن کہتے ہیں کہ جو اسم فعل کے اس طرح مشابہ نہ ہو کہ وہ منع اعراب میں مؤثر ہو۔ دوسری قسم تنکیر ہے اور تنوین تنکیر کہتے ہیں جو اپنے مدخول کی نکارت پر دلالت کرے جیسے صبہ اور رطل تیسری قسم تنوین عوض ہے جو مضاف الیہ کے عوض میں ہوتی ہے جیسے حسینہ اور یومئذ چوتھی قسم ہے تنوین مقابلہ جو جمع مؤنث سالم کے آخر میں مذکر سالم کے نون کے مقابلہ میں لاحق ہوتی ہے جیسے مسلمات یہ چاروں اقسام اسم کے ساتھ مخصوص ہیں، پانچویں قسم تنوین ترنم جو ابیات اور مصرعوں کے آخر میں لاحق ہوتی ہے، اشعار خوانی میں عمدگی پیدا کرنے کے لیے۔ یہ قسم اسم فعل حرف سب کو عام ہے۔ اقلی الوم عاذل والعتابن ÷ وقولی ان اصبت لقد اصابت پس عتاب اسم ہے اور اصابت فعل ہے۔ شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ملامت کرنے والی تو غصہ اور ملامت کو ذرا کم کر

اور کہہ اگر میں درستگی کو پہنچوں کہ پہنچ گیا۔

ويحذف من العلم: وہ علم جو ایسے ابن کے ساتھ موصوف ہو جو خود دوسرے علم کی طرف مضاف ہو تو ایسے علم سے تونین برائے تخفیف حذف کر دی جاتی ہے نیز علم کی ثقالت اور کثرت استعمال اور لفظ کی درازی کی وجہ سے۔ جیسے جاءني زيد ابن عمرو .

نون التاكيد خفيفة ساكنة ومشددة مفتوحة مع غير الالف تختص بالفعل المستقبل في الامر والنهي والاستفهام والتمني والعرض والقسم وقلت في النفي ولزمت في مثبت القسم وكثرت في مثل اما تفعلن وما قبلها مع ضمير المذكرين مضموم و ومع المخاطبة مكسور وفيما عدا ذلك مفتوح وتقول في التثنية وجمع المؤنث اضربان و اضربان .

ترجمہ:- نون تاکید خفیفہ ساکنہ اور مشدودہ مفتوحہ غیر الف کے ساتھ ہوتا ہے، جو فعل مستقبل کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے امر اور نہی اور استفہام، تمنی اور عرض نیز قسم میں اور نون تاکید نفی میں کم پائی جاتی ہے اور نون تاکید جواب قسم مثبت میں لازم ہوتی ہے، اور اما تفعلن جیسے میں بکثرت ہوتی ہے اور جمع مذکر کی ضمیر کے ساتھ نون تاکید کا ماقبل مضموم ہوتا ہے اور واحد مؤنث حاضر کے ساتھ مکسور ہوتا ہے اور مذکورہ بالا مقامات کے علاوہ میں ماقبل نون تاکید کا مفتوح ہوتا ہے، تم بولتے ہو تثنیہ اور جمع میں اضربان اور اضربان .

نون التاكيد: نون تاکید دو قسموں پر ہے۔ خفیفہ اور ثقیلہ۔ خفیفہ کو فرع ہونے کے باوجود مقدم کیا، کیوں کہ وہ خفیف ہے اور ثقیلہ کو اصل ہونے کے باوجود مؤخر کیا، کیوں کہ وہ دشوار ہے۔

پس خفیفہ ساکنہ ہوتی ہے، کیوں کہ بناء میں اصل سکون ہے اور ثقیلہ مفتوحہ ہوتی ہے، مشدودہ کے ثقل اور فتح کے خفیف ہونے کی وجہ سے۔ خفیفہ کا ساکنہ اور ثقیلہ کا مفتوحہ ہونا اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ نون تاکید الف کے ساتھ نہ ہو، کیوں کہ الف کے ساتھ ہونے کی صورت میں نون تاکید مکسور ہوگا کیوں کہ الف زائدہ کے بعد واقع ہونے میں نون تثنیہ کے مشابہ ہوتا ہے اور نون تثنیہ مکسور ہوتا ہے، لہذا وہ بھی مکسور ہوگا۔

تختص بالفعل المستقبل: نون تاکید فعل مستقبل کے ساتھ امر و نہی استفہام اور عرض و قسم میں مخصوص ہوتا ہے یعنی فعل مستقبل امر و نہی وغیرہ ہو کیوں کہ نون تاکید طلب کی تاکید کے لیے مستعمل ہے اور طلب انہی اشیاء میں پایا جاتا ہے۔

اور وہ فعل مستقبل جو منفی ہو تو اس میں نون تاکید کم مستعمل ہے، اس لیے کہ وہ طلب کے حتی سے خالی ہوتا ہے البتہ نون تاکید کی نفی میں اجازت نہی کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ جیسے لا تفعلن کذا .

ولزمت فی مثبت القسم: جواب قسم جب مثبت ہو تو نون تاکید لانا لازم ہے جیسے واللہ لافعلن کذا اس لیے کہ قسم محل تاکید ہے۔ لہذا جب اس کلام کو امر منفصل یعنی قسم سے مؤکد کیا گیا تو پھر امر متصل سے اس کی تاکید بدرجہ اولیٰ لائی جائے گی یعنی نون تاکید سے کیوں کہ وہ اس کلام سے متصل ہو کر تاکید کرتی ہے۔
وکثرت فی مثل الخ: اما تفعلن جیسے میں نون تاکید بکثرت استعمال ہے اما تفعلن جیسے سے مراد ہر ایسی شرط ہے جس کے حرف کی تاکید مازاندہ سے ہو، اس لیے کہ جب عرب حروف کی تاکید غیر مقصود ہوتے ہوئے بھی لاتے ہیں تو پھر فعل کی تاکید جو کہ مقصود ہوتی ہے بدرجہ اولیٰ لائی جائے گی، تاکہ مقصود کا غیر مقصود سے انقاص ہونا لازم نہ آئے۔

وما قبلها: جمع مذکر میں خواہ غائب ہو یا حاضر نون تاکید کے ماقبل مضموم ہوگا، تاکہ ضمہ اس واؤ کے حرف پر دلالت کرے جو التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گیا ہے، اس کے مسلک کے اعتبار سے جس کے نزدیک التقاء ساکنین علی حدہ میں دونوں ساکنوں کا کلمہ واحدہ میں ہونا شرط ہے۔ یا بعد الضمہ واو کے ثقیل ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کے نزدیک جو التقائے ساکنین علی حدہ میں شرط مذکور کے قائل نہیں ہیں۔

اور واحد مؤنث حاضر میں نون کا ماقبل مکسور ہوگا تاکہ وہ یاء محذوفہ پر دلالت کرے جو التقائے ساکنین کی وجہ سے حذف ہوئی ہے یا بعد لکسرہ یاء کی ثقالت کی وجہ سے۔ اور ان دونوں موقعوں کے علاوہ نون تاکید کا ماقبل مفتوح ہوگا، تاکہ تخفیف حاصل رہے۔ تم تشنیہ میں اضربان الف کے اثبات کے ساتھ بولتے ہو، تاکہ واحد کے ساتھ اشتباہ نہ ہو اور جمع مؤنث میں اضربان بولتے ہو الف کی زیادتی کے ساتھ تاکہ لگاتار تین نونوں کا اجتماع نہ ہو جائے، نون خفیفہ تشنیہ اور جمع مؤنث میں نہیں آتا، تاکہ التقاء ساکنین علی غیر حدہ لازم نہ آئے۔

ولا تدخلهما الخفیفۃ خلافاً لیونس وهما فی غیرهما مع الضمیر البارز
کالمنفصل فان لم یکن فکالمتصل ومن ثم قیل هل ترین وتروُن وتربین واغزون
واغزون والمخففة تحذف للساکن وفي الوقف فیرد ما حذفت والمفتوح
ما قبلها تقلب الفاء فقط.

ترجمہ: - اور تشنیہ اور جمع مؤنث پر نون خفیفہ داخل نہیں ہوتا مخالفت کرتے ہوئے یونس کی اور وہ دونوں تشنیہ اور جمع کے علاوہ میں منفصل کی طرح ضمیر بارز کے ساتھ ہوں گے۔ پس اگر اس میں ضمیر بارز نہ ہو تو وہ متصل کی طرح ہیں اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے هل ترین اور تروُن اور تربین اور اغزون اور اغزون اور اغزون اور نون خفیفہ ساکن کی وجہ سے حذف کر دی جاتی ہے اور وقف میں بھی پس اس چیز کو لوٹا دیا جاتا ہے جو حذف کیا گیا ہوتا ہے اور وہ کہ جس کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے الف سے بدل جاتا ہے۔

توضیح: - تشنیہ اور جمع مؤنث پر نون خفیفہ داخل نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ اگر تشنیہ اور جمع پر نون خفیفہ داخل ہوتا ہے تو التقاء ساکنین علی غیر حدہ لازم آتا ہے، جو درست نہیں ہے، البتہ یونس نحوی کے نزدیک نون خفیفہ کا داخل ہونا دونوں پر صحیح ہے رہی بات التقاء ساکنین علی غیر حدہ کی تو وہ یونس کے نزدیک درست ہے، جیسا کہ وقف میں درست ہے۔

وفی غیرہما: تشنیہ اور جمع مؤنث کے علاوہ جو صیغے ہیں وہ دو طرح کے ہیں یا تو ان کے ساتھ ضمیر بارز ہوگی یا نہیں پس اگر ان صیغوں میں ضمیر بارز ہو تو ان صیغوں کا نون کلمہ منفصلہ کے حکم میں ہوگا یعنی واؤ اور یاء حذف ہو جائیں گے اور ضمہ اور کسرہ آجائے گا۔ ایسے صیغے صرف دو ہیں ایک جمع مذکر دوسرے واحد مؤنث حاضر جیسے اغزؤن اور اغزؤن ارمین اور ارمین۔

اور اگر اس صیغے میں ضمیر بارز نہیں ہے جیسے کہ واحد مذکر میں ہوتا ہے تو نون تاکید کلمہ منفصلہ کے حکم میں ہوتا ہے لہذا لام کلمہ جو حذف ہو چکا تھا لوٹ آئے گا اور مفتوح ہوگا جیسے ارمین، اور اغزؤن۔

ومن ثم قيل: اس وجہ سے کہ نون تاکید غیر ضمیر بارز کے ساتھ متصل کی طرح ہوتا ہے بولا جاتا ہے هل ترین یاء کے فتح کے ساتھ اس لیے جب نون غیر ضمیر بارز کے ساتھ کلمہ متصل کی طرح ہو گیا تو آخر کے سکون کا زوال لازم ہوگا لہذا جو کچھ سکون کی وجہ سے حذف ہو چکا تھا، وہ سب ٹوٹ آئے گا۔ پس هل ترین یائے مفتوحہ کے ساتھ بولا جائے گا اور نون اتصال میں الف تشنیہ کے مشابہ ہے، لہذا نون کے ساتھ لام کلمہ میں تعلیل نہیں کی جائے گی جیسا کہ الف تشنیہ متصل کے ساتھ لام کلمہ میں تعلیل نہیں ہوتی۔ چنانچہ بولا جاتا ہے هل تریان۔ اور تروؤن واو کے ضمہ کے ساتھ کیوں کہ واؤ مدہ نہ ہونے کی وجہ سے التقاء ساکنین سے محفوظ ہے پس حذف نہ ہوگا جیسے کہ اخشوا القوم میں واؤ ضمہ کے ساتھ ہے۔

اور ترین یاء کے کسرہ کے ساتھ۔ اغزؤن واو کے محذوفہ کے اعادہ کے ساتھ کیوں کہ کلمہ متصل کے مانند نون تاکید کے ہونے کی وجہ سے آخر کا سکون ختم ہو گیا اور اغزؤن اور اغزؤن واؤ اور یاء کے حذف کے ساتھ پہلی تین مثالیں مضارع کی اور بعد کی تین امر کی مثالیں ہیں۔

والمخففة: نون خفیفہ جب کسی ساکن کے بعد ہو تو التقاء ساکنین سے بچنے کے لیے حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے اضربن القوم سے اتصال کے وقت حذف ہو کر اضرب القوم ہو جائے گا البتہ نون خفیفہ کا حکم باقی رہے گا، لہذا لام کلمہ جس طرح اس کے ہوتے مفتوح تھا اب بھی رہے گا۔

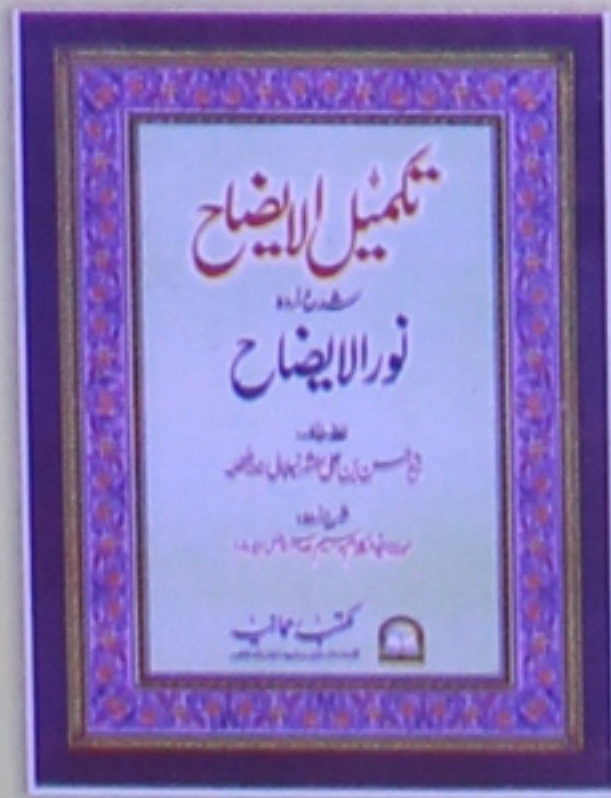
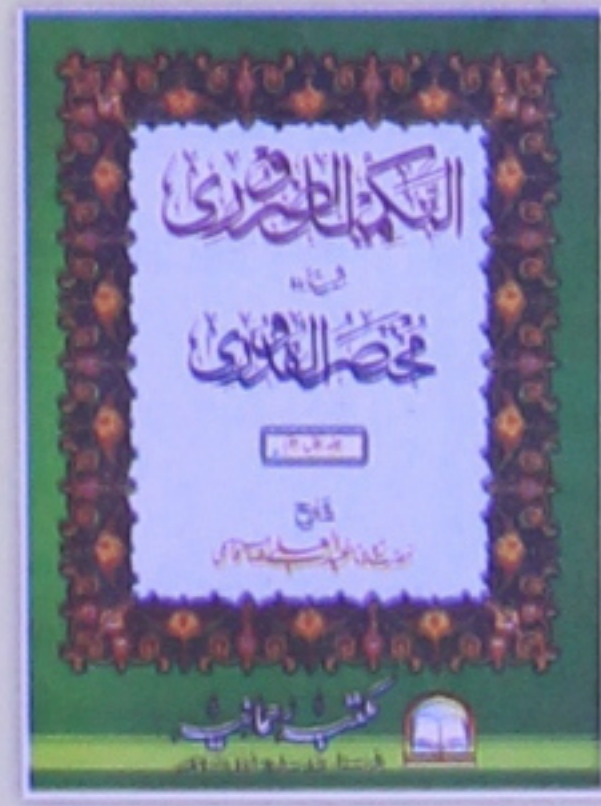
وفی الوقف: اور جب اس کلمہ کے لام کلمہ پر وقف کرنا ہو کہ جس کو نون خفیفہ لاحق ہوئی ہے تو نون خفیفہ حذف ہو جائے گا اور نون خفیفہ کے لاحق ہونے سے جو حرف علت حذف ہوا ہے وہ التقاء ساکنین کے دور ہو جانے کی وجہ سے واپس آجائے گا بشرطیکہ نون خفیفہ کا ما قبل مفتوح نہ ہو جیسے اضربوا، اضربن سے

اور اِضْرَبِنْ سے اِضْرَبِي اور اِغْرِنُونِ خفیفہ کا ماقبل مفتوح ہو تو حالت وقف میں نون الف سے بدل جاتا ہے تنوین پر قیاس کرتے ہوئے کہ جس طرح وہ حرف جس پر تنوین مفتوح ہو حالت وقف میں الف سے بدل جاتا ہے، اسی طرح نون خفیفہ ماقبل فتح ہونے کی صورت میں حالت وقف میں الف سے بدل جائے گا، پس اِضْرَبِنْ وَقْفًا اِضْرَبَا ہو جائے گا۔

فِيَا حَنَّانُ وَيَا مَنَّانُ لَكَ الْحَمْدُ وَالْمُنَّةُ عَلَى الْعَبْدِ الْفَقِيرِ فِي
الْبَدَايَةِ وَالنَّهَائَةِ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ وَهُوَ حَسْبِي وَنَعْمَ الْوَكِيلُ.

عتیق الرحمن احمد قاسمی بہراپنچی

بروز دوشنبہ ۲۱/۱۰/۱۴۲۶ھ



مكة عتيق يوم اسلامية

اقرأ سنتر عرن سكرت. اردو بازار لاهور
فون: 042-7224228-7355743